شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴ / ۹۷۰-۳۰۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

نام کتاب	:	میلاد النبی ﷺ
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	محمد علی قادری، محمد فاروق رانا
نظرِ ثانی	:	ڈاکٹر علی اَکبر الازہری
پروف ریڈنگ	:	ضیاء نیّر، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام	:	فرید ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اپریل 2004ء (1,100)
اِشاعتِ دُوُم	:	مارچ 2005ء (1,100)
اِشاعتِ سوُم	:	مارچ 2006ء (1,100)
اِشاعتِ چہارُم	:	مارچ 2007ء (1,100)
اِشاعتِ پنجم	:	اپریل 2007ء (1,100)
اِشاعتِ ششم	:	فروری 2008ء (1,100)
قیمت پریمئر کاغذ	:	360/- روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

ISBN 969-32-0467-0

نام کتاب : میلاد النبی ﷺ
تصنیف : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین : محمد علی قادری، محمد فاروق رانا
نظرِ ثانی : ڈاکٹر علی اَکبر الازہری
پروف ریڈنگ : ضیاء نیّر، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام : فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل : اپریل 2004ء (1,100)
اِشاعتِ دُوُم : مارچ 2005ء (1,100)
اِشاعتِ سوُم : مارچ 2006ء (1,100)
اِشاعتِ چہارُم : مارچ 2007ء (1,100)
اِشاعتِ پنجم : اپریل 2007ء (1,100)
اِشاعتِ ششم : فروری 2008ء (1,100)

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ ڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

اِجمالی فہرست

عنوانات	صفحات
✿ اِبتدائیہ	۳۵
باب اَوّل	
جشنِ میلاد النبی ﷺ اور شعائرِ اِسلام ﴿تاریخی تناظر میں﴾	۵۱
باب دُوُم	
واقعاتِ مسرّت وغم کی یاد	۱۱۹
باب سوُم	
قرآن ...... تذکرۂ میلادِ اَنبیاء	۱۴۵
باب چہارُم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ کا قرآن حکیم سے اِستدلال	۱۸۵
باب پنجم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ کا اَحادیث سے اِستدلال	۲۴۷

صفحات	عنوانات
	باب ششم
۳۰۹	جشنِ میلاد النبی ﷺ ائمہ و محدثین کی نظر میں
	باب ہفتم
۴۵۱	قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے جشنِ میلاد کیوں نہیں منایا؟
	باب ہشتم
۴۹۹	جشنِ میلاد النبی ﷺ کے اَجزائے تشکیلی
	باب نہم
٦٧١	جشنِ میلاد النبی ﷺ کے نمایاں پہلوؤں پر اِجمالی نظر
	باب دہم
٦٩٧	کیا میلاد النبی ﷺ منانا بدعت ہے؟
	باب یازدہم
۷۴۹	جشنِ میلاد النبی ﷺ کی اِعتقادی حیثیت
۷۸۷	❁ مآخذ و مراجع

فہرس

مشتملات	صفحہ
❁ پیش لفظ	۳۱
❁ اِبتدائیہ	۳۵
باب اوّل	
جشنِ میلاد النبی ﷺ اور شعائرِ اِسلام ﴿تاریخی تناظر میں﴾	۵۱
قرآن حکیم کے نظامِ ہدایت میں ''یاد'' منانے کی اَہمیت	۵۳
ملتِ اِبراہیمی	۵۵
فصل اَوّل	
نمازِ پنجگانہ اَنبیاء علیہم السلام کی یادگار ہے	۶۱
۱۔ نمازِ فجر سیدنا آدم علیہ السلام کی یادگار ہے	۶۳
۲۔ نمازِ ظہر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے	۶۴

صفحہ	مشتملات
۶۴	۳۔ نمازِ عصر سیدنا عُزیر علیہ السلام کی یادگار ہے
۶۴	۴۔ نمازِ مغرب سیدنا داوٗد علیہ السلام کی یادگار ہے
۶۵	۵۔ نمازِ عشاء تاجدارِ کائنات ﷺ کی یادگار ہے
	فصل دُوُم
۶۷	جملہ مناسکِ حج اَنبیاء علیہم السلام کی یادگار ہیں
۷۰	۱۔ اِحرام انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے لباسِ حج کی یادگار ہے
۷۵	۲۔ تلبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور اس کے جواب کی یاد منانا ہے
۸۱	۳۔ طواف کرنا سنتِ انبیاء کی یاد منانا ہے
۸۶	۴۔ رمل حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اَندازِ طواف کی یاد منانا ہے
۹۰	۵۔ طواف میں اِضطباع کرنا بھی سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے
۹۲	۶۔ تقبیلِ حجرِ اَسود: حبیبِ خدا ﷺ کی ادا دہرائی جاتی ہے
۹۴	۷۔ قیامِ مقامِ اِبراہیم سیدنا اِبراہیم علیہ السلام کی یاد دلاتا ہے
۹۷	۸۔ صفا و مروہ کی سعی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی سنت ہے
۱۰۱	زَم زَم کی وجہ تسمیہ
۱۰۲	۹۔ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی یادگار ہیں

مشتملات	صفحہ
۱۰۔ عرفات و مزدلفہ میں ظہرین و مغربین کی ادائیگی سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے	۱۰۶
۱۱۔ قربانی ذبحِ اسماعیل علیہ السلام کی یاد ہے	۱۰۸
قربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں	۱۰۹
۱۲۔ کنکریاں مارنے کا عمل سنتِ ابراہیمی علیہ السلام ہے	۱۱۰
ایک اِعتراض اور اُس کا جواب	۱۱۵
باب دُوُم	
واقعاتِ مسرت و غم کی یاد	**۱۱۹**
۱۔ یومِ موسیٰ علیہ السلام منانے کی ہدایت	۱۲۲
۲۔ یومِ نوح علیہ السلام کی یاد منانا	۱۲۳
۳۔ یومِ تکمیلِ دین بہ طورِ عید منانا	۱۲۴
۴۔ مقامِ حجر سے گزرتے وقت حضور ﷺ کی ہدایات	۱۲۵
(۱) مقامِ حجر پر قومِ ثمود کے کنویں سے پانی پینے کی ممانعت	۱۲۶
(۲) حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے مشرب سے پانی پینے کا حکم	۱۲۷
(۳) حضرت صالح علیہ السلام سے منسوب اونٹنی کی یاد	۱۲۹

مشتملات	صفحہ
(۴) قومِ ثمود پر عذاب کے تصور سے کیفیاتِ غم وارد کرنے کا حکم	۱۳۰
(۵) وادیٔ حجر سے گزرتے وقت خود حضور ﷺ کا عملِ مبارک	۱۳۳
توجہ طلب نکات	۱۳۵
۵۔ اَصحابِ فیل پر عذاب کا تصور اور وادیٔ مُحَسِّر سے جلدی گزرنے کا حکم	۱۳۷
۶۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کیفیتِ غم طاری ہو جانا	۱۴۲
باب سوُم	
قرآن ...... تذکرۂ میلادِ اَنبیاء	۱۴۵
میلاد نامہ کا پس منظر	۱۴۷
تذکارِ اَنبیاء سنتِ اِلٰہیہ ہے	۱۴۸
میلادِ انبیاء علیہم السلام کی اہمیت	۱۵۶
۱۔ میلاد نامۂ آدم علیہ السلام	۱۵۸
۲۔ میلاد نامۂ موسیٰ علیہ السلام	۱۶۰
۳۔ میلاد نامۂ مریم علیہا السلام	۱۶۳
۴۔ میلاد نامۂ یحییٰ علیہ السلام	۱۶۷

مشتملات	صفحہ
۵۔ میلادنامۂ عیسیٰ علیہ السلام	۱۷۲
۶۔ میلادنامۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۷۶
میلادنامہ اَنبیاء سے میلادنامہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک	۱۸۱
باب چہارُم	
جشنِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن حکیم سے اِستدلال	۱۸۵
۱۔ جشنِ نزولِ قرآن سے اِستدلال	۱۸۹
شبِ میلاد اور شبِ قدر کا تقابل	۱۹۰
۲۔ جشنِ نزولِ خوانِ نعمت سے اِستدلال	۱۹۷
۳۔ جشنِ آزادی منانے سے اِستدلال	۱۹۸
تہذیبی تسلسل کا اَہم تقاضا	۲۰۰
۴۔ نعمتوں پر خوشی منانا سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے	۲۰۱
قابلِ غور نکتہ	۲۰۲
۵۔ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں منانے کا حکمِ خداوندی	۲۰۳
(۱) لفظ قُلْ میں مضمر قرآنی فلسفہ	۲۰۴
(ا) اِیمان باللہ سے پہلے اِیمان بالرسالت کی ناگزیریت	۲۰۵

مشتملات	صفحہ
(ب) لفظ ''قُلْ'' سے حکم کی اَہمیت اور فضیلت بڑھ جاتی ہے	۲۰۶
(۲) حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں	۲۰۷
ایک لطیف علمی نکتہ	۲۰۸
تفسیر القرآن بالقرآن	۲۰۹
(ا) وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ کا معنی	۲۱۴
(ب) ائمہ تفسیر کے نزدیک ''فَضْلُ اللهِ'' سے مراد	۲۱۵
اَئمہ تفسیر کے نزدیک فضل و رحمت کا مفہوم	۲۲۰
مولانا اَشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر	۲۲۵
(۳) فضل و رحمت کی آمد پر خوشی کیوں کر منائی جائے؟	۲۲۷
(۴) آیت میں حصر کا فائدہ	۲۲۸
(۵) ''فَبِذٰلِکَ'' کے استعمال کی حکمت	۲۲۹
(۶) نعمت کے شکرانے کا اِنفرادی و اِجتماعی سطح پر حکم	۲۳۰
(۷) آیتِ مذکورہ میں کثیر تاکیدات کا اِستعمال	۲۳۱
(۸) هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ کی تفسیر	۲۳۴
۶۔ جشنِ میلاد ...... شکرانۂ نعمتِ عظمیٰ ﷺ	۲۳۶
۷۔ نعمتوں کا شکر بجا لانا کیوں ضروری ہے؟	۲۳۷

مشتملات	صفحہ
۸۔ شکرانۂ نعمت کے معروف طریقے	۲۳۸
باب پنجم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ کا اَحادیث سے اِستدلال	۲۴۷
۱۔ اَحادیثِ یومِ عاشورہ سے جشنِ میلاد پر اِستدلال	۲۴۹
(۱) یومِ موسیٰ علیہ السلام منانے سے اِستدلال	۲۵۰
(۲) حضور ﷺ کا خود نسبتِ موسیٰ علیہ السلام کے سبب سے دن منانا	۲۵۴
(۳) یہود یومِ عاشورہ یومِ عید کے طور پر مناتے تھے	۲۵۵
(۴) عید میلاد النبی ﷺ پر حافظ عسقلانی کا اِستدلال	۲۵۸
۲۔ یومِ نوح علیہ السلام کی یاد منانے سے اِستدلال	۲۶۲
۳۔ غلافِ کعبہ کا دن عید کے طور پر منائے جانے سے اِستدلال	۲۶۴
۴۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا یومِ نزولِ عید کے طور پر منانا	۲۶۸
۵۔ فضیلتِ جمعہ کا سبب یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام ہے	۲۷۳
روزِ جمعہ کا اِہتمام برائے محفلِ درود و سلام	۲۷۷
۶۔ مقامِ میلادِ عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت و اَہمیت	۲۷۹
۷۔ حضور ﷺ نے یومِ میلاد پر روزہ رکھ کر خود خوشی کا اِظہار فرمایا	۲۸۱

مشتملات	صفحہ
۸۔ حضور ﷺ نے اپنا میلاد بکرے ذبح کر کے منایا	۲۸۳
۹۔ آمدِ مصطفیٰ ﷺ پر اِظہارِ مسرت پر کافر کے عذاب میں تخفیف	۲۸۸
کافر کے عذاب میں تخفیف کیوں؟	۲۹۹
باب ششم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ ائمہ و محدّثین کی نظر میں	**۳۰۹**
۱۔ حجۃ الدین اِمام محمد بن ظفر المکی (۴۹۷۔۵۶۵ھ)	۳۱۱
۲۔ شیخ معین الدین عمر بن محمد المَلّا (م ۵۷۰ھ)	۳۱۲
۳۔ علامہ اِبن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ)	۳۱۳
۴۔ حافظ ابو الخطاب بن دحیہ کلبی (۵۴۴۔۶۳۳ھ)	۳۱۵
۵۔ حافظ شمس الدین الجزری (م ۶۶۰ھ)	۳۱۶
۶۔ اِمام ابو شامہ (۵۹۹۔۶۶۵ھ)	۳۱۸
۷۔ امام صدر الدین موہوب بن عمر الجزری (م ۶۶۵ھ)	۳۲۰
۸۔ اِمام ظہیر الدین جعفر التزمنتی (م ۶۸۲ھ)	۳۲۱
۹۔ علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ)	۳۲۱
۱۰۔ اِمام ابو عبد اللہ بن الحاج المالکی (م ۷۳۷ھ)	۳۲۲

صفحہ	مشتملات
۳۳۰	۱۱۔ اِمام شمس الدین الذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)
۳۳۲	۱۲۔ امام کمال الدین الاَدفوی (۶۸۵۔۷۴۸ھ)
۳۳۴	۱۳۔ اِمام تقی الدین ابوالحسن السبکی (۶۸۳۔۷۵۶ھ)
۳۳۵	۱۴۔ اِمام عماد الدین بن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ)
۳۳۶	سلطان صلاح الدین ایوبی کے بہنوئی شاہ ابوسعید المظفر کا جشنِ میلاد
۳۴۱	۱۵۔ اِمام برہان الدین بن جماعہ (۷۲۵۔۷۹۰ھ)
۳۴۱	۱۶۔ زین الدین ابن رجب الحنبلی (۷۳۶۔۷۹۵ھ)
۳۴۳	۱۷۔ اِمام ولی الدین ابو زرعہ العراقی (۷۶۲۔۸۲۶ھ)
۳۴۴	۱۸۔ حافظ شمس الدین محمد الدمشقی (۷۷۷۔۸۴۲ھ)
۳۴۵	۱۹۔ امام ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ)
۳۴۸	۲۰۔ امام شمس الدین السخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ)
۳۵۰	۲۱۔ اِمام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ)
۳۵۳	۲۲۔ امام شہاب الدین ابوالعباس قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ)
۳۵۶	۲۳۔ اِمام نصیر الدین بن طباخ
۳۵۷	۲۴۔ امام جمال الدین بن عبد الرحمٰن کتانی

مشتملات	صفحہ
۲۵۔ اِمام یوسف بن علی بن زُریق الشامی	۳۵۸
۲۶۔ اِمام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م۹۴۲ھ)	۳٦۰
۲۷۔ شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی المکی (۹۰۹۔۹۷۳ھ)	۳٦۰
۲۸۔ امام محمد بن جار اللہ بن ظہیرہ الحنفی (م ۹۸٦ھ)	۳٦۱
۲۹۔ علامہ قطب الدین الحنفی (م ۹۸۸ھ)	۳٦۳
۳۰۔ ملا علی القاریؒ کی تحقیق (م۱۰۱۴ھ)	۳٦۵
۳۱۔ حضرت مجدد الف ثانی (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ)	۳٦۸
۳۲۔ اِمام علی بن اِبراہیم الحلبی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)	۳٦۹
۳۳۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ)	۳٦۹
۳۴۔ اِمام محمد الزرقانی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ء)	۳۷۲
۳۵۔ شاہ عبد الرحیم دہلوی (۱۰۵۴۔۱۱۳۱ھ)	۳۷۴
۳٦۔ شیخ اِسماعیل حقی (۱۰٦۳۔۱۱۳۷ھ)	۳۷۵
۳۷۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ)	۳۷۵
۳۸۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹۔۱۲۳۹ھ)	۳۷۷
۳۹۔ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی (۱۱٦۵۔۱۲۴۲ھ)	۳۷۷

مشتملات	صفحہ
۴۰۔ شاہ احمد سعید مجددی دہلوی (م ۱۲۷۷ھ)	۳۷۹
۴۱۔ مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸۔۱۲۷۹ھ)	۳۸۰
۴۲۔ مولانا احمد علی سہارن پوری (م ۱۲۹۷ھ)	۳۸۱
۴۳۔ سید احمد بن زینی دحلان (۱۲۳۳۔۱۳۰۴ھ)	۳۸۳
۴۴۔ مولانا عبد الحی لکھنوی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ)	۳۸۳
۴۵۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ)	۳۸۴
۴۶۔ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی (۱۲۳۳۔۱۳۱۷ھ)	۳۸۵
۴۷۔ علامہ وحید الزماں (م ۱۳۳۸ھ)	۳۸۷
۴۸۔ اِمام یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)	۳۸۸
۴۹۔ حکیم الامت علامہ محمد اِقبال (۱۲۹۴۔۱۳۵۷ھ)	۳۹۱
۵۰۔ مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ)	۳۹۲
۵۱۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی (و ۱۳۴۱ھ)	۳۹۵
۵۲۔ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی	۳۹۵
۵۳۔ شیخ محمد رضا مصری کی تحقیق	۳۹۶
۵۴۔ علمائے دیوبند کا متفقہ فیصلہ (۱۳۲۵ھ)	۳۹۹

مشتملات	صفحہ
بلادِ اِسلامیہ میں جشنِ میلاد النبی ﷺ کی تاریخ	۴۰۲
۱۔ مکہ مکرمہ میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد	۴۰۵
مکہ معظّمہ میں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کا آنکھوں دیکھا حال	۴۱۰
۲۔ مدینہ منورہ میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد	۴۱۳
۳۔ مصر اور شام میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد	۴۱۴
۴۔ قوص میں جشنِ میلاد النبی ﷺ	۴۱۷
۵۔ اندلس اور روم میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد	۴۱۸
۶۔ بلادِ ہند (برصغیر پاک و ہند) میں جشنِ میلاد النبی ﷺ	۴۱۹
میلاد النبی ﷺ پر لکھی جانے والی گراں قدر تصانیف	۴۲۳
باب ہفتم	
قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے جشنِ میلاد کیوں نہیں منایا؟	۴۵۱
۱۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے حضور ﷺ کا سانحۂ اِرتحال اِنتہائی غم انگیز تھا	۴۵۳
اِنسانی فطرت لمحاتِ غم میں خوشی کا کھلا اِظہار نہیں کرنے دیتی	۴۵۴

مشتملات	صفحہ
۲۔ کیفیاتِ غم کی شدت قرونِ اُولیٰ میں جشن منانے میں مانع تھی	۴۵۴
(۱) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا	۴۵۵
(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل	۴۵۶
(۳) سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا اِظہارِ غم	۴۶۰
(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اِحساساتِ غم	۴۶۹
(۵) فراقِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ غم	۴۷۲
(۶) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کیفیتِ غم	۴۷۷
(۷) فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی	۴۷۸
(۸) وِصالِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اِظہارِ غم کے دیگر واقعات	۴۷۹
(۹) وِصالِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سواری کا غم	۴۸۱
۳۔ ماہِ ربیع الاوّل میں خوشی و غم باہم گلے مل جاتے	۴۸۲
۴۔ ولادت کی خوشی غمِ وصال پر بعد ازاں غالب آتی گئی	۴۸۲
۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور رِحلت دونوں رحمت ہیں	۴۸۳
۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اُمت کے لیے باعثِ شفاعت ہے	۴۸۵
۷۔ نعمت پر شکر بجا لانا حکمِ خداوندی ہے	۴۸۷

مشتملات	صفحہ
۸۔ دستِ کرم ہے سر پہ تو غم کس لیے کریں	۴۸۸
۹۔ حضور ﷺ کی نبوت تا قیامت جاری ہے	۴۹۰
۱۰۔ اِظہارِ خوشی بدعت نہیں تقاضائے فطرت ہے	۴۹۱
۱۱۔ قرونِ اُولیٰ میں جشنِ مسرت منانے کا کلچر عام نہ تھا	۴۹۴
نئے دور کے نئے تقاضے	۴۹۸
باب ہشتم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ کے اَجزائے تشکیلی	۴۹۹
فصل اَوّل	
مجالس و اِجتماعات کا اِہتمام	۵۰۳
۱۔ حضور ﷺ کا اپنی ولادت سے قبل اپنی تخلیق کا تذکرہ	۵۰۵
۲۔ حضور ﷺ کا اپنے میلاد کے بیان کے لیے اِہتمامِ اِجتماع	۵۰۶
۳۔ بیانِ شرف و فضیلت کے لیے اِہتمامِ اِجتماع	۵۱۱
فصل دُوُم	
بیانِ سیرت و فضائلِ رسول ﷺ	۵۱۷

مشتملات	صفحہ
۱۔ اَحکامِ شریعت کا بیان	۵۱۹
۲۔ تذکارِ خصائلِ مصطفیٰ ﷺ	۵۱۹
۳۔ تذکارِ شمائلِ مصطفیٰ ﷺ	۵۲۰
۴۔ تذکارِ خصائص و فضائلِ مصطفیٰ ﷺ	۵۲۱
۵۔ ذکرِ وِلادت اور روحانی آثار و علائم کا تذکرہ	۵۲۵
فصل سُوم	
مدحت و نعتِ رسول ﷺ	**۵۲۷**
۱۔ قرآن میں نعتِ مصطفیٰ ﷺ	۵۲۹
۲۔ حضور ﷺ نے خود اپنی نعت سنی	۵۴۱
(۱) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نعت سننا	۵۴۱
(۲) حضرت اَسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے نعت سننا	۵۴۶
(۳) حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے نعت سننا	۵۴۷
(۴) حضرت عامر بن اَکوع رضی اللہ عنہ سے مجمع عام میں نعتیہ اَشعار سننا	۵۴۹
(۵) حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے نعت سننا	۵۵۱
(۶) حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے نعت سننا اور آپ ﷺ کا اُنہیں چادر عطا فرمانا	۵۵۳

مشتملات	صفحہ
(۷) حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ سے نعت سننا	۵۵۶
(۸) اَنصار کی بچیوں کی دف پر نعت خوانی	۵۵۷
(۹) امام بوصیریؒ کو نعتیہ قصیدہ لکھنے پر بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے چادر اور شفایابی کا تحفہ عطا ہوا	۵۵۹
حضور ﷺ کے ثناء خواں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست	۵۶۱
فصل چہارُم	
صلوٰۃ وسلام	**۵۷۳**
۱۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا اللہ تعالیٰ کی سنت اور حکم ہے	۵۷۵
۲۔ سلام کی اَہمیت	۵۷۷
۳۔ سلام کی مستقل حیثیت	۵۸۳
(۱) حمد کی قبولیت بہ واسطۂ سلام	۵۸۴
(۲) تشہد میں سلام	۵۸۵
(۳) صلوٰۃ کے بعد سلام بھیجنے کا حکمِ نبوی ﷺ	۵۸۶
۴۔ درود وسلام کی بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں رسائی	۵۸۷
(۱) درود وسلام کا بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں براہِ راست پہنچنا	۵۸۸

صفحہ	مشتملات
۵۹۱	(۲) درود و سلام براہِ راست حضور ﷺ سماعت کرتے ہیں
۵۹۳	(۳) حضور ﷺ سلام کا جواب بھی عطا فرماتے ہیں
۵۹۴	(۴) ملائکہ کا بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں سلام پیش کرنا
	فصل پنجم
۵۹۹	قیام
۶۰۱	۱۔ کیا قیام صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے خاص ہے؟
۶۰۲	(۱) عبادت کی مختلف حالتیں فی نفسہٖ عبادت نہیں
۶۰۳	(۲) قیام عبادت ہے تو نماز کی باقی حالتیں کیا ہیں؟
۶۰۴	(۳) کس طرح کا قیام عبادت ہے؟
۶۰۴	۲۔ قیام اَز رُوئے سنت جائز ہے
۶۰۵	۳۔ اَقسامِ قیام
۶۰۵	(۱) قیامِ اِستقبال
۶۰۷	(۲) قیامِ محبت
۶۰۹	(۳) قیامِ فرحت
۶۱۲	(۴) قیامِ تعظیم

مشتملات	صفحہ
(ا) قیامِ اِستقبال اور قیامِ تعظیم میں فرق	۶۱۲
(ب) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے لیے تعظیماً قیام کا معمول	۶۱۳
(ج) نماز اللہ کے لیے اور اِقامت مصطفیٰ ﷺ کے لیے	۶۱۶
(۵) قیامِ اِکرامِ اِنسانی	۶۲۵
(۶) قیامِ ذکر	۶۲۸
ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ذکرِ خدا ہے	۶۳۰
(۷) قیامِ صلوٰۃ و سلام	۶۳۱
(ا) صلوٰۃ کا معنی...... درود و سلام	۶۳۳
(ب) صلوٰۃ کے لغوی معانی	۶۳۵
(ج) لغوی معانی کا اِطلاق	۶۳۶
قیامِ میلاد لمحہ موجود میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لیے نہیں ہوتا	۶۴۰
قیامِ میلاد دراصل قیامِ فرحت و مسرت ہے	۶۴۲
ممانعتِ قیام کے اَسباب	۶۴۴
فصل ششم	
اِہتمامِ چراغاں	۶۴۷
اُتر آئے ستارے قمقمے بن کر	۶۵۱

مشتملات	صفحہ
جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر مکہ مکرّمہ میں چراغاں	۶۵۳
فصل ہفتم	
اِطعام الطعام (کھانا کھلانا)	۶۵۷
۱۔ قرآن حکیم میں کھانا کھلانے کی فضیلت	۶۵۹
۲۔ اَحادیثِ مبارکہ میں کھانا کھلانے کی ترغیب	۶۶۱
فصل ہشتم	
جلوسِ میلاد	۶۶۵
باب نہم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ کے نمایاں پہلوؤں پر اِجمالی نظر	۶۷۱
۱۔ شرعی پہلو (Shariah Aspect)	۶۷۵
(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکیر	۶۷۵
(۲) یومِ نزولِ مائدہ کو بہ طورِ عید منانا	۶۷۷
۲۔ تاریخی پہلو (Historical Aspect)	۶۷۸

مشتملات	صفحہ

۳۔ ثقافتی پہلو (Cultural Aspect)	۶۸۱
۴۔ تربیتی پہلو (Instructional Aspect)	۶۸۵
والدین کی بنیادی ذمہ داری	۶۸۶
حفاظتِ ایمان کا طریقہ	۶۸۷
۵۔ دعوتی وتبلیغی پہلو (Dawah Aspect)	۶۸۸
۶۔ ذوقی وحِسّی پہلو (Motivati onal Aspect)	۶۸۹
اَعمال کی ظاہری اور باطنی جہت	۶۹۰
اَعمال کی روح محبتِ رسول ﷺ ہے	۶۹۲
۷۔ رُوحانی وتوسّلی پہلو (Spiritual Aspect)	۶۹۴
باب دہم	
کیا میلادالنبی ﷺ منانا بدعت ہے؟	**۶۹۷**
بدعت کا لغوی مفہوم	۶۹۹
معنیٔ بدعت کی قرآن حکیم سے توثیق	۷۰۰
بدعت کا اِصطلاحی مفہوم	۷۰۱
کیا علاقائی ثقافت کا ہر پہلو بدعت ہے؟	۷۰۳

مشتملات	صفحہ
۱۔ ثقافتی اِعتبار سے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم	۷۰۴
۲۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثقافتی مظاہر	۷۰۴
(۱) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر جلوس نکالنا ثقافت کا حصہ ہے	۷۰۴
(۲) محفلِ میلاد میں کھڑے ہوکر سلام پڑھنا ثقافت کا حصہ ہے	۷۰۵
(۳) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آرائش و زیبائش ثقافت کا حصہ ہے	۷۰۶
بدعت کا حقیقی تصور	۷۰۷
مغالطہ کا اِزالہ اور فَھُوَ رَدٌّ کا درست مفہوم	۷۰۹
عہدِ نبوی میں اِحداث فی الدین سے مراد	۷۱۱
عہدِ خلفائے راشدین میں رُونما ہونے والے محدثات الامور	۷۲۰
۱۔ فتنہ دعویٔ نبوت کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا	۷۲۰
۲۔ فتنہ اِرتداد کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا	۷۲۰
۳۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا	۷۲۰
۴۔ فتنۂ خوارج کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا	۷۲۱
آج ’محدثات الامور‘ کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟	۷۲۴
تصورِ بدعت آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں	۷۲۶
۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل	۷۲۶

مشتملات	صفحہ
۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتداء	۲۷ے
۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اذان	۲۹ے
تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات	۳۰ے
۱۔ اِسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ	۳۰ے
۲۔ تعمیرِ مساجد کا مسئلہ	۳۱ے
۳۔ قرآن حکیم کا ترجمہ وتفسیر	۳۱ے
اَئمہ ومحدثین کی بیان کردہ اَقسامِ بدعت	۳۲ے
۱۔ اِمام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)	۳۲ے
۲۔ شیخ عز الدین بن عبد السلام (۵۷۷۔۶۶۰ھ)	۳۳ے
۳۔ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ)	۳۴ے
کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة کا صحیح مفہوم	۳۵ے
تقسیمِ بدعت	۳۷ے
۱۔ بدعتِ حسنہ کی اَقسام	۳۷ے
(۱) بدعتِ واجبہ	۳۷ے
(۲) بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)	۳۷ے
(۳) بدعتِ مباحہ	۳۸ے

مشتملات	صفحہ
۲۔ بدعتِ سیئہ کی اقسام	۴۳۹
(۱) بدعتِ محرّمہ	۴۳۹
(۲) بدعتِ مکروہہ	۴۳۹
تقسیمِ بدعت پر متنِ حدیث سے اِستشہاد	۴۳۹
قرآن وحدیث میں جشنِ میلاد کی اَصل موجود ہے	۴۴۲
جمہور اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی	۴۴۲
دین کی اَصل روح کو سمجھنا ضروری ہے	۴۴۷
باب یازدہم	
جشنِ میلاد النبی ﷺ کی اِعتقادی حیثیت	۴۴۹
۱۔میلاد النبی ﷺ کی اِصطلاح کا اِستعمال	۴۵۱
(۱) کتبِ لغت میں لفظِ میلاد کا اِستعمال	۴۵۲
(۲) کتبِ اَحادیث وسیر میں لفظِ میلاد کا اِستعمال	۴۵۲
(۳) تصانیف میں لفظِ میلاد کا اِستعمال	۴۵۶
۲۔جشنِ میلاد النبی ﷺ عیدِ مسرّت ہے عیدِ شرعی نہیں	۴۵۷
۳۔ بیانِ فضائل ومیلادِ مصطفیٰ ﷺ میں اَئمہ حدیث کا اُسلوب	۴۶۰

صفحہ	مشتملات
۷۶۳	کتاب المناقب کی ترتیبِ اَبواب میں اِمام ترمذی کا اُسلوب
۷۶۶	۴۔ بیانِ فضائل و میلادِ مصطفیٰ ﷺ میں سیرت و تاریخ نگاروں کا اُسلوب
۷۶۹	۵۔ میلاد النبی ﷺ پر شرعی دلیل طلب کرنے والوں کی خدمت میں
۷۷۳	۶۔ میلاد منانا عملِ توحید ہے
۷۷۴	۷۔ جشنِ میلاد النبی ﷺ پر خرچ کرنا اِسراف نہیں
۷۷۷	۸۔ شوکت وعظمتِ اِسلام کے لیے اِنتظامات
۷۷۹	۹۔ محافلِ میلاد کے اِنعقاد کے تقاضے
۷۸۲	۱۰۔ اِصلاح طلب پہلو
۷۸۵	۱۱۔ اِفراط وتفریط سے اِجتناب کی ضرورت
۷۸۷	❁ مآخذ ومراجع

پیش لفظ

حسنِ مطلق نے اَزل سے اِس کائنات کو اِس قدر دِل کش و رَعنا اور حسن و جمال کی جلوہ آرائیوں کا مرقع بنایا ہے کہ اس کے جاذبِ نظر ماحول میں اِنساں بے اِختیار گم ہوجاتا ہے۔ عالمِ آفاق کے خارجی مظاہر قدم قدم پر دامن کشِ دل ہوتے ہیں۔ اگر چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو اِن مظاہرِ کائنات کی اَصل نورِ محمدی ﷺ ہے جو اَمرِ کُنْ کا نقشِ اَوّل ہے۔ ربِ کائنات نے اپنے حبیبِ مکرّم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی ذات کا مظہرِ کامل بنا کر کائنات میں مبعوث فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ظہورِ بشری بارہ ربیع الاوّل کو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے گھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود میں ہوا، جس سے تاریخِ عالم ایک ایسے دور میں داخل ہوئی جس نے نئی تہذیب و تمدن کو جنم دیا اور کہولت و فرسودگی کے تمام آثار دیکھتے ہی دیکھتے ماند پڑ گئے، صنم کدۂ جہاں سے شرک و اِلحاد اور کفر و جہالت کی تمام ظلمتیں مٹ گئیں، شبستانِ عالم میں توحیدِ باری کی ایسی شمع روشن ہوئی جس سے تشکیک و گمراہی کے سارے اندھیرے اپنی موت مرگئے۔

ذکرِ مصطفیٰ ﷺ اَزل تا اَبد جاری و ساری ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کا چرچا آپ ﷺ کو وجود میں لانے سے بھی بہت پہلے کر دیا تھا۔ عرشِ بریں پر اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام رقم کیا۔ جنت کے پتے پتے پر آپ ﷺ کا اِسم گرامی جلوہ گر رہا۔ فرشتے آپ ﷺ کا نام جپتے رہے۔ آج اگر اُمتِ مسلمہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے واقعات کو تصوّر و تخیل میں لا کر آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں محافل کا اِنعقاد کرتی ہے تو یہ اُسی نوری سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو اَزل تا اَبد جاری رہے گا۔ یہ محبوب و پسندیدہ عمل ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی میں ضیافت کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، روشنیوں کا اِہتمام کرنا، قمقمے روشن کرنا، مشعل بردار جلوس نکالنا اور دل کھول

کر خرچ کرنا بارگاہِ اِلٰہی میں مقبول اور اُس کی رضا کا باعث ہے۔ اُمتی حضور ﷺ کی ولادت پر خوش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہوگا۔

زیرِ نظر کتاب، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلّہ العالی کے اِس موضوع پر ہونے والے پُر مغز خطابات و دروس سے مدوّن کی گئی ہے، جسے بجا طور پر اِس موضوع کا اِنسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ اِن خطبات و دروس میں حضرت شیخ الاسلام مد ظلّہ العالی نے میلاد النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر قرآن وسنت، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ اَئمہ ومحدّثین کی روشنی میں اِنتہائی جامع اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ یوں پہلی مرتبہ میلاد النبی ﷺ پر دلائلِ شرعیہ اس حسنِ ترتیب سے یکجا ہوگئے ہیں اور اِس ضخیم کتاب کی صورت میں اہلِ علم و دانش کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اِس کتاب کی اَہمیت و افادیت اور علمی ثقاہت کا اندازہ اس کے مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکے گا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ قبل ازیں اِس موضوع پر حضرت شیخ الاسلام کی تصنیف ''جشن میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت'' ایک طویل عرصہ تک طبع ہوتی اور عوامی و علمی حلقوں میں پسند کی جاتی رہی۔ اِس کتاب کو آپ کے دروس وخطبات سے محترم ڈاکٹر علی اَکبر الازہری نے مرتب کیا تھا، تاہم اب اس کی منتخب اَبحاث کتاب ہٰذا میں ضم کر دی گئی ہیں۔ کتاب ہٰذا کی ترتیب و تدوین میں محترم محمد تاج الدین کالامی اور پروف خوانی میں محترم محمد وسیم الشّحمی کی معاونت بھی شامل رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیبِ مکرّم ﷺ کے نعلین مقدّسہ کی خیرات عطا فرمائے اور آپ ﷺ کے میلاد پاک کے فیوضات سے نوازے۔ (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)۔

محمد علی قادری

(سینئر رِیسرچ اسکالر)

فرید ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ، لاہور

۱۵ صفر المظفر، ۱۴۲۸ھ بمطابق ۵ مارچ، ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”فرما دیجئے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ (خوشی منانا) اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں٥“

(القرآن، یونس، ۱۰: ۵۸)

اِبتدائیہ

جشنِ میلاد النبی ﷺ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخی خوشی میں مسرت وشادمانی کا اظہار ہے اور یہ ایسا مبارک عمل ہے جس سے ابولہب جیسے کافر کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر ابولہب جیسے کافر کو میلاد النبی ﷺ کی خوشی میں ہر پیر کو عذاب میں تخفیف نصیب ہوسکتی ہے تو اُس مومن مسلمان کی سعادت کا کیا ٹھکانا ہوگا جس کی زندگی میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں منانے میں بسر ہوتی ہو۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ خود بھی اپنے یومِ ولادت کی تعظیم فرماتے اور اِس کائنات میں اپنے ظہور وجود پر سپاس گزار ہوتے ہوئے پیر کے دن روزہ رکھتے۔ آپ ﷺ کا اپنے یوم ولادت کی تعظیم وتکریم فرماتے ہوئے تحدیثِ نعمت کا شکر بجا لانا حکم خداوندی تھا کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہی کے وجودِ مسعود کے تصدق وتوسل سے ہر وجود کو سعادت ملی ہے۔

جشنِ میلاد النبی ﷺ کا عمل مسلمانوں کو حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام جیسے اَہم فرائض کی رغبت دلاتا ہے اور قلب ونظر میں ذوق وشوق کی فضاء ہموار کرتا ہے۔ صلوۃ و سلام بذات خود شریعت میں بے پناہ نوازشات و برکات کا باعث ہے۔ اس لیے جمہور اُمت نے میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد مستحسن سمجھا۔

سیرتِ طیبہ کی اَہمیت اُجاگر کرنے اور جذبۂ محبتِ رسول ﷺ کے فروغ کے لیے محفلِ میلاد کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اِسی لیے جشنِ میلاد النبی ﷺ میں فضائل، شمائل، خصائل اور معجزاتِ سید المرسلین ﷺ کا تذکرہ اور اُسوۂ حسنہ کا بیان ہوتا ہے۔

جشنِ میلاد النبی ﷺ کا ایک اہم مقصد محبت و قربِ رسول اللہ ﷺ کا حصول وفروغ اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے مسلمانوں کے تعلق کا اِحیاء ہے اور یہ اِحیاء منشاءِ شریعت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات کی معرفت ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت میں اضافہ کا محرک بنتی ہے۔ آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر ایمان کا پہلا بنیادی تقاضا ہے اور میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے سلسلہ میں مسرت و شادمانی کا اظہار کرنا، محافلِ ذکر و نعت کا انعقاد کرنا اور کھانے کا اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گزاری کے سب سے نمایاں مظاہر میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لیے مبعوث فرما کر ہمیں اپنے بے پایاں احسانات وعنایات اور نوازشات کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس احسانِ عظیم کو جتلایا ہے۔

جس طرح ماہِ رمضان المبارک کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم کی عظمت و شان کے طفیل دیگر تمام مہینوں پر امتیاز عطا فرمایا ہے اُسی طرح ماہ ربیع الاول کے اِمتیاز اور اِنفرادیت کی وجہ بھی اس میں صاحبِ قرآن کی تشریف آوری ہے۔ یہ ماہ مبارک حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے صدقے جملہ مہینوں پر نمایاں فضیلت اور امتیاز کا حامل ہے۔ شبِ میلادِ رسول ﷺ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے۔ لیلۃ القدر میں نزولِ قرآن ہوا تو شبِ میلاد میں صاحبِ قرآن کی آمد ہوئی۔ لیلۃ القدر کی فضیلت اس لیے ہے کہ وہ نزولِ قرآن اور نزولِ ملائکہ کی رات ہے اور نزولِ قرآن قلبِ مصطفیٰ ﷺ پر ہوا ہے۔ اگر حضور نبی اکرم ﷺ نہ ہوتے تو نہ قرآن ہوتا، نہ شبِ قدر ہوتی، نہ کوئی اور رات ہوتی۔ یہ ساری فضیلتیں اور عظمتیں میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا صدقہ ہیں۔ پس شبِ میلاد النبی ﷺ شبِ قدر سے بھی افضل ہے۔

اس کائناتِ انسانی پر اللہ رب العزت نے بے حد وحساب احسانات و انعامات فرمائے۔ انسان پر بے پایاں نوازشات اور مہربانیاں کیں اور یہ سلسلہ ابد الاباد تک جاری و

ساری رہے گا۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے ہمیں لاتعداد نعمتوں سے نوازا جن میں سے ہر نعمت دوسری سے بڑھ کر ہے لیکن اس نے کبھی کسی نعمت پر احسان نہیں جتلایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں لذت و توانائی سے بھرپور طرح طرح کے کھانے عطا کیے مگر اس کا کوئی احسان نہیں جتلایا، پینے کے لیے خوش ذائقہ مختلف مشروبات دیے، دن رات کا ایک ایسا نظام الاوقات دیا جو سکون و آرام فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرتا ہے، سمندروں، پہاڑوں اور خلائے بسیط کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور ہمارے سر پر بزرگی و عظمت کا تاج رکھا؛ والدین، بہن، بھائی اور اولاد جیسی نعمتوں کی اَرزانی فرمائی؛ عالمِ اَنفس و آفاق کو اپنی ایسی عطاؤں اور نوازشوں سے فیض یاب کیا کہ ہم ان کا ادراک کرنے سے بھی قاصر ہیں لیکن ان سب کے باوجود اس نے بطور خاص ایک بھی نعمت کا احسان نہیں جتلایا کہ وہ رب العالمین ہونے کے اعتبار سے بلاتمیز مومن و کافر سب پر یکساں شفیق ہے اور اس کا دامنِ عاطفت ہر ایک کو اپنے سایہ رحمت میں رکھے ہوئے ہے۔ لیکن ایک نعمت ایسی تھی کہ خدائے بزرگ و برتر نے جب اسے اپنے حریمِ کبریائی سے نوعِ اِنسانی کی طرف بھیجا تو پوری کائناتِ نعمت میں صرف اس پر اپنا اِحسان جتلایا اور اس کا اظہار بھی عام پیرائے میں نہیں کیا بلکہ اہلِ ایمان کو اس کا احساس دلایا۔ مومنین سے روئے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔(۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے عظمت والا رسول (ﷺ) بھیجا۔“

اِسلام میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم پر شکر بجا لانا تقاضائے عبودیت و بندگی ہے، لیکن قرآن نے ایک مقام پر اس کی جو حکمت بیان فرمائی ہے وہ خاصی معنی خیز ہے۔ ارشاد فرمایا:

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۶۴

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ○(1)

’’اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اِضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے○‘‘

اِس آیہ کریمہ کی رُو سے نعمتوں پر شکر بجا لانا مزید نعمتوں کے حصول کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ پھر نعمتوں پر شکرانہ صرف اُمتِ محمدیہ ﷺ پر ہی واجب نہیں بلکہ اُممِ سابقہ کو بھی اس کا حکم دیا جاتا رہا۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۴۷ میں بنی اسرائیل کو وہ نعمت یاد دلائی گئی جس کی بدولت انہیں عالم پر فضیلت حاصل ہوگئی اور پھر اس قوم کو فرعونی دور میں ان پر ٹوٹنے والے ہول ناک عذاب کی طرف متوجہ کیا گیا جس سے رہائی ان کے لیے ایک عظیم نعمت کی صورت میں سامنے آئی۔ اِس کے بعد فرمایا:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔(2)

’’اور (اے آلِ یعقوب! اپنی قومی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں قومِ فرعون سے نجات بخشی جو تمہیں اِنتہائی سخت عذاب دیتے تھے۔‘‘

اِس قرآنی اِرشاد کی روشنی میں غلامی و محکومی کی زندگی سے آزادی بہت بڑی نعمت ہے جس پر شکر بجا لانا آنے والی نسلوں پر واجب ہے۔ اِس سے اِستدلال کرتے ہوئے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قومی آزادی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی نعمتِ غیر مترقبہ سمجھیں اور اس پر شکرانہ ادا کریں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ اِس اَمر پر شاہد ہے کہ نعمت کے شکرانے کے طور پر باقاعدگی کے ساتھ بالاہتمام خوشی و مسرت کا اظہار اس لیے بھی ضروری ہے کہ آئندہ نسلوں کو اِس نعمت کی قدر و قیمت اور اَہمیت سے آگاہی ہوتی رہے۔

(۱) إبراهيم، ۱۴: ۷

(۲) البقرة، ۲: ۴۹

یوں تو اِنسان سارا سال نعمتِ اِلٰہی پر خدا کی ذات کریمہ کا شکر ادا کرتا رہتا ہے لیکن جب گردشِ اَیام سے وہ دن دوبارہ آتا ہے جس میں من حیث القوم اس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور مذکورہ نعمت اس کے شریک حال ہوئی تو خوشی کی کیفیات خود بخود جشن کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ قرآن مجید میں جا بجا اس کا تذکرہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کو فرعونی ظلم و ستم اور اس کی چیرہ دستیوں سے آزادی ملی اور وہ نیل کی طوفانی موجوں سے محفوظ ہوکر وادئ سینا میں پہنچے تو وہاں ان کا سامنا شدید گرمی اور تیز چلچلاتی دھوپ سے ہوا تو ان پر بادلوں کا سائبان کھڑا کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسی نعمت تھی جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں کیا گیا ہے:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی۔(۱)

''اور (یاد کرو) جب (تم فرعون کے غرق ہونے کے بعد شام کو روانہ ہوئے اور وادئ تِیہ میں سرگرداں پھر رہے تھے تو) ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیے رکھا اور ہم نے تم پر مَنّ و سلوٰی اتارا۔''

قرآن مجید نے دیگر مقامات پر خاص خاص نعمتوں کا ذکر کرکے ان ایام کے حوالے سے انہیں یاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔ پھر نعمتوں پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا سنت انبیاء علیہم السلام بھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے لیے نعمتِ مائدہ طلب کی تو اپنے رب کے حضور یوں عرض گزار ہوئے:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ۔(۲)

''اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۵۷

(۲) القرآن، المائدة، ۵: ۱۱۴

کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید (یعنی خوشی کا دن) ہوجائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی) اور (وہ خوان) تیری طرف سے (تیری قدرتِ کاملہ کی) نشانی ہو۔‘‘

قرآن مجید نے اس آیہ کریمہ کے ذریعے اپنے نبی کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ کو یہ تصور دیا ہے کہ جس دن نعمتِ اِلٰہی کا نزول ہوا اس دن جشن منانا شکرانۂ نعمت کی مستحسن صورت ہے۔ اِس آیت سے یہ مفہوم بھی مترشح ہے کہ کسی نعمت کے حصول پر خوشی وہی مناتے ہیں جن کے دل میں اپنے نبی کی محبت جاگزیں ہوتی ہے اور وہ اِس کے اِظہار میں نبی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت پر شکر بجالانے کا ایک معروف طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان حصولِ نعمت پر خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ اس کا دوسروں کے سامنے ذکر بھی کرتا رہے کہ یہ بھی شکرانۂ نعمت کی ایک صورت ہے اور ایسا کرنا قرآن حکیم کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ○[1]

’’اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں○‘‘

اِس میں پہلے ذکرِ نعمت کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو دل و جان سے یاد رکھا جائے اور زبان سے اس کا ذکر کیا جائے لیکن یہ ذکر کسی اور کے لیے نہیں فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اس کے بعد تحدیثِ نعمت کا حکم دیا کہ کھلے بندوں مخلوقِ خدا کے سامنے اس کو یوں بیان کیا جائے کہ نعمت کی اَہمیت لوگوں پر عیاں ہوجائے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ذکر کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور تحدیثِ نعمت کا تعلق مخلوق سے ہے کیوں کہ اس کا زیادہ سے زیادہ لوگوں میں چرچا کیا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

(۱) الضحیٰ، ۹۳: ۱۱

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِo(۱)

’’سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور (میری نعمتوں کا) اِنکار نہ کیا کروo‘‘

اس آیۂ کریمہ میں تلقین کی گئی ہے کہ خالی ذکر ہی نہ کرتے رہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر شکرانے کے ساتھ ایسے کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلقِ خدا بھی اس کو سنے۔ اس پر مستزاد اظہارِ تشکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نعمت پر خوشی کا اظہار جشن اور عید کی صورت میں کیا جائے۔ اُمم سابقہ بھی جس دن کوئی نعمت انہیں میسر آتی اس دن کو بطورِ عید مناتی تھیں۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے جس میں وہ بارگاہِ اِلٰہی میں یوں ملتجی ہوتے ہیں:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔(۲)

’’اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید (یعنی خوشی کا دن) ہوجائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی)۔‘‘

یہاں مائدہ جیسی عارضی نعمت پر عید منانے کا ذکر ہے۔ عیسائی لوگ آج تک اتوار کے دن اس نعمت کے حصول پر بطورِ شکرانہ عید مناتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا نزولِ مائدہ جیسی نعمت کی ولادت و بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نسبت ہوسکتی ہے؟ اس نعمتِ عظمیٰ پر تو مائدہ جیسی کروڑوں نعمتیں نثار کی جاسکتی ہیں۔

’’صحیح بخاری‘‘ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ جب ایک یہودی نے ان

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۵۲

(۲) القرآن، المائدۃ، ۵: ۱۱۴

سے پوچھا کہ کیا آپ جس دن آیت - اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ - نازل ہوئی اس دن کو بطور عید مناتے ہیں؟ اگر ہماری تورات میں ایسی آیت اترتی تو ہم اسے ضرور یومِ عید بنا لیتے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس دن اور جگہ کو جہاں یہ آیت اتری تھی خوب پہچانتے ہیں۔ یہ آیت یومِ حج اور یومِ جمعۃ المبارک کو میدانِ عرفات میں اتری تھی اور ہمارے لیے یہ دونوں دن عید کے دن ہیں۔(۱)

اس پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر تکمیلِ دین کی آیت کے نزول کا دن بطورِ عید منانے کا جواز ہے تو جس دن خود محسنِ انسانیت ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اسے بہ طور عید میلاد کیوں نہیں منایا جاسکتا؟ یہی سوال فضیلتِ یومِ جمعہ کے باب میں اَربابِ فکر و نظر کو غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

رِوایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے میلاد کی خوشی میں بکرے ذبح کر کے ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے بعد اَز بعثت اپنا عقیقہ کیا۔ اس پر امام سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) کا اِستدلال ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا عقیقہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کی ولادت کے سات دن بعد کر چکے تھے اور عقیقہ زندگی میں صرف ایک بار کیا جاتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے یہ ضیافت اپنے میلاد کے لیے دی تھی عقیقہ کے لیے نہیں۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب زیادۃ الإیمان ونقصانه، ۱: ۲۵، رقم: ۴۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب التفسیر، ۴: ۲۳۱۳، رقم: ۳۰۱۷

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ المائدۃ، ۵: ۲۵۰، رقم: ۳۰۴۳

۴۔ نسائی، السنن، کتاب الإیمان، باب زیادۃ الإیمان، ۸: ۱۱۴، رقم: ۵۰۱۲

(۲) تفصیلات کے لیے کتاب ہٰذا کا باب پنجم ملاحظہ کریں۔

کائنات میں حضور ﷺ سے بڑی نعمتِ الٰہیہ کا تصور بھی محال ہے۔ اس پر جو غیر معمولی خوشی اور سرور و اِنبساط کا اظہار کیا گیا اس کا کچھ اندازہ کتبِ سیر و تاریخ کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ ان کتابوں میں فضائل و شمائل اور خصائص کے حوالے سے بہت سی روایات ملتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ پر خوشی منائی۔

روایات شاہد ہیں کہ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کا پورا سال نادر الوقوع مظاہر اور محیر العقول واقعات کا سال تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول جاری رہا یہاں تک کہ وہ سعید ساعتیں جن کا صدیوں سے انتظار تھا گردشِ ماہ و سال کی کروٹیں بدلتے بدلتے اس لمحۂ منتظر میں سمٹ آئیں جس میں خالق کائنات کے بہترین شاہکار کو منصۂ شہود پر بالآخر اپنے سرمدی حسن و جمال کے ساتھ جلوہ گر ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دنیا میں آمد کے موقع پر اِس قدر چراغاں کیا کہ شرق تا غرب سارے آفاق روشن ہو گئے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُن کی والدہ نے اُن سے بیان کیا:

شهدت آمنة لمَّا وُلِدَ رسول الله ﷺ، فلمَّا ضربها المَخَاض نَظَرْتُ إلى النجوم تدلى حتى إني لأقول: إنها لتقعن عليّ. فلما ولدت خرج منها نور أضاء له البيت الذي نحن فيه والدَّار، فما شيء أنظر إليه إلا نور۔(۱)

---

(۱) ۱۔ شيباني، الآحاد والمثاني: ۱:۶۳۱، رقم: ۱۰۹۴ (أم عثمان بنت أبي العاص رضى الله عنها)

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۵:۱۴۷، ۱۸۶، رقم: ۳۵۵، ۴۵۷

۳۔ ماوردی، أعلام النبوة: ۲۴۷

۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۴۵۴

←

’’جب ولادتِ نبوی ﷺ کا وقت آیا تو میں سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے پاس تھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ ستارے آسمان سے نیچے ڈھلک کر قریب ہو رہے ہیں یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے اوپر گر پڑیں گے۔ پھر جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو سیدہ آمنہ سے ایسا نور نکلا جس سے پورا گھر جس میں ہم تھے اور حویلی جگمگ کرنے لگی اور مجھے ہر ایک شے میں نور ہی نور نظر آیا۔‘‘

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بارگاہِ رِسالت مآب ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی نبوتِ مبارکہ کی شروعات کیسے ہوئی؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

دعوة أبي إبراهيمَ، وبُشرى عيسى، ورأت أمي أنه يَخْرُجُ منها نور أضاءت منه قصور الشام۔(۱)

...... ۵۔ بيهقي، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، ۱: ۱۱۱

۶۔ أبونعيم، دلائل النبوة: ۱۳۵، رقم: ۷۶

۷۔ ابن جوزی، المنتظم فی تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۲۴۷

۸۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الكبير، ۳: ۷۹

۹۔ ابن عساکر، السيرة النبوية، ۳: ۴۶

۱۰۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۲: ۲۶۴

۱۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۲۰

۱۲۔ ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف: ۱۷۳

۱۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۵۸۳

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۲، رقم: ۲۲۳۱۵ ⟵

’’میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ اور (میری ولادت

۲۔ ابن حبان نے ’’الصحیح (۱۴: ۳۱۳، رقم: ۶۴۰۴)‘‘ میں ایک اور سند سے انہی الفاظ پر مشتمل طویل روایت بیان کی ہے۔
۳۔ بخاری نے ’’التاریخ الکبیر (۵: ۳۴۲، رقم: ۷۰۸۰ / ۱۷۳۶)‘‘ میں مختلف سند سے انہی الفاظ پر مشتمل طویل روایت بیان کی ہے۔
۴۔ بخاری نے ’’التاریخ الأوسط (۱: ۱۳، رقم: ۳۳)‘‘ میں مختلف سند سے انہی الفاظ پر مشتمل طویل روایت بیان کی ہے۔
۵۔ ابن أبی أسامہ، المسند، ۲:۸۶۷، رقم:۹۲۷
۶۔ رویاني، المسند، ۲: ۲۰۹، رقم: ۱۲۶۷
۷۔ ابن الجعد، المسند: ۴۹۲، رقم: ۳۴۲۸
۸۔ طیالسي، المسند: ۱۵۵، رقم: ۱۱۴۰
۹۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۵، رقم: ۷۷۲۹
۱۰۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۲: ۴۰۲، رقم: ۱۵۸۲
۱۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۴۶، رقم: ۱۱۳
۱۲۔ لالکائی، اعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱: ۴۲۲، ۴۲۳، رقم: ۱۴۰۴
۱۳۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۶: ۹۰
۱۴۔ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۴۸
۱۵۔ ابن عساکر، السیرة النبویة، ۱:۱۲۷
۱۶۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۲: ۲۷۵، ۳۰۶، ۳۲۲
۱۷۔ ہیثمي نے ’’مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۸: ۲۲۲)‘‘ میں کہا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔
۱۸۔ سیوطي، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، ۱: ۷۹

کے وقت) میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ اُن کے جسمِ اَطہر سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔‘‘

حضرت آمنہ اپنے عظیم نونہال کے واقعاتِ ولادت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

لما فصل منّي خرج معه نور أضاء له ما بين المشرق إلى المغرب۔(۱)

’’جب سرورِ کائنات ﷺ کا ظہور ہوا تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے شرق تا غرب سب آفاق روشن ہوگئے۔‘‘

ایک روایت میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وقتِ ولادت اُن سے ایسا نور خارِج ہوا جس کی ضوء پاشیوں سے اُن کی نگاہوں پر شام میں بصریٰ کے محلات اور بازار روشن ہوگئے یہاں تک اُنہوں نے بصریٰ میں چلنے والے اونٹوں کی گردنیں بھی دیکھ لیں۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۱۰۲
۲۔ ابن جوزي، صفوة الصفوة، ۱: ۵۲
۳۔ ابن عساكر، السيرة النبوية، ۳: ۴۶
۴۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۲: ۲۶۴
۵۔ ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف: ۱۷۲
۶۔ سيوطي، كفاية الطالب اللبيب فی خصائص الحبيب، ۱: ۷۹
۷۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المامون، ۱: ۸۳

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۱۰۲
۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۴: ۲۱۴، رقم: ۵۴۵

←

...... ۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۳۱۳، رقم: ۶۴۰۴
۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۳۱۸
۵۔ دارمی، السنن، ۱: ۲۰، رقم: ۱۳
۶۔ شيبانی، الآحاد والمثانی، ۳: ۵۶، رقم: ۱۳۶۹
۷۔ شيبانی، الآحاد والمثانی، ۴: ۳۹۷، رقم: ۲۴۴۶
۸۔ حاکم، المستدرك علی الصحيحين، ۲: ۶۷۳، رقم: ۴۲۳۰
۹۔ ہیثمی نے ”مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۸: ۲۲۲)“ میں کہا ہے کہ اِسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے، اور احمد کی بیان کردہ روایت کی اسناد حسن ہیں۔
۱۰۔ ہیثمی، موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان: ۵۱۲، رقم: ۲۰۹۳
۱۱۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية، ۱: ۹۷، ۱۰۳
۱۲۔ ابن ہشام، السيرة النبوية: ۱۶۰
۱۳۔ ابن أثير، الکامل فی التاريخ، ۱: ۴۵۹
۱۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۴۵۵
۱۵۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، ۱: ۱۷۱، ۱۷۲
۱۶۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، ۳: ۴۶۶
۱۷۔ ابن عساکر، السيرة النبوية، ۳: ۴۶
۱۸۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۲: ۲۶۴، ۲۷۵
۱۹۔ ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف: ۱۷۳
۲۰۔ سیوطي، کفاية الطالب اللبيب فی خصائص الحبيب، ۱: ۷۸
۲۱۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المامون، ۱: ۸۳
۲۲۔ أحمد بن زينی دحلان، السيرة النبوية، ۱: ۴۶

منانے پر محدثین نے استدلال کیا ہے۔ یوم عاشورہ کو یہودی مناتے ہیں اور یہ وہ دن ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے جبر و استبداد سے نجات ملی۔ اس طرح یہ دن ان کے لیے یوم فتح اور آزادی کا دن ہے جس میں وہ بطورِ شکرانہ روزہ رکھتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ ہجرت کے بعد جب حضور ﷺ نے یہود مدینہ کا یہ عمل دیکھا تو فرمایا کہ موسیٰ پر میرا حق نبی ہونے کے ناتے ان سے زیادہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عاشورا کے دن اِظہارِ تشکر کے طور پر خود بھی روزہ رکھا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔[1] اس پر بھی بہت سی روایات ہیں جس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر یہود اپنے پیغمبر کی فتح اور اپنی آزادی کا دن جشن عید کے طور پر منا سکتے ہیں تو ہم مسلمانوں کو بدرجہ اولیٰ اس کا حق پہنچتا ہے کہ ہم حضور نبی رحمت ﷺ کی ولادت کا جشن

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۹۰۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی: وھل أتاك حدیث موسی، ۳: ۱۲۴۴، رقم: ۳۲۱۶

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب اتیان الیھود النبی ﷺ حین قدم المدینۃ، ۳: ۱۴۳۴، رقم: ۳۷۲۷

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، ۲: ۷۹۵، ۷۹۶، رقم: ۱۱۳۰

۵۔ أبوداود، السنن، کتاب الصوم، باب فی صوم یوم عاشوراء، ۲: ۳۲۶، رقم: ۲۴۴۴

۶۔ ابن ماجۃ، السنن، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء، ۱: ۵۵۲، رقم: ۱۷۳۴

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۱، ۳۳۶، رقم: ۲۶۴۴، ۳۱۱۲

۸۔ أبو یعلیٰ، المسند، ۴: ۴۴۱، رقم: ۲۵۶۷

مثالی جوش وخروش سے منائیں جو اللہ کا فضل اور رحمت بن کر پوری نسل انسانیت کو ہر قسم کے مظالم اور ناانصافیوں سے نجات دلانے کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے۔

وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ۔(۱)

''اور اُن سے اُن کے بارِگراں اورطوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے - ساقط فرماتے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔''

آخری بات یہ کہ اِس کائناتِ اَرضی میں ایک مومن کے لیے سب سے بڑی خوشی اِس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کا ماہِ ولادت آئے تو اسے یوں محسوس ہونے لگے کہ کائنات کی ساری خوشیاں ہیچ ہیں اور اس کے لیے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی ہی حقیقی خوشی ہے۔ جس طرح اُمم سابقہ پر اس سے بدرجہا کم تر احسان اور نعمت عطا ہونے کی صورت میں واجب کیا گیا تھا جب کہ ان امتوں پر جو نعمت ہوئی وہ عارضی اور وقتی تھی اس کے مقابلے میں جو دائمی اور اَبدی نعمتِ عظمیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کے ظہورِ قدسی کی صورت میں اُمتِ مسلمہ پر ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ بدرجہ اَتم سراپا تشکر و امتنان بن جائے اور اظہارِ خوشی و مسرت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔

قرآن مجید نے بڑے بلیغ انداز سے جملہ نوع انسانی کو اس نعمت اور فضل و رحمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے جو محسنِ انسانیت پیغمبر رحمت حضور نبی اکرم ﷺ کی صورت میں انہیں عطا ہوئی اور جس نے ان اندھیروں کو چاک کر دیا جو صدیوں سے شبِ تاریک کی طرح ان پر مسلط تھے اور نفرت و بغض کی وہ دیواریں گرا دیں جو انہیں قبیلوں اور گروہوں میں منقسم کیے ہوئے تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ

(۱) الأعراف، ۷:۱۵۷

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔[1]

”اور اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

ان ٹوٹے ہوئے دلوں کو پھر سے جوڑنا اور گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو رشتہ اُخوت و محبت میں پرو دینا اتنا بڑا واقعہ ہے جس کی کوئی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا میلادِ مصطفیٰ ﷺ پر خوشی منانا اور شکرِ الٰہی بجا لانا اُمتِ مسلمہ پر سب خوشیوں سے بڑھ کر واجب کا درجہ رکھتا ہے۔

(۱) آل عمران، ۳: ۱۰۳

بابِ اوّل

جشنِ میلاد النبی ﷺ اور شعائرِ اسلام

﴿تاریخی تناظر میں﴾

ہمارے عقیدے، باطنی اِرتقاء اور رُوحانی زندگی کا اِنحصار ’’ذِکر‘‘ یعنی یاد کرنے، یاد رکھنے اور یاد منانے پر ہے۔ ہمارے روز مرہ معاملات، سرگرمیاں، حرکات و سکنات، گفتگو، سمجھ بوجھ، پڑھنا لکھنا، میل ملاقات، الغرض جملہ اُمورِ زندگی اُس علم پر منحصر ہوتے ہیں جو ہم حاصل کرتے ہیں اور اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اِس طرح پوری زندگی لمحہ بہ لمحہ ہماری یاد میں محفوظ ہوتی ہے۔ یہی یاد ہمیں زندگی گزارنے کے طریقے، سلیقے اور ہنر سکھاتی ہے۔ سب نئے پرانے رشتے اسی یاد سے زندہ رہتے ہیں۔ اسی کی بنیاد پر ہماری عادات و خصائل متشکل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر ہمیں کسی زبان یا بات چیت کی سمجھ آسکتی ہے نہ ہم دوستوں یا دشمنوں کی پہچان رکھ سکتے ہیں۔ ’’یاد‘‘ کے بغیر گویا پوری زندگی دیوانگی ہے، ہوش و خرد کا وجود محض اسی یاد کے سہارے قائم ہے۔

قرآن حکیم کے نظامِ ہدایت میں ’’یاد‘‘ منانے کی اَہمیت

قرآن حکیم نے انسان کو جو نظامِ ہدایت عطا کیا ہے اُس کے قیام و استحکام کی بنیاد بھی اسی یاد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ وہ انسان جو اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ پر ایمان لے آتا ہے وہ ہدایتِ الٰہی کے ماضی اور مستقبل پر بھی ایمان لاتا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ○ (۱)

(۱) البقرة، ۲: ۴

’’اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیںo‘‘

یہاں ’’آپ سے پہلے نازل کی گئی‘‘ کتابوں پر ایمان ’’یاد‘‘ کی بنیاد پر ایمان کا جزو لاینفک بن گیا ہے جب کہ مومن کا باقی زندگی میں اُسی ہدایت کو ’یاد رکھتے ہوئے‘‘ اور ہر قدم اس کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے گزارنا تکمیلِ ایمان کے لیے لازم ہے۔

اِنسان اِنتخابِ عمل کے دوراہے پر کھڑا ہے، جب وہ کسی عمل کا اِرادہ کرتا ہے تو جو کچھ اسے یاد ہوگا اسی کے مطابق اس سے عمل سرزد ہوگا۔ یہاں ایک لطیف نکتہ یہ بھی سمجھنے والا ہے کہ دل کی کیفیات یا قلبی اَعمال جنہیں ہم محبت، خشیت، عجز و نیاز اور تسلیم و رضا کے الفاظ استعمال کر کے ان کا تصور قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ’’یاد‘‘ یا ’’یادوں‘‘ سے منسلک ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ جذبات ہیں مگر خیالات کے تحرک کے بغیر وجود میں نہیں آتے۔ اس کے لیے اللہ رب العزت نے انسان کو یاد کی نعمت عطا کر رکھی ہے۔ جب کفار و مشرکین کو دعوتِ ایمان دی جاتی تو ہمیشہ جواب میں یہی کہتے کہ ہم اُس مسلک پر چلنا چاہتے ہیں جو ہمارے آباء و اَجداد اور اَسلاف سے نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا ہے۔ یعنی وہ ماضی کی ’’یاد‘‘ سے اِنقطاع پر تیار نہ ہوتے تھے۔ اس پر انہیں یاد دلایا جاتا کہ تمہارے باپ دادا کا راستہ منزل تک نہیں جاتا، وہ بھی غلط راستے پر چل رہے تھے اور وہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے۔ ان کے پاس بھی پیغامِ ہدایت آیا لیکن انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور برباد ہوگئے۔ قرآن حکیم میں ہے:

فَاَنۡجَیۡنٰـهُ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَo(۱)

’’پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت کے باعث نجات بخشی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ

(۱) الأعراف، ۷: ۷۲

ایمان لانے والے نہ تھے o‘‘

یہاں کفار و مشرکین کو ’’یاد دلایا‘‘ جا رہا ہے کہ تمہارے اَسلاف نے غلط راستہ اختیار کیا اور برباد ہوگئے۔ لہٰذا وہ راستہ اپناؤ جس کی طرف تمہارے اسلاف کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ مسلمانوں پر بھی لازم قرار دیا گیا کہ سابقہ انبیاء و رسل جو پیغامِ الٰہی لے کر تشریف لائے وہ یہی پیغام ہے جو قرآن میں ہے۔ لہٰذا پہلی کتابوں پر ایمان لانا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن حکیم پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ملتِ اِبراہیمی

’’سابقہ انبیاء کرام کی یاد منانا‘‘ اور ان کی نبوت و رسالت کا اِقرار کرنا بھی ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ چنانچہ اسلام کو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ’’ملتِ ابراہیمی‘‘ کہا گیا ہے:

۱۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ج وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ o(۱)

’’اور کون ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے رُوگرداں ہو سوائے اُس کے جس نے خود کو مبتلائے حماقت کر رکھا ہو، اور بیشک ہم نے انہیں ضرور دنیا میں (بھی) منتخب فرما لیا تھا، اور یقیناً وہ آخرت میں (بھی) بلند رتبہ مقرّبین میں ہوں گے o‘‘

۲۔ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ط قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o(۲)

(۱) البقرة، ۲: ۱۳۰

(۲) البقرة، ۲: ۱۳۵

’’اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرما دیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو (اس) ابراہیم (علیہ السلام) کا دین اختیار کیے ہوئے ہیں جو ہر باطل سے جدا صرف اللہ کی طرف متوجہ تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھےo‘‘

۳۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo(۱)

’’فرما دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، سوتم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہو گئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھےo‘‘

۴۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًاo(۲)

’’اور دینی اعتبار سے اُس شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے جس نے اپنا رُوئے نیاز اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ صاحبِ احسان بھی ہوا، اور وہ دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرتا رہا جو (اللہ کے لیے) یک سُو (اور) راست رَو تھے، اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا مخلص دوست بنا لیا تھا (سو وہ شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے اللہ کا دوست ہوگیا)o‘‘

۵۔ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ج دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ج وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo(۳)

---

(۱) آل عمران، ۳: ۹۵

(۲) النساء، ۴: ۱۲۵

(۳) الأنعام، ۶: ۱۶۱

’’فرما دیجئے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت فرما دی ہے، (یہ) مضبوط دین (کی راہ ہے اور یہی) اللہ کی طرف یک سُو اور ہر باطل سے جدا ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھےo‘‘

۶۔ ثُمَّ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًاؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَo[1]

’’پھر (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھےo‘‘

۷۔ وَجَاهِدُوۡا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖؕ هُوَ اجۡتَبٰکُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍؕ مِلَّةَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰهِیۡمَؕ هُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَفِیۡ هٰذَا لِیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِیۡدًا عَلَیۡکُمۡ وَتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِۚ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِؕ هُوَ مَوۡلٰکُمۡۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُo[2]

’’اور اللہ (کی محبت و طاعت اور اس کے دین کی اشاعت و اقامت) میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں منتخب فرما لیا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (یہی) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین ہے۔ اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ رسولِ (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوع انسان پر گواہ ہو جاؤ، پس (اس

(۱) النحل، ۱۶: ۱۲۳

(۲) الحج، ۲۲: ۷۸

مرتبہ پر فائز رہنے کے لیے) تم نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا مددگار (و کارساز) ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز (ہے) اور کتنا اچھا مددگار ہےo‘‘

ان جملہ آیات میں ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں دو قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر فرمانے سے پہلے اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ۔ (۱)

’’اور میں نے تو اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کے دین کی پیروی کر رکھی ہے۔‘‘

اِن آیات میں سابقہ اَنبیاء کی یاد کو دین کی بنیاد بنایا جا رہا ہے، یعنی اَنبیائے سابقہ اور ان کی اُمتوں کے حالات کو یاد رکھتے ہوئے اَنبیاء کی سنت کی پیروی کرنا بھی سنتِ انبیاء ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْم بَعْدِهٖ۔ (۲)

’’(اے حبیب!) بے شک ہم نے آپ کی طرف (اُسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف اور ان کے بعد (دوسرے) پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔‘‘

سابقہ اُمتوں اور حضور ختمی مرتبت سے پہلے تشریف لانے والے انبیاء کرام کے احوال اور دینِ ابراہیم کے حوالے سے حاصل ہونے والا علم اہلِ ایمان کے قلوب و اَذہان میں یاد کی صورت میں منور ہو کر قدم قدم پر ہمارے لیے ہدایت کی روشنی مہیا کرتا ہے۔

---

(۱) یوسف، ۱۲: ۳۸

(۲) النساء، ۴: ۱۶۳

یاد کا مضمون انتہائی وسیع ہے اور اس کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ انسانی زندگی کی اس بنیادی خوبی کو موثر طریقے سے استعمال میں لانے کے لیے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس مضمون کا ذکر آیا ہے۔ یہاں موضوع سے متعلقہ نکات ذہن نشین کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم ''یاد'' کے لیے قرآن حکیم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ اس حوالہ سے ''ذکر'' کا لفظ قرآن حکیم میں کم و بیش ۲۶۷ مرتبہ اِستعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے: یاد کر لینا، یاد دلانا، محفوظ کر لینا۔ عبرت اور نصیحت کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ قرآن مجید کو بھی ''ذکر'' کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں بعض مقامات پر ذکر کے مقابلے میں ''نسیان'' کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے: بھول جانا، بھلا دینا، یا غیر اہم سمجھ کر ترک کر دینا، چھوڑ دینا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے جو تعلیم نازل فرمائی وہ اصولی طور پر اول تا آخر ایک ہی تھی، لیکن انسانی تحریف و تبدل کی وجہ سے وہ اپنی اصل شکل میں نہ رہی۔ قرآن اس فراموش کردہ تعلیمِ ربانی کی یاد دہانی کراتا ہے تا کہ انسان کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوجائے۔ قرآن مجید کے اندر جو احکامات بیان ہوئے ہیں انہیں بھی وہ مختلف پہلوؤں سے سامنے لاکر ایک مقام کی دوسرے مقام پر یاددہانی کراتا ہے۔ اس طرح بار بار یاددہانی سے انسان کے دل میں ان قوانین کی اہمیت اور عظمت کا احساس پیدا کرتا ہے تا کہ انسان ان کی پابندی کی طرف توجہ دے۔

اب ہم اگلے صفحات میں اِس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہماری عبادات کس طرح اَنبیاء علیہم السلام کی یادوں سے منسلک اور وابستہ ہیں اور کیسے کیفیاتِ مسرت و غم انبیاء کرام کی حیاتِ مقدسہ سے ہمارے لیے نورِ عجز و خشیت اور محبت و تعظیم کشید کرتی ہیں۔

---

(۱) ۱۔ فراہیدی، کتاب العین، ۷: ۳۰۴، ۳۰۵

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۵: ۳۲۲، ۳۲۳

۳۔ فیروزآبادی، القاموس المحیط، ۴: ۳۹۸

فصل اَوّل

نمازِ پنجگانہ اَنبیاء علیھم السلام کی یادگار ہے

جمہور اہلِ اِسلام بارہ ربیع الاول کا دن ’’جشنِ میلاد النبی ﷺ‘‘ کے طور پر مناتے ہیں اور اپنے آقا و مولا حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار اپنے اپنے انداز میں کرتے ہیں۔ کسی واقعہ کی یاد منانا شعائر اسلام سے ثابت شدہ اَمر ہے۔ دین کی بنیاد اور ستون قرار دی جانے والی پانچ نمازیں - جنہیں اِسلام اور کفر کے مابین اِمتیاز کا درجہ حاصل ہے اور جو تمام مسلمانوں پر فرض کی گئی ہیں - دراَصل اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اَنبیاء کے اُن سجدہ ہائے شکر کی یاد منانے سے عبارت ہیں جو انہوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مختلف مواقع پر بہ صورتِ نوافل ادا کیے۔ اپنے محبوب بندوں کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اس نے یہ نوافل اپنے حبیب مکرم ﷺ کی امت کو بطور فرض نماز عطا کر دیئے۔

امام طحاوی (۲۲۹۔۳۲۱ھ) پانچ فرض نمازوں کی نسبت امام محمد بن عائشہ کا قول نقل کرتے ہوئے **شرح معانی الآثار** میں درج ذیل تفصیل بیان کرتے ہیں:

۱۔ نمازِ فجر سیدنا آدم علیہ السلام کی یادگار ہے

إن آدم علیہ السلام لما تِیبَ علیه عند الفجر، صلی رکعتین، فصارت الصبح۔

’’جب صبح کے وقت ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے (شکرانے کے طور پر) دو رکعت نماز پڑھی، پس وہ نمازِ فجر ہوگئی۔‘‘

۲۔ نمازِ ظہر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے

وفدی إسحاق عند الظهر فصلی إبراهیم علیہ السلام أربعا، فصارت الظهر۔

’’ظہر کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب حضرت اسحٰق علیہ السلام سے نوازا گیا تو آپ نے (شکرانے کے طور پر) چار رکعات ادا کیں، پس وہ نمازِ ظہر ہوگئی۔‘‘

۳۔ نمازِ عصر سیدنا عُزیر علیہ السلام کی یادگار ہے

و بُعِثَ عزیر، فقیل له: کم لبثت؟ فقال: یوما أو بعض یوم. فصلی أربع رکعات، فصارت العصر۔

’’جب حضرت عزیر علیہ السلام کو (سو سال بعد) اٹھایا گیا تو ان سے پوچھا گیا: آپ اس حالت میں کتنا عرصہ رہے؟ تو انہوں نے کہا: ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ۔ پس انہوں نے چار رکعات ادا کیں تو وہ نماز عصر ہوگئی۔‘‘

۴۔ نمازِ مغرب سیدنا داؤد علیہ السلام کی یادگار ہے

وقد قیل: غُفِر لعزیر علیہ السلام وغُفِر لداود علیہ السلام عند المغرب، فقام فصلی أربع رکعات فجهد فجلس فی الثالثة، فصارت المغرب ثلاثاً۔

’’اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عزیر اور داؤد علیہما السلام کی مغرب کے وقت مغفرت ہوئی تو انہوں نے (شکرانے کے طور پر) چار رکعات نماز شروع کی (مگر نقاہت وکمزوری کے باعث) تھک کر تیسری رکعت میں بیٹھ گئے۔ (اس طرح تین رکعات ادا کیں، چوتھی رکعت مکمل نہ ہوسکی۔) پس وہ نمازِ مغرب

ہوگئی۔‘‘

۵۔ نمازِ عشاء تاجدارِ کائنات ﷺ کی یادگار ہے

وأوّل من صلی العشاء الآخرة، نبينا محمد ﷺ۔(۱)

’’اور جس ہستی نے سب سے پہلے آخری نماز (یعنی نمازِ عشاء) ادا کی وہ ہمارے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔‘‘

الغرض یہ پنجگانہ نمازیں ان جلیل القدر پیغمبروں کی عبادت کی یاد دلاتی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لطف وکرم اور فضل و احسان فرمایا اور انہوں نے اظہارِ تشکر کے طور پر دوگانہ اور چہارگانہ نوافل ادا کیے جو اللہ رب العزت نے امتِ محمدی ﷺ کے لیے پانچ فرض نمازوں کی صورت میں ان کی یادگار بنا دیئے۔ اس طرح دن بھر کی ان تمام نمازوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے انبیاء کرام کی یاد کا تسلسل بنا دیا۔

علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ) اپنے فتاویٰ ’’رد المحتار علی در المختار علی تنویر الأبصار‘‘ میں پانچ فرض نمازوں کی نسبت فرماتے ہیں:

قيل: الصبح صلاة آدم، والظهر لداود، والعصر لسليمان، والمغرب ليعقوب، والعشاء ليونس عليهم السلام، وجمعت في هذه الأمة۔(۲)

’’کہا گیا ہے کہ نمازِ فجر حضرت آدم، ظہر حضرت داؤد، عصر حضرت سلیمان، مغرب حضرت یعقوب، اور عشاء حضرت یونس علیہم السلام کے لیے تھیں جنہیں

---

(۱) طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب الصلاة الوسطی أی الصلوات، ۱: ۲۲۶، رقم: ۱۰۱۴

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار علی تنویر الأبصار، ۱: ۳۵۱

اِس اُمت میں جمع کر دیا گیا ہے۔‘‘

وہ لمحے جو انبیاء کرام نے اللہ کی بارگاہ میں شکر، عجز اورخشوع و خضوع میں گزارے اللہ نے انہیں اَمر کر دیا۔ اپنے آخری رسول ﷺ کی امت کو اپنے قرب کا راستہ دکھا دیا اورمحبت و اطاعت کی نورانی کیفیات کی رحمت بے پایاں عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کے وہ سجدے جو مقبول ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ کے وسیلے سے اُمت مسلمہ کو مل گئے جو تاابد اُن کی یاد مناتی رہے گی۔ یاد کی اَہمیت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اَرکانِ اِسلام میں سے اہم ترین رُکن -صلوٰۃ - کی عملی صورت میں جو پانچ نمازیں مقرر ہوئیں وہ ساری کی ساری کسی نہ کسی نبی کی یاد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہ ایزدی سے منسوب کسی عمل یا واقعہ کی یاد منانا اسلام میں نہ صرف جائز ہے بلکہ دینِ اِسلام کی بنیادی فکر وفلسفہ کا تقاضہ ہے۔جشنِ میلا د النبی ﷺ میں بھی خیر الوریٰ، حبیبِ کبریاء، تاجدارِ اَنبیاء حضور رحمت عالم ﷺ کے واقعاتِ ولادت کی یاد منائی جاتی ہے جو سراسر جائز اور منشاء خداوندی کے عین مطابق ہے۔

فصل دُوُم

جملہ مناسکِ حج اَنبیاء علیھم السلام کی یادگار ہیں

حج کو شہادت اور نماز کے بعد تیسرے رُکنِ اِسلام کا درجہ حاصل ہے۔ فریضۂ حج کی بنیاد اور تمام مناسکِ حج درحقیقت حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کی زندگی کے عظیم واقعات سے عبارت ہیں۔ انہوں نے صبر و استقامت، اطاعت اور قربانی کے جو نقوش چھوڑے رب کریم نے ان کی یاد منانے کو اُمتِ مسلمہ کے لیے فرض عبادت قرار دے دیا۔ دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہر سال مکہ مکرمہ جا کر ان کی یاد مناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس فریضہ سے سرخرو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں نے جو لمحات اپنے معبودِ حقیقی کی محبت و اطاعت اور سوزِ عشق میں گزارے اللہ نے انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔ وہ قدم جو اس کی یاد میں اٹھے، دوڑے اور تڑپے، اللہ نے انہیں اپنی نشانیاں قرار دے دیا۔

اللہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی آنکھیں برسات کا منظر پیش کرنے لگتی ہیں، آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور جذبۂ عشق و مستی کی تسکین کا سامان ہونے لگتا ہے۔ خانۂ خدا میں قدم رکھتے ہی بندگانِ خدا کعبۃ اللہ کا طواف شروع کر دیتے ہیں اور حجرِ اَسود کی طرف دیوانہ وار لپکتے ہیں اور دھکم پیل کے باوجود بڑی محنت و جاں فشانی سے اس کے قریب پہنچتے اور اسے بوسہ دیتے ہیں اور پھر صفا و مروہ کی سعی کرتے ہیں۔ نویں ذی الحج آتی ہے تو ہر حاجی بے اختیار میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرتا ہے۔ مزدلفہ میں مغرب کے وقت وہ نماز نہیں پڑھتا بلکہ اسے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے پھر منٰی پہنچ کر رمی کرتا ہے اور قربانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

ان تمام اُمور کی کوئی عقلی توجیہ ممکن نہیں۔ سارے معاملات عشق و جنوں کے آئینہ دار ہیں۔ عقل سے لاکھ پوچھا جائے کہ ان سب معمولات کی حقیقت کیا ہے مگر اسے کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ جب یہی سوال عشق سے پوچھا جاتا ہے تو جواب آتا ہے کہ حج کے ہر عمل کے پیچھے محبت و وارفتگی کی کوئی نہ کوئی ادا چھپی ہوئی ہے۔ اپنے محبوب بندوں کی اداؤں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اتنا پسند فرمایا کہ انہیں قیامت تک فرض عبادت کا درجہ دے دیا۔ باری تعالیٰ کو ان کی نسبتیں اتنی عزیز ہیں کہ انہی کے رنگ ڈھنگ اور انداز و اطوار کو اپنا لینا عین عبادت قرار پایا۔ حج انہی افعال و اعمال کے دہرائے جانے سے عبارت ہے جن سے اللہ کے مقبول بندوں کی کوئی نہ کوئی یاد وابستہ ہے۔

حج اُن فرض عبادات میں سے ہے جس کے جملہ مناسک دراصل رب کریم کے برگزیدہ انبیاء کی محبوب عبادات، اداؤں اور معمولات کی یاد منانے پر مشتمل ہیں۔ اس فصل کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ مناسکِ حج سراسر یاد منانا ہے۔ اللہ کے ایک محبوب بندے نے کوئی عمل کیا اور ایسی کیفیت میں ڈوب کر کیا کہ اللہ رب العزت نے اس کی توقیر کرتے ہوئے اپنے سب سے پیارے رسول ﷺ کی امت کے لیے اسے فرض عبادت کا درجہ دے دیا۔ ان افعال کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے منسوب ہیں، مناسک حج کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کا بجا لانا ہم پر لازم ہے۔ ۸ ذی الحج سے ۱۳ ذی الحجہ تک ادا کیے جانے والے ان مناسک کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اِحرام انبیاء کرام علیھم السّلام کے لباسِ حج کی یادگار ہے

مناسک و آدابِ حج و عمرہ کی ادائیگی کے حوالے سے ایک قابل ذکر عمل احرام باندھنا ہے جو تمام طواف کرنے والوں کے لیے لازم ہے۔ دو چادروں پر مشتمل یہ وہی لباس ہے جسے دورانِ حج انبیاء کرام علیھم السلام زیب تن فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند آیا، اور حجاج کے لیے لازم قرار پایا کہ وہ اپنے علاقائی رواج کے مطابق سلا ہوا لباس

اتار پھینکیں اور فقط دو چادریں اوڑھ لیں۔ ان میں سے ایک چادر بطور تہبند استعمال کی جاتی ہے جب کہ دوسری سے جسم ڈھانپا جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف کونوں سے آئے ہوئے عازمینِ حج احرام کی چادروں سے جسم ڈھانپ کر سنتِ انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ لباس ستر (۷۰) انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ میں زیب تن کیا، اس کی تصریح درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لقد مرّ بالصخرة من الروحاء سبعون نبياً، منهم موسیٰ نبي الله، حفاةً، عليهم العباء، يؤمون بيت الله العتيق۔(۱)

’’اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت ۷۰ انبیاء (مکہ اور مدینہ کے درمیان) روحاء کی پتھریلی جگہ سے ننگے پاؤں گزرے ہیں، وہ ایک چادر زیب تن کیے ہوئے بیت اللہ جا رہے تھے۔‘‘

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳: ۲۰۱، ۲۵۵، رقم: ۷۲۳۱، ۷۲۷۱
۲۔ أبو یعلٰی نے ’’المسند (۷: ۲۶۲، رقم: ۴۲۷۵)‘‘ میں حضرت أنس بن مالك رضی اللہ عنہ سے بھی روایت نقل کی ہے۔
۳۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۴۳۳، رقم: ۵۳۲۸
۴۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۱: ۲۶۰
۵۔ منذری نے ’’الترغيب والترهيب من الحديث الشريف (۲: ۱۱۸، رقم: ۱۷۳۹)‘‘ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند پر کوئی اِعتراض نہیں۔
۶۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الكبير، ۲۱: ۱۶۶
۷۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۲۲۰

اِحرام بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كأني أنظر إلى موسى بن عمران في هذا الوادي محرماً بين قَطَوانيتين۔[1]

''میں نے اس وادی میں موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دو قطوانی (کوفہ کے علاقہ قطوان سے منسوب سفید) چادروں پر مشتمل اِحرام پہنے دیکھا ہے۔''

۳۔ تاریخِ مکہ پر لکھی جانے والی پہلی کتاب کے مصنف اِمام اَزرقی (م۲۲۳ھ) اپنی کتاب ''أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار'' میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کے اسی لباسِ حج کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

لقد سلك فجَّ الروحاء سبعون نبياً حجاجاً، عليهم لباس الصوف۔[2]

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۹:۲۷، رقم: ۵۰۹۳
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰:۱۴۲، رقم: ۱۰۲۵۵
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶:۳۰۸، رقم: ۶۴۸۷
۴۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۴:۱۸۹
۵۔ منذری نے "الترغيب والترهيب من الحديث الشريف (۲: ۱۱۸، رقم: ۱۷۴۰)" میں کہا ہے کہ اِسے ابو یعلیٰ اور طبرانی نے حسن اِسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔
۶۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۳: ۲۲۱)" میں کہا ہے کہ یہ روایت ابو یعلیٰ اور طبرانی نے بیان کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(۲) أزرقي، أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار، ۱: ۷۱، ۷۲

''روحا کے راستے سے ستر (۷۰) انبیاء کرام حج کرنے کی غرض سے گزرے ہیں جنہوں نے اُون کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔''

۴۔ حج کے موقع پر انبیاء کرام کے چادریں اوڑھنے کے اس طریقہ کو حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے ہونہار شاگرد مجاہد بن جبیر مکی نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حج موسی النبي عليه السلام على جمل أحمر، فمرّ بالروحاء، عليه عباء‌تان قطوانيتان، متزر بإحداهما مرتدي بالأخرى، فطاف بالبيت۔(۱)

''اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کے اِرادہ سے سرخ اونٹ پر روانہ ہوئے، وہ روحاء کے مقام سے گزرے۔ ان کے اوپر دو قطوانی (سفید) چادریں تھیں جن میں سے ایک انہوں نے تہبند کے طور پر باندھی ہوئی تھی اور دوسری جسم پر اوڑھ رکھی تھی۔ پس انہوں نے (اسی حالت میں) بیت اللہ کا طواف کیا۔''

۵۔ ایک روایت میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کا لباس بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سفرِ حج کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے اِستفسار فرمایا: ابو بکر! یہ کون سی وادی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: وادیٔ عسفان۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد مر به هود وصالح على بَكَراتٍ حُمُرٍ خُطُمُها اللِّيُفُ، أُزُرُهم العباء، وأردِيَتُهُم النِّمارُ، يُلَبّون يَحُجُّون البيتَ العتيقَ۔(۲)

---

(۱) أزرقی، أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار، ۱: ۶۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۳۲

۲۔ بیہقی کی ''شعب الإیمان (۳: ۴۴۰، رقم: ۴۰۰۳)'' میں بیان کردہ روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ ←

’’یہاں سے ہود اور صالح (علیہما السلام) جوان سرخ اونٹنیوں پر گزرے ہیں جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔ انہوں نے تہبند سے ستر ڈھانپے ہوئے تھے اور سفید و سیاہ دھاری دار چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تلبیہ کہتے ہوئے بیت اللہ کا حج کرنے جا رہے تھے۔‘‘

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سادہ چادریں اوڑھے حج ادا کرتے۔ وہ حج کی ادائیگی میں فقط رضائے الٰہی پیشِ نظر رکھتے۔ ان کا لباسِ حج دو چادروں پر مشتمل ہوتا: ایک بطور تہبند باندھ لیتے اور دوسری جسم پر اوڑھ لیتے۔

اَنبیاء کرام علیہم السلام کا یہ لباس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا پسند آیا کہ آپ ﷺ نے اس لباس کو قیامت تک آنے والے حاجیوں کے لیے لازم قرار دے دیا۔ عام زندگی کے لباس میں باقی جتنے مشمولات اور لوازمات ہوتے ہیں ان سب کو حج کے دوران پہننے سے منع فرما دیا۔ عام حالات میں ننگے سر عبادت کرنا معیوب اور خلافِ سنت تصور کیا جاتا ہے مگر دورانِ حج و عمرہ بیت اللہ میں ایسا نہیں۔ حالتِ اِحرام میں بیت اللہ میں سب ننگے سر حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں سر کا ننگا ہونا اَنبیاء کرام کے لباسِ حج و عمرہ کی نسبت کے سبب عجز و خاک ساری اور فروتنی کی علامت بن گیا ہے اور اللہ رب العزت کے نزدیک غایت درجہ پسندیدہ ہے۔

یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت اور تعلق ہی کی وجہ ہی ہے کہ اِحرام متعین ہونے کے ساتھ حج کے دوران حاجیوں کو ناخن تراشنے، بال کٹوانے اور مونچھیں کٹوانے جیسے اعمال سے بھی روک دیا گیا[1] تاکہ ظاہری طور پر بھی ہر لحاظ سے حجاج کرام انبیاء علیہم السلام کی پیروی کریں۔

...... ۳۔ منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، ۲: ۱۱۷، رقم: ۱۷۳۷

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲: ۱۹۸

۲۔ تلبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور اس کے جواب کی یاد منانا ہے

حج یا عمرہ کرنے والا جب احرام باندھتا ہے تو نہایت خشوع و خضوع کے عالم میں اس کے ہونٹوں پر یہ الفاظ مچلنے لگتے ہیں:

لَبَّيْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ، لَبَّيْکَ لَا شَرِيکَ لَکَ لَبَّيْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِيْکَ لَکَ۔(1)

''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک

---

(1) ١۔ بخاری، الصحيح، کتاب الحج، باب التلبية، ٢: ٥٦١، رقم: ١٤٧٤

٢۔ بخاری، الصحيح، کتاب اللباس، باب التلبيد، ٥: ٢٢١٣، رقم: ٥٥٧١

٣۔ مسلم، الصحيح، کتاب الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، ٢: ٨٤١، ٨٤٢، رقم: ١١٨٤

٤۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب الحج، باب ما جاء فی التلبية، ٣: ١٨٧، ١٨٨، رقم: ٨٢٥، ٨٢٦

٥۔ أبو داؤد، السنن، کتاب المناسك، باب کيف التلبية، ٢: ١٦٢، رقم: ١٨١٢

٦۔ نسائی، السنن، کتاب مناسك الحج، باب کيف التلبية، ٥: ١٥٩، ١٦٠، رقم: ٢٧٤٧، ٢٧٥٠

٧۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المناسك، باب التلبية، ٢: ٩٧٤، رقم: ٢٩١٨

نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک تمام تعریفیں، نعمتیں اور ملک تیرے لیے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔‘‘

یہ تلبیہ عمرہ اور حج کے مناسک کی ادائیگی کے دوران حرمِ کعبہ میں پڑھا جاتا ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ تلبیہ کیا ہے اور اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ دراصل یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُس پکار کا جواب ہے جو اُنہوں نے ایک اندازے کے مطابق آج سے کم و بیش چار ہزار سال قبل تعمیرِ کعبہ کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کی تھی۔ اس حکم کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالاً وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍo[1]

’’اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو لوگ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر (سوار) حاضر ہو جائیں گے جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیںo‘‘

احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جبلِ ابوقبیس پر چڑھ گئے اور وہاں سے تمام اکنافِ عالم کو بیت اللہ میں حاضری کے لیے ندا دی: لوگو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، طواف اور حج کے لیے آؤ۔[2] اس صدائے ابراہیمی علیہ السلام کو روحانی طور پر اس قدر دور رس بنا دیا گیا کہ وہ زمانی و مکانی فاصلوں سے ماوراء ہر اُس جگہ پہنچی جہاں

(۱) الحج، ۲۲: ۲۷

(۲) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، ۸: ۲۴۸۷، ۲۴۸۸، رقم: ۱۳۸۸۴

۲۔ ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۵: ۴۲۳

۳۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۳۲

۴۔ ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، ۴: ۴۱۰

اُس وقت لوگ آباد تھے۔ بلکہ وہ جو عالمِ ارواح میں تھے اور قیامت تک کے لیے عالمِ بشریت میں آنے کے منتظر تھے ان کے کان بھی اس آواز سے آشنا ہوئے اور جس نے اُسے سن کر لَبَّیْکَ کہا اسے حج کی توفیق اور بیت اللہ میں حاضری کا اِذن عطا ہوا۔ اِس بابت چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

لما بنى إبراهيم البيت أوحى الله إليه أن أذّن في الناس بالحج. قال: فقال إبراهيم: ألا! إن ربكم قد اتخذ بيتا وأمركم أن تحجوه، فاستجاب له ما سمعه من حجر أو شجر أو أكمة أو تراب: لبيك اللّٰهم لبيك۔(۱)

’’جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کر دیجئے۔ راوی بیان کرتے ہیں: تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: (اے لوگو!) خبردار! بے شک تمہارے رب نے گھر بنایا ہے اور تمہیں اس کا حج کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا آپ کی پکار پر پتھر، شجر، ٹیلے اور مٹی، غرض کوئی شے بھی ایسی نہ تھی جس نے

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۶۰۱، رقم: ۴۰۲۶

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۷۶، رقم: ۹۶۱۳

۳۔ بیہقی، شعب الإيمان، ۳: ۴۳۹، رقم: ۳۹۹۸

۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۱۵۶

۵۔ مجاہد، التفسير، ۲: ۴۲۲

۶۔ جصاص، أحكام القرآن، ۵: ۶۳

۷۔ طبری، جامع البيان فی تفسير القرآن، ۱۷: ۱۴۴

۸۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسير بالماثور، ۶: ۳۲

یہ جواب نہ دیا ہو: حاضر ہیں، اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لما فرغ إبراهيم عليه السلام من بناء البيت العتيق، قيل له: أذن في الناس بالحج، قال: رب و ما يبلغ صوتي، قال: أذن وعلي البلاغ، قال: فقال إبراهيم: يا أيها الناس! كتب عليكم الحج إلى البيت العتيق. قال: فسمعه ما بين السماء إلى الأرض، ألا ترى أن الناس يجيئون من أقاصي الأرض يُلبّون۔(۱)

’’جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ان سے کہا گیا: لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اِعلان کریں۔ انہوں نے عرض کیا: اے

(۱) ۱۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۶: ۳۲۹، رقم: ۳۱۸۱۸
۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۴۲۱، رقم: ۳۴۶۴
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۷۶، رقم: ۹۶۱۴
۴۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۱۰: ۲۰، ۲۱
۵۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۷: ۱۴۴
۶۔ طبری نے ’’جامع البیان فی تفسیر القرآن (۱۷: ۱۴۴)‘‘ میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی بیان کی ہے۔
۷۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۳۲
۸۔ سیوطی نے ’’الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (۶: ۲۳۳)‘‘ میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی بیان کی ہے۔
۹۔ شوکانی، فتح القدیر، ۳: ۴۵۰
۱۰۔ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۷: ۱۴۳

میرے رب! میری آواز (ان تک) نہیں پہنچے گی، ارشاد ہوا: آپ بلایئے اور (آپ کی آواز مخلوق تک) پہنچانا ہمارا کام ہے۔ راوی کہتے ہیں: اس پر ابراہیم علیہ السلام نے پکارا: اے لوگو! تم پر اللہ کے قدیم گھر (خانہ کعبہ) کا حج فرض کر دیا گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: پس آسمان سے لے کر زمین تک تمام مخلوق نے ان کی ندا سنی۔ تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ پوری زمین کے اطراف و اکناف سے (ان کی آواز پر لبیک کہنے والے) لوگ تلبیہ کہتے ہوئے چلے آتے ہیں۔‘‘

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے ارشاد - ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ - کے بارے میں فرماتے ہیں:

قام إبراهيم خليل الله على الحجر، فنادى: يا أيها الناس! كتب عليكم الحج. فأسمع من في أصلاب الرجال وأرحام النساء فأجابه من آمن ممن سبق في علم الله أن يحج إلى يوم القيامة: لبّيک اللّهم لبّيک۔(۱)

’’حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہوکر ندا دی: اے لوگو! تم پر حج فرض کردیا گیا ہے۔ پس جو کوئی مَردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں میں تھا اس نے سنا۔ پس مومنین میں سے اللہ کے علم کے مطابق جس نے قیامت تک حج کرنا تھا آپ علیہ السلام کی پکار کا جواب دیتے ہوئے کہا: اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔‘‘

(۱) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۷: ۱۴۴
۲۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۳۳
۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۱: ۱۵۷
۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۴۰۶

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لما فرغ إبراهيم عليه السلام من بناء البيت أمره الله أن ينادي في الحج، فقام على المنار، فقال: يا أيها الناس! إن ربكم قد بنى لكم بيتا فحُجّوه وأجيبوا الله عزوجل، قال: فأجابوه في أصلاب الرجال وأرحام النساء: أجبناک أجبناک لبّيک اللّهم لبّيک، قال: فكل من حجّ اليوم فهو ممّن أجاب إبراهيم على قدر ما لبّى۔(۱)

’’سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اِعلانِ حج کرنے کا حکم دیا، پس آپ ایک مینار پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے لوگو! بے شک تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے گھر تعمیر کر دیا ہے، سو تم اس کا حج کرو اور اللہ رب العزت کا پیغام قبول کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں سے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کا پیغام قبول کیا، ہم نے آپ کا پیغام قبول کیا (اور پکارے:) حاضر ہیں، اے اللہ! تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج جو شخص جتنی مرتبہ حج کرتا ہے تو وہ اُنہی میں سے ہوتا ہے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا تھا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ فاکہی، أخبار مکة فی قدیم الدہر و حدیثه، ۱: ۴۴۶، رقم: ۹۷۳

درج ذیل کتب میں یہ روایت مختصراً مجاہد بن جبیر مکی سے منقول ہے:

۱۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۳۳۰، رقم: ۳۱۸۲۶

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۷: ۱۴۵

۳۔ ابن عبد البر، التمہید لما فی الموطا من المعانی والأسانید، ۱۵: ۱۳۱

۴۔ زیلعی، نصب الرایة لأحادیث الہدایة، ۳: ۲۳

لَبَّیْکَ کی یہ پکار ہزاروں سال پہلے ایک لمحہ کے لیے بلند ہوئی لیکن آج اس نغمۂ سرمدی کی بازگشت ہر طرف سنائی دیتی ہے۔ حجاج کرام اس پکار کو اپنے تصور میں جاگزیں کر کے اس کا جواب دیتے ہیں اور اللہ کے پیارے خلیل علیہ السلام سے متعلق ایک واقعہ کی یاد مناتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے یا واقعہ کو تصور و تخیل میں لا کر اس کی یاد منانا منشائے اِسلام کے عین مطابق ہے۔ جشن میلاد النبی ﷺ میں بھی ہم آپ ﷺ کی آمد کو تصور میں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہیں اور خوشی و مسرت اور سرور و انبساط کا اظہار کرتے ہیں۔ جشنِ میلاد کی مختلف تقریبات اور محافلِ نعت کے ذریعے آپ ﷺ کی ولادت کی یاد منائی جاتی ہے جو اَمرِ جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

۳۔ طواف کرنا سنتِ انبیاء کی یاد منانا ہے

بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانا اصطلاح میں ''طواف'' کہلاتا ہے۔ طواف کرنا اور اس میں سات چکر لگانا بھی انبیاء کرام علیھم السلام کا طریقہ اور سنت رہا ہے۔ درج ذیل روایات سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

فکان أوّل من أسّس البیت وصلی فیه وطاف به آدم علیه السلام۔(۱)

''سب سے پہلے بیت اللہ کی بنیاد رکھنے والے، اس میں نماز پڑھنے والے اور اس کا طواف کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام تھے۔''

۲۔ امام محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر عبادت کے لیے جنت جیسا ماحول نہ پا کر غمگین ہوگئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کے ذریعے) ان کے لیے بیت الحرام تعمیر کر دیا اور انہیں وہاں کوچ کرنے کا حکم

(۱) ۱۔ أزرقی، أخبار مکة و ماجاء فیها من الآثار، ۱: ۳۶، ۴۰
۲۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱: ۳۱۳

دیا۔ سو انہوں نے مکہ کا سفر شروع کیا اور راستے میں جس جگہ قیام کیا وہاں اللہ تعالیٰ نے پانی جاری کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ مکہ پہنچ گئے:

فأقام بها يعبد الله عند ذلک البيت ويطوف به، فلم تزل داره حتی قبضه الله بها۔[1]

''پس آپ نے وہیں قیام کیا اور بیت اللہ کے نزدیک اللہ کی عبادت اور اس کے گھر کے طواف میں مگن ہوگئے، سو ان کا گھر اسی جگہ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہیں آپ کی روح قبض فرمائی۔''

۳۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ یاقوت میں ملفوف اتارا تھا، اور ان سے فرمایا: اے آدم! میں نے تمہارے ساتھ اپنا یہ گھر اتارا ہے، جس طرح میرے عرش کے گرد طواف ہوتا ہے اُسی طرح اِس کے گرد بھی طواف کیا جائے گا، اور جس طرح میرے عرش کے گرد نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح اس کے گرد بھی نماز پڑھی جائے گی۔ بیت اللہ کے ساتھ فرشتے بھی اترے جنہوں نے اس کی بنیادوں کو پتھروں پر اٹھایا، اور پھر ان بنیادوں پر بیت اللہ رکھ دیا گیا:

فکان آدم علیہ السلام يطوف حوله کما يطاف حول العرش، ويصلی عنده کما يصلی عند العرش۔[2]

''پس حضرت آدم علیہ السلام اس کے گرد ایسے ہی طواف کرتے جس طرح عرش کے

---

(۱) ۱۔ أزرقی، أخبار مکة وماجاء فيها من الآثار، ۱: ۳۹

۲۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، ۷: ۴۲۵

۳۔ مقدسی، البدء والتاريخ، ۴: ۸۲

(۲) أزرقی، أخبار مکة و ماجاء فيها من الآثار، ۱: ۳۹

گرد کیا جاتا تھا، اور اس کے پاس اُسی طرح نمازیں پڑھتے جس طرح عرش کے گرد پڑھی جاتی تھیں۔‘‘

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ بھی کئی انبیاء کرام نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ مشہور تابعی مجاہد بن جبیرؒ حج کرنے والے انبیاء کرام کی تعداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حجّ خمسة وسبعون نبياً، كلهم قد طاف بالبيت۔(۱)

’’پچھتر (۷۵) انبیاء کرام نے حج کیا اور ان سب نے بیت اللہ کا طواف کیا۔‘‘

یہ اَمر ذہن نشین رہے کہ طواف میں سات چکر لگانا بھی انبیائے کرام کی سنت رہی ہے، جس کی تصریح درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حجّ آدم علیہ السلام وطاف بالبيت سبعاً۔(۲)

’’حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

۶۔ امام عبد اللہ بن ابی سلیمان بیان کرتے ہیں:

طاف آدم علیہ السلام سبعاً بالبيت حين نزل۔(۳)

---

(۱) ۱۔ أزرقی، أخبار مكة وماجاء فيها من الآثار، ۱: ۶۷، ۶۸

۲۔ فاكهی، أخبار مكة فی قديم الدهر وحديثه، ۴: ۲۶۸، رقم: ۲۵۹۹

۳۔ أحمد بن حنبل، العلل و معرفة الرجال، ۳: ۱۹۳، رقم: ۴۸۳۱

(۲) ۱۔ أزرقی، أخبار مكة و ماجاء فيها من الآثار، ۱: ۴۵

۲۔ سيوطی، الدر المنثور فی التفسير بالماثور، ۱: ۳۲۰

(۳) أزرقی، أخبار مكة و ماجاء فيها من الآثار، ۱: ۴۳

''جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اُترے تو انہوں نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔''

۷۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے طوافِ کعبہ کے بارے میں امام محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں:

لما فرغ إبراهيم خليل الرحمن من بناء البيت الحرام، جاءه جبريل فقال: طف به سبعًا، فطاف به سبعًا هو وإسماعيل۔(۱)

''اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اس کے گرد سات چکر لگائیں۔ تو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔''

تمام انبیاء کرام کے بعد حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو سابقہ انبیاء کرام کی سنت برقرار رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے بھی ہمیشہ دورانِ طواف بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔

۸۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

قدم النبي ﷺ فطاف بالبيت سبعاً۔(۲)

---

(۱) ۱۔ أزرقی، أخبار مكة و ماجاء فيها من الآثار، ۱: ۶۵
۲۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۱۲۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب من صلى ركعتي الطواف خلف المقام، ۲: ۵۸۸، رقم: ۱۵۴۷
۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب ما جاء في السعي بين الصفا والمروة، ۲: ۵۹۳، رقم: ۱۵۶۳

←

’’حضور نبی اکرم ﷺ (مکہ) تشریف لائے تو آپ ﷺ نے (طواف کرتے ہوئے) بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

۹۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أن النبي ﷺ حين قدم مكة طاف بالبيت سبعاً۔(۱)

’’بے شک حضور نبی اکرم ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے (طواف کرتے ہوئے) بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے۔‘‘

مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ طواف میں سات چکر لگانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کی پیروی ہے، اِس کے ذریعے ہم اُن کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

...... ۳۔ بخاری، الصحيح، کتاب الحج، باب متی يَحلُّ المعتمر، ۲: ۶۳۶، رقم: ۱۷۰۰

۴۔ مسلم، الصحيح، کتاب الحج، باب ما يُلزَم من أحرم بالحج، ۲: ۹۰۶، رقم: ۱۲۳۴

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب الحج، باب ماجاء أنه يبدأ بالصفا قبل المروة، ۳: ۲۱۶، رقم: ۸۶۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب التفاسير، باب ومن سورة البقرة، ۵: ۲۱۰، رقم: ۲۹۶۷

۳۔ نسائی، السنن، کتاب مناسك الحج، باب القول بعد رکعتی الطواف، ۵: ۲۳۵، رقم: ۲۹۶۱

۴۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۱۷۰، رقم: ۲۶۲۰

۵۔ طبرانی، المعجم الصغير، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۸۷

۴۔ رمل حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اَندازِ طواف کی یاد منانا ہے

کعبۃ اللہ کا طواف مناسکِ حج کا اہم حصہ ہے۔ حجاج کرام کو یہ حکم ہے کہ وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ اکڑ کر چلیں۔ اسے اِصطلاحاً رمل کہا جاتا ہے۔ عام حالات میں اکڑ اکڑ کر چلنا غرور وتکبر کی علامت ہے اور اللہ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے،[1] جب کہ حج میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ مدینہ منورہ

---

(۱) حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ألا أخبركم بأهل الجنة؟ كل ضعيف متضعف، لو أقسم على الله لأبره. ألا أخبركم بأهل النار؟ كل عتل، جواظ، مستكبر۔☆

''کیا میں تمہیں اہلِ جنت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (خود ہی فرمایا:) ہر کم زور اور حقیر سمجھا جانے والا، لیکن اگر وہ اللہ کے بھروسے پر کوئی قسم کھالے تو اللہ اُسے سچا کردیتا ہے۔ اور کیا میں تمہیں دوزخیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (پھر خود ہی فرمایا:) ہر درشت خو، جھگڑالو اور تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ←

☆ ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب سورۃ ن والقلم، ۴: ۱۸۷۰، رقم: ۴۶۳۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب الکبر، ۵: ۲۲۵۵، رقم: ۵۷۲۳

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها وأهلها، باب النار یدخلها الجبارون والجنۃ یدخلها الضعفاء، ۴: ۲۱۹۰، رقم، ۲۸۵۳

ہجرت کرنے کے بعد مسلسل ریاضت و مشقت کی وجہ سے مسلمان دبلے پتلے اور کمزور ہوگئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب وہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ پہنچے تو ان کی حالت سے نقاہت کا اظہار ہوتا تھا۔ طوافِ کعبہ کرتے ہوئے انہیں آہستہ آہستہ چلتے دیکھ کر کفارِ مکہ طعنہ زنی کرنے لگے کہ مسلمان مکہ میں تو خوش حال تھے، مدینہ جا کر ان کی حالت اتنی اَبتر ہوگئی ہے کہ ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتے۔

حضور ﷺ کو کافروں کی اس طعنہ زنی اور استہزاء کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو حکم دیا کہ کافروں کی بات غلط ثابت کرنے کے لیے طواف کے دوران میں اَکڑ اَکڑ کر اور کندھے مٹکا مٹکا کر چلیں۔ اس وقت سے یہ انداز مناسکِ حج میں شامل ہوگیا۔ اگرچہ اس کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی اور سرزمینِ حرم کفار و مشرکین کے وجود سے خالی ہوئے صدیاں بیت چکی ہیں لیکن اب تک طواف کی ادائیگی کا معمول وہی ہے۔

امام مسلم نے ''الصحیح'' میں کتاب الحج کے تحت باب إستحباب الرمل فی الطواف والعمرۃ وفی الطواف الأول من الحج میں اس موضوع پر کئی

...... يقول الله ﷻ: العظمة إزاري، والكبرياء ردائي، فمن نازعني واحدا منهما ألقيته في النار۔☆

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عظمت میری اِزار ہے، اور بڑائی میری چادر ہے۔ پس جو کوئی اِن دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا تو میں اُسے دوزخ میں ڈال دوں گا۔''

☆ ۱۔ ابن أبی شیبۃ، المصنف، ۵: ۳۲۹، رقم: ۲۶۵۷۹

۲۔ طبرانی نے ''المعجم الأوسط (۳: ۳۵۲، رقم: ۳۳۸۰)'' میں اسے حضرت علی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

۳۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۲: ۳۳۱، رقم: ۱۴۶۴

۴۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۳۸۰، رقم: ۸۱۵۷

احادیثِ مبارکہ مفصل روایت کی ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

ا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یثرب (مدینہ منورہ) کے بخار سے کمزور ہو جانے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ (واقعۂ حدیبیہ کے اگلے سال عمرہ کے لیے) مکہ تشریف لائے تو ان کے آنے کی خبر پا کر مشرکین مکہ (کے سرداروں) نے (اپنی قوم سے) کہا: کل تمہارے پاس ایک ایسی قوم آئے گی جسے شدید بخار نے کمزور کر دیا ہے، پس وہ (اس خبر پر) حجر اسود کے پاس بیٹھ گئے۔ جب حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اَصحاب کی تشریف آوری ہوئی تو:

أمرهم النبي ﷺ أن يرملوا ثلاثة أشواط، ويمشوا ما بين الركنين لِيَرَى المشركون جَلدهم. فقال المشركون: هؤلاء الذين زعمتم أن الحمى قد وهنتهم، هؤلاء أجلد من كذا و كذا۔ (۱)

’’حضور ﷺ نے صحابہ کو دونوں رکنوں (یمانی) کے درمیان تین چکروں میں اکڑ کر اور (باقی میں) آرام سے چلنے کا حکم دیا تاکہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ (یہ منظر دیکھ کر) مشرکین نے کہا: کیا ان کے بارے میں تم کہتے تھے کہ انہیں بخار نے کمزور کر دیا؟ یہ تو اتنے طاقت ور ہیں، یہ تو اتنے جری ہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب إستحباب الرمل فى الطواف والعمرة وفى الطواف الأول من الحج، ۲: ۹۲۳، رقم: ۱۲۶۶

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب كيف كان بدء الرمل، ۲: ۵۸۱، رقم: ۱۵۲۵

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۴

۴۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۵: ۸۲، رقم: ۹۰۵۶

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں بالصراحت فرمایا:

إنما سعى رسول الله ﷺ بالبيت، وبين الصفا والمروة، لِيُرِىَ المشركين قوته۔(۱)

''بیت اللہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی حضور ﷺ نے صرف مشرکین کو اپنی قوت دکھانے کے لیے کی۔''

۳۔ اسی طرح حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

إن رسول الله ﷺ قدم مكة، فقال المشركون: إن محمدا وأصحابه لا يستطيعون أن يطوفوا بالبيت من الهُزل، وكانوا يحسدونه، قال: فأمرهم رسول الله ﷺ أن يرمُلوا ثلاثاً ويمشوا أربعاً۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب ما جاء في السعي بين الصفا والمروة، ۲: ۵۹۴، رقم: ۱۵۶۲
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب إستحباب الرمل فی الطواف والعمرة وفی الطواف الأول من الحج، ۲: ۹۲۳، رقم: ۱۲۶۶
۳۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الحج، باب ما جاء فی السعي بين الصفا والمروة، ۳: ۲۱۷، رقم: ۸۶۳
۴۔ نسائی، السنن الكبرى، ۲: ۴۰۵، رقم: ۳۹۴۱
۵۔ حمیدی، المسند، ۱: ۲۳۲، رقم: ۴۹۷
۶۔ بیہقی، السنن الكبرى، ۵: ۸۲، رقم: ۹۰۵۷، ۹۰۵۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب إستحباب الرمل فی الطواف وفی الطواف الأول من الحج والعمرة، ۲: ۹۲۱، ۹۲۲، رقم: ۱۲۶۴ ←

”جب حضور نبی اکرم ﷺ مکہ تشریف لائے تو مشرکین کہنے لگے: بے شک محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کمزوری کے باعث بیت اللہ کا طواف کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ درحقیقت وہ آپ ﷺ سے حسد کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ (اسی طعنہ کی وجہ سے) حضور ﷺ نے (اپنے) صحابہ کو تین چکروں میں رمل کرنے اور چار میں چلنے کا حکم دیا۔“

۵۔ طواف میں اِضطباع کرنا بھی سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے

طواف کے دوران اِحرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈالنا ”اِضطباع“ کہلاتا ہے۔(۱) جیسا کہ سابقہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ کو اپنا رعب و دبدبہ اور قوت دکھانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو رمل کا حکم دیا، اس کے ساتھ آپ ﷺ نے حالتِ طواف میں اضطباع کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوئے۔ آپ ﷺ کی اس محبوب سنت پر عمل کرنا تمام حجاج اور معتمرین (عمرہ کرنے والوں) پر لازم قرار پایا۔ وہ تاابد اپنے آقا ﷺ کی یہ سنت دہرا کر اس کی یاد مناتے رہیں گے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ وأصحابه اعتمروا من الجعرانة، فرملوا بالبيت وجعلوا أرديتهم تحت آباطهم قد قَذَفوها على عواتقهم اليسرى۔(۲)

...... ۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۱۵۴، رقم: ۳۸۴۵

۳۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۱۶۱

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۸: ۲۱۶

(۲) ۱۔ أبوداؤد، السنن، كتاب المناسك، باب الإضطباع فى الطواف، ←

''بے شک رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کا اِحرام باندھا تو انہوں نے بیت اللہ (کے گرد تین چکروں) میں رمل کیا اور اپنی چادروں کو (دائیں) بغلوں سے نکال کر بائیں کندھوں پر ڈال لیا۔''

۲۔ حضرت یعلیٰ بن اُمیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

طاف النبي ﷺ مضطبعاً ببُرد أخضر۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے سبز چادر کے ساتھ اِضطباع کرتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا۔''

۳۔ علامہ طیبی اِضطباع کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

------ ۲: ۱۷۷، رقم: ۱۸۸۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۰۶

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۶۲، رقم: ۱۲۴۷۸

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۷۹، رقم: ۹۰۳۸، ۹۰۳۹

۵۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۱۰: ۲۰۷، ۲۰۸، رقم: ۲۱۳۔ ۲۱۵

(۱) ۱۔ أبوداؤد، السنن، کتاب المناسک، باب الإضطباع فی الطواف، ۲: ۱۷۷، رقم: ۱۸۸۳

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء أن النبی ﷺ طاف مضطبعا، ۳: ۲۱۴، رقم: ۸۵۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المناسک، باب الإضطباع، ۲: ۹۸۴، رقم: ۲۹۵۴

۴۔ دارمی، السنن، ۲: ۶۵، رقم: ۱۸۴۳

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۷۹، رقم: ۹۰۳۵

إنما فعل ذلک إظهارًا للتشجع، کالرمل فی الطواف۔[1]

’’حضور ﷺ نے یہ فعل صرف شجاعت و بہادری کے اِظہار کے لیے کیا جس طرح طواف میں رَمل اختیار کیا۔‘‘

آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد ہم طواف میں اِضطباع مکہ میں کسی کافر کو دکھانے کے لیے نہیں کرتے بلکہ فقط اُسی سنت کو ادا کرتے ہیں جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرانجام دی۔ ہم حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِس عمل کی یاد منا کر اپنے دل و دماغ روشن کرتے ہیں اور یہ روشنی ہمیں آج بھی باطل کے خلاف چوکس اور مستعد کرنے میں مہمیز کا کام دیتی ہے۔

۶۔ تقبیلِ حجرِ اَسود: حبیبِ خدا ﷺ کی ادا دُہرائی جاتی ہے

حجرِ اسود کی شرف و فضیلت کا ایک سبب یہ ہے کہ اسے حضرت جبریل علیہ السلام جنت سے لے کر آئے تھے۔[2] انبیاء کرام حکمِ اِلٰہی کے تحت حجرِ اَسود کا بوسہ لیتے اور اِستلام کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جد الأنبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو حرمِ کعبہ کے اندر نصب فرمایا اور اپنے مقدس لبوں سے اسے بوسہ دیا۔ چنانچہ حجرِ اَسود کا استلام اور بوسہ مناسک حج میں شامل کر دیا

---

(۱) ۱۔ عظیم آبادی، عون المعبود علی سنن أبی داؤد، ۵: ۲۳۶
۲۔ مبارک پوری، تحفة الأحوذی فی شرح جامع الترمذی، ۳: ۵۰۶

(۲) ۱۔ أرزقی، أخبار مکة وما جاء فیها من الآثار، ۱: ۶۲، ۶۴، ۳۲۵
۲۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۳: ۲۷۵، رقم: ۱۴۱۴۶
۳۔ ابن الجعد، المسند: ۱۴۸، رقم: ۹۴۰
۴۔ فاکہی، أخبار مکة فی قدیم الدهر وحدیثه، ۱: ۹۱، رقم: ۲۵
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۲۴۲

گیا۔ آج مسلمان صرف اِس لیے اس کا استلام کرتے اور بوسہ لیتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے ایسا کیا تھا۔ اِس اَمر کی تائید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اَسود کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اسے فرمانے لگے:

إني أعلم أنک حجر، لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت النبيّ ﷺ يقبّلک ما قبّلتک۔(۱)

’’میں جانتا ہوں بے شک تو ایک پتھر ہے جو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان الفاظ کے ساتھ بھی مذکور ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، ۲: ۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الرمل فی الحج والعمرۃ، ۲: ۵۸۲، رقم: ۱۵۲۸

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب تقبیل الحجر، ۲: ۵۸۳، رقم: ۱۵۳۲

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إستحباب تقبیل الحجر الأسود فی الطواف، ۲: ۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰

۵۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب إستلام الحجر، ۲: ۹۸۱، رقم: ۲۹۴۳

۶۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۴۰۰، رقم: ۳۹۱۸

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۶، رقم: ۳۲۵

إنما أنت حجر، ولولا أني رأيت رسول الله ﷺ قبّلک، ما قبّلتک۔[1]

’’(اے حجرِ اَسود!) تو محض ایک پتھر ہے۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔‘‘

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اَسود کو بوسہ دیا۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیشِ نظر تقبیلِ حجرِ اَسود کا مقصد صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی یاد تازہ کرنا تھا، اور یہی سنت تا قیامت جاری رہے گی۔

۷۔ قیامِ مقامِ اِبراہیم سیدنا اِبراہیم علیہ السلام کی یاد دلاتا ہے

لغت کی رو سے مقام قدم رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔[2] مقامِ ابراہیم کے تعین کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں: جمہور علماء و مفسرین کے نزدیک حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہم و دیگر کے قول کے مطابق مقامِ ابراہیم اُس پتھر کو کہا جاتا ہے جسے لوگ اب مقامِ ابراہیم کے نام سے پہچانتے اور اس کے نزدیک طواف کی دو

(۱) ۱۔ مالك، الموطاء، كتاب الحج، باب تقبيل ركن الأسود فى الاستلام، ۱: ۳۶۷، رقم: ۸۱۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵۳، رقم: ۳۸۰

(۲) ۱۔ فراہیدی، کتاب العین، ۵: ۲۳۲

۲۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط، ۴: ۱۷۰

۳۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۲: ۴۹۸

۴۔ زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۱۷: ۵۹۲

رکعت ادا کرتے ہیں۔ صحیح ترین قول بھی یہی ہے۔(۱) اِس کی وضاحت امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کی بیان کردہ اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ کر دیواریں بنا رہے تھے۔ جب دیواریں بلند ہوگئیں تو وہ اِس پتھر کو لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اِس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے۔(۲) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لائے ہوئے پتھر اُٹھانے سے ضعف لاحق ہوا تو وہ اِس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے اور یہ پتھر کعبہ کے عمارت کے اِرد گرد گھومتا رہتا یہاں تک کہ تعمیر مکمل ہوگئی۔(۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب

---

(۱) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱: ۵۳۷
۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۲: ۱۱۲
۳۔ رازی، التفسیر الکبیر، ۴: ۴۵
۴۔ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱: ۳۷۹
۵۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۴۹۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب یزفون: النسلان فی المشی، ۳: ۱۲۳۵، رقم: ۳۱۸۴
۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۱۱۰، رقم: ۹۱۰۷
۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱: ۵۵۰
۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم. ۱: ۱۷۸
۵۔ قزوینی، التدوین فی اخبار قزوین، ۱: ۱۰۵

(۳) ۱۔ أزرقی، أخبار مکة و ماجاء فیھا من الآثار، ۱: ۵۸
۲۔ أزرقی، أخبار مکة و ماجاء فیھا من الآثار، ۲: ۳۳

ﷺ میں عرض کیا:

یا رسول اللہ! لو اتخذت من مقام إبراهيم مصلی۔

’’یا رسول اللہ! کاش آپ مقامِ ابراہیم کونماز کی جگہ بنالیں۔‘‘

اس پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔(۱)

’’اور ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کومقامِ نماز بنالو۔‘‘(۲)

اس حکم کی تعمیل میں حضور نبی اکرم ﷺ نے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب ہم آپ ﷺ کے ہمراہ بیت اللہ پہنچے تو آپ ﷺ نے اِستلامِ رکن کیا، پھر طواف کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمول کے مطابق طواف کیا۔ پھر آپ ﷺ مقامِ ابراہیم پر آئے اور آیت - ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى﴾ - تلاوت فرمائی، اور آپ ﷺ نے مقامِ

---

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۱۲۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب التفسير، باب قوله: و اتخذوا من مقام إبراهيم مصلی، ۴: ۱۶۲۹، رقم: ۴۲۱۳

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب التفاسير، باب ومن سورة البقرة، ۵: ۲۰۶، رقم: ۲۹۶۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب القبلة، ۱: ۳۲۲، رقم: ۱۰۰۸

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۲۸۹، رقم: ۱۰۹۹۸

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۳۱۹، رقم: ۶۸۹۶

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۶، رقم: ۲۵۰

ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔[1]

پس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس پتھر کو مقامِ نماز بنا لینے کا حکم فرمایا جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر کو یہ شرف ملا کہ سید الانبیاء ﷺ نے اسے اپنا مقامِ نماز بنایا۔ اِس طرح قیامت تک بیت اللہ کا طواف کرنے والے تمام مسلمانوں کے لیے واجب قرار پا گیا کہ جب تک وہ اس مقام پر دو رکعت نماز نہ ادا کر لیں ان کا طواف مکمل نہیں ہوگا۔ (اگر مقام ابراہیم پر نماز کی جگہ نہ ملے تو دوسری جگہ پر بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے، لیکن اَفضلیت اسی کو حاصل ہے۔)[2] پس تعمیرِ کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی کے طور پر مقامِ ابراہیم ہمیشہ مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرکز رہے گا اور وہ اِس مقام پر نوافل ادا کر کے حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی تعمیرِ کعبہ کی یاد مناتے رہیں گے۔

۸۔ صفا و مروہ کی سعی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی سنت ہے

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب بندوں سے صادِر ہونے والے ایسے اَفعال جو انہوں نے عبادت کی نیت سے کیے ہوتے ہیں نہ بظاہر عبادت لگتے ہیں، مگر رب کریم کی بارگاہ میں اتنے پسندیدہ اور مستجاب ہوتے ہیں کہ اُنہیں اِجتماعی عبادت کا جزو بنا دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان دیوانہ وار دوڑنا ہے۔ باری تعالیٰ کو اپنی اس پیاری

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، ۲: ۸۸۷، رقم: ۱۲۱۸

(۲) ۱۔ سرخسی، کتاب المبسوط، ۴: ۱۲
۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲: ۱۴۸
۳۔ سمرقندی، تحفۃ الفقہاء، ۱: ۴۰۲
۴۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۲: ۳۵۶

بندی کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اسے مناسکِ حج کا حصہ بنا دیا۔ اسے اِصطلاح میں سعی کہتے ہیں اور یہ حج و عمرہ کے واجبات میں سے ہے۔

یہ بات قطعی طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ سعی کے سات چکروں کے مابین کوئی مخصوص ذکر، اوراد و وظائف یا قرآنی آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ البتہ آپ اگر چاہیں تو قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ سکتے ہیں، مختلف دعوات، تسبیحات اور مناجات کر سکتے ہیں، درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں اور اگر کچھ بھی زبانی یاد نہ ہو تو صرف اللہ کے نام کا ذکر کرتے رہیں یا جو کلمۂ خیر آپ کو یاد آ جائے پڑھ لیں، یہ سب جائز ہے۔ اگر کچھ بھی یاد نہ رہے تب بھی خاموشی سے سعی کے سات چکر صفا اور مروہ کے درمیان مکمل کریں۔ صفا و مروہ کی سعی کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) اور دیگر ائمہ حدیث و تفسیر نے متعدد احادیث و روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت درج ذیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کو (شام سے) مکہ لے آئے۔ ان دنوں مکہ میں کوئی شخص آباد تھا نہ پانی کا نام و نشان تھا۔ پس آپ نے ان دونوں کو بیت اللہ کے قریب چھوڑ دیا اور ایک تھیلے میں چند کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی بھی رکھ دیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کی طرف واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام اُن کے پیچھے پیچھے آئیں اور آواز دے کر ان سے پوچھا: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر جا رہے ہیں جہاں کوئی انسان بستا ہے نہ کوئی اور چیز۔ انہوں نے کئی بار اپنا سوال دہرایا لیکن حضرت ابراہیم نے ان کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا۔ پھر انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: یہ بات ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر وہ اسی جگہ لوٹ آئیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

چل پڑے یہاں تک کہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جب وہ مقامِ ثنیہ پر پہنچے تو ہاتھ بلند کر کے اللہ کے حضور ان کلمات کے ساتھ دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ○[1]

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد (اِسماعیل علیہ السلام) کو (مکہ کی) بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسا دیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم رکھیں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ شوق و محبت کے ساتھ ان کی طرف مائل رہیں اور اُنہیں (ہر طرح کے) پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر بجالاتے رہیں○''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

وجعلت أم إسماعيل تُرضع إسماعيل، وتشرب من ذلک الماء، حتى إذا نَفِدَ ما في السِّقاء عطشت وعطش ابنها. وجعلت تنظر إليه يتلوّى، أو قال: يَتَلَبَّطُ، فانطلقت كراهية أن تنظر إليه، فوجدت الصَّفا أقربَ جبلٍ في الأرض يليها، فقامت عليه، ثم استقبلت الوادي تنظر هل ترى أحداً فلم تر أحداً، فهبطت من الصفا حتى إذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها، ثم سعت سعي الإنسان المجهود حتى جاوزت الوادي، ثم أتت المروة فقامت عليها و نظرت هل ترى أحدًا فلم تر أحدًا، ففعلت ذلک سبع

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۳۷

مرات.

''حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلانے لگیں اور اسی پانی سے پینے لگیں یہاں تک کہ ان کے مشکیزہ سے پانی ختم ہوگیا جس سے وہ اور ان کا بیٹا پیاسے ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو سالہ بچہ پیاس سے تڑپنے کے باعث ایڑیاں زمین پر مار رہا ہے، اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ پانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اسی جگہ قریب ہی صفا پہاڑی تھی اس پر چڑھ کر وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں کہ کوئی نظر آ جائے مگر انہوں نے کسی کو نہ دیکھا۔ پس صفا سے اتر کر وادی میں آئیں تو دامن سمیٹ کر مصیبت زدہ انسان کی طرح تیز دوڑ کر انہوں نے وادی کو عبور کیا، پھر مروہ پہاڑی پر چڑھ کر ادھر ادھر کسی انسان کو دیکھنے لگیں مگر انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ اس طرح انہوں نے (صفا اور مروہ کے درمیان) سات چکر لگائے۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فذلک سعي الناس بينهما.(۱)

''یہی وجہ ہے کہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان (حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سنت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: واتخذ اللہ إبراہیم خلیلا، ۳: ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، رقم: ۳۱۸۴

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۱۰۰، رقم: ۸۳۷۹

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۱۰۵، ۱۰۶، رقم: ۹۱۰۷

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۰۰، رقم: ۸۳۷۹

۵۔ نسائی، فضائل الصحابۃ، ۱: ۸۲، رقم: ۲۷۳

۶۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۹: ۳۶۸، ۳۶۹

۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۱۷۷

پر عمل پیرا ہوتے ہوئے) سعی کرتے ہیں۔‘‘

خدائے ذوالجلال کو اپنی اِس پیاری بندی کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ صفا و مروہ کو شعائر اللہ قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ۔ (۱)

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

اِس واقعہ کو تقریباً چار ہزار سال گزر گئے ہیں۔ اب نہ تو وہ وادی باقی رہی ہے، نہ وہ پہاڑیاں اُس حالت میں موجود ہیں اور نہ ہی اللہ کی اُس محبوب بندی پر جو کیفیت بیتی تھی وہ باقی ہے۔ پھر بھی حجاج کرام حکمِ ایزدی کی تعمیل میں سعی کرتے ہیں۔ جب حجاج کرام اور معتمرین (عمرہ کرنے والے) صفا و مروہ کے اس حصے میں پہنچتے ہیں تو دوڑ کر گزرتے ہیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں ایک سے دوسرے پہاڑ کی چوٹی تک اس گہری وادی کو عبور کرنے کے لیے دوڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی محبوب بندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا یہ عمل بہت پسند آیا، اور آج بھی ہم اُسی اضطراب و پریشانی کی کیفیت کو تصور و تخیل میں لا کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں سعی کرتے ہیں۔

زَم زَم کی وجہ تسمیہ

جب گلشنِ ابراہیم علیہ السلام کے نونہال اسماعیل علیہ السلام نے پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑیں تو قدرتِ اِلٰہیہ سے پتھریلی زمین سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ تیز پانی کا چشمہ دیکھ کر سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے ننھے اسماعیل کو نقصان پہنچ جانے کے ڈر سے فرمایا: زَمْ زَمْ (رُک جا)۔ آپ کے حکم پر تیزی سے بہنے والا پانی معتدل رفتار سے بہنے لگا اور یوں اس کا نام ہی زَمْ زَمْ پڑ گیا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد یہ چشمہ آج بھی جاری

(۱) البقرة، ۲: ۱۵۸

ہے۔ زائرینِ مکہ کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے۔ اسے نہایت ادب سے باوضو حالت میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے۔[۱] اس پانی کا یہ خاص حکم اس لیے ہے کہ اسے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسبت حاصل ہے۔ اسی بناء پر یہ دنیا کے تمام پانیوں پر فضیلت رکھتا ہے اور بہت سی اَمراض میں باعثِ شفاء ہے۔

مندرجہ بالا نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی واقعہ کی یاد منانے کو نہ صرف جائز بتایا گیا ہے بلکہ مختلف اعمال کو شریعت کا مستقل حصہ بنا کر ان کے بجا لانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ ہمیں میلاد النبی ﷺ کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کی رحمت، اس کا فضل اور اس کا سب سے بڑا احسان اور انعام ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نسل انسانی پر فرمایا ہے۔ اِس فضل و اِحسان پر اِظہارِ تشکر کے طور پر میلاد النبی ﷺ کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، جن سے دِلوں میں حضور ﷺ کے عشق کی چنگاری سلگائی جاتی ہے اور آپ ﷺ کی اِطاعت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

۹۔ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی یادگار ہیں

حجاج کرام نویں ذی الحج کو میدانِ عرفات میں قیام کرتے ہیں۔ اس میں کوئی خاص عبادت لازمی طور پر ادا نہیں کی جاتی۔ وقوفِ عرفات فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ عرفات کی یہ حاضری حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے درمیان اس

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء فی زمزم، ۲: ۵۹۰، رقم: ۱۵۵۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأشربۃ، باب الشرب قائما، ۵: ۲۱۳۰، رقم: ۵۲۹۴

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربۃ، باب فی الشرب من زمزم قائما، ۳: ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، رقم: ۲۰۲۷

۴۔ عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ۹: ۲۷۷

ملاقات کی یاد دلاتی ہے جو نویں ذوالحجہ کو اس میدان میں ہوئی۔ اس کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

۱۔ مزدلفہ اور عرفات کی وجہ تسمیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما درج ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

أهبط آدم عليه السلام بالهند وحواء بجدة، فجاء في طلبها حتى اجتمعا، فازدلفت إليه حواء فلذلک سميت المزدلفة، وتعارفا بعرفات فلذلک سميت عرفات، واجتمعا بجمع فلذلک سميت جمعًا۔(۱)

''حضرت آدم علیہ السلام کو ہند اور حضرت حواء کو جدہ کے مقام پر اتارا گیا، پس حضرت آدم علیہ السلام ان کی تلاش میں نکلے تو ان کا آپس میں ملاپ ہوگیا۔ حضرت حوا علیہا السلام (اس مقام پر) ان کے قریب ہوئیں تو اس کا نام ''مزدلفہ'' پڑ گیا، اور ان دونوں نے عرفات کے مقام پر ایک دوسرے کو پہچان لیا تو اس کا نام ''عرفات'' ہو گیا اور (نویں ذی الحج کو) جمع ہونے کے مقام پر ان کا اکٹھ ہوا تو اس کا نام ''یوم جمع'' ہوگیا۔''

۲۔ جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو ہند کے ایک پہاڑ ''نوذ'' پر جبکہ حضرت حواء علیہا السلام کو حجاز میں ''جدہ'' کے مقام پر اتارا گیا۔ ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ)، طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) اور نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) کے مطابق پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حواء علیہا

---

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱: ۷۹
۲۔ ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۱: ۳۴
۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۳۹
۴۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۶۹: ۱۰۹

السلام کو مقامِ عرفات پر پہچان لیا، پس اسی وجہ سے اسے ''عرفۃ'' کا نام دیا گیا۔[1]

۳۔ امام قرطبیؒ (۲۸۴۔۳۸۰ھ) تفسیر ''الجامع لأحکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

أن آدم لما هبط وقع بالهند، وحواء بجدة، فاجتمعا بعد طول الطلب بعرفات يوم عرفة وتعارفا، فسمي اليوم عرفة والموضع عرفات، قاله الضحاک۔[2]

''جنت سے زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حواء علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا، کافی تگ و دو کے بعد آپس میں ان کی ملاقات عرفہ کے دن مقامِ عرفات پر ہوئی اورانہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ پس اس دن کو ''یوم عرفہ'' اوراس جگہ کو ''عرفات'' کا نام دے دیا گیا۔ یہ قول امام ضحاک کا ہے۔''

۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ)، یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) اور علامہ شوکانی (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ) مُزدلفہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

وسميت المزدلفة جمعاً، لأن آدم اجتمع فيها مع حواء، وازدلف إليها أي دنا منها۔[3]

''مزدلفہ کو ''جمع'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت حواء علیہا السلام کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور ان کے قریب ہوئے۔''

---

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱: ۷۹
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۳۵، ۳۶
۳۔ نووی، تہذیب الأسماء واللغات، ۳: ۲۳۷

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۲: ۴۱۵

(۳) ۱۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲۳
۲۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ۵: ۱۲۱
۳۔ شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، ۱: ۴۲۳

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما منیٰ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں:

إنما سميت مِنی مِنی لأن جبريل حين أراد أن يفارق آدم عليه السلام، قال له: تمن، قال: أتمنى الجنة. فسميت منى لأمنية آدم عليه السلام۔(۱)

''منیٰ کو منیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے مفارقت کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا: آپ کی کوئی خواہش ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے جنت کی آرزو ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی خواہشات کی وجہ سے اسے منیٰ کا نام دیا گیا۔''

جس طرح رمی الجمرات سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ کی یاد اور سعی بین الصفاء والمروہ، سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی یاد دہرانے اور تلبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور پکار کے جواب کا نام ہے۔ اسی طرح وقوفِ عرفات اور مزدلفہ اس ملاقات کی یادگار ہے جو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے درمیان جنت سے زمین پر تشریف لانے اور طویل عرصہ کی جدائی کے بعد اس میدان میں ہوئی جس میں انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان کر قربت اختیار کی۔ یہ بات یاد رہے کہ ''عرفات'' اور ''مزدلفہ'' کا لغوی معنی ہی ''پہچاننا''(۲) اور ''قریب ہونا''(۳) ہے۔ باری تعالیٰ نے اپنے ان مقبول بندوں

(۱) ۱۔ أزرقي، أخبار مكة وماجاء فيها من الآثار، ۲: ۱۸۰
۲۔ نووي، تهذيب الأسماء واللغات، ۳: ۳۳۳
۳۔ قرطبي، الجامع لأحكام القران، ۳: ۷

(۲) ۱۔ فراهيدي، كتاب العين، ۲: ۱۲۱
۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۹: ۲۳۶، ۲۴۲

(۳) ۱۔ خطابي، غريب الحديث، ۲: ۲۴
۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۹: ۱۳۸

کی اس ملاقات کی یاد زندہ و جاوید رکھنے کے لیے ہر سال حج کے لیے آنے والوں پر ۹ ذی الحج کو ان میدانوں میں وقوف اور حاضری لازمی قرار دی ہے۔

۱۰۔ عرفات و مزدلفہ میں ظہرین و مغربین کی ادائیگی سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے

مسلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہمیشہ اپنے وقت پر نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن حجاج کرام میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کرتے ہیں۔ ایسا صرف اس لیے ہے کہ اللہ کے محبوب ترین پیغمبر ﷺ نے میدانِ عرفات میں ظہر و عصر اکٹھی ادا کی تھیں۔ لہٰذا اس کی پیروی ہر خاص وعام کے لیے واجب قرار پائی۔ پھر مغرب کا وقت آجاتا ہے۔ مسلمان غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب ادا کرنے کے پابند ہیں، لیکن حجاج کرام کے لیے قانونِ شریعت کی یہ پابندی معطل ہوگئی۔ محبوبِ خدا ﷺ نے مغرب کی نماز مزدلفہ جا کر عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کی تھی، لہٰذا حجاج کرام بھی مزدلفہ پہنچ کر دونوں نمازیں اکٹھی ادا کرنے کے پابند ہیں۔ اس حوالے سے چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ محدثین کرام نے حضور نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے بارے میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔ اس میں انہوں نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ میدان عرفات میں ظہر اور عصر جبکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ادا کیں۔[1]

۲۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

أن النبي ﷺ صلَّى الظهر والعصر بأذانٍ واحدٍ بعرفةَ ولم يسبح

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب حجة النبى ﷺ، ۲: ۸۸۶۔ ۸۹۲، رقم: ۱۲۱۸

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبى ﷺ، ۲: ۱۸۵، رقم: ۱۹۰۵

بينهما وإقامتين، وصلى المغرب والعشاء بِجَمْعٍ بأذان واحد وإقامتين ولم يسبح بينهما۔[۱]

''بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے عرفات میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر پڑھائی اور ان کے درمیان کوئی تسبیح نہ پڑھی، اور مقامِ مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء پڑھائی اور ان کے درمیان کوئی تسبیح نہ پڑھی۔''

۳۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ما رأيت رسول الله ﷺ صلّى صلاةً إلا لميقاتها إلا صلاتَين: صلاة المغرب والعشاء بجَمعٍ۔[۲]

''میں نے رسول اکرم ﷺ کو ہمیشہ مقررہ وقت پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے سوائے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی دو نمازوں کے۔ آپ ﷺ نے انہیں جمع کر کے ادا کیا ہے۔''

نماز مومنین پر وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے[۳] تاہم مذکورہ روایات سے ثابت

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، ۲: ۱۸۶، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱: ۴۰۰، رقم: ۱۷۴۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم النحر بالمزدلفة، ۲: ۹۳۸، رقم: ۱۲۸۹

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الحج، باب متى يصلى الفجر بجمع، ۲: ۶۰۴، رقم: ۱۵۹۸

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۱۰۳

ہوتا ہے کہ حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں مقررہ اَوقات کی پابندی کی بجائے نمازیں اکٹھی پڑھنے کا حکم ہے۔ کیوں کہ حبیبِ خدا ﷺ کی یہی سنت ہے۔

۱۱۔ قربانی ذبحِ اسماعیل علیہ السلام کی یاد ہے

حجاج کرام مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران میں اور روئے زمین پر بسنے والے دیگر مسلمان بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور ذبح کر کے سنتِ ابراہیمی کی یاد مناتے ہیں۔ یہ سارا عمل دراصل اس منظر کی یاد تازہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جب منشائے ایزدی کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے اس میدان میں لے آئے تھے۔ یہ عظیم قربانی بارگاہِ خداوندی میں اس قدر مقبول ہوئی کہ آج بھی ہر سال حجاج کرام اس قربانی کی یاد میں جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔

قربانی دینے کی یہ ادا اللہ رب العزت کو اتنی پسند آئی کہ اسے صرف حج کے مناسک تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر لازمی قرار دے دیا کہ اللہ کی راہ میں جانور قربان کریں۔

امام حسن بصریؒ (۲۱۔۱۱۰ھ) اس پر درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

ما فدی إسماعیل إلا بتیس کان من الأروی أھبط علیه من ثبیر، وما یقول الله ﷻ: ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍO﴾[1] لذبیحته فقط، ولکنه الذبح علی دینه فتلک السنة إلی یوم القیامة، فاعلموا أن الذبیحة تدفع میتة السوء فضحُّوا عباد الله۔[2]

---

(۱) الصافات، ۳۷:۱۰۷

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱:۱۶۷

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۳:۸۷، ۸۸

۳۔ فاکھی، أخبار مکة فی قدیم الدھر و حدیثه، ۵: ۱۲۴

’’حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں بہت ہی موٹا تازہ بکرا وادئ شبیر (جبلِ مکہ) سے اتارا گیا تھا، (قرآن حکیم میں) اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اس کا فدیہ کر دیاo﴾ اِس آیت میں ذبیحہ کو حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ذبح کرنا قیامت تک کے لیے سنت قرار دے دیا گیا ہے۔ (امام حسن بصری مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:) تمہیں جاننا چاہیے کہ ذبیحہ میت سے برائی کو دور کر دیتا ہے، لہٰذا اللہ کے بندو! تم قربانی کیا کرو۔‘‘

یہ عمل بلا شبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کی عظیم قربانی کی یاد منانا (celebration) ہے تاکہ اُمت دین کی روح سے وابستہ رہے اور اللہ کی راہ میں جان و مال لٹانے میں دل ہمہ وقت تسلیم و رضا کی کیفیت میں ڈوبا رہے۔

قربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں

یوں تو دنیا میں ہر جگہ راہِ خدا میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہونے کی وجہ سے قربانی کے لیے ذبح کیے جانے والے جانوروں کی حیثیت منفرد اور جداگانہ ہے۔ انہیں اس خاص نسبت کی وجہ سے شعائر اللہ کا درجہ دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَـآئِرِ اللهِ۔ (۱)

’’اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔‘‘

آج بھی سنتِ اِبراہیمی کے انہی واقعات کو تخیل و تصور میں لا کر قربانی کی جاتی

(۱) الحج، ۲۲ : ۳۶

ہے جس سے اللہ کا پسندیدہ عمل اس کی رضا کے حصول کا باعث بن جاتا ہے۔

۱۲۔ کنکریاں مارنے کا عمل سنتِ ابراہیمی علیہ السلام ہے

حجاج کرام تین دن منیٰ میں قیام کرتے ہیں اور ان ستونوں کو پتھر مارتے ہیں جو جمرۂ اُولیٰ، جمرۂ وُسطیٰ اور جمرۂ عقبیٰ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل کی یادگار ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن جبريل ذهب بإبراهيم إلى جمرة العقبة، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات، فساخ، ثم أتى الجمرة الوسطى، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصياتٍ، فساخ، ثم أتى الجمرة القصوى، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات، فساخ۔[(۱)]

’’جبرائیل امین ابراہیم علیہ السلام کو لے کر جمرۂ عقبیٰ پر گئے تو وہاں ان کے سامنے شیطان آیا۔ انہوں نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرۂ وسطیٰ پر تشریف لائے تو شیطان کے (دوبارہ) سامنے آنے پر

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۰۶

۲۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۶۳۸، رقم: ۱۷۱۳

۳۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۵: ۱۵۳، رقم: ۹۴۷۵

۴۔ مقدسى، الأحاديث المختارة، ۱۰: ۲۸۳، رقم: ۲۹۶

۵۔ منذرى، الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، ۲: ۱۳۴، رقم: ۱۸۰۷

۶۔ هيثمى، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ۳: ۲۵۹

انہوں نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرۂ اُولیٰ پر پہنچے تو شیطان سے (سہ بارہ) آمنا سامنا ہونے پر اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔‘‘

۲۔ ایک اور روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود بیان فرماتے ہیں:

إن إبراهيم لمّا أمر بالمناسک ...... ذهب به جبريل إلى جمرة العقبة فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات حتى ذهب، ثم عرض له عند الجمرة الوسطى، فرماه بسبع حصيات، قال: قد ﴿تَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ﴾[1] وعلى إسماعيل قميص أبيضُ، وقال: يا أبت! إنه ليس لي ثوب تُكَفِّنُنِي فيه غيره، فاخلعه حتى تُكَفِّنُنِي فيه، فعالجه ليخلعه فنُودي من خلفه ﴿اَنۡ یّٰۤـاِبۡرٰهِیۡمُ ○ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا﴾[2] فالتفت إبراهيم، فإذا هو بكبش أبيض أقرن أعين، قال ابن عباس: لقد رأيتنا نبيع هذا الضرب من الكباش. قال: ثم ذهب به جبريل إلى الجمرة القصوى، فعرض له الشيطان فرماه بسبع حصيات حتى ذهب۔[3]

---

(۱) القرآن، الصافات، ۳۷: ۱۰۳

(۲) القرآن، الصافات، ۳۷: ۱۰۴، ۱۰۵

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۷

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۲۶۸، رقم: ۱۰۶۲۸

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۵۳۔۱۵۴

۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ۳: ۲۵۹

۵۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۳: ۸۰

۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۱۶

’’بے شک جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسکِ حج کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تو جبرئیل علیہ السلام آپ کو جمرۂ عقبیٰ پر لے گئے، وہاں آپ کے سامنے شیطان آیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا۔ پھر وہ آپ کے سامنے جمرۂ وُسطیٰ پر آیا۔ آپ نے اسے سات کنکر مارے، (یہ ایسا مقام تھا جس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآنی آیت پڑھتے ہوئے) فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے اسے (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو) پیشانی کے بل لٹا دیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوپر سفید قمیض تھی، انہوں نے کہا: اباجان! میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفن دیں، لہٰذا اسے میرے جسم سے اتار لیں تاکہ آپ مجھے اس میں کفن دے سکیں۔ پس آپ نے انہیں سیدھا کیا کہ وہ قمیض اتار لیں، تو آپ کو پیچھے سے (غیبی) ندا دی گئی: ﴿اے ابراہیم! واقعی تم نے اپنا خواب (کیا خوب) سچا کر دکھایا۔﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں موٹی آنکھوں اور سینگوں والا سفید (خوبصورت) مینڈھا کھڑا پایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہاں (اپنا اظہارِ خیال کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ہمارا خیال ہے کہ ہم اسی قسم کے مینڈھے فروخت کرتے ہیں۔ پھر بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمرۂ اولیٰ پر لے گئے تو وہاں بھی شیطان سے مڈھ بھیڑ ہوگئی، آپ نے پھر اسے سات کنکر مارے یہاں تک کہ وہ بھاگ گیا۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو کنکر مارنے کے ساتھ ساتھ تکبیر بھی کہتے رہے۔ اس کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

۳۔ حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۴ھ) فرماتے ہیں:

خرج بإبراهيم جبريل، فلما مرّ بجمرة العقبة إذا بإبليس عليها،

فقال جبريل: كبّر وارمه، ثم ارتفع إبليس إلى الجمرة الوسطى، فقال له جبريل: كبّر وارمه، ثم ارتفع إبليس إلى الجمرة القصوى، فقال له جبريل: كبّر وارمه۔(۱)

’’جبریل امین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے کر جمرۂ عقبٰی کے مقام سے گزرے تو وہاں ابلیس کھڑا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: تکبیر کہہ کر اسے کنکر ماریں، پھر جمرۂ وسطٰی پر ابلیس سے سامنا ہونے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ تکبیر کہہ کر اسے کنکر ماریں، پھر جمرۂ اولٰی پر ابلیس ملا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ تکبیر کہہ کر اسے کنکر ماریں۔‘‘

شیطان کو کنکریاں مارنا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی سنت نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے جیسا کہ درج ذیل روایت سے ظاہر ہے:

امام کلبی فرماتے ہیں:

إنما سميت الجمار، الجمار لأن آدم عليه السلام كان يرمي إبليس فَيُجْمِرُ من بين يديه۔(۲)

’’جمار کو اس لیے جمار (کنکریاں پھینکنے کی جگہ) کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ابلیس کو کنکریاں مارتے تو وہ تیزی سے آپ کے آگے بھاگتا تھا۔‘‘

اللہ کے محبوب بندے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آج سے ہزاروں سال پہلے جو عمل کیا تھا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں وہ مستجاب ہوا۔ امت مسلمہ کو اس پر عمل کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ یہ عمل حاجیوں کے لیے لازم قرار دے دیا گیا اور جب تک یہ عمل

(۱) أزرقي، أخبار مكة و ماجاء فيها من الآثار، ۱: ۶۸

(۲) أزرقي، أخبار مكة و ماجاء فيها من الآثار، ۲: ۱۸۱

دہرایا نہ جائے حج جیسی عظیم عبادت مکمل نہیں ہوتی۔

یہ عمل پیغام اور مقصدیت سے خالی نہیں، اس سے تین چیزوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے:

اوّلاً: اس طرح اَنبیاء کی سنت جاری رہتی ہے۔

ثانیاً: اس عمل کو بار بار دہرا کر اللہ کے ان برگزیدہ پیغمبروں کے لیے جذبہ محبت و اِطاعت کا والہانہ اِظہار ہوتا ہے۔

ثالثاً: مسلمان ان علامتی شیطانوں کو پتھر مار کر شیطان سے اپنی نفرت کا اِظہار کرتے ہیں۔

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کی کیفیت کو تصور و تخیل میں لا کر اس پر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کرنا نہ صرف شرعاً جائز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ اگر اپنے پیارے اور اللہ کے حبیب نبی ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر واقعاتِ ولادت کو تصور و تخیل میں جاگزیں کر کے ان کی یادگار کے طور پر محافل کا انعقاد کرتی ہے تو یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ یہ محافل آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حبی و عشقی تعلق کو مزید مستحکم کرتی ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ محبت وعقیدت اور قلبی وارفتگی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ آپ ﷺ کی یاد دل میں بسا لینا، آپ ﷺ کی یاد میں کھوئے رہنا اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں حضوری کے لمحات نصیب ہو جانا وہ کیفیات ہیں جو اللہ رب العزت کو بے حد محبوب ہیں۔ بندۂ خدا خلوصِ نیت سے رضائے الٰہی کے لیے بیت اللہ کا حج کر کے یادِ ابراہیمی تازہ کرتا ہے تو رب کریم اس کے صغائر و کبائر معاف فرما دیتا ہے۔[1] اگر وہ بندہ یادِ مصطفیٰ ﷺ میں سید الانبیاء ﷺ کی ولادت

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من حج لله فلم يرفث، ولم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه۔

←

کا جشن منائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام اور گلہائے عقیدت پیش کرے تو پھر اس کی خوش بختی کا عالم کیا ہو گا! یہی وہ نکتہ ہے جس کا ادراک ہمیں رسول اکرم ﷺ کی اتباع واطاعت میں پختہ تر کرتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو باقی تمام عقائد کی جان ہے:

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں همه اُوست
اگر به اُو نرسیدی، تمام بولہبی است[1]

(دین سارے کا سارا درِ مصطفٰی ﷺ پر رسائی کا نام ہے۔ اگر اس در تک ہم نہ پہنچ سکے تو ایمان رُخصت ہو جاتا ہے اور بولہبی باقی رہ جاتی ہے۔)

ایک اِعتراض

بعض لوگ جشنِ میلاد النبی ﷺ نہیں مناتے۔ ان کا اعتراض ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد منانا ضروری نہیں بلکہ آپ ﷺ کی اِتباع ضروری ہے کیوں کہ آپ ﷺ کی دنیا میں آمد کا بنیادی مقصد بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی اور انہیں اسلامی شریعت

...... ’’جو رضائے اِلٰہی کے لیے حج کرے جس میں کوئی بے ہودہ بات ہو نہ کسی گناہ کا اِرتکاب، وہ ایسے لوٹے گا جیسے اُس کی ماں نے اُسے ابھی جنا ہو۔‘‘☆

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، ارمغانِ حجاز: ۶۹۱

☆ ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، ۲: ۵۵۳، رقم: ۱۴۴۹
۲۔ ابن الجعد، المسند: ۱۴۱، رقم: ۸۹۶
۳۔ ابن منده، الإیمان: ۳۹۲، رقم: ۲۳۰
۴۔ مقدسی، فضائل الأعمال: ۸۱، رقم: ۳۴۷
۵۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲: ۲۷۷

و تعلیمات سے بہرہ ور کرنا تھا، جو آپ ﷺ نے پورا فرما دیا۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر اسلام کی تبلیغ اور ترویج و اشاعت میں اپنا کردار ادا کریں۔ میلاد منانے کی بجائے اپنے سامنے وہ مقصد رکھیں جس کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔ معترضین کا موقف یہ ہے کہ میلاد النبی ﷺ کا جشن منانا اور اس کے لیے تقریبات کا انعقاد وقت اور سرمائے کا ضیاع ہے۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

آیئے ہم اِس اِعتراض کا تفصیلی جائزہ لیں:

اعتراض کا جواب اور ہمارا نقطہ نظر

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ لوگ جو کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کے بارے میں کہتے ہیں ہمیں اس سے انکار نہیں، بلا شبہ آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو ہدایت کے نور سے فیض یاب کرنا اور انہیں اپنی سنتِ مطہرہ کی صورت میں اسلام کا ایک مکمل ضابطۂ حیات فراہم کرنا تھا۔ اس پہلو پر ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرنا اور اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنا ہم پر لازم ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم اپنی متاعِ علم و عمل کو مصطفوی انقلاب کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں لیکن ہمیں ان کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف ہے جو وہ میلاد النبی ﷺ کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں رکھتے ہیں، یہ ایک الگ معاملہ ہے۔

تمسک بالدین اور رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر عمل کرنے میں کسی کو کلام نہیں لیکن ایک اہم پہلو اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ دین میں اگر ایک عملی پہلو ہے تو دوسرا قلبی، حبی اور عشقی پہلو بھی ہے جو آمدِ مصطفیٰ ﷺ اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے ترانے

گنگنانے کے تقاضے اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو ایک بہت بڑی نعمت اور رحمت عطا کی جب اس نے ان کے درمیان اپنے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کو بھیجا۔ وہ دن جس میں نعمت خداوندی کو اپنے دامن میں لیے ہوئے اس دنیائے آب و گل میں آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی ہمارے لیے مسرت و شادمانی اور اظہارِ تشکر و اِمتنان کا دن ہے۔ اس دن اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے وجود مسعود کی صورت میں اپنا فضل و رحمت ہم پر نچھاور کر دیا۔ اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ کا یومِ ولادت منانا اور اس کا شایانِ شان طریقے سے شکر بجا لانا اَمرِ مستحسن ہے۔ یہ ایک بنیادی نکتہ ہے جس سے ہم صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

ہزاروں سال قبل ظہور پذیر ہونے والے واقعات میں ہمارے لیے ایک پیغام اور مقصد مضمر ہے۔ مناسکِ حج ہی کو لیجیے، بادی النظر میں ان اعمال کو جاری رکھنے میں کوئی عملی ربط پنہاں نہیں۔ بظاہر یہ مختلف واقعات تھے جو رونما ہوئے اور گزر گئے۔ ان واقعات میں ہمارے لیے کیا عملی اور تعلیمی سبق ہے کہ شریعت نے حج و عمرہ کے موقعوں پر مناسک کی صورت میں ان کا جاری رکھنا فرض اور واجب قرار دیا ہے؟ اس حقیقت سے ہم یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام دونوں باتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ دینی تعلیمات کے اس پہلو کو جو اَحکاماتِ الٰہیہ سے متعلق ہے ضروری سمجھتا ہے کیونکہ ان کی تعمیل تقاضائے دین ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیک وقت وہ کسی واقعہ کے جذباتی پہلو اور تعلق کو بھی خصوصی اہمیت دیتا ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ پہلو مداومت کے ساتھ ہماری زندگیوں میں جاگزیں رہے۔ ہم اس کے تاریخی پس منظر کو اپنے دل و دماغ سے بھی اوجھل نہ ہونے دیں۔ ہمارے جذبات، احساسات اور تخیلات کی دنیا میں اس کی گونج ہمیشہ سنائی دیتی رہے۔ درحقیقت اسلام ہر واقعہ سے دوگونہ تعلق کا خواہاں ہے: ایک عملی وابستگی کا تعلق اور دوسرا جذباتی وابستگی کا تعلق۔ اول الذکر تعلیماتی پہلوؤں اور ثانی الذکر جذباتی پہلوؤں یعنی محبت، چاہت اور اپنائیت کے عملی مظاہر سے عبارت ہے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کے یوم ولادت پر

والہانہ جذباتی وابستگی کا اظہار تاریخی، ثقافتی اور روحانی پس منظر میں کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس واقعہ کو کبھی نہ بھولیں اور یہ ہمارے قلب و باطن اور روح میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ امتدادِ وقت کی کوئی لہر اسے گزند نہ پہنچا سکے۔ اسلام اس یاد کو مداومت سے زندہ رکھنے کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جشن مسرت کا سماں پیدا کر دیا جاتا ہے تاکہ اس واقعے کو اہتمام کے ساتھ منایا جائے۔

ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں کہ مناسکِ حج دراَصل اللہ کے مقرب بندوں سے متعلق واقعات ہی ہیں جنہیں شعائر اللہ قرار دے کر ان کی یاد منائی جاتی ہے۔ اگر اِس اَمر میں کوئی تنازعہ اور اِختلاف نہیں تو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی تقریبات پر بھی کسی کو کوئی اِعتراض اور اِبہام نہیں ہونا چاہیے۔

باب دُوُم

واقعاتِ مسرت وغم کی یاد

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کائنات کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ جس دن حضور رحمتِ عالم ﷺ کی اِس جہانِ رنگ و بو میں تشریف آوری ہوئی، فرحت و اِنبساط کے اِظہار کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دن نہیں ہوسکتا۔ غم ہو یا خوشی، یہ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ ان کیفیات کو اپنے اوپر طاری کرلیتا ہے۔ غم اور خوشی، خوف اور سکینت یا امید اور ناامیدی زندگی کے وہ پہلو ہیں جو انسان کے تصور و تخیل میں جاگزیں ہوکر اس کی انفرادی اور اجتماعی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے گزشتہ اُمتوں پر انعامات فرما کر انہیں خوشی اور انبساط کی دولت سے مالا مال کر دیا؛ مگر ساتھ ہی اُن کی سرکشی پر عذاب کی وعید بھی سنائی اور نافرمان قوموں کو درسِ عبرت بنا دیا۔

ہدایت ہو یا گمراہی، ان کا تعلق انسان کے نفسیاتی حقائق سے ہے۔ جب تک دل کے اندر حسنِ نیت کا پھول نہ کھلے اور انسان کے وجود میں کیفیت کی خوشبو نہ مہکے اس وقت تک عمل کا گلشن بے بہار رہتا ہے۔ جب کیفیت انسان کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوجائے اور انسان صاحبِ حال ہوجائے تو اَفکارِ ہدایت اور اَنوارِ رضا کا نزول ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ نور عطا ہوتا ہے جس کے تتبع میں انسان زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

ان کیفیات سے مستفیض ہونے کے لیے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ کیفیت کا چشمہ نسبت و تعلق سے پھوٹتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کی جدائی کے غم میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے۔ اللہ کے یہ نبی غم کی کیفیت میں ڈوبے رہتے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا قمیض بھیجا تو اسے آنکھوں پر لگانے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ

آئی، اور غم خوشی میں بدل گیا۔ پہلے صبر طاری تھا اب شکر طاری ہوگیا۔ یہ سارا کمال نسبت کا تھا، قمیض کو حضرت یوسف علیہ السلام سے نسبت تھی۔ ہماری زندگی کے کئی واقعات ایسے ہیں جن کا محور یہی نسبت ہے۔ ہمارے گھروں میں کون کون سی اَشیاء برسوں سے چلتی آ رہی ہیں، ہم انہیں بہ حفاظت رکھتے ہیں اور اپنے والدین یا بزرگوں اور اَقرباء کی نشانیاں دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔ ان کے لمس سے وجود میں کیفیت کا ایک باغ کھل اٹھتا ہے۔ ہمارے غم اور خوشیاں بھی اِسی طرح نسبت و تعلق سے وجود پاتی ہیں، ہماری کیفیات کا دھارا نسبت کے چشمے سے ہی پھوٹتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے اُمت کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ جب کبھی خوشی کا لمحہ یاد کرو تو اس لمحے کی کیفیات اپنے اوپر طاری کرلو اور جب کوئی لمحۂ مصائب و آلام یاد آئے تو غم کی کیفیات میں ڈوب جاؤ۔ جب ان لمحات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سمٹی ہوئی کیفیات اس نسبت سے جنم لے رہی ہیں جو ان لمحات کو کسی ہستی سے تھی۔ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ایسے چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ یومِ موسیٰ علیہ السلام منانے کی ہدایت

جب حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ نے یہودِ مدینہ کو یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح اور فرعون کو اس کے لاؤلشکر سمیت غرقِ نیل کرتے ہوئے بنی اِسرائیل کو فرعون کے جبر و استبداد سے نجات عطا فرمائی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے اس دن روزہ رکھا، لہٰذا ہم بھی اس خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: (ایک نبی ہونے کی حیثیت سے) میرا موسیٰ پر زیادہ حق ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا

ہونے والی نعمتِ خداوندی پر اِظہارِ تشکر کے طور پر خود بھی روزہ رکھا اور اپنے تمام صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔(۱)

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اِسرائیل اپنی قومی تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے خوشی کے واقعہ کی یاد روزہ رکھ کر مناتے تھے، اور تاجدارِ کائنات ﷺ نے بھی خوشی کے ان لمحات کو یاد کرتے ہوئے روزہ رکھا۔

۲۔ یومِ نوح علیہ السلام کی یاد منانا

امام احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یومِ عاشورہ منانے کا یہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۹۰۰

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأنبياء، باب قول الله تعالی: وهل أتاك حديث موسی، ۳: ۱۲۴۴، رقم: ۳۲۱۶

۳۔ بخاري، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب اتيان اليهود النبي ﷺ حين قدم المدينة، ۳: ۱۴۳۴، رقم: ۳۷۲۷

۴۔ مسلم، الصحيح، کتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ۲: ۷۹۵، ۷۹۶، رقم: ۱۱۳۰

۵۔ أبوداود، السنن، کتاب الصوم، باب في صوم يوم عاشوراء، ۲: ۳۲۶، رقم: ۲۴۴۴

۶۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، ۱: ۵۵۲، رقم: ۱۷۳۴

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۱، ۳۳۶، رقم: ۲۶۴۴، ۳۱۱۲

۸۔ أبو يعلیٰ، المسند، ۴: ۴۴۱، رقم: ۲۵۶۷

پہلو بھی بیان ہوا ہے کہ عاشورہ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کا دن تھا۔ اس روز وہ بہ حفاظت جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئے تھے۔ اِس پر حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت اس دن کو یومِ تشکر کے طور پر منانے لگی، اور یہ دن بعد میں آنے والوں کے لیے باعثِ اِحترام بن گیا۔ اِس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اُس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (۱)

۳۔ یومِ تکمیلِ دین بہ طورِ عید منانا

حضرت کعب اَحبار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسی قوم کو جانتا ہوں کہ اگر ان پر یہ آیت نازل ہوتی تو وہ اسے عید کے طور پر مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون سی آیت؟ حضرت کعب اَحبار رضی اللہ عنہ نے کہا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (۲)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اِسلام کو (بہ طور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔‘‘

اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إنی لأعرف فی أی یوم أنزلت: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾، یوم جمعة ویوم عرفة، وهما لنا عیدان۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۹، ۳۶۰، رقم: ۸۷۰۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۷

(۲) المائدة، ۵: ۳

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۵۳، رقم: ۸۳۰

←

’’میں پہچانتا ہوں کہ کس دن اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہوئی: جمعہ اور عرفات کے دن، اور وہ دونوں دن (پہلے سے) ہی ہمارے عید کے دن ہیں۔‘‘

اللہ ربّ العزت کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کو دین کی تکمیل کا مژدہ ملنے والے دن کو بہ طور عید منانے کے خیال کا حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کی طرف سے اِظہار اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید و توثیق اِس اَمر کی دلیل ہے کہ ہماری قومی و ملی زندگی میں ایسے واقعات، جن کے اَثرات کا دائرہ قومی زندگی پر محیط ہو ان کی یاد ایک مستقل event یعنی عید کے طور پر منانا نہ صرف قرآن و سنت کی رُوح سے متصادِم نہیں بلکہ مستحسن اور قومی و ملّی ضرورت ہے۔(۱)

۴۔ مقامِ حجر سے گزرتے وقت حضور ﷺ کی ہدایات

سن ۹ ہجری میں تبوک کے سفر کے دوران میں مسلمانوں نے قومِ ثمود کے دو کنوؤں کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اُس مقام کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اِس جگہ سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تھا اور نتیجتاً عذابِ الٰہی کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف ایک کنویں سے اپنی ضروریات کے لیے پانی حاصل کرنے کا حکم دیا اور دوسرے کنوئیں کا پانی استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔

آپ ﷺ نے جس کنویں سے پانی لینے کا حکم دیا اس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک پورا دن اس اونٹنی کے لیے خاص تھا مگر قومِ ثمود کو یہ گوارا نہ

------ ۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۱۰۵، رقم: ۴۵

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۱۴

(۱) لمحاتِ مسرّت کی یاد منانے کے ضمن میں مذکور واقعات کی تفصیل کتاب ہٰذا کے باب پنجم میں ملاحظہ فرمائیں۔

تھا کہ اس ایک دن میں صرف اونٹنی ہی پانی پیئے۔ لہٰذا انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر ڈالا۔ یہ واقعہ رُونما ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں اور وہاں حضرت صالح علیہ السلام تھے نہ اُن کی اونٹنی۔ صدہا سال گزر جانے کے بعد اس کنویں کے پانی میں بھی خاصا تغیر آ چکا ہوگا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کنویں کو اتنی اہمیت دی۔ سبب صرف یہ تھا کہ اسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے نسبت تھی جو برکت کا باعث تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس برکت سے فیض حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جب کہ قومِ ثمود کے زیرِ اِستعمال رہنے والے دوسرے کنویں کا پانی استعمال کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روک دیا کیوں کہ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو آپ کی طرف سے وعیدِ عذاب سنائے جانے کے باوجود ہلاک کر دیا تھا۔ اِس قبیح عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس نافرمان قوم پر عذاب نازل کیا اور وہ سب ہلاک ہوگئے۔ اسی نسبت کے پیشِ نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے اُس کنویں کا پانی استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ آپ ﷺ کے اس حکم سے پہلے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کنویں کے پانی کو اِستعمال کر چکے تھے، لیکن آپ ﷺ نے منع فرمایا تو عرض کرنے لگے: آقا! ہم تو آپ کے منع کرنے سے پہلے ہی اس کا پانی استعمال میں لا چکے ہیں، ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ یہ کنواں عذاب میں مبتلا ہونے والی قوم کا تھا۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے برتنوں میں ذخیرہ شدہ پانی ضائع کر دیں اور اگر اس پانی سے کھانا وغیرہ پکایا ہے تو اسے بھی ضائع کر دیں، اور اپنے برتن اُس کنویں کے پانی سے بھر لیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی وجہ سے باعثِ برکت ہے اور اُسی پانی سے اپنا کھانا وغیرہ بنائیں۔

ذیل میں ہم اِس پورے واقعہ کو احادیثِ مبارکہ کے الفاظ کی روشنی میں بیان کریں گے:

(۱) مقامِ حجر پر قومِ ثمود کے کنویں سے پانی پینے کی ممانعت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ لما نزل الحجر في غزوة تبوک، أمرهم أن لا يشربوا من بئرها، ولا يستقوا منها، فقالوا: قد عجنا منها واستقينا، فأمرهم أن يطرحوا ذلک العجين، ويهريقوا ذلک الماء۔(۱)

”رسول اکرم ﷺ جب غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران میں مقامِ حجر میں اُترے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو اس کے کنویں کا پانی پینے اور مشکوں میں بھرنے سے منع فرما دیا۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: ہم نے تو (آپ کے حکم فرمانے سے پہلے ہی) اس سے آٹا گوندھ لیا ہے اور برتن بھی بھر لیے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے انہیں وہ آٹا پھینکنے اور پانی بہا دینے کا حکم فرمایا۔“

(۲) حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے مشرب سے پانی پینے کا حکم

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قومِ ثمود کی سرزمین - حجر - پر آئے تو انہوں نے اس کے کنویں سے پانی بھر لیا اور آٹا گوندھ لیا۔

فأمرهم رسول الله ﷺ أن يهريقوا ما استقوا من بئرها، وأن يعلفوا الإبل العجين، وأمرهم أن يستقوا من البئر التي كانت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول الله: وإلی ثمود أخاهم صالحا، ۳: ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، رقم: ۳۱۹۸

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۰: ۴۶

۳۔ بغوی، معالم التنزیل، ۲: ۱۷۸

۴۔ ابن حزم، المحلی، ۱: ۲۲۰

۵۔ عسقلانی، تغلیق التعلیق، ۴: ۱۹

تردها الناقة۔[۱]

’’پس رسول اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس پانی کو پھینک دیں جو انہوں نے اس کنوئیں سے بھرا ہے، اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیں۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس مبارک کنویں کا پانی استعمال کریں جس سے (اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پیتی تھی۔‘‘

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے سال مسلمانوں کا قافلہ مقامِ حجر پر قومِ ثمود کے گھروں کے پاس رُکا تو انہوں نے قومِ ثمود کے مشارِب سے پانی بھر لیا، آٹا گوندھ لیا اور گوشت سے بھری ہانڈیاں آگ پر چڑھا دیں۔

فأمرهم رسول الله ﷺ، فأهراقوا القدور، وعلفوا العجين الإبل، ثم ارتحل بهم حتى نزل بهم على البئر التي كانت تشرب منها الناقة، ونهاهم أن يدخلوا على القوم الذين عذبوا، قال: إني أخشى أن يصيبكم مثل ما أصابهم، فلا تدخلوا عليهم۔[۲]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول الله: وإلى ثمود أخاهم صالحا، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۳۱۹۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزہد، باب لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسہم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۱

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۸۲، رقم: ۶۲۰۲

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱: ۲۳۵، رقم: ۱۰۵۰

۵۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۰: ۴۶

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۱۷، رقم: ۵۹۸۴

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۸۳، رقم: ۶۲۰۳

احمد بن حنبل کی روایت شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔

”(جب رسول اکرم ﷺ کو علم ہوا) تو آپ ﷺ نے انہیں (پھینک دینے کا) حکم دے دیا، تو انہوں نے ہانڈیاں انڈیل دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا، پھر آپ ﷺ انہیں لے کر اس کنویں پر تشریف لائے جہاں (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیتی تھی اور آپ ﷺ نے انہیں عذاب زدہ قوم کے مقام پر جانے سے روکا۔ فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ ہوئے تھے۔ پس تم ان (عذاب والی جگہوں) میں داخل نہ ہوا کرو۔“

یہ اَمر قابلِ غور ہے کہ اس پانی میں فی نفسہ کوئی خرابی نہ تھی اور اَز رُوئے شرع وہ پاک تھا۔ چونکہ اس کا تعلق اس قوم سے تھا جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارنے کی وجہ سے عذابِ اِلٰہی نازل ہوا، اِس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ پانی اِستعمال کرنے سے روک دیا گیا۔ اس کے برعکس دوسرے کنویں کی نسبت حضرت صالح علیہ السلام کی معجزاتی اونٹنی سے تھی، لہٰذا اس نسبت کا احترام کرتے ہوئے اس کی برکت سے فیض یاب ہونے کی ہدایت کی گئی۔

(۳) حضرت صالح علیہ السلام سے منسوب اونٹنی کی یاد

مذکورہ بالا روایات سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر سے نسبت کی برکت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، اور ایسی نسبتوں کے ادب اور ان سے حصولِ برکت کا درس خود آقائے دو جہاں ﷺ کے اِرشادات سے ثابت ہے۔ ذہن نشین رہے کہ یہاں جس کنویں کی بات ہو رہی ہے اُس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، خود حضرت صالح علیہ السلام کا اس کنویں سے پانی پینا مذکور نہیں۔ یہ واقعہ گزرے ہزاروں سال بیت گئے، خدا جانے اس دوران میں پانی کتنا بدل گیا ہوگا، اور اونٹنی کا بچا ہوا پانی رہا بھی ہوگا یا نہیں، مگر محض پیغمبر سے منسوب اونٹنی کی نسبت اس قدر اہم ہے کہ ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی اس کے تصور میں پانی کا ادب اور اس کی برکت اسی طرح قائم ہے۔

(۴) قومِ ثمود پر عذاب کے تصور سے کیفیاتِ غم وارِد کرنے کا حکم

غزوۂ تبوک کے موقع پر قومِ ثمود کو گزرے ہزاروں برس بیت چکے تھے، اب وادئ حجر میں عذاب نازل ہو رہا تھا نہ کافروں کی اُس بستی اور اُس نسل میں سے کوئی وہاں تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ لیکن جب حضور نبی اکرم ﷺ اِس بستی کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اُس قوم کے گھروں میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ وہ اس عذاب والی بستی سے روتے، گڑگڑاتے اور آہ و بکاء کرتے ہوئے گزریں۔ گویا وہاں اب بھی عذاب نازل ہو رہا ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باكين، أن يصيبكم مثل ما أصابهم۔(۱)

''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، ان کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر روتے ہوئے، مبادا جو مصیبت اُن پر آئی وہ تمہارے اوپر بھی آ جائے۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: وإلی ثمود أخاهم صالحا، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۳۲۰۰، ۳۲۰۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزهد، باب لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم، ۴: ۲۲۸۵، ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۶

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۸۰، رقم: ۶۱۹۹

۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۴۰۷، رقم: ۱۴۰۹

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اس بدبخت قوم کی جائے سکونت کے بارے میں تھا، جن پر اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائی کہ وہ اس بستی سے روتے ہوئے گزر جائیں۔ اس سے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے امت کو نصیحت فرمائی کہ تمہیں گزشتہ قوموں کے ساتھ ہونے والے واقعاتِ عذاب یاد کر کے اپنے اوپر کیفیتِ غم اور حالتِ گریہ و زاری طاری کر لینی چاہیے اور ایک نفسیاتی فضا قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے گڑگڑانا چاہئے تاکہ وہ عذاب جو سابقہ نافرمان قوموں پر آیا تم پر نازل نہ ہو۔ یہ حدیثِ مبارکہ اُمت کو یہی تعلیم دے رہی ہے۔ اگرچہ بظاہر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے وجودِ مسعود کے باعث کسی عذاب کا کوئی امکان نہ تھا پھر بھی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے غم انگیز جذبات، اِحساسات اور کیفیات پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس سے حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام میں غم و اندوہ کی وہ کیفیات جاگزیں دیکھنا چاہتے تھے جن سے وہ قومیں دوچار ہوئیں۔

یہ مضمون قلب و روح کے جذبات و محسوسات سے متعلق ہے۔ امام مسلم نے یہ روایت ''الصحیح'' کی کتاب الزھد و الرقائق میں درج کی ہے جس کے ذریعے وہ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث ان اعمال و افعال کی انجام دہی اور بجا آوری کی بنیاد ہے جن کے روحانی اثرات دل اور روح پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس نوع کے واقعات کا ذکر کر کے قلب و باطن کے اندر وہ خاص کیفیات و محسوسات اور جذبات پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے جو روحانی طور پر زندگی بدل دیں۔ اگر ایسے واقعات روح اور من کی دنیا پر اثر انداز نہیں ہوتے اور ان کا کوئی نفسیاتی اور روحانی فائدہ نہ ہوتا تو پھر رسول اکرم ﷺ کو کیا ضرورت تھی کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلب و باطن اور روح کو اس قسم کے احساس سے آشنا فرماتے، پھر حضور نبی اکرم ﷺ انہیں اس قسم کا حکم اِرشاد نہ فرماتے جس میں قلب و باطن کی تطہیر و تہذیب اور اثر پذیری کی کوئی صورت نہیں تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے حکم

دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ کیفیات لازماً دل اور روح پر اثرات مرتب کرتی ہیں۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تدخلوا علی هؤلاء المعذبين إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم، لا يصيبكم ما أصابهم۔(۱)

''تم ان عذاب زدہ لوگوں پر روتے ہوئے گزرا کرو۔ پس اگر تمہاری رونے کی حالت نہ ہو تو ان پر نہ گزرو، مبادا جس مصیبت سے وہ دو چار ہوئے تھے تمہیں بھی پہنچ جائے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے عذاب یافتہ قومِ ثمود کی بستی اور مکانات میں داخل ہونے سے اِس طرح منع فرمایا جیسے قومِ ثمود اب بھی وہاں سکونت پذیر ہو اور صحابہ ان کے گھروں میں داخل ہونے جا رہے ہیں۔ اِس لیے اس قوم کا تصور کر کے ان کی بستی میں داخل ہونے سے منع فرما دیا کیوں کہ اس قوم کے افراد کو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر موت کے گھاٹ اتارنے کے جرم کی پاداش میں عذابِ خداوندی کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ اگرچہ اِس واقعہ کو گزرے صدیاں بیت چکی تھیں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المساجد، باب الصلاة فی مواضع الخسف والعذاب، ۱: ۱۶۷، رقم: ۴۲۳

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب نزول النبی ﷺ الحجر، ۴: ۱۶۰۹، رقم: ۴۱۵۸

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزهد، باب لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم، ۴: ۲۲۸۵، رقم: ۲۹۸۰

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۴۵۱

۵۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۲۵۵، رقم: ۷۹۸

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُس عذاب و عتابِ اِلٰہی کا تصور ذہن میں لاکر خوف وخشیت کی کیفیت پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنے دل و دماغ پر وہی کیفیت طاری کرکے اُس بستی سے روتے ہوئے گزریں۔ اور اگر وہ رونے کی کیفیت طاری نہ کرسکیں تو وادئ ثمود میں داخل ہی نہ ہوں۔

۳۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جنہیں رونا نہ آئے وہ کیا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فإن لم تبکوا فتباکوا، خَشْيَةَ أن يصيبكم مثل ما أصابهم۔(۱)

''اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرلو، اِس ڈر سے کہ جو مصیبت اُن پر آئی تم پر نہ آجائے۔''

پس بہتر تو یہی ہے کہ گریہ و زاری سے کام لیا جائے، تاہم اگر کسی پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تو وہ اپنے اوپر رونے کی حالت طاری کرلے یعنی اپنی شکل ہی رونے والی بنالے۔ اصل مقصود یہ تھا کہ ہر کوئی اُس عذاب کا تصور کر کے اپنے اوپر خوف و خشیتِ الٰہی کی کیفیت طاری کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے، اُس کے عذاب سے پناہ مانگے۔ قومِ ثمود پر عذاب نازل ہوئے صدیاں بیت گئی تھیں اور اُس لمحۂ موجود میں کوئی عذاب نہیں ہو رہا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزشتہ واقعہ کے تصور اور یاد سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اُس وقت کی کیفیت طاری کر دی۔

(۵) وادئ حجر سے گزرتے وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملِ مبارک

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قومِ ثمود کی بستی سے گزرتے ہوئے خود کو چادر سے

(۱) ۱۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۱: ۱۳۸

۲۔ ابن کثیر، تفسير القرآن العظيم، ۲: ۵۵۷

۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۳۸۰

ڈھانپ لیا اور عذاب کا تصور کرکے اس وادی سے تیزی کے ساتھ گزر گئے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں:

ثم تقنع بردائه، وهو على الرحل۔(۱)

''پھر آپ ﷺ نے سواری پر بیٹھے ہوئے خود کو چادر سے ڈھانپ لیا۔''

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے:

لما مرّ النبي ﷺ بالحجر قال: لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم، أن يصيبكم ما أصابهم، إلا أن تكونوا باكين، ثم قنع رأسه، وأسرع السير، حتى أجاز الوادي۔(۲)

''جب حضور نبی اکرم ﷺ حجر کے مقام سے گزرے تو فرمایا: جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا (جس کے باعث ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا) تم ان کے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأنبياء، باب قول الله: وإلى ثمود أخاهم صالحا، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۳۲۰۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۶۶

۳۔ نسائی، السنن الكبرى، ۶: ۳۷۳، رقم: ۱۱۲۷۰

۴۔ ابن مبارك، الزهد: ۵۴۳، رقم: ۱۵۵۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب نزول النبی ﷺ الحجر، ۴: ۱۶۰۹، رقم: ۴۱۵۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد، باب لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۰

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱: ۴۱۵، رقم: ۱۶۲۴

۴۔ بیہقی، السنن الكبرى، ۲: ۴۵۱

گھروں میں داخل نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں ان جیسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا سرِانور ڈھانپ کر وادی کو تیزی سے عبور کیا۔‘‘

آپ ﷺ کے اس عمل میں ہمارے لیے کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ آپ اپنا سرِ انور ڈھانپتے ہوئے تیزی سے اس وادی سے گزر گئے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ آپ ﷺ نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رونے کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرنے کا حکم فرمایا۔

توجہ طلب نکات

مندرجہ بالا روایات کے حوالے سے درج ذیل نکات نہایت اہم ہیں:

۱۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ وہاں پر رسول محتشم ﷺ کی موجودگی میں رحمتِ اِلٰہی کے باعث عذابِ الٰہی نازل ہونے کا ذرّہ بھر امکان نہ تھا۔ شرکائے قافلہ مجاہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ان میں معاذ اللہ کوئی کافر نہ تھا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوش نودی کے حصول اور اِعلائے کلمہ حق کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے جا رہے تھے۔ روئے زمین پر تاریخ انسانی میں اس وقت ان سے بہترین جماعت اور کوئی نہ تھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں جہاد کے لیے پا بہ رکاب نکلی ہوئی تھی۔ تو کیا وہ رحیم و کریم اس حالت میں ان نفوسِ قدسیہ پر عذاب نازل کرتا؟ اب وہاں کوئی قومِ ثمود نہ تھی جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر ڈالا تھا۔ اس کے باوُجود حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اَزراہِ پند و موعظت فرمایا کہ وہ اپنے ذہنوں میں اس عذابِ الٰہی کے خوف کی کیفیت پیدا کریں اور اپنے قلب و باطن میں یہ احساس پیدا کریں جیسے عذاب نازل ہونے والا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اوپر یہ جذباتی کیفیت طاری کرنے کی تلقین کی گئی۔ چنانچہ ہر صحابی زار و قطار رونے، گڑگڑانے اور آہ و بکاء کرنے لگا، یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے ہر کوئی عذابِ الٰہی سے خوف زدہ ہے۔

۲۔ دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اِس سفرِ جہاد میں صحابہ کرام ﷺ تنہا نہ تھے، سرکارِ دوعالم ﷺ خود اُن کے ہمراہ تھے۔ اس ضمن میں فرمانِ اِلٰہی ہے:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ۔(۱)

''اور (دَرحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔''

عدمِ عذاب کی اس قرآنی بشارت سے قطع نظر صحابہ کرام ﷺ نے صالح علیہ السلام کی قوم پر آنے والا عذاب یاد کرکے اپنے اوپر خوف و خشیتِ الٰہی کی کیفیات طاری کر لی تھیں۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں تھا اور یہی اسلام کا تقاضا ہے کہ غم یا خوشی کے واقعہ کی یاد میں افسوس، فکر مندی یا مسرت و انبساط کے اظہار میں موقع محل کے مطابق ویسی ہی کیفیات اپنے اوپر طاری کرلی جائیں اور دل و دماغ میں نفسیاتی فضا پیدا کرنے کے لیے انہی احساسات کو جگہ دی جائے جو اس واقعہ کا تقاضا ہوں اور جنہیں یاد کیا جانا مطلوب ہو۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کیفیات طاری کرنے اور طاری ہوجانے میں بہت فرق ہے۔ جب قلبی تعلق موجود ہو، عقیدہ راسخ ہو اور نسبت زندہ ہو تو یہ کیفیات خود بخود طاری ہوجاتی ہیں۔ کیفیت طاری ہونے اور کرنے میں اس وقت کوئی فرق نہیں رہتا جب تعمیلِ ارشاد تسکینِ روح کا باعث ہو۔ یہ اعجاز غلامئ رسول ﷺ سے حاصل ہوتا ہے۔ واقعہ غم انگیز ہو تو رونے اور گڑگڑانے کی کیفیت آ لیتی ہے اور اگر واقعہ خوشی کا ہو تو اس کا اظہار مسرت و انبساط اور کیف و نشاط سے مملو جذبات کے ساتھ چہرے کو تبسم سے آراستہ کر دیتا ہے۔ کسی واقعہ کو اس طرح یاد کرنا منشائے مصطفیٰ ﷺ کے عین مطابق ہے جس پر آپ ﷺ کے متعدد اِرشادات شاہد عادل ہیں۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ وادئ ثمود سے گزرتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف صحابہ کرام ﷺ کو رونے کی کیفیت طاری کرنے کا حکم دیا بلکہ خود بھی اپنے اوپر وہ

(۱) الأنفال، ۸: ۳۳

کیفیات اِس طرح طاری فرما لیں کہ اپنے سرِ اقدس اور چہرۂ انور کو چادر سے ڈھانپ لیا اور اپنی اونٹنی کو تیزی سے ہانک کر اس بستی سے دور لے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ اپنا سر مبارک اونٹنی کے کجاوے پر جھکائے ہوئے تھے اور یہ تاثر مل رہا تھا جیسے آپ ﷺ اس قہر زدہ بستی میں عذابِ خداوندی سے دور بھاگ رہے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ یہ واقعہ ہزارہا سال قبل ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے وجودِ مسعود کی برکت سے امت پر عذاب نہ اتارنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ تو خود رحمتِ عالم اور شفیعِ بنی آدم ہیں۔ جہاں جہاں بھی آپ ﷺ کے قدم مبارک پڑ جائیں وہاں سے عذاب کا تصور بھی معدوم ہوجاتا ہے۔ اور آپ ﷺ ہی کا وسیلہ گنہگاروں کی عذاب سے رہائی اور نجات کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب جس برگزیدہ اور مبارک ہستی کی وجہ سے آیا ہوا عذاب ٹل جائے وہ خود عذابِ الٰہی کے خوف میں کیوں کر مبتلا ہوسکتی ہے؟ ان کے بارے میں تو ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ضعیف الایمان مسلمان کے دل میں بھی آپ ﷺ کی نسبت ایسا ناپاک خیال ہرگز نہیں آسکتا۔ تو پھر اگر آپ ﷺ نے اس وادی سے گزرتے ہوئے ایسی کیفیت طاری کرلی تو یہ سب تعلیمِ اُمت کے لیے تھا۔

۵۔ اَصحابِ فیل پر عذاب کا تصور اور وادیٔ مُحَسِّر سے جلدی گزرنے کا حکم

وادیٔ مُحَسِّر کے محلِ وقوع کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ مزدلفہ کے قریب ایک علاقہ ہے جس کا نام وادیٔ مُحَسِّر ہے۔[1] حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ وادیٔ مُحَسِّر منیٰ میں ہے۔[2] شیخ عبد الحق

(۱) یاقوت حموی، معجم البلدان، ۱: ۴۴۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إدامۃ الحاج التلبیۃ، ۲: ۹۳۱، ←

محدث دہلوی اِن اَقوال میں تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: بعض علماء کا موقف ہے کہ وادیٔ مُحَسِّر منیٰ میں ہے، جب کہ بعض کہتے ہیں کہ وادیٔ مُحَسِّر مزدلفہ میں ہے، درحقیقت منیٰ اور مزدلفہ کی درمیانی علاقہ کا نام وادیٔ مُحَسِّر ہے۔[(۱)] سارا مزدلفہ موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے مگر وادیٔ مُحَسِّر اس سے خارج ہے۔[(۲)] حجاج کرام کو اس وادی میں توقف کرنے کی اِجازت نہیں۔ حکم یہ ہے کہ وہ ۱۰ ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے جب تقریباً دو رکعت نماز ادا کرنے کا وقت رہ جائے تو تلبیہ کہتے اور ذکر کرتے ہوئے مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ ہو جائیں اور جب وادیٔ مُحَسِّر کے کنارے پہنچیں تو وہاں سے تیزی کے

.... رقم: ۱۲۸۲

۲۔ نسائی، السنن، کتاب مناسک الحج، باب الأمر بالسکینة فی الإفاضة من عرفة، ۵: ۲۸۵، رقم: ۳۰۲۰

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۴۳۴، رقم: ۴۰۵۶

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۱۰، رقم: ۱۷۹۶

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۲۷، رقم: ۹۳۱۶

(۱) عبد الحق، اشعة اللمعات شرح مشکاة المصابیح، ۲: ۳۴۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۸۲، رقم: ۱۶۷۹۷

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۱۶۶، رقم: ۳۸۵۴

۳۔ شیبانی، کتاب المبسوط، ۲: ۴۲۲

۴۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۳: ۲۴۶، رقم: ۱۳۸۸۴، ۱۳۸۸۵

۵۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۴۴، رقم: ۴۱۱۳

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۹۵، رقم: ۱۹۰۲۱

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۱۳۸، رقم: ۱۵۸۳

۸۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۲۵۱

۹۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۴: ۲۵

ساتھ گزر جائیں، اگر سوار ہوں تو سواری کی رفتار تیز کر دیں۔ اور یہ ساری مسافت عذابِ الٰہی سے پناہ مانگتے ہوئے طے کریں۔[۱] آخر ایسا کیوں ہے؟ اس وادی سے جلد گزرنے کا حکم اس لیے ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند سال پہلے ابرہہ ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر کعبہ پر حملہ آور ہوا۔ جب وہ اپنے مذموم اِرادے کے ساتھ وادئ مُحَسِّر میں پہنچا تو عذابِ اِلٰہی نازل ہوا۔ ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ پتھروں اور کنکریوں سے مسلح ہوکر ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر پر ٹوٹ پڑے، اور اس طرح ابرہہ اور اس کا تمام لشکر لقمۂ اَجل بن گیا۔[۲] سورۃ الفیل میں یہ واقعہ اِس طرح بیان ہوا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِo اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ o وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ o تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍo فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍo[۳]

---

(۱) وہبہ زحیلی، الفقہ الإسلامی وأدلتہ، ۳: ۲۱۶۸

(۲) ۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۶۵۔۶۷

۲۔ ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۱: ۴۴۲۔۴۴۷

۳۔ سہیلی، الروض الأنف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ۱: ۱۱۷۔۱۲۶

۴۔ ابن الوردی، تتمۃ المختصر فی أخبار البشر، ۱: ۹۲

۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۲: ۱۰۱۔۱۱۰

۶۔ قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، ۱: ۹۹۔۱۰۴

۷۔ صالحی، سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۱: ۲۱۷۔۲۲۲

۸۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ۱: ۱۵۶۔۱۶۶

(۳) الفیل، ۱۰۵: ۱۔۵

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟o کیا اس نے ان کے مکر و فریب کو ناکام نہیں کر دیا؟o اور اس نے ان پر (ہر سمت سے) پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیےo جو اُن پر کنکریلے پتھر مارتے تھےo پھر (اللہ نے) ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کر دیاo''

یہی وجہ تھی کہ سن ۱۰ ہجری میں حضور نبی اکرم ﷺ مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران جب مُحَسِّر کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جلدی جلدی اس وادی سے گزر جائیں۔ یہ کیفیت اِس اَمر کی غماز تھی جیسے عذاب آنے والا ہو۔ یہ عذاب بہت پہلے ابرہہ اور اس کے لشکر پر نازل ہوا تھا۔ اس کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو تلقین فرمائی کہ اپنے اوپر وُہی تاثرات اور کیفیت طاری کر لیں اور خوف و خشیتِ اِلٰہی کا وُہی منظر قائم کریں۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لی اور اپنی اُونٹنی کی رفتار تیز کر دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وادئ مُحَسِّر سے گزرنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم أفاض حتی انتهی إلی وادي مُحَسِّر، فقرع ناقته فخَبَّت حتی جاوز الوادي فوقف۔(۱)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء أن عرفة کلها موقف، ۳: ۲۳۲، رقم: ۸۸۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۷۵، رقم: ۵۶۲

۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴: ۲۷۲، رقم: ۲۸۶۱

۴۔ بزار، البحر الزخار، ۲: ۱۶۵، رقم: ۵۳۲

۵۔ أبو یعلی، المسند، ۱: ۲۶۴، رقم: ۳۱۲

’’پھر جب آپ ﷺ وادیٔ مُحَسِّر میں پہنچے تو اپنی اُونٹنی کو ایڑی لگائی۔ وہ دوڑ پڑی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے وادیٔ مُحَسِّر کو تیزی سے عبور کیا، پھر آپ ﷺ نے (مزدلفہ میں) وقوف کیا۔‘‘

شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) اس وادی کے بارے میں فرماتے ہیں:

مستحب ست شتاب رفتن ازیں وادی، واگر پیادہ است تیز رَود، واگر سوار است تیز راند۔[1]

’’اس وادیٔ (مُحَسِّر) میں تیز چلنا مستحب ہے، اگر پیدل ہے تو تیز چلے اور اگر سوار ہے تو اپنی سواری کو تیز ہانکے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وادی سے تیز چلنے کا حکم کس لیے دیا اور خود عمل کرکے کیوں دکھایا جب کہ اس وقت وہاں کوئی ابابیل کے جھنڈ تھے نہ کہیں کنکروں کی بارش برسائی جارہی تھی؟ اس کا جواب ہے کہ عبرت حاصل کرنے کے لیے یہ کیفیت پیدا کرنے کا ایک عمل تھا۔ یہ تیز رفتاری اب قیامت تک اُمت کے لیے سنت بن گئی ہے۔ اور حکم ہے کہ جب حجاج اس مقام سے گزریں تو رفتار تیز کرلیں اور سوار اپنی سواریوں کو ہانکتے ہوئے گزریں۔

اس حکم اور عمل کے پیچھے صرف ایک ہی مقصد کارفرما ہے اور وہ ہے کہ گزشتہ واقعہ کی کیفیات یاد کرکے انہیں دِل و دماغ پر طاری کیا جائے اور تصور و تخیل میں اس کی یاد بسائی جائے۔ مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ واقعات کی یاد تازہ کرنا خود حضور نبی اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعات اسلامی تعلیمات میں اہم اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

---

(۱) عبد الحق، أشعة اللمعات شرح مشکاة المصابیح، ۲: ۳۲۴

٦۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کیفیتِ غم طاری ہو جانا

تخیل اور تصور پر آثارِ غم اور کیفیاتِ مسرت کا طاری ہونا ایک فطری اَمر ہے۔ ان کا اظہار انسان کے چہرہ سے ہوتا ہے۔ خوشی کا واقعہ یاد آئے تو چہرہ پر مسرت کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں، واقعہ غم ناک ہو تو آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔

۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أمَّنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ في الفجر، فقرأ سورة يوسف، حتی إذا انتهی إلی قوله ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ○﴾ بکی حتی سالت دموعه، ثم رکع۔(۱)

''ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر کی امامت کرائی اور سورۃ یوسف کی تلاوت کی، جب وہ اس آیت - ﴿اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں سو وہ غم کو ضبط کیے ہوئے تھے﴾ - پر پہنچے تو رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسو بہنے لگے۔ اور پھر وہ رکوع میں چلے گئے۔''

۲۔ ابن ابزی کہتے ہیں:

صليت خلف عمر فقرأ سورة يوسف حتی إذا بلغ ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ وقع عليه البکاء، فرکع۔(۲)

---

(۱) ۱۔ شيباني، کتاب الحجة علی أهل المدينه، ۱: ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶
۲۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب الوقت الذی يصلی فيه الفجر أی وقت هو، ۱: ۲۳۳، رقم: ۱۰۵۱
(۲) ابن قدامه، المغنی، ۱: ۳۳۵

''ایک مرتبہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز پڑھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۂ یوسف کی قرات کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اس آیت - ﴿اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں﴾ - پر پہنچے تو (حضرت عمر پر رِقت طاری ہوگئی اور) آپ اس قدر روئے کہ آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ پھر آپ رکوع میں چلے گئے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے گریہ پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ غم کی طرح لاتعداد مثالیں کتبِ حدیث وتفسیر میں مذکور ہیں، جن سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ایمان وعقیدہ کی اصل دل کا حال ہے جس کی مداومت سے مومن کو حلاوتِ ایمان نصیب ہوتی ہے۔ بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان بھی دراصل مومن کے دل کا حال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کی اصل حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت قرآن حکیم کے مطابق اُمتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم احسان ہے۔[1] ربِ کریم کے اس احسان کا شکر کیسے ادا ہو؟ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کی یاد کا حق کیسے ادا ہو؟ دل کی رگوں میں جاگزیں حبِ رسول کا اِظہار کیسے ممکن ہو؟ یہ سب سوال ہمیں ایک ہی سمت لے جاتے ہیں کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اِظہارِ مسرت کی کیفیت ہمیں لپیٹ لے، ہم محفلیں سجائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانے بن جائیں، اور ہمارا جو قدم بھی اٹھے اطاعتِ رسول میں اٹھے۔

اِس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ واقعات کے حوالے سے خوشی اور غم کا اِظہار کرنا اور ان کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لینا سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کو چودہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے پرمسرت موقع کو یاد کرتے ہوئے خوشی کا اظہار اور جشن کا اہتمام اس لیے کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہزاروں سال پہلے بیتے

(۱) آل عمران، ۳: ۱۶۴

ہوئے واقعات یاد کرنے اور وہی کیفیات اپنے اوپر طاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہمیں آپ ﷺ کی سنت اور سنتِ صحابہ پر عمل کرنا ہے۔ حضور ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کا فضل اور اِحسانِ عظیم ہے۔ یہ ساری امت کے لیے خوشی، مسرت و انبساط اور فخر و احسان کا موقع ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر کیف و مستی اور مسرت و انبساط کی کیفیات اپنے اوپر طاری کر لیں۔ ہم میلاد النبی ﷺ کے مسرت انگیز موقع پر اسی طرح فرحاں و شاداں ہوتے ہیں جیسے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کا خاندان آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ سے ہوا تھا۔ ہم بھی میلاد مناتے ہوئے اسی طرح مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہیں جس طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت موجود تھے۔ یہ ایک کیفیت پیدا کرنا ہے جو کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ بھی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی اُمّت ہونے کے ناتے ہم پر لازم ہے کہ چودہ سو سال پہلے بیت جانے والی کیفیات کا تصور کرتے ہوئے شایانِ شان طریقے سے آپ ﷺ کا یومِ میلاد منائیں۔

باب سوُم

قرآن ...... تذکرۂ میلادِ اَنبیاء

گزشتہ اَبواب میں ہم نے مختلف شعائرِ اِسلام کا اِس حوالہ سے جائزہ لیا کہ وہ اَنبیاء علیھم السلام کی یادگار ہیں، جو اُمتِ مسلمہ کے لیے عبادات کے طور پر لازم ہوئی ہیں۔ جب دیگر اَنبیاء کرام کے واقعات کی یاد مناتے ہوئے ہم مختلف اَعمال بہ طور عبادت بجا لاتے ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کیوں نہ منائی جائے! قرآن حکیم کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مقربانِ اِلٰہی کے واقعاتِ ولادت بیان کرنا سنتِ اِلٰہیہ ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم میں مذکور واقعاتِ میلاد بیان کریں گے:

میلاد نامہ کا پس منظر

عرب ممالک میں اَئمہ و محدثین اور علماء حق نے آقا علیہ السلام کے میلاد کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اہلِ عرب کے ہاں میلاد کے بیان کو عرفِ عام میں ''مولد،'' ''موالید'' یا ''مولود'' پڑھنا کہتے ہیں۔ اس لیے ایسی کتابوں یا مضامین کو جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کے واقعات اور آپ ﷺ کی برکات کا تذکرہ ہو ''مولود'' کہا جاتا ہے۔ عرب ممالک میں اہلِ محبت مسلمانوں کے ہاں اکثر و بیشتر اب بھی یہی طریقہ رائج ہے کہ جب ماہ ربیع الاول آتا ہے تو وہ محافلِ میلاد میں ذوق و شوق سے مولود خوانی کرتے ہیں۔ حجاز مقدس میں آج بھی نثر و نظم کی صورت میں مولود کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مدینہ طیبہ، مکہ معظّمہ، شام، مصر، عراق، عمان، اُردن، عرب امارات، کویت، لیبیا اور مراکش جیسے عرب ممالک کے ساتھ ساتھ دنیا کے ہر ملک میں اَئمہ و محدثین کے تصنیف کردہ مولود بہت مقبول ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے واقعاتِ ولادت کے بیان کو جسے اہلِ عرب مولد یا مولود کہتے ہیں، اُردو میں ''میلاد نامہ'' کہا جاتا ہے۔

تذکارِ اَنبیاء سنتِ اِلٰہیہ ہے

بعض تجدد پسند ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت تو ہوچکی اور اس کے آثار و واقعات بھی رونما ہو چکے، فی زمانہ اس کے ذکر و بیان کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا اب حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور اُسوۂ حسنہ ہی بیان کیا جائے۔ یہ سوچ غیر قرآنی ہے جس کا اِزالہ اَز حد ضروری ہے۔

قرآن وسنت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندوں کا ذکر کرنا نہ صرف عبادت ہے بلکہ یہ خالق کائنات کی سنت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں جا بجا اپنے صالح ومقرب بندوں بالخصوص انبیاء علیہم السلام کا ذکر بالالتزام فرماتا ہے کیوں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقبول اور منتخب بندے ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کی ولادت اور سیرت دونوں مذکور ہیں۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے تذکار اللہ تعالیٰ کی سنت اور حکم کے طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید حضور نبی اکرم ﷺ کی زبان اَقدس سے کئی بار تلاوت کیا گیا۔ اس بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام کی ولادت باسعادت کے واقعات اور ان کی جزئیات تک کا ذکر کرتے رہنا سنتِ الٰہیہ بھی ہے اور خود سنتِ مصطفیٰ ﷺ بھی۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کا ذکر کرنا کتنا باعثِ خیر و برکت ہے اس کی تفصیل قرانی آیات کی روشنی میں ہمارے سامنے ہے۔ یوں تو قرآن مجید نے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات و واقعات کو جا بجا تفصیل سے بیان کیا ہے مگر کئی مقامات ایسے بھی ہیں جہاں انبیاء ومقربین کے ذکر کو ہی عنوانِ کلام بنایا گیا۔ اس حوالے سے بطور نمونہ چند آیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الانعام میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَ يُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ‌ۚ واجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ○(۱)

''اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (کو بھی ہدایت سے شرف یاب فرمایا) اور ہم نے ان سب کو (اپنے زمانے کے) تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی○ اور ان کے آباء (و اجداد) اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بھی (بعض کو ایسی فضیلت عطا فرمائی) اور ہم نے انہیں (اپنے لطفِ خاص اور بزرگی کے لیے) چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرما دی تھی○''

۲۔ قرآن حکیم کی چودھویں سورت کا نام ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خلیل اِبراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے حوالہ سے فرمایا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ○(۲)

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق (دو فرزند) عطا فرمائے، بے شک میرا رب دعا خوب سننے والا ہے○''

۳۔ سورۂ مریم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے اَذکار سے بھری پڑی ہے، اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر تواتر کے ساتھ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر سے آغاز کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا○ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا○(۳)

(۱) القرآن، الأنعام، ۶: ۸۶، ۸۷

(۲) ابراہیم، ۱۴: ۳۹

(۳) مریم، ۱۹: ۲، ۳

’’یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے (جو اُس نے) اپنے (برگزیدہ) بندے زکریا پر (فرمائی تھی)o جب انہوں نے اپنے رب کو (ادب بھری) دبی آواز سے پکاراo‘‘

۴۔ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ط وَكَانَ تَقِيًّاo[1]

’’اور (ہم نے) اپنے لطفِ خاص سے (انہیں) درد و گداز اور پاکیزگی و طہارت (سے بھی نوازا تھا)، اور وہ بڑے پرہیزگار تھےo‘‘

۵۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ م اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّاo[2]

’’اور (اے حبیبِ مکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید) میں مریم کا ذکر کیجئے جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر (عبادت کے لیے خلوت اختیار کرتے ہوئے) مشرقی مکان میں آ گئیںo‘‘

۶۔ وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ط اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّاo[3]

’’اور آپ کتاب (قرآن مجید) میں ابراہیم کا ذکر کیجئے، بے شک وہ بڑے صاحبِ صدق نبی تھےo‘‘

۷۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ز اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّاo[4]

---

(۱) مریم، ۱۹: ۱۳

(۲) مریم، ۱۹: ۱۶

(۳) مریم، ۱۹: ۴۱

(۴) مریم، ۱۹: ۵۱

''اور (اس) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے، بے شک وہ (نفس کی گرفت سے خلاصی پا کر) برگزیدہ ہو چکے تھے اور صاحبِ رسالت نبی تھےo''

۸۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلاً نَّبِيًّاo وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّاo(۱)

''اور آپ (اس) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں، بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور صاحبِ رسالت نبی تھےo اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے حضور مقامِ مرضیّہ پر (فائز) تھے (یعنی اُن کا رب اُن سے راضی تھا)o''

۹۔ حضرت اِدریس علیہ السلام کے حوالہ سے فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّاo وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّاo(۲)

''اور (اس) کتاب میں اِدریس کا ذکر کیجئے، بے شک وہ بڑے صاحبِ صدق نبی تھےo اور ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھالیا تھاo''

۱۰۔ اِسی طرح سورۃ الأنبیاء بھی انبیائے کرام کے محبوب تذکروں سے بھرپور ہے، حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مسلسل تذکرے سے قبل آیت نمبر ۵۰ میں تمہیداً یہ کلمات ارشاد فرمائے گئے:

وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ط اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَo(۳)

(۱) مریم، ۱۹: ۵۴، ۵۵

(۲) مریم، ۱۹: ۵۶، ۵۷

(۳) الأنبیاء، ۲۱: ۵۰

''اور یہ (قرآن) برکت والا ذکر ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا تم اس سے انکار کرنے والے ہو o''

۱۱۔ ''ذکرِ مبارک'' کا عنوان دے کر اگلی آیت سے جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع کیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ o[1]

''اور بے شک ہم نے پہلے سے ہی ابراہیم کو ان کے (مرتبہ کے مطابق) فہم و ہدایت دے رکھی تھی اور ہم ان (کی اِستعداد و اہلیت) کو خوب جاننے والے تھے o''

۱۲۔ پھر ان کے تفصیلی تذکرہ کے بعد حضرت لوط، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر ہے، جس کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَکُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ o[2]

''اور ہم نے ان سب کو صالح بنایا تھا o''

۱۳۔ پھر آیت نمبر ۷۳ میں ان کے دیگر فرائضِ منصبی کے باب میں فرمایا گیا:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوةِ ۚ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ o[3]

''اور ہم نے انہیں (اِنسانیت کا) پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف اَعمالِ خیر اور نماز قائم کرنے اور

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۵۱
(۲) الأنبیاء، ۲۱: ۷۲
(۳) الأنبیاء، ۲۱: ۷۳

زکوٰۃ ادا کرنے (کے احکام) کی وحی بھیجی، اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھےo‘‘

۱۴۔ اس کے بعد آیت نمبر ۷۶ سے لے کر آیت نمبر ۸۴ تک حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ آخر میں حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَo(۱)

’’تو ہم نے ان کی دعا قبول فرما لی اور انہیں جو تکلیف (پہنچ رہی) تھی سو ہم نے اسے دور کر دیا اور ہم نے انہیں ان کے اہل و عیال (بھی) عطا فرمائے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور (عطا فرما دیے) یہ ہماری طرف سے خاص رحمت اور عبادت گزاروں کے لیے نصیحت ہے (کہ اللہ صبر و شکر کا اجر کیسے دیتا ہے)o‘‘

۱۵۔ پھر اگلی آیات میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذو الکفل علیہم السلام کا یوں تذکرہ فرمایا:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَo وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ط اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَo(۲)

’’اور اسماعیل اور ادریس اور ذو الکفل (کو بھی یاد فرمائیں)، یہ سب صابر لوگ تھےo اور ہم نے انہیں اپنے (دامنِ) رحمت میں داخل فرمایا، بے شک وہ نیکوکاروں میں سے تھےo‘‘

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۸۴

(۲) الأنبیاء، ۲۱: ۸۵، ۸۶

۱۶۔ اس کے بعد آیت نمبر ۸۷ تا آیت نمبر ۹۰ میں حضرت یونس (جنہیں ذوالنون کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے)، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کا ذکر فرمایا اور آخر میں حسبِ سابق ان کے قلبی احوال اور روحانی کیفیات یوں بیان فرمائیں:

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًاط وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَo(۱)

''بے شک یہ (سب) نیکی کے کاموں (کی انجام دہی) میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں شوق و رغبت اور خوف و خشیت (کی کیفیتوں) کے ساتھ پکارا کرتے تھے، اور ہمارے حضور بڑے عجز و نیاز کے ساتھ گڑگڑاتے تھےo''

۱۷۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب و مقرب اور برگزیدہ بندوں کے ذکر کی مقصدیت اور غرض و غایت کے حوالے سے یوں ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَo(۲)

''بے شک اس میں عبادت گزاروں کے لیے (حصولِ مقصد کی) کفایت و ضمانت ہےo''

۱۸۔ پھر اس سورت میں مقبولانِ حق کے ذکر کا سارا سلسلہ محبوبانِ عالم کے سرتاج رحمتِ کونین ﷺ پر جا کر ختم ہوا۔ آیت نمبر ۱۰۷ کا اختتام حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکرِ جمیل سے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَo(۳)

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۹۰

(۲) الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۶

(۳) الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۷

”اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ○“

۱۹۔ اس کے بعد اس سورت میں کسی اور نبی اور رسول کا ذکر نہیں فرمایا گیا کیوں کہ تذکرۂ محبت اپنے معراج اور نقطۂ کمال کو پہنچ چکا۔ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے بعد جس آیتِ کریمہ پر سورۃ الأنبیاء ختم فرمائی وہ ذکرِ رحمان ہے۔ ارشاد فرمایا:

قَالَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ○ (۱)

”(ہمارے حبیب نے) عرض کیا: اے میرے رب! (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے، اور ہمارا رب بے حد رحم فرمانے والا ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان (دل آزار) باتوں پر جو (اے کافرو!) تم بیان کرتے ہو ○“

۲۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صٓ میں اِرشاد فرمایا:

وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَ ذَا الۡكِفۡلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡيَارِ ○ (۲)

”اور (اسی طرح) اسمٰعیل اور الیسع اور ذو الکفل کا ذکر کیجئے، اور یہ سبھی نیک لوگوں میں سے تھے ○“

ہم نے صرف پانچ سورتوں میں سے چند منتخب آیات بیان کی ہیں ورنہ قرآن مجید میں بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور مقرب بندوں کے تذکرے فرمائے ہیں اور یکے بعد دیگرے سب کے روحانی مشاغل و معمولات کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کی دعاؤں اور مناجات کے کلمات - جن سے وہ اللہ کو

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۱۱۲

(۲) ص، ۳۸: ۴۸

پکارتے تھے - بھی من وعن بیان کر دیے، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے خاص اَوقاتِ دعا، اَندازِ دعا اور مقاماتِ دعا و گریہ تک بیان فرما دیے۔ اس پر مستزاد ان پر اپنی غیبی نوازشات کے ساتھ ان کی آزمائشیں، ریاضات، مجاہدات، ان کی ثابت قدمی اور اُولو العزمی بیان فرما دی۔ الغرض ان کے ذکر کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ اس بیان سے ہمیں بار بار اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ سب التزام عبادت گزاروں اور اِطاعت شعاروں کے لیے ہے۔ جو کوئی اللہ کی اطاعت وعبادت اور محبوبیت ومقرّبیت کی راہ تک رسائی حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے یہی تذکرے نشانِ منزل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تاریخِ اسلام کے ہر دور میں حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور حسنِ صورت کا بیان کرنا ہر صاحبِ ایمان ومحبت کا شیوہ رہا ہے۔ ائمہ و محدثین، علماء کاملین اور اولیاء و عارفین سب اپنے اپنے ذوق اور بساط کے مطابق ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کی محافل کا اہتمام کرتے چلے آ رہے ہیں اور ہر دور میں اس حوالے سے صدہا کتب تصنیف و تالیف کی جاتی رہی ہیں تاکہ اس سنتِ الٰہیہ پر عمل کی برکات دوسروں کو بھی نصیب ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود قرآن مجید میں انبیاء علیھم السلام کا میلاد بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کی کئی شانوں میں سے ایک شان یہ بھی ہے کہ یہ میلاد نامۂ انبیاء علیھم السلام ہے اور میلاد پڑھنے والی ذات خود ربِ کائنات ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے محبوبِ خدا ﷺ کا میلاد پڑھنا سنتِ الٰہیہ ہے۔

میلادِ انبیاء علیھم السلام کی اہمیت

ولادت ہر انسان کے لیے خوشی ومسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یومِ پیدائش کی ایک خاص اہمیت نظر آتی ہے، اور یہ اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ان دنوں کی نسبت انبیاء کرام علیھم السلام کی طرف ہو۔ انبیاء کرام علیھم السلام کی ولادت فی نفسہٖ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ ہر نبی کی نعمتِ ولادت کے واسطہ سے اس کی

اُمت کو باقی ساری نعمتیں نصیب ہوئیں۔ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے امتِ محمدی ﷺ کو بعثت و نبوتِ محمدی ﷺ کی نعمت ہدایتِ آسمانی اور وحی ربانی کی نعمتِ نزولِ قرآن اور ماہ رمضان کی نعمت، جمعۃ المبارک اورعیدین کی نعمت، شرف وفضیلت اورسنت و سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی نعمت، الغرض جتنی بھی نعمتیں ایک تسلسل کے ساتھ عطا ہوئیں، ان ساری نعمتوں کا اصل موجب اور مصدر ربیع الاوّل کی وہ پرنور، پرمسرت اور دل نشین و بہار آفریں سحر ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی اور وہ بابرکت دن ہے جس میں آپ ﷺ کی اس دنیائے آب وگل میں تشریف آوری ہوئی۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوش ہونا اورجشن منانا ایمان کی علامت اور اپنے آقا نبیٔ محتشم ﷺ کے ساتھ قلبی تعلق کا آئینہ دار ہے۔

قرآن مجید نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے ایام ولادت کا تذکرہ فرما کر اس دن کی اہمیت وفضیلت اور برکت کو واضح کیا ہے:

۱۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ سَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَ يَوۡمَ يَمُوۡتُ وَ يَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا○[۱]

’’اور یحییٰ پر سلام ہو، ان کے میلاد کے دن اور ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے○‘‘

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کلام کی نسبت کرکے قرآن مجید فرماتا ہے:

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ يَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ يَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا○[۲]

’’اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن اور میری وفات کے دن اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا○‘‘

(۱) مریم، ۱۹: ۱۵
(۲) مریم، ۱۹: ۳۳

۳ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کی ولادت کا ذکر مبارک قسم کے ساتھ بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَo(۱)

''میں اس شہر (مکہ) کی قَسم کھاتا ہوں o (اے حبیبِ مکرّم!) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیںo (اے حبیبِ مکرّم! آپ کے) والد (آدم یا ابراہیم علیہما السلام) کی قَسم اور (ان کی) قَسم جن کی ولادت ہوئی o''

اگر ولادت کا دن قرآن و سنت اور شریعت کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت کا حامل نہ ہوتا تو اس دن پر بطور خاص سلام بھیجنا اور قسم کھانے کا بیان کیا معنی رکھتا ہے؟ لہٰذا اسی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے میلاد کا ذکر فرمایا ہے۔ بطور حوالہ ذیل میں چند جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے میلاد کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ میلاد نامۂ آدم علیہ السلام

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے محبوب اور برگزیدہ بندوں میں سے سب سے پہلے ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔(۲)

''اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام کے میلاد کا ذکر ان کی تخلیق سے بھی پہلے

(۱) البلد، ۹۰: ۱۔۳

(۲) البقرة، ۲: ۳۰

فرما دیا، جس کا ذکر مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ہوا ہے۔ پھر جب خالقِ کائنات نے آدم علیہ السلام کے پیکرِ بشری کی تخلیق فرمائی اور تمام فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا تو ابلیس نے نافرمانی کی اور راندۂ درگاہ ہوا۔ تخلیقِ آدم علیہ السلام کی اس پُرکیف داستان کا ذکر قرآن مجید نے تفصیلاً کر دیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ م بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍo فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَo فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَo اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَo[1]

’’اور (وہ واقعہ یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں سن رسیدہ (اور) سیاہ بودار، بجنے والے گارے سے ایک بشری پیکر پیدا کرنے والا ہوںo پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑناo پس (اس پیکرِ بشری کے اندر نورِ ربانی کا چراغ جلتے ہی) سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیاo سوائے ابلیس کے، اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیاo‘‘

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، صرف پیدائش کا ہی نہیں بلکہ ان کی حیاتِ طیبہ کے کئی پہلوؤں کا ذکر موجود ہے، جیسے جنت میں ان کے رہن سہن، تخلیقِ آدم پر فرشتوں کے خیالات، شیطان مردود کا اعتراض اور پیکرِ آدم کو سجدہ نہ کرنے کا ذکر بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق سے متعلق جتنی آیات ہیں ان کا اوّلین مصداق سیدنا آدم علیہ السلام ہیں جن کے احوال کو تفصیل سے قرآنِ مجید کی زینت بنایا گیا ہے۔ یہی ان کا ’’**میلادنامہ**‘‘ ہے۔

(۱) الحجر، ۱۵: ۲۸۔ ۳۱

۲۔ میلا د نامۂ موسیٰ علیہ السلام

سیدنا موسیٰ علیہ السلام وہ جلیل القدر نبی ہیں جنہوں نے فرعون جیسے ظالم، جابر اور سرکش شخص کو للکارا جو زمین پر خدائی کا دعوے دار بنا بیٹھا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کی بعثت کے ذریعہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی اور فرعون کو غرق کرکے ہمیشہ کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ جب اسے شاہی نجومیوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں کسی ایسے بچے کی پیدائش ہونے والی ہے جس کے ذریعہ بنی اسرائیل تمہاری محکومی سے نجات پا لیں گے تو اس نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیے۔ لڑکوں کو ذبح کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔ ان حالات میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی جسے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سورۃ القصص کا آغاز ہی قصۂ موسیٰ و فرعون سے ہوا ہے جو کہ ۵۰ آیات مبارکہ پر مشتمل ہے۔ پہلے ۵ رکوعات مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وقف ہیں۔ ذیل میں ہم میلا د نامۂ موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں سورۃ القصص کی ابتدائی ۱۴ آیات بمع ترجمہ دے رہے ہیں جن میں باری تعالیٰ نے ان کی پیدائش سے لے کر جوانی تک کا ذکر بڑے بلیغ انداز سے کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اپنے محبوب بندوں کا میلاد پڑھنا میری سنت ہے۔ ارشاد فرمایا:

طٰسٓمّٓo تِلْکَ اٰيٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِيْنِo نَتْلُوْا عَلَيْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَo اِنَّ فِرْعَوْنَ عَـلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ط اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَo وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَo وَنُمَکِّنَ

لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَo وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِی الْيَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَo فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ط اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَo وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ط لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَo وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ط اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَo وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَo وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَo فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَo(۱)

’’طا، سین، میم (معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)o یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیںo (اے حبیبِ مکرم!) ہم آپ پر موسیٰ اور فرعون کے حقیقت پر مبنی حال میں سے ان لوگوں کے لیے کچھ پڑھ کر سناتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیںo بے شک فرعون زمین میں سرکش و متکبر (یعنی آمرِ مطلق) ہوگیا تھا اور اس نے اپنے (ملک کے) باشندوں کو (مختلف) فرقوں (اور گروہوں) میں بانٹ دیا تھا اس نے ان میں سے ایک گروہ (یعنی بنی اسرائیل کے عوام) کو

(۱) القصص، ۲۸: ۱۔۱۴

کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو (ان کے مستقبل کی طاقت کچلنے کے لیے) ذبح کر ڈالتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا (تاکہ مردوں کے بغیر ان کی تعداد بڑھے اور ان میں اخلاقی بے راہ روی کا اضافہ ہو)، بے شک وہ فساد انگیز لوگوں میں سے تھا○ اور ہم چاہتے تھے کہ ہم ایسے لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں (حقوق اور آزادی سے محرومی اور ظلم و استحصال کے باعث) کمزور کر دیے گئے تھے اور انہیں (مظلوم قوم کے) رہبر و پیشوا بنا دیں اور انہیں (ملکی تخت کا) وارث بنا دیں○ اور ہم انہیں ملک میں حکومت و اقتدار بخشیں اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کی فوجوں کو وہ (انقلاب) دکھا دیں جس سے وہ ڈرا کرتے تھے○ اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم انہیں دودھ پلاتی رہو پھر جب تمہیں ان پر (قتل کر دیے جانے کا) اندیشہ ہو جائے تو انہیں دریا میں ڈال دینا اور نہ تم (اس صورت حال سے) خوف زدہ ہونا اور نہ رنجیدہ ہونا، بے شک ہم انہیں تمہاری طرف واپس لوٹانے والے ہیں اور انہیں رسولوں میں (شامل) کرنے والے ہیں○ پھر فرعون کے گھر والوں نے انہیں (دریا سے) اٹھا لیا تاکہ وہ (مشیتِ الٰہی سے) ان کے لیے دشمن اور (باعثِ) غم ثابت ہوں، بے شک فرعون اور ہامان اور ان دونوں کی فوجیں سب خطا کار تھے○ اور فرعون کی بیوی نے (موسیٰ کو دیکھ کر) کہا کہ (یہ بچہ) میری اور تیری آنکھ کے لیے ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں اور وہ (اس تجویز کے انجام سے) بے خبر تھے○ اور موسیٰ کی والدہ کا دل (صبر سے) خالی ہو گیا، قریب تھا کہ وہ (اپنی بے قراری کے باعث) اس راز کو ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل پر صبر و سکون کی قوت نہ اتارتے تاکہ وہ (وعدۂ الٰہی پر) یقین رکھنے والوں میں سے رہیں○ اور (موسیٰ کی والدہ نے) ان کی بہن سے کہا کہ (ان کا حال معلوم کرنے کے لیے) ان کے پیچھے جاؤ، سو وہ انہیں دور سے دیکھتی رہی اور وہ لوگ (بالکل)

بے خبر تھےo اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کردیا تھا سو (موسیٰ کی بہن نے) کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں جو تمہارے لیے اس (بچے) کی پرورش کر دیں اور وہ اس کے خیر خواہ (بھی) ہوںo پس ہم نے موسیٰ کو (یوں) ان کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور تاکہ وہ (یقین سے) جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےo اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور (سنِ) اعتدال پر آ گئے تو ہم نے انہیں حکمِ (نبوت) اور علم و دانش سے نوازا، اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیںo''

ان چودہ آیاتِ بینات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کے حالات، ان کی پیدائش، ان کے بہ اَمرِ الٰہی صندوق میں ڈالے جانے، پھر فرعون کے محل میں پرورش پانے اور رضاعت کے لیے ان کی والدہ کی طرف لوٹائے جانے اور پھر جوانی اور بعثت یعنی ایک ایک چیز کا بیان ہوا۔ اور یہی ''**میلاد نامۂ موسیٰ علیہ السلام**'' ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی زینت بنایا۔

۳۔ میلاد نامۂ مریم علیہا السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا میلاد نامہ بھی بیان کیا ہے جو اگرچہ پیغمبر نہیں لیکن ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور ایک پاک باز ولیۂ کاملہ تھیں۔ ان کا میلاد نامہ بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے بعض انبیاء علیہم السلام اور ان کی نسل کی فضیلت بیان کی۔ اِرشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَo ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَاللهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌo[1]

(۱) آل عمران، ۳: ۳۳، ۳۴

’’بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو سب جہان والوں پر (بزرگی میں) منتخب فرما لیاo یہ ایک ہی نسل ہے ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

اِس تمہید کے بعد میلاد نامۂ مریم علیہا السلام کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یہاں کوئی اِعتراض کر سکتا ہے کہ قرآن حکیم نے تو صرف گزشتہ واقعہ بیان کیا ہے، آپ اسے میلاد نامہ کیسے قرار دے رہے ہیں؟ یہ اِعتراض کرنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ جو چیز فقط تعلیم و تربیت اور رُشد و ہدایت کی غرض سے بیان کی جاتی ہے اُس کی حدود و قیود ہوتی ہیں۔ جو بات جس حد تک مضمون سے متعلق ہو اتنی بتائی جاتی ہے اور غیر متعلق بات کو کم اَز کم کلامِ اِلٰہی میں جگہ دینے اور صحیفہ اِنقلاب کا مضمون بنانے کا کوئی جواز نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت سے متعلق ذیل میں دی گئی آیات اور ترجمہ پر غور کریں، خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یہ نفسِ مضمون کسی تعلیم و تربیت اور رُشد و ہدایت کے لیے نہیں بلکہ فقط ولادت کا قصہ بیان ہو رہا ہے جسے ہم بجا طور پر میلاد نامہ کا نام دے رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ط وَاللهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ج وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo(۱)

’’اور (یاد کریں) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا: اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے میں اسے (دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کر کے خالص تیری نذر کرتی ہوں، سو تو میری طرف سے (یہ نذرانہ) قبول فرما لے، بے شک

(۱) آل عمران، ۳: ۳۵، ۳۶

تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo پھر جب اس نے لڑکی جنی تو عرض کرنے لگی: مولا! میں نے تو یہ لڑکی جنی ہے، حالاں کہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ اسے خوب جانتا تھا، (وہ بولی:) اور لڑکا (جو میں نے مانگا تھا) ہرگز اس لڑکی جیسا نہیں (ہوسکتا) تھا (جو اللہ نے عطا کی ہے)، اور میں نے اس کا نام ہی مریم (عبادت گزار) رکھ دیا ہے، اور بے شک میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوںo‘‘

یہ حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کا حسین تذکرہ ہے جسے اللہ رب العزت نے بیان فرمایا۔ اگلی آیات میں ان کے بچپن کا بیان ہے جب وہ حضرت زکریا علیہ السلام کے سایہ عاطفت میں پرورش پانے لگیں۔ اس دوران میں اللہ رب العزت نے ان پر جو نوازشات کیں اور بے موسم پھل عطا فرمائے اُن کا تذکرہ ہے۔ اُن کی قیام گاہ کو وسیلہ بناتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے اولادِ نرینہ کی دعا کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت عطا فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتاً حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ط كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ ط اِنَّ اللهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍo[1]

’’سو اس کے رب نے اس (مریم) کو اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرما لیا اور اسے اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا، اور اس کی نگہبانی زکریا کے سپرد کر دی، جب بھی زکریا اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم!

(۱) آل عمران، ۳: ۳۷

یہ چیزیں تمہارے لیے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے٥‘‘

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے بچپن اور پرورش سے متعلق حالات کا بیان ہے مگر بات فقط اس پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ رب العزت نے ان کے فضائل مزید بیان فرمائے، یہاں تک کہ اس چھوٹی سی بات کو بھی نظرانداز نہ کیا جو ان کاہنوں سے متعلق ہے جب وہ اس کی پرورش کے لیے قرعہ ڈال رہے تھے۔ فرمایا:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ٥ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ٥ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ط وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ٥(۱)

’’اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور تمہیں آج سارے جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کر دیا ہے٥ اے مریم! تم اپنے رب کی بڑی عاجزی سے بندگی بجا لاتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو٥ (اے محبوب!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں حالاں کہ آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے طور پر) اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے، اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے٥‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۴۲۔۴۴

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ ''**میلاد نامۂ مریم** علیہا السلام'' ہی تو ہے کہ اس قدر چھوٹی چھوٹی باتیں بھی نظر انداز نہیں کی گئیں جن کا بظاہر تعلیم و تربیت سے کوئی تعلق نہیں مثلاً یہ فرمانا کہ وہ قرعہ اندازی کر رہے تھے، اپنے قلم پھینک رہے تھے اور آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اگر بیان کرنے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا میلاد نامہ بیان کریں، آپ ﷺ کے حالات و واقعات کی تفصیلات و جزئیات اور ولادت باسعادت کے وقت ظہور میں آنے والے آثار و برکات بیان کریں تو یہ سنتِ الٰہیہ کے تتبع میں نہ صرف دین اور ایمان بلکہ اصلِ ایمان ہے۔ کاش کوئی اتنی سی بات سمجھ سکے کہ اگر اللہ کی ایک پاک باز ولیہ کا میلاد نامہ قرآن مجید میں بیان ہو رہا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو محبوبِ رب العالمین اور تاجدارِ انبیاء علیہم السلام ہیں، ان کا میلاد نامہ کیوں نہیں بیان ہوسکتا! حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد نامہ کا بیان ہرگز بدعت نہیں بلکہ جزوِ ایمان، اصلِ ایمان اور عینِ توحید ہے۔

۴۔ میلاد نامۂ یحییٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلاد نامہ بھی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ جب ان کے والد گرامی حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کے دوران توسلِ مکانی کرتے ہوئے حجرۂ مریم علیہا السلام میں کھڑے ہوکر دعا کی تو یہ منظر بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ قَالَ

رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا وَّ سَبِّحۡ بِالۡعَشِيِّ وَالۡاِبۡكَارِ ○[1]

”اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ○ ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے) کہ انہیں فرشتوں نے آواز دی: بے شک اللہ آپ کو (فرزند) یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں (کی رغبت) سے بہت محفوظ ہوگا اور (ہمارے) خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگا ○ (زکریا نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے؟ فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما؟ فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے بات نہیں کر سکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو ○“

واضح رہے کہ ابھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی، صرف دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قبل اَز ولادت ان کے بعض فضائل کا ذکر کر دیا۔ آگے سورۃ مریم میں ان کی ولادت کا مکمل بیان ہے جب کہ پہلے رکوع میں سارا بیان ہی میلادِ یحییٰ علیہ السلام کے لیے مختص ہے۔ اس بیان کو قرآن حکیم یوں شروع کرتا ہے:

كٓهٰيٰعٓصٓ ○ ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ○[2]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸۔ ۴۱

(۲) مریم، ۱۹: ۱۔۲

’’کاف، ہا، یا، عین، صاد (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)o یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے (جو اس نے) اپنے (برگزیدہ) بندے زکریا پر (فرمائی تھی)o‘‘

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کی ولادت کا ذکر (میلاد نامہ) قرآن مجید کے الفاظ میں اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کے میلاد کا ذکر رحمتِ ایزدی ہے تو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر بدرجہ اُولیٰ رحمت کیوں نہ ہوگا۔ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ سے بڑی رحمت اور کیا ہوسکتی ہے، لہٰذا عقلی و منطقی رُو سے بھی میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر، ذکرِ رحمت ہے۔

قرآن مجید نے آگے ولادتِ یحییٰ علیہ السلام کے ذکرِ رحمت کو تسلسل سے یوں بیان فرمایا ہے:

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّاo قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّاo وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّاo یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّاo یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّاo قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّاo قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًاo قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ط قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّاo فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّاo یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّاo وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ط وَكَانَ تَقِیًّاo وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ٥ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ٥(۱)

''جب انہوں نے اپنے رب کو (ادب بھری) دبی آواز سے پکارا ٥ عرض کیا: اے میرے رب! میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کے باعث میرا سر آگ کے شعلہ کی مانند سفید ہوگیا ہے، اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا ٥ اور میں اپنے (رخصت ہوجانے کے) بعد (بے دین) رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں (کہ وہ دین کی نعمت ضائع نہ کر بیٹھیں)، اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنی (خاص) بارگاہ سے ایک وارث (فرزند) عطا فرما ٥ جو (آسمانی نعمت میں) میرا (بھی) وارث بنے اور یعقوب کی اولاد (کے سلسلۂ نبوت) کا (بھی) وارث ہو، اور اے میرے رب! تو (بھی) اسے اپنی رضا کا حامل بنالے ٥ (ارشاد ہوا:) اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوش خبری سناتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا ٥ (زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے باعث (انتہائی ضعف میں) سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں ٥ فرمایا: (تعجب نہ کرو) ایسے ہی ہوگا تمہارے رب نے فرمایا ہے یہ (لڑکا پیدا کرنا) مجھ پر آسان ہے، اور بے شک میں اس سے پہلے تمہیں (بھی) پیدا کرچکا ہوں اس حالت سے کہ تم (سرے سے) کوئی چیز ہی نہ تھے ٥ (زکریا نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما، ارشاد ہوا: تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم بالکل تندرست ہوتے ہوئے بھی تین

(۱) مریم، ۱۹: ۳-۱۵

رات (دن) لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے ○ پھر (زکریا علیہ السلام) حجرۂ عبادت سے نکل کر اپنے لوگوں کے پاس آئے تو ان کی طرف اشارہ کیا (اور سمجھایا) کہ تم صبح و شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو○ اے یحییٰ! (ہماری) کتاب (تورات) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت و بصیرت (نبوت) عطا فرما دی تھی○ اور اپنے لطفِ خاص سے (انہیں) درد و گداز اور پاکیزگی و طہارت (سے بھی نوازا تھا)، اور وہ بڑے پرہیزگار تھے○ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بڑی نیکی (اور خدمت) سے پیش آنے والے (تھے) اور (عام لڑکوں کی طرح) ہرگز سرکش و نافرمان نہ تھے○ اور یحییٰ پر سلام ہو اُن کے میلاد کے دن اور ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے○''

سورہ مریم کا پہلا پورا رکوع میلادِ یحییٰ علیہ السلام کے بیان کے لیے وقف ہے، جس میں پہلے ان کے میلاد کا ذکر ہے کہ کیسے ان کے والد گرامی حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی ولادت کے لیے عالمِ پیری میں دعا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ جب انہوں نے تعجب کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا بیان فرمایا۔ الغرض حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پیغمبر کے درمیان جو مکالمہ ہوا قرآن کریم نے تفصیل سے بیان کیا۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے روحانی مقامات اور سیرت کے چند خصوصی گوشوں کا بھی تذکرہ کیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے آغاز کر کے ان کی سیرت کے مختلف پہلو بیان کرنے کے بعد بات ان کے یومِ میلاد، یومِ وصال اور یومِ بعثت (قیامت کے دن اٹھائے جانے) پر سلام کے ساتھ ختم کی۔ قرآن حکیم کا ان جزئیات کو بیان کرنے کا مقصد صرف ایک برگزیدہ نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور پڑھنے والوں کے ذہنوں میں اسے جاگزیں کرنا ہے۔ یہ تھا **میلاد نامۂ یحییٰ علیہ السلام** جس کی قرآن حکیم میں تلاوت کی جاتی ہے۔

۵۔ میلاد نامۂ عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مریم علیہا السلام کے میلاد نامہ کے بعد ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد نامہ بھی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ مریم کا ایک مکمل رکوع میلاد نامۂ عیسیٰ علیہ السلام پر مشتمل ہے جس میں ان کی ولادت سے قبل ان کی والدہ ماجدہ کو بیٹے کی خوش خبری دی گئی۔ اس کی تفصیل قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے:

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَo وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَo قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ط قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُo (۱)

”جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تمہیں اپنے پاس سے ایک کلمۂ (خاص) کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، وہ دنیا اور آخرت (دونوں) میں قدر و منزلت والا ہوگا اور اللہ کے خاص قربت یافتہ بندوں میں سے ہوگاo اور وہ لوگوں سے گہوارے میں اور پختہ عمر میں (یکساں) گفتگو کرے گا اور وہ (اللہ کے) نیکوکار بندوں میں سے ہوگاo (مریم نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا درآنحالیکہ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا! ارشاد ہوا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، جب کسی کام (کے کرنے) کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اس سے فقط اتنا فرماتا ہے کہ 'ہو جا' وہ ہو جاتا ہےo“

اس کے بعد تفصیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے

(۱) آل عمران، ۳: ۴۵۔۴۷

حسبِ سابق چھوٹی چھوٹی جزئیات بھی بیان ہوئیں کہ کس طرح جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور انہوں نے روح پھونکی اور حضرت مریم علیہا السلام اُمید سے ہوئیں۔ وضعِ حمل کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کو تکلیف ہوئی، قرآن کریم نے ان کی اس تکلیف کا بھی ذکر کیا اور بہ تقاضائے نسوانیت ان کا شرمانا بھی بیان فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب وہ خلوت گزیں ہوگئیں تو اس کا بھی ذکر کیا۔ پھر یہ بیان کیا کہ کس طرح تکلیف کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چشمے کا شیریں پانی مہیا کیا، تازہ کھجوریں دیں جن کے کھانے سے تکلیف دور ہوگئی۔ عین لحۂ ولادت کا ذکر کیا۔ ولادت کے بعد جب وہ نومولود کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے گئیں اور انہوں نے طعنے دیے، ان طعنوں کا ذکر کیا اور طعن و تشنیع کے جواب میں پنگھوڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کرنے کا ذکر کیا۔ یہ سارے اَحوال اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمائے ہیں:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ○ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ○ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ

قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّاo یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْکِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا کَانَتْ اُمُّکِ بَغِیًّاo فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ط قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّاo قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّاo وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّاo وَّ بَرًّام بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّاo وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاo ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَo مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ط اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُo(۱)

’’اور (اے حبیبِ مکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید) میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر (عبادت کے لیے خلوت اختیار کرتے ہوئے) مشرقی مکان میں آ گئیںo پس انہوں نے ان (گھر والوں اور لوگوں) کی طرف سے حجاب اختیار کر لیا (تاکہ حسنِ مطلق اپنا حجاب اٹھا دے) تو ہم نے ان کی طرف اپنی روح (یعنی فرشتہ جبرئیل) کو بھیجا، سو جبرئیل ان کے سامنے مکمل بشری صورت میں ظاہر ہواo (مریم نے) کہا: بے شک میں تجھ سے (خدائے) رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (اللہ) سے ڈرنے والا ہےo (جبرئیل نے) کہا: میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (اس لیے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروںo (مریم نے) کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوںo (جبرئیل نے) کہا: (تعجب نہ کر) ایسے ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا ہے: یہ (کام) مجھ پر آسان ہے، اور (یہ اس لیے ہوگا) تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی جانب سے رحمت بنا دیں اور یہ امر (پہلے سے) طے شدہ

(۱) مریم، ۱۹: ۱۶-۳۵

ہے○ پس مریم نے اسے پیٹ میں لے لیا اور (آبادی سے) الگ ہو کر دور ایک مقام پر جا بیٹھیں○ پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا وہ (پریشانی کے عالم میں) کہنے لگیں: اے کاش! میں پہلے سے مرگئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو چکی ہوتی○ پھر ان کے نیچے کی جانب سے (جبرائیل نے یا خود عیسیٰ نے) انہیں آواز دی کہ تو رنجیدہ نہ ہو، بے شک تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے (یا تمہارے نیچے ایک عظیم المرتبہ انسان کو پیدا کر کے لٹا دیا ہے)○ اور کھجور کے تنا کو اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرا دے گا○ سو تم کھاؤ اور پیو اور (اپنے حسین و جمیل فرزند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر تم کسی بھی انسان کو دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ میں نے (خدائے) رحمان کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے، سو میں آج کسی انسان سے قطعاً گفتگو نہیں کروں گی○ پھر وہ اس (بچے) کو (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آگئیں، وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو بہت ہی عجیب چیز لائی ہے○ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی○ تو مریم نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا، وہ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو (ابھی) گہوارہ میں بچہ ہے○ (بچہ خود) بول پڑا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے○ اور میں جہاں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے سراپا برکت بنایا ہے اور میں جب تک بھی زندہ ہوں اس نے مجھے زکوٰۃ اور نماز کا حکم فرمایا ہے○ اور اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا○ اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن اور میری وفات کے دن اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا○ یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں، (یہی) سچی بات ہے جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں○ یہ اللہ کی شان نہیں کہ وہ (کسی کو اپنا) بیٹا بنائے، وہ

(اس سے) پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو اسے صرف یہی حکم دیتا ہے ’’ہو جا‘‘ پس وہ ہو جاتا ہے o‘‘

۶۔ میلاد نامۂ مصطفیٰ ﷺ

گزشتہ صفحات میں ہم نے ’’**میلاد نامۂ انبیاء** علیھم السلام‘‘ کے عنوان سے ان انبیاء کرام علیھم السلام کے میلاد نامے بیان کیے جن کا میلاد خواں خود خدائے رحمان ہے۔ قرآن مجید کے حوالے سے ان انبیاء کرام علیھم السلام کے میلاد نامے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام کی ولادت کے واقعات، ان کے کمالات و برکات اور ان پر رب کریم کی عنایات کا ذکر کرنا سب سنتِ الٰہیہ اور ان کا بار بار دہرانا قرآنِ مجید کا منشاء ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء کرام کا ذکر تو قرآن مجید میں آیا ہے، کیا حضور علیہ السلام کی ولادت کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ قرآن مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

مطالعۂ قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے برگزیدہ انبیاء کرام علیھم السلام کی ولادت کا ذکر فرما کر ان کی شان کو اجاگر کیا ہے۔ یہی میلاد نامۂ انبیاء ہے۔ اگر قرآنی آیات کے مفہوم پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ربِ کریم نے امام الانبیاء حضور رحمت عالم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیھم السلام کا ذکر کیا وہ فقط ذکرِ ولادت تک محدود تھا، مگر جب رسولِ اکرم ﷺ کا ذکر کیا تو اس شانِ امتیاز کے ساتھ کیا کہ آپ ﷺ کی ولادت کی نسبت سے نہ صرف آپ ﷺ کے شہرِ ولادت بلکہ آپ ﷺ کے آباو اجداد اور خود آپ ﷺ کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَo[1]

---

(۱) البلد، ۹۰: ۱۔۳

’’میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوںo (اے حبیبِ مکرم!) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیںo (اے حبیبِ مکرم! آپ کے) والد (آدم علیہ السلام یا ابراہیم علیہ السلام) کی قسم اور (ان کی) قسم جن کی ولادت ہوئیo‘‘

اللہ تبارک و تعالیٰ نے شہر مکہ کو اس وجہ سے لائقِ قسم نہیں ٹھہرایا کہ وہاں بیت اللہ، حجرِ اسود، مطاف، حطیم، ملتزم، مقامِ ابراہیم، چشمۂ زَم زَم، صفا و مروہ، میدانِ عرفات، منٰی اور مزدلفہ ہیں، بلکہ قسم کھانے کی وجہ قرآن کی رُو سے یہ ہے کہ اس شہر کو محبوبِ خدا ﷺ کی جائے سکونت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم صرف اس لیے کھائی کہ وہ اس کے حبیب ﷺ کا مسکن ہے، پھر اپنے محبوب ﷺ کے جملہ آباء و اَجداد کی قسم کھائی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے پیدا ہونے کی قسم نہیں کھائی بلکہ صرف ایک ہستی کی ولادت کی قسم کھائی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر یوں کیا ہے:

۱۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ۔[(۱)]

’’اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے (اپنا) رسول بھیجا۔‘‘

۲۔ لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔[(۲)]

’’بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے عظمت والا رسول بھیجا۔‘‘

۳۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا

(۱) البقرہ، ۲: ۱۵۱

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۴

خَيْرًا لَّكُمْ ۔(1)

''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تشریف لایا ہے سو تم (ان پر) اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ۔''

۴۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ط قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○(2)

''اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول تشریف لائے ہیں جو تمہارے لیے بہت سی ایسی باتیں (واضح طور پر) ظاہر فرماتے ہیں جو تم کتاب میں سے چھپائے رکھتے تھے اور (تمہاری) بہت سی باتوں سے درگزر (بھی) فرماتے ہیں، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)○''

۵۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○(3)

''اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے (یہ آخر الزمان) رسول پیغمبروں کی آمد (کے سلسلے) کے منقطع ہونے (کے موقع) پر تشریف لائے ہیں جو تمہارے لیے (ہمارے احکام) خوب واضح کرتے ہیں، (اس لیے) کہ تم (عذر کرتے ہوئے یہ) کہہ دو گے کہ ہمارے پاس نہ (تو) کوئی خوش خبری

---

(۱) النساء، ۴: ۱۷۰

(۲) المائدۃ، ۵: ۱۵

(۳) المائدہ، ۵: ۱۹

سنانے والا آیا ہے اور نہ ڈرانے والا، (اب تمہارا یہ عذر بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ) بلاشبہ تمہارے پاس (آخری) خوش خبری سنانے اور ڈرانے والا (بھی) آ گیا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہےo‘‘

۶۔ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌo(۱)

’’بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول تشریف لائے، تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیںo‘‘

۷۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَo(۲)

’’اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کرo‘‘

۸۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo(۳)

’’وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، بے شک

(۱) التوبه، ۹: ۱۲۸

(۲) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۷

(۳) الجمعة، ۶۲: ۲

وہ لوگ ان (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo‘‘

۹۔ اِنَّـآ اَرْسَلْنَـآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۔[1]

’’بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول (ﷺ) بھیجا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا آیات میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف آوری کا ذکر درحقیقت ذکرِ ولادت ہی ہے۔ ان آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی ولادت کا ذکر بلا اِستثنا تمام نسلِ انسانی کے لیے کیا ہے۔ اس میں تمام اہلِ ایمان کے علاوہ جمیع اہلِ کتاب اور کفار و مشرکین شامل ہیں۔ ہر ایک کو مطلع کیا گیا کہ حبیبِ خدا ﷺ تشریف لے آئے ہیں، اور پھر آپ ﷺ کی آمد کو تمام کائنات کے لیے نعمت اور رحمت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر اِس قدر اِہتمام اور تواتر سے کیا ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ معمول کی بات ہے۔

ان آیاتِ مقدسہ کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو یہ سمجھا دیا کہ میرے محبوب کی ولادت کا ذکر قیامت تک آنے والی نسلوں پر لازم ہے۔ لہٰذا یہ سوچ - کہ ولادت کا ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ - قرآن مجید کی سینکڑوں آیات سے انکار کے مترادف ہے کیوں کہ انبیاء علیھم السلام کی ولادت کا ذکر کرنا اور ان کا میلاد نامہ قرآن حکیم میں بیان کر کے اس کی تلاوت کا حکم دینا منشائے خداوندی ہے۔ جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر بہ عنوان میلاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری اور سنت کی ادئیگی کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان آیات کے مفہوم پر - جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور برگزیدہ بندوں کی ولادت کا بیان کیا ہے - غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں بیان کردہ واقعات کا اُمتِ مسلمہ کی تعلیم و تربیت سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں سوائے

(۱) المزمل، ۷۳: ۱۵

اس کے کہ ان سب کا مقصود **میلاد نامہ انبیاء** علیہم السلام کا بیان ہے۔

میلاد نامہ اَنبیاء سے میلاد نامہ مصطفیٰ ﷺ تک

اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا ذکر اس قدر اہتمام سے کیا ہے کہ انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے خیال تک کو بھی بیان کیا۔ میلاد نامہ یحییٰ علیہ السلام پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جب ان کے والد گرامی حضرت زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کے حجرہ میں تشریف لے گئے اوران کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو اسی جگہ اولاد کے لیے دعا مانگی، پھر جب ان کو خوش خبری ملی کہ بیٹا عطا ہوگا تو دل میں بشری تقاضے کے تحت ایک خیال پیدا ہوا کہ میں اتنا بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے تو میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا؟ یہ خیال آتے ہی اللہ کی بارگاہ میں سوال کیا تو قرآن حکیم نے اس خیال اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سوال کا بھی ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جو جواب دیا اس کا ذکر بھی فرمایا۔

اسی طرح میلاد نامہ عیسیٰ علیہ السلام کا مطالعہ بھی بڑا ایمان افروز اور فکر انگیز ہے۔ اس کی بعض جزئیات پڑھ کر ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس قدر عام چیزیں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی: جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے لے کر ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام تک لمحہ بہ لمحہ واقعات کا ذکر، دردِ زہ کی تکلیف کا تذکرہ، اور یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام نے پریشانی کے عالم میں کہا: ’’اے کاش! میں پہلے سے مرگئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہوچکی ہوتی۔‘‘ اس قسم کی باتیں ذکر کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو یہ شعور عطا کیا کہ جس طرح قرآن مجید دیگر انبیاء علیہم السلام کی ولادت کے باب میں بہت سے واقعات بیان کرتا ہے اُسی طرح جب حبیب کبریاء سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بات آئے اور ان کی ولادت کا ذکر چھڑے تو تم حضرت آدم علیہ السلام سے بات شروع کرتے ہوئے

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرو اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود سے لے کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گاؤں تک کے سارے واقعات بیان کرو اور جو کمالات و برکات مشاہدے میں آئے ان کا بھی ذکر کرو، یہی سنتِ الٰہیہ اور منشائے قرآن ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر تو وحیٔ الٰہی کے ذریعے حضور علیہ السلام نے کیا اور ظاہر ہے کہ آپ علیہ السلام کا ذکر بعد میں آنے والوں نے ہی کرنا تھا۔ چوں کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور کوئی نبی نہیں آئے گا جو آپ ﷺ کا ذکر کرے، اس لیے آپ ﷺ کا ذکر آپ کی امت نے کرنا ہے۔

میلاد نامۂ مصطفیٰ ﷺ انہی واقعات کا بیان ہے جو آقا علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے قبل اور ولادت کے وقت ظہور میں آئے۔ نورِ محمدی ﷺ، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک کس طرح پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا، آپ ﷺ کی ولادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر کیا کیا احسانات فرمائے۔ عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ یوں تو سارا سال آپ ﷺ کی محبت کے نغمے الاپتے رہتے ہیں لیکن جونہی ماہِ میلاد النبی ﷺ - ربیع الاوّل - آتا ہے ان کی محبت شعلہ جوالہ بن جاتی ہے، وہ اپنے محبوب ﷺ کی ولادتِ عظمٰی کے حسین تذکروں سے اپنے قلوب و اَذہان منوّر کرنے اور آپ ﷺ کی محبت کا پیغام عام کرنے کے لیے محافلِ میلاد کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ ان محافل میں محبانِ رسول ﷺ کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ یہ بڑا ایمان افروز سماں ہوتا ہے۔ اس موقع پر کوئی حضور ﷺ کے زلف و رخسار کی بات کرتا ہے تو کوئی آپ ﷺ کے دیدارِ فرحت آثار کی، کوئی گنبد خضراء کا حسین منظر بیان کرتا ہے تو کوئی روضہ اقدس کی سنہری جالیوں کی بات کرتا ہے، کوئی شہرِ مدینہ کے گلی کوچوں کی تو کوئی اس شہرِ دل نواز کی روشنیوں اور رونقوں کی بات کرتا ہے، کوئی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا تذکرہ کرتا ہے تو کوئی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے آنے اور آقا علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی بات کرتا ہے، کوئی حضور ﷺ کے بچپن کی بات کرتا ہے تو کوئی لڑکپن کی اور کوئی چودہ سو

سال پیچھے پلٹ کر شہرِ مکہ کی وادی میں آقا علیہ السلام کے خرامِ ناز کا حسین تذکرہ چھیڑ دیتا ہے، الغرض اس مہینے میں فقط محبت کے ترانے گونجتے ہیں، محبت کے تذکرے ہوتے ہیں، آقا علیہ السلام کی ولادت اور بچپن کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ عشق کے یہ ترانے سن کر اہلِ ایمان کے دلوں کے اندر موجود خوابیدہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگ اٹھے۔

گزشتہ صفحات میں قرآن مجید کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کے میلاد ناموں کے بیان سے اس سوال کا رَدّ ہوجاتا ہے کہ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان کے تحت یہ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ کس طرح نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پشت میں آیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کس طرح ہوئی؟ وغیرہ۔ قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال و واقعاتِ میلاد پڑھ کر بھی اگر کوئی یہ سوچے اور سمجھے کہ ان چیزوں کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو یہ معترض کی قرآن حکیم کی صریح آیات سے ناواقفیت، محض ہٹ دھرمی اور کم علمی کی دلیل ہے۔

اِس پوری تفصیل کے ذریعے قرآن مجید کے حوالہ سے یہ نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے میلاد ناموں، واقعاتِ ولادت، کمالات و برکات اور ان پر ہونے والی اُلوہی عنایات کا ذکر کرنا اللہ کی سنت ہے۔ انہیں خود قرآن مجید میں بارہا اللہ رب العزت نے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ اس حوالہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا ذکر کرنا بھی سنتِ الٰہیہ کے زمرے میں آتا ہے جسے قیامت تک آنے والے محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجالاتے رہیں گے۔ یہ ذکر کیسے ہوگا؟ اس ذکر کا طریقہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے سمجھا دیا ہے۔ جب ہم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات و واقعات کا ذکر کرتے ہیں تو یہ بھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ذکرِ میلاد کی طرح اللہ رب العزت کی سنت اور منشائے قرآن کے عین مطابق ہوتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے تفصیل سے بیان کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے انبیاء علیہم السلام کے میلاد نامے بیان کرتے ہوئے معمولی اُمور بھی

نظر انداز نہیں کیے۔ اسی طریقہ اور سنتِ اِلٰہیہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے آج ہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کے ضمن میں آپ ﷺ کی خلقت، نورانیت اور ولادت کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا زرّیں سلسلۂ نسب بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کے آباء و اَجداد کا تذکرہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت رُونما ہونے والے عجائب و غرائب اور ان خصائص و امتیازات کو بیان کرتے ہیں جن کے ساتھ آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ جب آپ ﷺ کے میلاد کا ذکر آتا ہے تو واقعات کی کڑیاں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاتے ہوئے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بات شروع کر کے مخدومۂ کائنات سیدہ آمنہ علیہا السلام کی آغوش اور حضرت حلیمہ سعدیہ علیہا السلام کی بستی تک پھیلاتے چلے جاتے ہیں تاکہ اس ذکرِ جمیل کی شیرینی اور حلاوت سے ہمارے قلوب واَرواح بھی شاد کام ہوسکیں اور اس اَبدی داستانِ حسن و جمال کا پس منظر ہماری لوحِ تخیل پر نقشِ دوام ہو جائے۔ جشن میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں منعقد ہونے والی محافل میں بھی اِنہی تذکارِ رِسالت کا بیان ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ایسی محافل کا اِنعقاد (معاذ اللہ) ناجائز ہے، درست نہیں۔ محافلِ میلاد النبی ﷺ اور اِس کے اَجزاء پر قرآن و حدیث سے تفصیلی دلائل اگلے اَبواب میں پیش کیے جائیں گے۔

باب چہارُم

جشنِ میلاد النبی ﷺ کا قرآن حکیم سے اِستدلال

قدرت نے مختلف اَشیاء کو ایک دوسرے کے مقابل اِنفرادی طور پر شرف و فضیلت سے بہرہ ور کیا ہے۔ مختلف جہات و حیثیات سے بعض علاقے دوسرے علاقوں پر اور بعض دن دوسرے دنوں پر جدا جدا امتیازی خصوصیات رکھتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے۔ انبیاء و رُسل میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور امتیاز بخشتا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔[1]

’’یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔‘‘

اللہ رب العزت نے بعض ایام کو دیگر ایام پر، بعض مہینوں کو دوسرے مہینوں پر اور بعض ساعتوں کو بھی دوسری ساعتوں پر شرف و اِمتیاز عطا کیا ہے۔

ماہ رمضان المبارک کی وجہ فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔[2]

’’رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔‘‘

اسی ماہِ مبارک کی ایک رات (لیلۃ القدر) کو شبِ نزولِ قرآن ہونے کی بناء پر دیگر راتوں پر فوقیت عطا فرمائی۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۵۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۸۵

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ○[۱]

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا ہے○''

اِسی طرح دوسرے مقدس مقامات کے باوجود صرف شہر مکہ کی قسم کھاتے ہوئے اُسے دوسرے شہروں پر فضیلت دی، کیوں کہ حضور ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کا بیشتر حصہ اس شہر میں گزرا۔ ارشاد فرمایا:

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ○ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ○[۲]

''میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں○ (اے حبیبِ مکرم!) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں○''

اِسی طرح ایمان اور اسلام کے بعد انسانی معاشرے میں عزت وتکریم اور ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ؕ[۳]

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔''

الغرض قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات اور اشیا کے تقدس کا اظہار اور ان کی فضیلت کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ جس طرح لیلۃ القدر ہزار راتوں سے افضل ہے اور رمضان المبارک دیگر مہینوں پر فضیلت رکھتا ہے، اُسی طرح ماہِ ربیع الاول کے امتیاز اور شانِ علو کی وجہ صاحبِ قرآن کی تشریف آوری ہے۔ یہ وہ ماہ سعید

(۱) القدر، ۹۷: ۱

(۲) البلد، ۹۰: ۱، ۲

(۳) الحجرات، ۴۹: ۱۳

ہے جس میں رب کریم نے مومنین پر احسان فرمایا اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے طفیل ربیع الاول سال کے دیگر مہینوں کے مقابلے میں نمایاں فضیلت و امتیاز کا حامل بن گیا ہے۔ اسے اگر ماہِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ سے موسوم کیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔

۱۔ جشنِ نزولِ قرآن سے اِستدلال

قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا پاکیزہ کلام اور اس کی صفت ہونے کے اعتبار سے شانِ یکتائی رکھتا ہے۔ اس کا نزول انسانیت کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے ذریعے انسانیت کو ایسا نور عطا ہوا جس سے جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور اِنسان شرف وتکریم کے اُجالوں میں اپنے اصل مقام کا نظارہ کرنے لگا۔ قرآن ہمیں برگزیدہ اور مکرّم ہستی کے ذریعے عطا ہوا۔ اللہ کی اس کتاب نور کو ایک نور لے کر آیا۔ ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌO(۱)

’’بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)O‘‘

جب قرآنی علم کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ نے لامتناہی عظمتیں عطا کی ہیں تو اس ہستی کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا جس پر اس کتابِ زندہ کا نزول ہوا اور جس کی تجلیات و تعلیمات سے عالمِ انسانیت کو یہ عظیم ذخیرۂ علم وحکمت اور مصدرِ ہدایت عطا کیا گیا، جس کا قلبِ اطہر وحیٔ الٰہی کا مہبط بنا اور حسنِ صورت و سیرت قرآنِ ناطق قرار پایا۔ آپ ﷺ کے علوِ مقام کا ادراک کون کرسکتا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآنِ مجید حضور ﷺ کے اُسوۂ کامل اور آپ ﷺ کے فضائل و خصائل کے ذکرِ جمیل کا ہی مجموعہ ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں جھانک کر انسان اپنے بگڑے ہوئے خد و خال کو سنوار سکتا ہے۔ بقول اِقبالؒ:

(۱) المائدہ، ۵: ۱۵

زِ قرآن پیش خود آئینہ آویز
دگرگون گشتۂ از خویش بگریز[1]

(اے بندۂ خدا! قرآن کے آئینے میں اپنے کردار کو دیکھ، تیری حالت بگڑ چکی ہے۔ خود کو اپنی اس دگرگوں حالت سے نکال اور اس کردار کی طرف لوٹ جا جس کا نقشہ تجھے آئینۂ قرآن میں نظر آ رہا ہے۔)

لہٰذا قرآنِ حکیم جیسی عظیم نعمت پر ہدیۂ تشکر بجالانا قرآن پر ایمان اور اس سے محبت کے اہم ترین تقاضوں میں سے ہے۔ لیکن نعمتِ قرآن پر شکر بجا لانا اس وقت تک ممکن ہے نہ وہ اللہ جل مجدہٗ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کرسکتا ہے جب تک اُس ذاتِ اَقدس کی ولادتِ باسعادت پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا جائے جن کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے اِنسانیت کو قرآن جیسی نعمت سے فیض یاب فرمایا۔ اِس لیے جب ہم نزولِ قرآن کی رات جشنِ نزولِ قرآن کے طور پر بڑے اہتمام سے مناتے اور اس میں قرآن حکیم کے فضائل و تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں؛ تو جس ہستی کی بہ دولت یہ عظیم نعمت ہمیں میسر آئی اُس کی ولادت باسعادت کی رات بہ درجۂ اولیٰ زیادہ اِہتمام کے ساتھ منائی جائے گی۔

شبِ میلاد اور شبِ قدر کا تقابل

حضور نبی اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ، خلقِ عظیم اور اَوصافِ جمیلہ کا ذکر کرنے والی کتاب قرآنِ مجید کے نزول کے سبب ماہِ رمضان المبارک کی صرف ایک رات کو ہزار مہینوں سے بھی افضل قرار دیا گیا۔ جس مبارک رات میں کلامِ الٰہی لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتارا گیا اللہ تعالیٰ نے اس رات کو قیامت تک کے انسانوں کے لیے ''لیلۃ القدر'' کی صورت میں بلندئ درجات کا وسیلہ اور تمام راتوں کی پیشانی کا جھومر بنادیا۔ تو جس رات صاحبِ قرآن یعنی مقصودِ کائنات ﷺ کا ظہور ہوا اور بزمِ عالم کے اس تاجدار

(۱) اِقبال، کلیات (فارسی)، اَرمغانِ حجاز: ۸۱۶

ﷺ نے زمین و مکاں کو ابدی رحمتوں اور لازوال سعادتوں سے منوّر فرمایا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس رات کی قدر و منزلت کیا ہوگی! اس کا اندازہ انسانی شعور کے لیے ناممکن ہے۔ لیلۃ القدر کی فضیلت اس لیے ہے کہ وہ نزولِ قرآن اور نزولِ ملائکہ کی رات ہے جب کہ نزولِ قرآن سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلبِ اَطہر پر ہوا۔ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو قرآن نازل ہوتا نہ شبِ قدر ہوتی اور نہ یہ کائنات تخلیق کی جاتی۔ دَر حقیقت یہ ساری فضیلتیں میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا صدقہ ہیں۔ پس اگر کہا جائے کہ شبِ میلادِ رسول ﷺ شبِ قدر سے بھی افضل ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ باری تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دے کر اس کی فضیلت کی حد مقرر فرما دی جب کہ شبِ میلادِ رسول ﷺ کی فضیلت حدِ اِدراک سے ماوراء ہے۔ یہ اَمر بھی ذہن نشین رہے کہ اگرچہ شبِ میلاد کی فضیلت زیادہ ہے تاہم شبِ قدر میں کثرت کے ساتھ عبادات بجا لانی چاہییں کیوں کہ اِس رات بجا لائی جانے والی عبادات پر زیادہ اَجر و ثواب کی نوید ہے اور یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ائمہ و محدثین نے راتوں کی فضیلت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ مثلاً شبِ نصف شعبان، شبِ قدر، شبِ یوم الفطر، شبِ یوم العرفہ وغیرہ۔ ان میں شبِ میلاد النبی ﷺ کا ذکر بھی آیا ہے۔ بہت سے اَئمہ و محدثین اور اہلِ علم و محبت نے شبِ میلاد کو شبِ قدر سے افضل قرار دیا ہے۔

امام قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ)، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ)، امام زرقانی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ) اور امام نبہانی (م۱۳۵۰ھ) نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سب راتیں فضیلت والی ہیں مگر شبِ میلادِ رسول ﷺ سب سے افضل ہے۔

۱۔ امام قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ) اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

إذا قلنا بأنه عليه الصلاة والسلام ولد ليلاً، فأيما أفضل: ليلة

القدر أو ليلة مولده ﷺ؟ أجيب: بأن ليلة مولده عليه الصلاة والسلام أفضل من ليلة القدر من وجوه ثلاثة:

أحدها: أن ليلة المولد ليلة ظهوره ﷺ، وليلة القدر معطاة له، وما شرف بظهور ذات المشرف من أجله أشرف مما شرف بسبب ما أعطيه، ولا نزاع في ذلک، فكانت ليلة المولد – بهذا الاعتبار – أفضل۔

الثاني: أن ليلة القدر شرفت بنزول الملائكة فيها، و ليلة المولد شرفت بظهوره ﷺ فيها. وممن شرفت به ليلة المولد أفضل ممن شرفت به ليلة القدر، على الأصح المرتضى (أی عند جمهور أهل السنة) فتكون ليلة المولد أفضل۔

الثالث: ليلة القدر وقع التفضل فيها على أمة محمد ﷺ، وليلة المولد الشريف وقع التفضل فيها على سائر الموجودات، فهو الذی بعثه الله تعالٰی رحمة للعالمين، فعمّت به النعمة على جميع الخلائق، فكانت ليلة المولد أعم نفعاً، فكانت أفضل من ليلة القدر بهذا الاعتبار۔[1]

’’جب ہم یہ کہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت پیدا ہوئے تو سوال

(۱) ۱۔ قسطلانی، المواہب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۱۴۵
۲۔ عبد الحق، ما ثَبَت مِن السُّنّة فی أيّام السَّنَة: ۵۹، ۶۰
۳۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۲۵۵، ۲۵۶
۴۔ نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ، ۳: ۴۲۴

پیدا ہوتا ہے کہ شبِ میلادِ رسول ﷺ افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی میلاد کی رات تین وجوہ کی بناء پر شبِ قدر سے اَفضل ہے:

(۱) آپ ﷺ کا ظہور شبِ میلاد میں ہوا جب کہ لیلۃ القدر آپ ﷺ کو عطا کی گئی، لہٰذا وہ رات جس کو آپ ﷺ کے ظہور کا شرف ملا اُس رات سے زیاد شرف والی ہوگی جسے اِس رات میں تشریف لانے والی ہستی کے سبب سے شرف ملا، اور اِس میں کوئی نزاع نہیں۔ لہٰذا اِس اِعتبار سے شبِ میلاد شبِ قدر سے افضل ہوئی۔

(۲) اگر لیلۃ القدر کی عظمت اِس بناء پر ہے کہ اِس میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے تو شبِ ولادت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ جمہور اہلِ سنت کے قول کے مطابق شبِ میلاد کو جس ہستی (یعنی حضور ﷺ) نے شرف بخشا وہ شبِ قدر کو شرف بخشنے والی ہستیوں (یعنی فرشتوں) سے کہیں زیادہ بلند و برتر اور عظمت والی ہے۔ لہٰذا شبِ ولادت ہی افضل ہے۔

(۳) شبِ قدر کے باعث اُمتِ محمدیہ ﷺ کو فضیلت بخشی گئی اور شبِ میلاد کے ذریعے جمیع موجودات کو فضیلت سے نوازا گیا۔ پس حضور ﷺ ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجا، اور اِس طرح نعمتِ رحمت جمیع کائنات کے لیے عام کر دی گئی۔ لہٰذا شبِ ولادت نفع رسانی میں کہیں زیادہ ہے، اور اِس اعتبار سے بھی یہ لیلۃ القدر سے افضل ٹھہری۔‘‘

۲۔ امام طحاویؒ (۲۳۹۔۳۲۱ھ) بعض شوافع سے نقل کرتے ہیں:

أن أفضل الليالي ليلة مولده ﷺ، ثم ليلة القدر، ثم ليلة الإسراء والمعراج، ثم ليلة عرفة، ثم ليلة الجمعة، ثم ليلة النصف من شعبان، ثم ليلة العيد۔(۱)

''راتوں میں سے افضل ترین شبِ میلادِ رسول ﷺ ہے، پھر شبِ قدر، پھر شبِ اِسراء و معراج، پھر شبِ عرفہ، پھر شبِ جمعہ، پھر شعبان کی پندرہویں شب اور پھر شبِ عید ہے۔''

۳۔ امام نبہانی (م۱۳۵۰ھ) اپنی مشہور تصنیف ''الأنوار المحمدية من المواهب اللدنية (ص: ۲۸)'' میں لکھتے ہیں:

و ليلة مولده ﷺ أفضل من ليلة القدر۔

''اور شبِ میلادِ رسول ﷺ شبِ قدر سے افضل ہے۔''

۴۔ مولانا محمد عبد الحئ فرنگی محلی لکھنوی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ) شبِ قدر اور شبِ میلاد میں سے زیادہ فضیلت کی حامل رات کے بارے میں پوچھے جانے والے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمام راتوں پر شبِ قدر کی بزرگی منصوص اور کئی طرح سے ثابت ہے:

۱۔ اِس رات میں اَرواح اور ملائکہ کا نزول زمین پر ہوتا ہے۔

۲۔ شام سے صبح تک تجلی باری تعالیٰ آسمانِ اَوّل پر ہوتی ہے۔

---

(۱) ۱۔ ابن عابدين، رد المحتار على در المختار على تنوير الأبصار، ۲: ۵۱۱

۲۔ شرواني، حاشية على تحفة المحتاج بشرح المنهاج، ۲: ۴۰۵

۳۔ نبهاني، جواهر البحار في فضائل النبي المختار ﷺ، ۳: ۴۲۶

۳۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ اَوّل پر نزولِ قرآن اِسی رات میں ہوا ہے۔

اور انہی بزرگیوں کی وجہ سے تسکین اور تسلیٔ اُمتِ محمدیہ کے لیے اس ایک رات کی عبادت ثواب میں ہزار مہینوں کی عبادت سے زائد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ○[1]

''شبِ قدر (فضیلت و برکت اور اَجر وثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے ○''

اور حدیث میں بھی اِس رات کے جاگنے کی تاکید آئی ہے اور بعض محدثین نے جو شبِ میلاد کو شبِ قدر پر فضیلت دی ہے تو اُن کا یہ منشا نہیں کہ شبِ میلاد کی عبادت ثواب میں شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے کیوں کہ ثواب اور عقاب کی حالت یہ ہے کہ جب تک نصِ قطعی نہ پائی جائے کسی کام کو باعثِ ثواب نہیں قرار دے سکتے۔ مگر شبِ میلاد کو شبِ قدر پر اپنے اِفتخارِ ذاتی سے خدا کے سامنے فضیلت حاصل ہے۔''[2]

شبِ قدر کو فضیلت اس لیے ملی کہ اِس میں قرآن حکیم نازل ہوا اور اِس میں فرشتے اترتے ہیں؛ جب کہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت کا یہ عالم ہے آپ پر قرآن نازل ہوا اور روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو آپ ﷺ کے مزارِ اَقدس کی زیارت اور طواف کرتے ہیں اور بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا اور فرشتوں میں سے جو ایک بار روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کا شرف پالیتا ہے دوبارہ قیامت تک اُس کی باری

(۱) القدر، ۹۷: ۳

(۲) عبد الحی، مجموعه فتاویٰ، ۱: ۸۶، ۸۷

نہیں آئے گی۔(۱) فرشتے تو دربارِ مصطفیٰ ﷺ کے خادم اور جاروب کش ہیں۔ وہ اُتریں تو شبِ قدر ہزار مہینوں سے افضل ہو جاتی ہے اور جس رات ساری کائنات کے سردار تشریف لائیں اس کی فضیلت کا اِحاطہ کرنا انسان کے علم وشعور کے لیے ناممکن ہے۔ آقا

(۱) ۱۔ ابن مبارك، الزهد: ۵۵۸، رقم: ۱۶۰۰
۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۴
۳۔ قرطبی، التذكرة فی أمور أحوال الموتی وأمور الآخرة: ۲۱۳، ۲۱۴، (باب فی بعث النبی ﷺ من قبره)
۴۔ نجار، الرد علی من يقول القرآن مخلوق: ۶۳، رقم: ۸۹
۵۔ ابن حبان، العظمة، ۳: ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، رقم: ۵۳۷
۶۔ أزدی، فضل الصلاة علی النبی ﷺ: ۹۲، رقم: ۱۰۱
۷۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۹۲، ۴۹۳، رقم: ۴۱۷۰
۸۔ أبونعیم، حلیة الأولیاء و طبقات الأصفیاء، ۵: ۳۹۰
۹۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ: ۸۳۳، رقم: ۱۵۷۸
۱۰۔ ابن قیم، جلاء الأفهام فی الصلاة والسلام علی خیر الأنام ﷺ: ۶۸، رقم: ۱۲۹
۱۱۔ سمہودی، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی ﷺ، ۲: ۵۵۹
۱۲۔ قسطلانی، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۴: ۶۲۵
۱۳۔ سیوطی، كفاية الطالب اللبيب فی خصائص الحبيب، ۲: ۳۷۶
۱۴۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱۲: ۴۵۲، ۴۵۳
۱۵۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱۲: ۲۸۳، ۲۸۴

ﷺ کی آمد کی رات اور آپ ﷺ کی آمد کے مہینہ پر کروڑوں اربوں مہینوں کی فضیلتیں قربان! خاص بات یہ ہے کہ شبِ قدر کی فضیلت فقط اہلِ ایمان کے لیے ہے۔ باقی انسانیت اس سے محروم رہتی ہے مگر حضور ﷺ کی آمد فقط اہلِ ایمان کے لیے ہی باعثِ فضل و رحمت نہیں بلکہ کل کائنات کے لیے ہے۔ آپ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ ساری کائنات میں جملہ مخلوق کے لیے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر خوشی کا اظہار کرنا باعثِ اَجر و ثواب ہے۔

۲۔ جشنِ نزولِ خوانِ نعمت سے اِستدلال

پہلی اُمتوں کو بھی اللہ رب العزت نے اپنی نعمتوں سے نوازا جس پر وہ اللہ کے حضور شکر بجا لاتے اور حصولِ نعمت کا دن بطورِ عید مناتے تھے۔ جیسے خوانِ نعمت ملنے کا دن جشنِ عید کے طور پر منایا جاتا تھا۔ اِس مثال سے مقصود یہ باور کرانا ہے کہ سابقہ اُمتیں اپنی روایات کے مطابق مخصوص دن مناتی چلی آ رہی ہیں اور قرآن نے ان کے اس عمل کا ذکر بھی کیا ہے۔[۱] لہٰذا جب سابقہ اُمتیں معمولی سی نعمت پر شکر بجا لاتی تھیں تو اُمت مسلمہ پر بہ درجۂ اَتم لازم آتا ہے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کی آمد کی خوشی منا کر اس عظیم ترین نعمت کا شکر شرحِ صدر کے ساتھ بجا لائے، کیوں کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے۔

---

(۱) رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ۔☆

”اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اُترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہوجائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی) اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو۔“

☆ المائدۃ، ۵: ۱۱۴

ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔(۱)

’’اور اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی پس تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔‘‘

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کے ذریعے بندوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو ایک دوسرے کا غم خوار بنا دیا۔ ان کی نفرتوں اور عداوتوں کو محبتوں اور مروّتوں سے بدل دیا۔ حقیقتاً یہ نعمت حضور ﷺ کی بعثت کے تصدق سے عالمِ انسانیت کو نصیب ہوئی، اس نعمت کا مبداء و مرجع بھی حضور ﷺ کی ذات اَقدس ہے۔ آپ ﷺ کا اس دنیا میں تشریف لانا اور لوگوں کا آپ ﷺ پر ایمان لاکر حلقہ بگوش ہونا اور خون کے پیاسوں کا باہم شیر و شکر ہونا اِس اَمر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم رحمتِ دوعالم ﷺ کے میلاد کے موقع پر بارگاہِ خداوندی میں سراپا تشکر بن جائیں۔

۳۔ جشنِ آزادی منانے سے اِستدلال

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرکے ان پر شکر بجالانا صرف اُمتِ محمدی ﷺ ہی پر واجب نہیں بلکہ سابقہ اُمتوں کو بھی یہی حکم تھا۔ بنی اسرائیل سے فرمایا گیا:

يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ

(۱) آل عمران، ۳: ۱۰۳

عَلَى الْعٰلَمِيْنَo(۱)

''اے اولادِ یعقوب! میرے وہ اِنعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور یہ کہ میں نے تمہیں (اُس زمانے میں) سب لوگوں پر فضیلت دیo''

اسی طرح دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے اِحسانات گنوائے ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا:

وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔(۲)

''اور (اے آلِ یعقوب! اپنی قومی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے رہائی دی جو تمہیں انتہائی سخت عذاب دیتے تھے۔''

قرآن حکیم کی محولہ بالا آیاتِ مبارکہ سے یہ نکتہ مستنبط ہوتا ہے کہ قومی آزادی بھی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔ قومی آزادی بلا شبہ ایک نعمتِ خداوندی ہے اور اس کے حصول پر شکر بجا لانا حکمِ ایزدی کی تعمیل ہے۔ ہمارے وطن پاکستان کا برطانوی اِستعمار کے تسلط سے آزاد ہونا اور ایک نئی اسلامی ریاست کے طور پر معرضِ وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جب ہم ہر سال ۱۴ اگست کو نعمتِ آزادی کے حصول پر خوشی مناتے ہیں تو یہ قرآن حکیم کے حکمِ تشکر کے حوالے سے بھی ہم پر لازم آتا ہے۔

اِسی طرح نصِ قرآنی سے یہ اَمر بھی واضح ہوگیا کہ قومی آزادی کے موقع پر ہر سال اس کی یاد منانا اور مختلف طریقوں سے شکر بجا لانا محض دنیوی اور سیاسی نہیں بلکہ دینی اور شرعی فعل ہے اور اِسے نہ ماننا حکمِ الٰہی سے انحراف کے مترادف ہے۔ ہر زمانے، ہر صدی اور ہر دور کا ایک عالمی کلچر ہوتا ہے۔ ہر ملک، ہر قوم اور ہر قبیلہ اپنے اپنے تاریخی

(۱) البقرة، ۲: ۴۷

(۲) البقرة، ۲: ۴۹

حوالوں سے ایامِ تشکر یا ایامِ مسرت مناتا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک یا خطہ ایسا نہیں جہاں کے رہنے والے لوگ مذہبی تہوار یا کوئی نہ کوئی قومی تہوار نہ مناتے ہوں۔ یہودی، عیسائی، بدھ، ہندو حتیٰ کہ ملحد قومیں بھی اپنے اپنے ثقافتی پس منظر اور روایات سے ہم آہنگی قائم رکھتے ہوئے خوشی کے دن مناتی ہیں۔ مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے ایام اللہ عنایت فرمائے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہماری زندگی کے لیے ہدایت و شریعت اور تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ ہے۔ آج کے عالمی کلچر کے پیشِ نظر حضور ﷺ کا جشنِ میلاد اِسلامی ثقافت کے اِبلاغ کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

تہذیبی تسلسل کا اَہم تقاضا

مذکورہ بالا آیات میں جہاں تک تذکیرِ نعمت کا حکم ہے تو یہ واضح ہے کہ قرآنِ حکیم کا اشارہ ایک خاص واقعہ کی طرف ہے۔ لیکن شکر بجا لانے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہر وقت یاد رہے اور اسے کسی لمحے بھی دل و دماغ سے محو نہ ہونے دیا جائے تاکہ ہر گھڑی بندے کا دل اللہ کے شکر کی کیفیت سے معمور رہے۔ مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سال بھر یاد رکھنے کے باوجود جب گردشِ ایام کے نتیجے میں وہی دن اور وہی وقت پلٹ کر آتا ہے تو وہ خوشی خود بخود غیر شعوری طور پر کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ انسان کا طبعی و فطری تقاضا اور ثقافتی لازمہ ہے کہ عین اُس وقت بطورِ خاص اُس نعمت کو یاد کیا جائے اور خوشی و مسرت میں اس کا ذکر کثرت و تواتر کے ساتھ کیا جائے۔ نعمت کے شکرانے کے طور پر باقاعدگی اور اِہتمام سے خوشی و مسرت کا اظہار کرنا اس لیے لازم ہے کہ آئندہ نسلوں کو وہ نعمت یاد رہے اور اس دن کی اہمیت ان پر واضح ہو سکے۔ تاریخ کے اوراق میں ایک زندہ و پائندہ قوم کی طرح اپنے آپ کو محفوظ رکھنا تہذیب و ثقافت کے تسلسل ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اِحسانات پر شکر ادا نہیں کر سکتے اور اپنی تاریخ کے اہم واقعات کو اچھی روایات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل نہیں کر سکتے تو بعید نہیں کہ آنے

والی نسلیں اللہ کے ان احسانات سے بے خبر ہو جائیں اور ان کی نظروں سے اس دن حاصل ہونے والی نعمت کی قدر و منزلت بھی محو ہو جائے۔ لہٰذا حکمِ اِلٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ سال بھر تو اللہ تعالیٰ کا عام شکر بجا لایا جاتا رہے لیکن جب وہ دن آئے - جس دن اللہ تعالیٰ نے آزادی کی نعمت اَرزانی فرمائی - تو خصوصی طور پر خوشیوں کا اِظہار کیا جائے تاکہ وہ دن جشن کی حیثیت اختیار کر جائے اور آئندہ نسلوں پر اس دن کی حقیقت کھل کر واضح ہو جائے۔ پس اگر آزادی کی نعمت پر شکر منانا قرآن سے ثابت ہے تو اُس ذاتِ اَقدس کی آمد کی خوشی منانا کیوں جائز و مستحسن نہ ہوگا جو وجہ تخلیقِ کائنات ہیں اور جن کے توسل اور تصدّق سے تمام نعمتیں عطا کی گئیں۔

۴۔ نعمتوں پر خوشی منانا سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی اُمت کے لیے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں عرض کیا:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ۔ (۱)

’’اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہوجائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی) اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو۔‘‘

قرآن مجید نے اس آیت میں نبی کی زبان سے یہ تصور دیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت اُترے اس دن کو بطور عید منانا اس نعمت کے شکرانے کی مستحسن صورت ہے۔ ’’اَوَّلِنَا‘‘ اور ’’اٰخِرِنَا‘‘ کے کلمات اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ نزولِ نعمت کے بعد جو

(۱) المائدہ، ۵: ۱۱۴

امت آئے اس کے دورِ اوائل میں بھی لوگ ہوں گے اور دور اواخر میں بھی، سو جو پہلے دور میں ہوئے انہوں نے عید منائی اور جو رہتی دنیا تک آخر میں آئیں گے وہ بھی یہی وطیرہ اپنائے رکھیں۔

قابلِ غور نکتہ

آیت میں مذکور اَلفاظ - ''اَوَّلِنَا'' اور ''اٰخِرِنَا'' - میں کلمہ ''نَا'' اِس اَمر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نعمت کی خوشیاں وہی منائے گا جو اس نعمت کے شکر میں ہمارے ساتھ شریک ہوگا، اور جو اس خوشی میں ہمارے ساتھ شریک نہیں اس کا عید منانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہاں قرآن نے لوگوں کے دلوں کے اَحوال پرکھنے کے لیے ایک معیار دے دیا ہے۔ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت تھی اور یہ آقائے دوجہاں ﷺ کی امت ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مائدہ کی عارضی نعمت تھی اور یہاں ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کی دائمی نعمت ہے لیکن یہاں ہمارے لیے بھی وہی معیار ہے کہ جب ماہِ ربیع الاول میں حضور ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کا دن آئے اور عید میلاد النبی ﷺ کی سعید ساعتیں ہم پر طلوع ہوں تو دیکھنا ہے کہ ہم میں سے کون اپنے دلوں کو خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بنا لیتا ہے اور اپنے آپ کو ''اَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا'' میں شامل کرلیتا ہے۔ اگر اس کے برعکس میلادِ مصطفیٰ ﷺ پر کسی کا دل خوشی سے لبریز نہ ہو بلکہ دل میں ہچکچاہٹ، شکوک و شبہات اور کینے کی سی کیفیت پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ کیوں کہ یہ انتہائی خطرناک بیماری ہے اور اس سے اجتناب دولتِ ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کا نام لیوا اور اُمتی ہو کر بھی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشیاں نہ منائے۔

میلاد مبارک پر دلائل طلب کرنا اور اس کے عدمِ جواز پر بحث و مناظرہ کرنا حضور ﷺ سے محبت کے تقاضوں کے منافی ہے، محبت کبھی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کا مبارک مہینہ آئے تو ایک مومن کی قلبی

کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ خوشیاں منانے کے لیے اُس کا دل بے قرار اور طبیعت بے چین ہو جائے، اسے یوں لگے کہ اس کے لیے کائنات کی ساری خوشیاں ہیچ ہیں اور میلادِ رسول ﷺ کی خوشی ہی حقیقی خوشی ہے۔ وہ محسوس کرے کہ اس دن کائنات کی ساری خوشیاں سمٹ کر اس کے دامن میں آ گری ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس کے لیے مسرت و شادمانی کا اور کون سا موقع ہوگا، وہ تو اس خوشی سے بڑھ کر کائنات میں کسی خوشی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

۵۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشیاں منانے کا حکمِ خداوندی

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نعمتوں کا شکر بجا لانے کا ایک مقبولِ عام طریقہ خوشی و مسرت کا اِعلانیہ اظہار ہے۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے! یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے لیے خود ربِ کریم نے خوشیاں منانے کا حکم فرمایا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْاط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَo[1]

''فرما دیجئے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ (خوشی منانا) اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیںo''

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا رُوئے خطاب اپنے حبیب ﷺ سے ہے کہ اپنے صحابہ اور ان کے ذریعے پوری اُمت کو بتا دیجئے کہ ان پر اللہ کی جو رحمت نازل ہوئی ہے وہ ان سے اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر جس قدر ممکن ہو سکے خوشی اور مسرت کا اظہار کریں، اور جس دن حبیبِ خدا ﷺ کی ولادت مبارکہ کی صورت میں عظیم ترین نعمت اُنہیں عطا کی گئی اسے شایانِ شان طریقے سے منائیں۔ اس آیت میں حصولِ نعمت کی یہ

(۱) یونس، ۱۰: ۵۸

خوشی امت کی اجتماعی خوشی ہے جسے اجتماعی طور پر جشن کی صورت میں ہی منایا جاسکتا ہے۔ چوں کہ حکم ہوگیا ہے کہ خوشی مناؤ، اور اجتماعی طور پر خوشی عید کے طور پر منائی جاتی ہے یا جشن کے طور پر۔ لہٰذا آیہ کریمہ کا مفہوم واضح ہے کہ مسلمان یومِ ولادتِ رسول اکرم ﷺ کو ''عیدِ میلاد النبی ﷺ'' کے طور پر منائیں۔ اس ضمن میں چند قابلِ ذکر نکات درج ذیل ہیں:

(۱) لفظ قُلْ میں مضمر قرآنی فلسفہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کہیں براہ راست لوگوں کو مخاطب کیا جیسے ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' اور ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' وغیرہ، اور کہیں بعض حقائق اور اَحکامات صادر کرتے ہوئے لفظ ''قُلْ'' استعمال کیا، جس سے حضور ﷺ کی ذات گرامی کے واسطہ جلیلہ سے اعلان کرانا مقصود تھا۔ قُلْ اَمر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے: ''کہہ دے۔'' اُصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی کلمہ ''قُلْ'' سے کسی اَمر کی نشاندہی کی گئی ہے وہ دین کے بنیادی اور اَہم ترین حقائق سے متعلق ہے، مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا اِعلان اور توحید کا صحیح تصور واضح فرمانا چاہا تو فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ (۱)

''(اے نبیِ مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے ○''

اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب مقصودِ بندگی یعنی محبتِ الٰہی کے حصول کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کی اتباع کا حکم دیا تو یہاں بھی آپ ﷺ کی زبان اقدس سے کہلوایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (۲)

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۱

(۲) آل عمران، ۳: ۳۱

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا۔''

پھر کامل اظہارِ عبودیت و بندگی کا مرجع، موت و حیات، عبادات اور ہر قسم کی قربانی کا فلسفہ بیان فرماتے ہوئے واضح کیا کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo(۱)

''فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہےo''

قرآن حکیم کے اس طرزِ بیان کے فلسفہ و حکمت کی درج ذیل توجیہات ہماری توجہ اور غور و فکر کی متقاضی ہیں:

(ا) اِیمان باللہ سے پہلے اِیمان بالرسالت کی ناگزیریت

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے جس کا ہر ہر لفظ زبان نبوت سے ادا ہوا لیکن اس کے باوجود توحید خداوندی، محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور دیگر متعدد عقائد و اعمال پر مبنی احکام کا اعلان لفظ ''قُل'' کے ذریعے کرایا گیا کہ ''اے محبوب! آپ اپنی زبان سے فرمائیں'' تاکہ لوگ آپ سے سن کر میرے خالق و مالک اور واحد و یکتا ہونے پر ایمان لے آئیں۔ میری ہستی اور اُلوہیت و وحدانیت کا صحیح ادراک صرف آپ کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ تو پھر مناسب یہی ہے کہ میری وحدانیت کا اعلان بھی آپ ہی کریں تاکہ لوگ آپ کی زبانِ اَقدس سے سن کر میری توحید پر ایمان لائیں اور اس ایمان سے پہلے وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں۔ پس اگر کوئی شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے بغیر اللہ کو ماننا چاہے تو وہ کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن مسلمان

(۱) الأنعام، ۶: ۱۶۲

ومومن نہیں ہوسکتا۔ دائرۂ اِسلام میں داخل ہونے کے لیے ایمان بالرسالت کے واسطہ سے ایمان باللہ ضروری ہے۔ ایسا دعوٰیٔ ایمان کہ جس میں فقط اُلوہیت ہی کا اقرار ہواور نبوت و رسالت کا اِنکار تو یہ بذاتِ خود کفر ہے۔ لہٰذا لفظ ’’قُلْ‘‘ میں یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کومعرفتِ خداوندی کا واحد ذریعہ گردانتے ہوئے عرفانِ توحید کے لیے دہلیز نبوت پر اِطاعت ومحبت رسول ﷺ میں اپنی پیشانی خم کر دیں، کیوں کہ کسی اور واسطہ یا ذریعہ سے ذاتِ حق تک رسائی کا تصور بھی ناممکن ہے۔

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی است[1]

(دین سارے کا سارا درِ مصطفٰی ﷺ پر رسائی کا نام ہے۔ اگر اس دَر تک ہم نہ پہنچ سکے تو ایمان رُخصت ہو جاتا ہے اور بولہبی باقی رہ جاتی ہے۔)

اِس موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے راقم کی کتاب ’’کتاب التوحید‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

(ب) لفظ ’’قُلْ‘‘ سے حکم کی اَہمیت اور فضیلت بڑھ جاتی ہے

کلامِ اِلٰہی حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے انسانیت تک پہنچا ہے۔ اِس میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں کسی حکم کی اَہمیت اور فضیلت کے پیشِ نظر لوگوں کو اس کی طرف بہ طور خاص راغب اور متوجہ کرنا ضروری تھا۔ اِس کے لیے لفظ ’’قُلْ‘‘ کا استعمال کیا گیا۔ علاوہ ازیں قرآن کے وہ مقامات جہاں قُلْ کہہ کر بات شروع کی گئی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ توسل کی ناگزیریت پر دال ہیں۔ اس نکتے سے یقیناً آیات قرآنی میں لفظ ’’قُلْ‘‘ کے استعمال میں کارفرما حکمتیں بھی سمجھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً محولہ بالا آیت - ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ - پر غور کریں تو اس میں بے شمار

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، ارمغانِ حجاز: ۶۹۱

حکمتیں پنہاں نظر آتی ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ لفظ ''قُلْ'' کے بغیر حکم فرما سکتا تھا کہ ''لوگو! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے حصول پر خوشیاں مناؤ۔'' لیکن ایسا نہیں فرمایا بلکہ اسلوب بیان یہ ہے: ''محبوب! یہ بات آپ اپنی زبان سے ان لوگوں سے فرما دیں۔''

یہاں سوال اٹھتا ہے کہ نعمت عطا کرنے والا تو اللہ رب العزت خود ہے اور خوشی منانے والے اس کے بندے ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو یہ حکم خود بھی دے سکتا تھا، مگر اس نے ایسا کیوں نہ فرمایا کہ ''میرے بندو! میری اس نعمت پر خوشی مناؤ۔'' جیسا کہ اس نے سابقہ امتوں سے براہ راست مخاطب ہو کر نعمت کو یاد کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہاں خوشی منانے کا حکم حضور ﷺ کی زبان اقدس سے کیوں دلوایا جا رہا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ آیت خود دے رہی ہے کہ اے محبوب! آپ کی ذات ستودہ صفات ہی کائنات کی تمام نعمتوں کا سبب ہے اور چونکہ اس نعمت کا باعث ہی آپ ہیں اس لیے آپ ہی بتا دیں کہ لوگو! یہ نعمت جو میرے وجود، میری بعثت اور میری نبوت و رسالت کی صورت میں اللہ نے تمہیں عطا فرمائی ہے، اس پر جتنی بھی خوشی مناؤ کم ہے۔

(۲) حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت ہیں

سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ میں دو چیزوں یعنی اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں فضل اور رحمت کا الگ الگ ذکر کیوں کیا گیا اور ان سے کیا مراد ہے؟

قرآن حکیم کے اسالیبِ بیان میں سے ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ جب فضل اور رحمت کا ذکر ہو رہا ہو تو اس سے حضور ﷺ کی ذات گرامی مراد ہوتی ہے۔ اس کی مزید شہادت تو بعد میں بیان کی جائے گی، پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اس آیتِ کریمہ میں فضل اور رحمت سے کیا مراد ہے؟

ایک لطیف علمی نکتہ

زیرِنظر آیہ کریمہ میں دو چیزیں مذکور ہیں:

۱۔ اللہ کا فضل

۲۔ اللہ کی رحمت

ان دونوں کے درمیان واؤ عاطفہ ہے۔ عام اصول کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح فضل اور رحمت کا ذکر جدا جدا ہوا، اُن دونوں کے لیے بیان کردہ حرفِ اشارہ - ذٰلِکَ (وہ) - بھی اُسی طرح تثنیہ کا ہوتا۔ لیکن یہاں یہ قاعدہ ملحوظ نہیں رکھا گیا (یعنی یوں نہیں کہا گیا: ''ان کی خاطر خوشیاں مناؤ؛' بلکہ فرمایا: ''اس کی خاطر'')۔ گرامر کی رُو سے یوں کہا جاتا ہے: ''زید اور بکر کمرے میں آئے۔'' نہ کہ اس طرح: ''زید اور بکر کمرے میں آیا۔'' آنے والے جب دو ہیں تو صیغہ بھی دو کا استعمال ہونا چاہیے۔ اسی طرح عربی زبان میں ذٰلک اِشارۂ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جب تثنیہ یا جمع کا ذکر آئے تو اس کے لیے اشارہ بھی بالترتیب ذٰنک یا اُولـٰئِک بولا جاتا ہے۔ اس اصول کو ذہن میں رکھ کر اگر مذکورہ آیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ فضل اور رحمت کے ذکر کے بعد واحد اشارہ ذٰلِکَ لایا گیا ہے۔ اس کی کیا حکمت ہے؟ کیا قرآن نے اپنے بیان میں قواعد کو بدل دیا ہے؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ تو ماننا پڑے گا کہ صیغۂ واحد اِس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اس مقام پر فضل اور رحمت سے مراد بھی کوئی ایک ہی وجود ہے۔ اس اُسلوبِ بیان سے اس بات کی وضاحت مقصود تھی کہ لوگ کہیں اللہ کے فضل اور رحمت کو کسی اور سمت تلاش کرنے نہ لگ جائیں بلکہ اچھی طرح یہ نکتہ سمجھ لیں کہ اللہ نے اپنا فضل اور رحمت درحقیقت ایک ہی ذات میں جمع کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اس ایک ہی مبارک ہستی کے سبب سے شکر ادا کیا جائے اور خوشیاں منائی جائیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن

اگر ہم مذکورہ آیت کی تفسیر بالقرآن کرتے ہوئے بعض دیگر مقاماتِ قرآنی پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت اَظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ مصطفیٰ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ لفظ رحمت کی تفسیر سورۃ الانبیاء کی اُس آیت سے ہوتی ہے جس میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کا ایک صفاتی لقب رحمۃ للعالمین بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حضور ﷺ کو رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰـکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَo(۱)

''اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کرo''

حضور ﷺ کو تمام کائنات کے لیے سراپا رحمت بنایا گیا ہے جس میں صرف عالمِ اَرضی ہی نہیں بلکہ دیگر سارے عوالم بھی شامل ہیں اور آپ ﷺ کا دائرہ رحمت تمام انسانیت کو محیط ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی کا مجسم رحمت بنایا جانا جملہ بنی نوع انسان کی رُشد و ہدایت کے لیے ہے اور اسی لیے آپ ﷺ کو معبوث فرمایا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت رسولِ مکرم ﷺ کی صورت میں متشکل ہو کر منصّۂ عالم پر جلوہ گر ہوئی۔

قرآن حکیم نے حضور ﷺ کو اللہ کا فضل اور اس کی رحمت قرار دیتے ہوئے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

۲۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُـهٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَo(۲)

''پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہ ہو جاتےo''

(۱) الأنبياء، ۱۰۷:۲۱

(۲) البقره، ۲: ۶۴

درج ذیل آیہ کریمہ بھی حضور ﷺ کے اللہ کا فضل اور رحمت ہونے کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے:

۳۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًاo(۱)

''اور (اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتےo''

اس مقام پر اللہ رب العزت کا رُوئے خطاب عام مومنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ہے۔ اس نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کی آمد اور بعثت کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس میرے حبیب تشریف نہ لاتے تو تم میں سے اکثر لوگ شیطان کے پیروکار ہو چکے ہوتے اور کفر و شرک اور گمراہی و تباہی تمہارا مقدر بن چکی ہوتی۔ پس میرے محبوب پیغمبر کا تمہاری طرف مبعوث ہونا تم پر اللہ کا فضل بن گیا کہ اس کی آمد کے صدقے تمہیں ہدایت نصیب ہوئی اور تم شیطان کی پیروی اور گمراہی سے بچ گئے۔

یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے راہِ ہدایت سے بھٹکی ہوئی انسانیت میں اپنا حبیب ﷺ مبعوث فرمایا اور بنی نوع انسان شیطانی حملوں سے بچ گئی۔ اس رسولِ معظم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد سرانجام دیے جانے والے اُمور کی تصریح بھی خود قرآن فرما رہا ہے:

۴۔ لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo(۲)

(۱) النساء، ۴: ۸۳

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۴

''بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور اُنہیں پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo''

بعثتِ مصطفیٰ ﷺ سے قبل پورا عالم انسانی گمراہی و ضلالت میں مبتلا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے میں اپنے محبوب ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو تلاوتِ آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذریعے جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے باہر نکالا، ان کے دلوں کو ایمان کے نور سے منور کیا اور ان کی جانوں اور روحوں کو نبوی تعلیم و تربیت کی بدولت تمام دنیوی آلائشوں سے پاک اور صاف کیا۔ یہ عالم انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا فضل اور رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے اپنے اِحسانِ عظیم کے طور پر ذکر کیا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ ''فَلْيَفْرَحُوْا'' کے اس مصداق پر اہلِ اِسلام جتنی بھی خوشی منائیں کم ہے۔ یہ خوشی صرف محسوس ہی نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کا کھلا اظہار ہونا بھی ضروری ہے۔

دوسرے مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ کی مذکورہ بالا صفات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

۵۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo(۱)

''وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر

(۱) الجمعۃ، ۶۲: ۲

و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ ان (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo‘‘

یہ آیۂ کریمہ بتلا رہی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی وہ رسول ہیں جنہوں نے آ کر ان کفر و ضلالت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات سنائیں اور اپنے اعجاز نظر سے ان کے باطن کے میل کچیل کو دور کیا اور ان کے من کی دنیا کو صاف ستھرا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہی انہیں کتاب کی تعلیم دی اور حکمت کا نور عطا فرمایا جس کی بدولت لوگ معرفت و ہدایتِ الٰہی جیسی نعمتوں سے مستفیض ہوئے، ورنہ قبل ازیں تو یہ دنیائے انسانیت کھلی گمراہی کا شکار تھی۔ آمدِ مصطفیٰ ﷺ ہی ہدایتِ الٰہی کے نور کے اظہار کا پیش خیمہ بنی اور یہی اللہ کا فضل اور رحمت ہے جس کے حصول پر اہلِ ایمان پر یہ لازم ہے کہ وہ ہدیہ تشکر بجا لائیں اور اس کا اظہار جشنِ مسرت منا کر کریں۔

اس سے اگلی آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کو بھی آپ ﷺ کے اس فیضِ رسالت میں شامل کر لیا، اور بعثتِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

۶۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِo[1]

’’اور ان میں سے دوسرے لوگوں میں بھی (اِس رسول ﷺ کو تزکیہ و تعلیم کے لیے بھیجا ہے) جو ابھی اُن لوگوں سے نہیں ملے (جو اِس وقت موجود ہیں یعنی اِن کے بعد کے زمانہ میں آئیں گے)، اور وہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہےo یہ (یعنی اس رسول ﷺ کی آمد اور اِن کا فیض و ہدایت) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہےo‘‘

(۱) الجمعه، ۶۲: ۳، ۴

سورۃ الجمعۃ کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پہلے رسول کہا اور بعد ازاں اس نعمتِ رسالت کو اپنے فضل سے تعبیر فرمایا۔ اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ہر دور میں آنے والی مخلوق کے لیے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا اور اس میں کسی نسل، مقام اور زمانے کا استثنا نہیں۔ آپ ﷺ کی صحبت سے براہِ راست فیض یاب ہونے والے لوگ الأولین کے زمرے میں آتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے درمیان آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ سورۃ الجمعۃ کی تیسری آیت میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد ہوں گے۔ ان میں دوسری تمام قوموں اور معاشروں کے لوگ بھی شامل ہیں جو آپ ﷺ کے دین میں داخل اور آپ ﷺ کی امت میں شامل ہوتے رہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے زمرے میں آتے ہیں، جنہوں نے نہ تو آپ ﷺ کو دیکھا اور نہ کبھی شرفِ ملاقات سے بہرہ ور ہوئے، وہ زمانی اعتبار سے آپ ﷺ سے مختلف اَدوار میں ہوں گے اور ان کا شمار متاخرین میں ہوگا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت و بعثت کا ذکر کرنے کے بعد سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر ۳ میں ذٰلِکَ فَضْلُ اللهِ فرمایا۔ اِس سے مراد ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: میرے حبیب کی ولادت و بعثت اور بعد ازاں اس کی معرفت میرا فضل ہے، جس پر چاہوں کروں۔ تو جو کوئی میرے حبیب کی محبت سے سرشار ہے، اور جو تعظیم مصطفیٰ کرتا ہے اس پر میرا فضل ہوتا ہے۔ جس طرح میں نے دورِ نبوی کے لوگوں کو اپنی رحمت اور فضل سے نوازا اسی طرح تم پر بھی اپنے فضل و رحمت کی دولت نچھاور کرتا ہوں۔

سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ کی مزید تشریح و توضیح سے پہلے ضروری ہے کہ سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر ۴ کے مفاہیم خوب سمجھ لیں۔ ذیل میں ہم اِسی آیت کی تفسیر و تعبیر بیان کریں گے:

(ا) وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ کا معنی

اِس کا لفظی معنی ہے: ''اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا خالق ہے، تمام بزرگیوں اور عظمتوں کا مالک ہے، وہ اپنے فضل میں بھی عظیم ہے۔ تمام فضل پر اسی کا تصرف اور اسی کی حکمرانی ہے۔ یہ انتہائی معنی خیز بات ہے جسے سمجھنا ضروری ہے کہ وہ تمام فضل کا مالک کیسے ہے، وہ خود فضل کیوں نہیں ہے؟ اس کی مثال اس طرح ہے کہ کسی مکان کے حوالے سے پوچھا جائے کہ یہ مکان کس کا ہے تو کہنے والا کہے گا کہ یہ مکان فلاں صاحب کا ہے۔ اسی طرح جب کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا تم پر احسان ہے یعنی میں صاحبِ اِحسان ہوں۔ جب کہ زیادہ احسان کرنے والے کے لیے ذوالاحسان کا لفظ بولا جائے گا۔ اگر آپ عربی لغت کے قواعد دیکھیں تو واضح ہوگا کہ اس میں مضاف اور مضاف الیہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں لیکن ایک ساتھ آتے ہیں۔ ایک شخص مضاف ہوتا ہے اور دوسرا مضاف اِلیہ ہوتا ہے، جیسے صاحب الکتاب، ذوالکتاب اور ذوالفضل میں مضاف اور مضاف الیہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ دونوں ایک ہی شخص ہوں۔ اس کی ایک مثال ''رَسُوْلُ اللهِ'' ہے جس میں ''رسول'' مضاف ہے اور لفظ ''اللہ'' مضاف الیہ ہے۔ پس اس قاعدہ کی رُو سے رسول، اللہ نہیں ہوسکتا اور اللہ، رسول نہیں ہوسکتا۔

اس نکتہ کی تفہیم کے بعد ہم دوبارہ قرآن حکیم کی طرف آتے ہیں اور اس اصول کا اطلاق کرتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے کہا گیا ہے: **وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔ ''ذُوالْفَضْلِ'' مضاف اور مضاف الیہ ہے۔ قاعدہ کی رُو سے مضاف اور مضاف اِلیہ ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فَضل اور ذُو الْفَضْلِ بھی دو جدا جدا ہستیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس فضل کا مالک ہے۔ وہ بذاتِ خود فضل نہیں، کیوں کہ فضل وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوگا کہ وہ خود فضل نہیں تو فضل کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے

کہ فضل رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جملہ انسانیت کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا اور جس کا نامِ نامی محمد ﷺ ہے۔ ذیل میں ہم اسی موقف کی تائید میں چند نام وَر تفاسیر کی عبارات نقل کریں گے تاکہ کوئی اِبہام باقی نہ رہے:

(ب) اَئمہ تفسیر کے نزدیک ''فَضْلُ اللهِ'' سے مراد

سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر ۴ کے الفاظ ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللهِ'' اور ''وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ'' رسولِ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کے لیے وحی کیے گئے ہیں۔ آپ ﷺ کا ورودِ مسعود عالم انسانیت کے لیے ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر کسی نے فضل کو جیتی جاگتی صورت میں دیکھنا ہو تو رسولِ اکرم ﷺ کی صورت میں دیکھ لے۔ اس نکتے کی توضیح و تشریح خود قرآن مجید نے فرما دی ہے۔ ذیل میں ہم اس خاص آیت کریمہ کے حوالے سے چند اہم تفاسیر کا حوالہ ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م ۶۸ھ) الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ کی مراد یوں بیان کرتے ہیں:

﴿وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ﴾ المن ﴿الْعَظِيْمِ﴾ بالإسلام والنبوة على محمد ﷺ، و يقال: بالإسلام على المؤمنين، ويقال: بالرسول والكتاب على خلقه۔(۱)

''فضلِ عظیم یعنی دینِ اسلام اور نبوتِ محمدی کی صورت میں احسانِ عظیم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مومنوں پر اسلام کی صورت میں احسان عظیم ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: مخلوق پر وجودِ مصطفیٰ ﷺ اور نزولِ قرآن کی صورت میں احسانِ عظیم ہے۔''

۲۔ علامہ زمخشری (۴۶۷۔۵۳۸ھ) نے بیان کرتے ہیں:

---

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۴۷۱

﴿ذٰلِکَ﴾ الفضل الذی أعطاه محمدًا وهو أن یکون نبی أبناء عصره، و نبی أبناء العصور الغوابر، هو ﴿فَضْلُ اللهِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَّشَآءُ﴾۔[1]

''﴿ذٰلِکَ﴾ سے مراد وہ فضل ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمایا اور وہ آپ ﷺ کا اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے (تا قیامت) اور پہلے زمانوں کے لوگوں کے لیے بھی نبی ہونا ہے۔ یہی اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔''

۳۔ علامہ طبرسی (م ۵۴۸ھ) مذکورہ الفاظ کی مراد یوں واضح کرتے ہیں:

﴿وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ ذو المن العظیم علی خلقه ببعث محمد ﷺ۔[2]

''وہ اُس اِحسانِ عظیم والا ہے جو اُس نے اپنی مخلوق پر بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے کیا۔''

یعنی رسولِ محتشم ﷺ کا دنیائے انسانیت کی طرف بھیجا جانا اللہ تعالیٰ کا عظیم تر فضل اور احسان ہے۔

۴۔ علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ بإرسال محمد ﷺ۔[3]

---

(۱) زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الأقاویل فی وجوه التأویل، ۴: ۵۳۰

(۲) طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۰: ۴۲۹

(۳) ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۸: ۲۶۰

''اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ اور (اس کا یہ فضل) بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے ہوا۔''

یعنی رسولِ معظم ﷺ کی بنی نوع انسان میں تشریف آوری اور بعثت اللہ کا بہت بڑا فضل (الفضل العظیم) اور انعام ہے۔

۵۔ امام نسفی (م ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِکَ﴾ الفضل الذی أعطاه محمدًا ...... وهو أن یکون نبی أبناء عصره ونبی أبناء العصور الغوابر۔[1]

''(ذٰلِکَ) سے مراد وہ فضل ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔ اور وہ آپ ﷺ کا اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے (تا قیامت) اور پہلے زمانوں کے لوگوں کے لیے بھی نبی ہونا ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کا ظہور اور بعثت مبارکہ اُن سب کو اپنے دامنِ رحمت میں لیے ہوئے ہے جو آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے اور جو آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ یعنی آپ ﷺ سے پہلے زمانوں میں آنے والے اور بعد میں آنے والے تا قیامِ قیامت آپ کے فیوضاتِ رسالت سے مستفیض ہوں گے۔ یہ ہے ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ'' کی تفسیر جس میں امام نسفی نے دونوں معانی کا اِحاطہ کیا ہے۔ ''وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ'' میں وہ لوگ شامل ہیں جو آپ ﷺ کے بعد پیدا ہوں گے اور انہوں نے آپ ﷺ کو نہ دیکھا ہوگا۔ آپ ﷺ ان کے بھی رسول ہوں گے اور ان کا شمار بھی اس زمرے میں ہوگا جن کے لیے ''فَلْیَفْرَحُوْا'' کا حکم اِلٰہی وارِد ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشیاں منائیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ظہور اس عالم ارضی میں ان کے لیے مژدۂ عظیم بن کر آیا ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی صدیوں میں آتے رہے یا آتے رہیں

(۱) نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ۵: ۱۹۸

گے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۶۔ امام خازن (۶۷۸۔۷۴۱ھ) ''اَلْفَضْلِ الْعَظِيْمِ'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی علی خلقه حيث أرسل فيهم رسوله محمدا ﷺ۔(۱)

''اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر فضل ہے جو اس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو بھیج کر فرمایا۔''

۷۔ ابو حیان اندلسی (۶۸۲۔۷۴۹ھ) اس لفظ کی مراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و ﴿ذٰلِکَ﴾ إشارة إلی بعثته عليه السلام۔(۲)

''**ذٰلِکَ** حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے۔''

۸۔ امام ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) تفسیر کرتے ہیں:

يعنی ما أعطاه الله محمدًا ﷺ من النبوة العظيمة، وما خص به أمته من بعثته ﷺ۔(۳)

''اس سے مراد وہ نبوتِ عظیمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائی، اور (اس سے مراد) وہ خصائص ہیں جن سے آپ ﷺ کی بعثت کے ذریعے اُمت کو نوازا گیا۔''

پس حضور نبی اکرم ﷺ کا ورودِ مسعود اور نبوت دونوں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

---

(۱) خازن، لباب التأويل فی معانی التنزيل، ۴: ۲۶۵

(۲) ابوحيان، تفسير البحر المحيط، ۸: ۲۶۵

(۳) ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۴: ۳۶۴

۹۔ امام سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ النبی ﷺ ومن ذکر معه۔(۱)

’’﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ میں فضل سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ مذکور لوگ ہیں۔‘‘

۱۰۔ علامہ آلوسی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ) اس لفظ کی مراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ذٰلِکَ﴾ إشارة إلی ما تقدم من کونه عليه الصلاة والسلام رسولاً فی الأمیین ومن بعدهم معلمًا مزکیا، وما فیه من معنی البعد للتعظیم أی ذٰلِک الفضل العظیم۔(۲)

’’ذٰلِکَ اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سورت کی ابتداء میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ رسول معظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اُمیوں اور ان کے بعد آنے والوں کے درمیان انہیں تعلیم دینے اور ان کا تزکیہ کرنے کے لیے معبوث فرمائے گئے ہیں، اور اِشارۂ بعید - ذٰلِکَ -تعظیم کے لیے ہے یعنی بے شک وہ فضل عظیم ہیں۔‘‘

۱۱۔ شیخ احمد مصطفیٰ مراغی (۱۳۰۰۔۱۳۷۲ھ) مذکورہ الفاظ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی وإرسال هذا الرسول إلی البشر مزکیا مطهرًا لهم، هادیا معلما، فضل من الله، و إحسان منه إلی عباده۔(۳)

---

(۱) سیوطی، تفسیر الجلالین: ۵۵۳

(۲) آلوسی، روح المعانی فی تفیسر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۲۸: ۹۴، ۹۵

(۳) احمد مصطفی، تفسیر القرآن الکریم، ۱۰/ ۲۸: ۹۶

''اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب رسول ﷺ کو عالم انسانیت کی طرف تزکیہ کرنے والا، پاک کرنے والا، ہدایت دینے والا اور علم دینے والا بنا کر بھیجنا اللہ کا اپنے بندوں پر فضل و اِحسان ہے۔''

۱۲۔ عصر حاضر کے ایک نام وَر مصری مفسر شیخ طنطاوی جوہری (م ۱۳۵۹ھ) لکھتے ہیں:

﴿وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ فإذا كان محمد قد أرسلته إليكم أيها الأميون وإلى من يأتي بعدكم۔(۱)

''اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' میرا یہ فضل تم پر اُس وقت ہوا جب میں نے اے اُمّیو (اَن پڑھ لوگو)! اپنے نبی محمد (ﷺ) کو تمہاری طرف اور تمہارے بعد آنے والوں کی طرف بھیجا۔''

آیت کریمہ کی متذکرہ بالا تفاسیر سے واضح ہوگیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ بلااِستثناء سب کے لیے فضل ہیں۔ لہٰذا جب نصِ قطعی سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے مراد حضور ﷺ ہیں تو یہ اَمر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اس رحمت اور فضل کے حصول پر ''فَلْيَفْرَحُوْا'' کے حکم کے تحت عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانا بھی عین مدعائے قرآن اور منشائے حکمِ اِلٰہی ہے۔

اَئمہ تفسیر کے نزدیک فضل و رحمت کا مفہوم

گزشتہ صفحات میں سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ کی تفسیر بالقرآن کے تحت سورۃ الجمعۃ کی آیات کی تفسیر و توضیح کے بعد اب ہم ذیل میں سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ میں مذکور الفاظ - فضل اور رحمت - کی تفسیر اور توضیح و تشریح چند مستند ائمہ تفاسیر

---

(۱) طنطاوی جوہری، الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، ۲۴: ۱۷۵

کی آراء کی روشنی میں بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکے:

۱۔ علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ) سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں:

إن فضل الله: العلم، ورحمته: محمد ﷺ. رواه الضحاک عن ابن عباس۔[1]

''ضحاک نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک ''فضل اللہ'' سے مراد علم (یعنی قرآن) ہے، اور رحمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔''

۲۔ ابوحیان اندلسی (۶۸۲۔۷۴۹ھ) ضحاک کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں:

وقال ابن عباس فیما روی الضحاک عنہ: الفضل: العلم، والرحمة: محمد ﷺ۔[2]

''ضحاک نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم (یعنی قرآن) اور رحمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔''

۳۔ امام سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے:

وأخرج أبو الشیخ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الآیة، قال: فضل اللہ: العلم، ورحمته: محمد ﷺ. قال اللہ تعالی: ﴿وَمَآ

---

(۱) ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۴: ۴۰

(۲) ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، ۵: ۱۷۱

اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴾[1]۔[2]

’’ابو شیخ نے اس آیت کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ **فضل اللہ** سے مراد علم (یعنی قرآن) ہے، اور **رحمت** سے مراد محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ﴾۔‘‘

۴۔ علامہ آلوسی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ) بیان کرتے ہیں:

و أخرج أبو الشيخ عن ابن عباس رضی الله عنهما **أن الفضل العلم والرحمة محمد** ﷺ، **وأخرج الخطيب وابن عساكر عنه تفسير الفضل بالنبی** عليه الصلاة والسلام۔[3]

’’ابو شیخ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم ہے اور رحمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ خطیب اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فضل سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔‘‘

مذکورہ تفاسیر سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما **فضل** سے مراد **العلم** لیتے ہیں اور **العلم** سے مراد قرآن حکیم ہے جس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

---

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۷

(۲) سيوطى، الدر المنثور فى التفسير بالمأثور، ۴: ۳۳۰

(۳) آلوسى، روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ۱۱: ۱۴۱

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْکَ عَظِيْمًا O(۱)

’’اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے O‘‘

اگر فضل سے مرادعلم یا قرآن حکیم لیں تو پھر بھی اس کا ضمنی مفہوم حضور نبی اکرم ﷺ ہیں جن کے واسطے سے ہمیں قرآن مجید ملا۔ امام المفسرین جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول - حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اللہ کا فضل اور سرتا پا اس کی رحمت ہے- سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ میں مذکورہ اَلفاظ - فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا - کے مفہوم کو جشنِ میلاد کی خوشیاں منانے کے حوالے سے اُجاگر کرتا ہے۔جشنِ میلاد کو عید مسرت کی حیثیت سے منانے کو اللہ کے فضل و رحمت پر خوشی و مسرت کے اظہار کا ذریعہ گردانا گیا ہے اور اس کا ذکر اس قرینے اور شدّ و مد سے کیا گیا ہے کہ کوئی صاحبِ فکر مسلمان اس بات سے انکار نہیں کرے گا۔ مذکورہ بالا عباراتِ تفاسیر نے فضل و رحمت کے معانی اس طرح کھول کر بیان کر دیے ہیں کہ اس کے اَسرار و رموز بالکل عیاں ہوگئے ہیں، اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر مسرتوں اور شادمانیوں کی صورت میں جشنِ عید منانا منشائے خداوندی ہے۔

علامہ طبرسی (م ۵۴۸ھ) نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

ومعنى الآية قل لهؤلاء الفرحين بالدنيا المعتدين بها الجامعين لها إذا فرحتم بشيء فافرحوا بفضل الله عليكم ورحمته لكم بإنزال هذا القرآن وارسال محمد إليكم فإنكم تحصلون بهما نعيمًا دائمًا مقيمًا هو خير لكم من هذه الدنيا الفانية. ...... عن قتادة ومجاهد وغيرهما قال أبو جعفر الباقر عليه السلام: ﴿فَضْلُ اللهِ﴾

(۱) النساء، ۴: ۱۱۳

رسول اللہ ﷺ۔[1]

''اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے ارشاد فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو دنیا کی خوشیوں میں مگن اور اس کے ذریعے (دوسروں پر) ظلم و زیادتی کرنے والے اور ہر وقت اس کو جمع کرنے والے ہیں کہ اگر تم کوئی خوشی منانا ہی چاہتے ہو تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر جشنِ مسرت مناؤ جو نزولِ قرآن اور ولادت و بعثتِ مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں تمہیں عطا ہوئے ہیں۔ پس بے شک تم ان دونوں (نزولِ قرآن اور ولادت و بعثتِ مصطفیٰ ﷺ پر خوشی منانے) کے بدلے میں ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت (جنت) حاصل کرو گے جو تمہارے لیے اِس فانی دنیا سے بہت بہتر ہے۔ ...... حضرت قتادہ اور مجاہد کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی روایت ہے کہ امام ابو جعفر محمد الباقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے فضل سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔''

تفاسیر میں بیان کیے گئے تمام معانی، ان کے رموز اور ضمنی تشریحات و تعبیرات سے یہی مفہوم اَخذ ہوتا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت جو اُس کے فضل اور رحمت کی صورت میں نازل ہوئی وہ قرآن اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جشنِ مسرت و شادمانی منانے کے قابل صرف دو چیزیں ہیں: ایک قرآن کا نزول اور دوسرا ولادتِ محمد مصطفیٰ ﷺ جس پر فرمانِ اِلٰہی - فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا - حجت ہے۔ اگر کوئی خوشی منانی ہے تو اس رسولِ محتشم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے دن سے زیادہ اور کوئی دن اس کا حق دار و سزاوار نہیں۔

(۱) طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ۵: ۱۷۷، ۱۷۸

مولانا اَشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر

یہاں ضمناً دیوبندی مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ) کے نقطہ نظر سے بھی آگاہی حاصل کر لینا زیرِنظر موضوع کی وضاحت کے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ رحمت اور فضل سے مراد حضور ﷺ ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا موصوف نے بجا طور پر اپنی تقاریر سے مرتب شدہ کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بلااِختلاف حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا کامل ترین فضل ہیں۔ اس لیے اس آیہ کریمہ سے **بدلالۃ النص** یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ یہاں رحمت اور فضل سے مراد حضور ﷺ ہیں جن کی ولادت پر اللہ تعالیٰ خوشی منانے کا حکم دے رہے ہیں۔ پھر اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ جو نعمت تمام دنیوی اور دینی نعمتوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ ہے وہ حضور ﷺ کی تشریف آوری ہے۔[۱]

---

(۱) مولانا اشرف علی تھانوی متذکرہ بالا آیات قرآنی میں فضل اور رحمت کی اصل مراد قرآن کو قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں لفظوں (فضل اور رحمت) سے کیا مراد ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آتے ہیں۔ کہیں دونوں سے ایک معنی مراد ہیں اور کہیں جدا جدا۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَo ☆

''پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہ ہو جاتےo''

''یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کا وجود باجُود مراد ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

←

☆ البقرہ، ۲: ۶۴

اگر کسی نے فضل اور رحمت الٰہی کو صورۃً اور تمثیلاً دیکھنا ہو تو وہ حضور نبی مکرم

...... وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝☆

’’اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا تم (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتے ۝‘‘

’’اور یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور نبی اکرم ﷺ ہی مراد ہیں۔

’’بعض آیات میں فضل سے مراد ہے: رحمتِ دنیوی اور رحمت سے رحمتِ دینی مراد ہے۔ پس مجموعہ تمام تفاسیر کا دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔

مولانا اشرف علی تھانوی مزید لکھتے ہیں:

’’اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سباق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام لیے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کے قدوم مبارک لیے جائیں۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی اور ان میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ حضور کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔ پس یہ تفسیر اَجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر خواہ وجودِ نوری ہو یا ولادتِ ظاہری، اس پر خوش ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ ہمارے لیے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں۔ (دوسری عام نعمتوں کے علاوہ) افضل نعمت اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور ﷺ سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور کی ذات بابرکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔‘‘☆☆

☆ النساء، ۴: ۸۳

☆☆ اشرف علی تھانوی، خطبات میلاد النبی ﷺ: ۶۳-۶۵

ﷺ کو دیکھ لے جن کو اللہ نے اپنا سراپائے فضل اور رحمت بنا دیا ہے۔ اس لیے کہ رحمت اور فضل ایک ہی ذات، ذاتِ محمدی ﷺ میں مرتکز ہو گئے ہیں جو بلاامتیازِ زمان و مکان سب کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فَلْيَفْرَحُوْا کا حکم سب مسلمانوں کے لیے ہے۔ انہیں آپ ﷺ کے ورودِ مسعود پر جشنِ مسرت و شادمانی منانا چاہیے اور اس موقع پر شرعی حدود و قیود کی پاس داری کرتے ہوئے جس قدر بھی خوشی کی جائے جائز ہوگی۔

(۳) فضل و رحمت کی آمد پر خوشی کیوں کر منائی جائے؟

سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت کے نزول پر خوشی منانے کا حکم کیوں فرمایا؟ وہ کیا سبب ہے جس کی بناء پر اللہ رب العزت نے اس فضل و رحمت کے میسر آنے پر خوشی و مسرت منانے کا حکم فرمایا ہے؟ اس کا جواب جاننے سے قبل یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ فضل اور رحمت کے الفاظ ایک خاص تناظر میں بیان ہوئے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اس پس منظر کو متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلمانوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم پر میرے حبیب ﷺ کی تشریف آوری کی صورت میں میرا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر لوگ ماسوائے قلیل تعداد کے گمراہ ہو جاتے اور شیطان کے پیروکار بن کر تباہ ہو جاتے۔ اگر رسول معظم ﷺ کو عالم انسانیت کی طرف مبعوث نہ کیا جاتا تو لوگوں کو ضلالت وگمراہی اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اُلوہی حق و صداقت اور ہدایت کی روشنی سے کون مستفیض کرتا؟ اگر ہادیٔ برحق ﷺ مبعوث نہ ہوتے تو لوگوں کو ظلم، بداَمنی اور لاقانونیت کی چکی سے کون نکالتا اور ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت کون فراہم کرتا؟ وہ ذات گرامی جو اندھیروں میں بھٹکنے والی انسانیت کو ہدایت اِلٰہی کی روشنی میں لائی اس کے ظہور پر بنی نوع انسان کو خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کی اس دنیائے رنگ

وبو میں تشریف آوری اللہ کے فضل اور رحمت کا نتیجہ ہے، جس پر خوشی و شادمانی منانا تقاضائے محبت و ایمان ہے۔

(۴) آیت میں حصر کا فائدہ

آیت مذکورہ میں ''فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا'' کے معنوی رموز کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فخر المفسرین امام رازی (۵۴۳۔۶۰۶ھ) نے ان الفاظ کے حصر اور اختصاص و امتیاز کو یوں واضح کیا ہے:

قوله: ﴿فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا﴾ یفید الحصر، یعنی یجب أن لایفرح الإنسان إلا بذالک۔[1]

''اللہ تعالیٰ کا فرمان - فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا - حصر کا فائدہ دے رہا ہے یعنی واجب ہے کہ اِنسان صرف اِسی پر خوشی منائے۔''

امام رازی نے آیت مبارکہ میں معنوی حصر و اختصاص کو شرح و بسط سے بیان کرتے ہوئے فرح یعنی خوشی و مسرت کے اظہار پر روشنی ڈالی ہے۔اس لفظ کے دامن میں وہ سب خوشیاں اور مسرتیں سمٹ آئی ہیں جو نہ صرف جائز ہیں بلکہ اَز رہِ حکم اس کے منانے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر اظہار مسرت کرو اور اس پر خوب خوشیاں مناؤ۔

قارئین کرام! یہ اَمر ذہن نشین رہے کہ اللہ رب العزت نے ایسی خوشیاں منانے سے منع فرمایا ہے جن میں خود نمائی اور دکھاوا ہو۔ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کہ لوگ کسی دنیاوی نعمت پر اس قدر خوشی کا اظہار کریں کہ وہ آپے سے باہر ہوجائیں اور شائستگی کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہوجائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) رازی، مفاتیح الغیب (التفسیرالکبیر)، ۱۷: ۱۱۷

اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○[1]

''بے شک اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○''

لیکن اس کے برعکس جب اپنے فضل اور رحمت کی بات کی تو اپنے اس حکم میں استثناء (exception) کا اعلان فرما دیا کہ اگر میرا فضل اور رحمت نصیب ہو جائے تو پھر میرا ہی حکم ہے: فَلْيَفْرَحُوْا، یعنی کہ خوب خوشیاں منایا کرو۔ اور وَهُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ کے ذریعہ یہ بتلا دیا کہ جو لوگ جشنِ میلاد کے موقع پر لائٹنگ کے لیے قمقمے لگاتے ہیں، گل پاشیاں کرتے ہیں، قالین اور غالیچے بچھاتے ہیں، جلسے جلوس اور محافل واجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں، لنگر بانٹنے کے لیے کھانا پکاتے ہیں یعنی دھوم دھام سے اِظہارِ خوشی کے لیے جو کچھ انتظامات کرتے ہیں وہ سب کچھ حبِ رسول ﷺ کے اظہار کے لیے کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ لہٰذا ان کے یہ اَخراجات مال و دولت کے انبار لگانے اور انہیں جمع کرنے سے کہیں بہتر ہیں۔ چنانچہ جونہی ماہِ ربیع الاول کا آغاز ہوتا ہے پوری دنیا میں غلامانِ رسول آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں دیوانہ وار مگن ہو جاتے ہیں، ہر طرف جشن کا سماں ہوتا ہے۔ کائنات کی ساری خوشیاں جملہ مسرتیں اور شادمانیاں اسی ایک خوشی پر ہی قربان ہو جائیں تو بھی اس یومِ سعید کے منانے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواز نصِ قرآن سے ثابت ہے اور خود اللہ رب العزت نے اس خوشی کے منانے کا نہ صرف اہتمام کیا بلکہ مندرجہ بالا ارشادِ قرآنی کی رو سے ہمیں بھی اس نعمتِ عظمیٰ پر خوشی منانے کا حکم دیا۔

(۵) ''فَبِذٰلِكَ'' کے استعمال کی حکمت

اس ضمن میں اگرچہ ہم نے ''ذٰلِكَ'' کے استعمال کی حکمت کے حوالے سے اوپر ایک خاص علمی نکتہ بیان کیا ہے تاہم چند اور باتیں قابل ذکر ہیں۔ مثلاً:

(۱) القصص، ۲۸: ۷۶

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا۔[1]

’’فرما دیجئے! (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر خوشیاں منائیں۔‘‘

اگر قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَلْيَفْرَحُوْا کہا جاتا تو بھی اس آیت میں مضمون اور مدعائے بیان مکمل تھا، لیکن ’’فَبِذٰلِکَ‘‘ لا کر تکرار پیدا کیا گیا تاکہ کہیں باعثِ مسرت کسی اور چیز کو نہ ٹھہرا لیا جائے اور دھیان کسی اور طرف نہ چلا جائے۔ اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اُن کی ولادت کے سبب سے جو نعمتِ کبریٰ تمہیں نصیب ہوئی ہے، خوشیاں منانے کا حکم دیتے ہوئے ہم تمہیں یہ نہیں کہتے کہ میرا شکر صرف سجدے کرکے بجا لاؤ، صرف روزوں کی صورت میں بجا لاؤ، صدقات و خیرات کرکے میری نعمت کا شکر بجا لاؤ۔ یہ سب طریقے بجا ہیں مگر یہ طریقے تو عام نعمتوں کے شکرانے کے لیے ہیں۔ اس پیکر رحمت کا تمہارے پاس آنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت کے توسط سے ہی تو ہم نے انسانیت کو ساری نعمتیں عطا کیں، لہٰذا اس نعمتِ عظمیٰ کے ملنے کے موقع پر تم چراغاں بھی کرو، جشن بھی مناؤ، کھانے پکا کر غرباء و مساکین کو بھی کھلاؤ غرضیکہ جائز طریقے سے ہر وہ خوشی کرو جو دنیا میں کسی بھی مسرت کے موقع پر کر سکتے ہو۔ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اپنے حبیب ﷺ کی نعمت کے عطا ہونے پر عید اور جشن کا ایسا سماں دیکھنا چاہتی ہے جو یہ ثابت کر دے کہ امت مسلمہ اپنے عظیم المرتبت نبی ﷺ کی ولادت باسعادت اِنتہائی جوش و خروش اور اِہتمام کے ساتھ منا رہی ہے۔

(۶) نعمت کے شکرانے کا اِنفرادی و اِجتماعی سطح پر حکم

مشاہدے میں آیا ہے کہ کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو یا قومی آزادی حاصل ہو اور فتح

(۱) یونس، ۱۰: ۵۸

ونصرت کا دن آئے تو جشن کا سماں ہوتا ہے۔ ہم یہ سب خوشیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر مناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ جب اس نعمتِ عظمیٰ ﷺ کے ملنے کا دن آئے تو اتنی فرحت ومسرت کا اہتمام کیا جائے کہ دنیا کی ساری خوشیوں پر غالب آجائے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ خوشیاں وجشن منانے، چراغاں کرنے اور کھانے پکا کر تقسیم کرنے پر مال و دولت خرچ ہوتا ہے۔ معترضین اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ عید میلادالنبی ﷺ کے موقع پر ان کاموں پر مال خرچ کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے بہتر تھا کہ یہ رقم کسی محتاج، غریب، نادار کو دے دی جاتی، کوئی مسجد بنا دی جاتی، کسی مدرسے میں جمع کرادی جاتی، وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اس طرح کے کئی شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ مذکورہ کاموں پر خرچ کرنا اپنی جگہ بالکل درست، صحیح اور بجا ہے مگر باری تعالیٰ نے اس خیال کو بھی رد کر دیا کیوں کہ اس موقع پر اُمت کی اجتماعی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صدقات و خیرات سے منع تو نہیں کرتا، ہر کوئی غرباء و مساکین اور مستحقین کی خدمت اپنی استطاعت کے مطابق کرے مگر جب حبیب مکرّم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی منانے کا موقع آئے تو یہ بہانہ بنا کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ہم تو اپنا مال کسی اور نیک کام میں صرف کر دیں گے؛ بلکہ فرمایا: ''فَلْيَفْرَحُوْا'' انہیں چاہئے کہ وہ میرے حبیب کی خاطر خوشی منائیں۔ اور ''هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ'' کہہ کر واضح کر دیا کہ اِس خوشی پر خرچ کرنا کسی بھی اور مقصد کے لیے جمع کرنے سے افضل ہے۔

(۷) آیتِ مذکورہ میں کثیر تاکیدات کا اِستعمال

قرآن حکیم میں کوئی حکم بیان کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی کم اختیار کیا گیا ہے جو جشنِ میلادالنبی ﷺ کے بیان پر مشتمل اس آیت میں اپنایا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس آیت مبارکہ میں ہمیں واضح طور پر دس (۱۰) تاکیدیں نظر آتی ہیں:

۱۔ قُلْ: قُلْ کہہ کر بات شروع کرنا تاکید کی ایک قسم ہے، جس کا مطلب

ہے کہ ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔

۲۔ **بِفَضْلِ اللهِ:** ’’اللہ کے فضل کی وجہ سے۔‘‘ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے کیا؟ یہ استفہام پیدا کرنا بھی طریقۂ تاکید ہے کہ گویا ابھی اصل بات کو چھپایا جا رہا ہے۔

۳۔ **وَبِرَحْمَتِهٖ:** ’’اللہ کی رحمت کی وجہ سے۔‘‘ یہاں پھر استفہام پیدا کر دیا کہ رحمت کی وجہ سے کیا؟ یہ تیسری تاکید ہے۔

۴۔ **فضل اور رحمت کا اِجتماع:** فضل کے بعد رحمت کا ذکر کرنا بھی تاکید ہے۔

۵۔ **فا کی حکمت:** **ذٰلِکَ** پر **فا** کا اضافہ کیا گیا ہے۔ فا عربی قواعد میں تاکید کے لیے آتی ہے۔

۶۔ **بِذٰلِکَ:** فضل اور رحمت کے ذکر کے بعد اِشارۂ بعید لانا بھی تاکید ہے۔

۷۔ **فَلْیَفْرَحُوْا:** لِیَفْرَحُوْا پر پھر فا کا اضافہ کیا گیا جس سے تاکید پیدا ہو رہی ہے۔

۸۔ **فَلْیَفْرَحُوْا:** یَفْرَحُوْا پر ل بھی تاکید کے لیے ہے۔

۹۔ **هُوَ خَیْرٌ:** هُوَ تاکید کے لیے ہے۔

۱۰۔ **مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ:** یہ بھی تاکیدی کلام ہے۔

آیتِ مذکورہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ۱۰ تاکیدوں کے ساتھ جو حکم دیا وہ یہ ہے: **فَلْیَفْرَحُوْا** (خوشیاں مناؤ، جشن مناؤ) کیوں کہ **فَبِذٰلِکَ** محبوب جو آ گیا ہے۔ اگر انسانی معاملہ ہو تو اتنی تاکیدوں سے مضمون بوجھل ہونے لگتا ہے مگر یہاں چونکہ محبوب کی بات ہونے والی ہے اور کلام بھی خدا کا ہے اس لیے اس میں مزید حسن اور نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ دس (۱۰) تاکیدوں کے بعد مضمون یہاں آ کر ختم کرنا - کہ یہ خوشیاں منانا جمع

کرنے سے بہتر ہے- خوشی منانے کی اہمیت کو بدرجہ اتم واضح کر رہا ہے۔

تاکیدوں کے تکرار سے کلام میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے؟ اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ جس طرح کسی بچے کو اس کا باپ کوئی کام کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہے: ''فلاں کام کیا کرو۔'' اب سمجھ دار اولاد کے لیے باپ کا اتنا کہنا کافی ہوتا ہے لیکن باپ جب اس حکم کے ساتھ یہ بھی کہے: ''بیٹا! میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ فلاں کام کرو۔'' اب بیٹے کے کان کھڑے ہو جائیں گے کیوں کہ اب تاکید بڑھ گئی۔ وہ جان جائے گا کہ والد مجھے جس کام کے لیے حکم دے رہے ہیں وہ کوئی خاص کام ہوگا، لیکن اگر اس بچے کا والد اس سے بھی زیادہ سخت حکم دیتے ہوئے کہے: ''بیٹا! سن لو میں تمہیں بطور خاص کہہ رہا ہوں کہ فلاں کام ضرور بالضرور کرو۔'' اب باپ کے حکم میں چار تاکیدیں آ گئیں اور اگر ان تاکیدوں کے ساتھ باپ اسے یہ بھی کہہ دے کہ بیٹا! کچھ اور کرو نہ کرو ایسا ضرور کرو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا؛ تو اب بھلا حکم عدولی کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

ترکِ فعل اور مخالفت تو پہلے بھی خلافِ ادب تھی مگر اتنی تاکیدات کے ساتھ حکم دینے کا تو یہی مطلب بنتا ہے کہ ''بیٹا! میں فقط تم سے اس حکم کی تعمیل چاہتا ہوں۔'' اب کوئی انتہائی بدبخت بیٹا ہی ہوگا جو اس حکم کی بجا آوری سے پہلو تہی کرے گا۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے تھی، وگرنہ باپ کا حکم کہاں اور رب ذوالجلال کا حکم کہاں! چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک کے مصداق وہ رب تو اپنے پیارے رسول ﷺ کی زبان حقیقت بیان سے ہی کہلوا رہا ہے: محبوب! آپ میری طرف سے لوگوں کو حکم فرما دیں کہ ان پر جو اللہ کا فضل اور رحمت اپنے درجہ کمال کو پہنچ کر نبی آخر الزماں کے وجود اقدس کی صورت میں انہیں نصیب ہوئی ہے اس کے شکرانے پر خوب خوشیاں مناؤ، اور یہ بات میں تاکیدات کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے میلاد کی خوشیاں منانے کے حوالے سے صرف ایک قانون برقرار رکھا: عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، یعنی حضور ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے ساتھ شرعی حدود کے اندر رہ کر جتنی خوشیاں منائی

جائیں جائز ہیں، لیکن ان کی کوئی حد نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خوشیاں منانے کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو کوئی انسان کیسے کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما رہا ہے کہ اگر میری منشاء و حکم کے مطابق خوشی مناؤ گے تو اس پر کتنا اَجر و ثواب ملے گا، اس کا اندازہ اس بات سے کرلو کہ تم جو کچھ بھی توشۂ آخرت کے طور پر تیار کر رہے ہو اس سے تمہارا یہ خوشی منانا بہرحال میرے نزدیک زیادہ باعثِ اَجر و ثواب ہوگا۔ فرمایا:

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝(1)

''یہ (خوشی منانا) اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں ۝''

یہ بات واضح فرما دی کہ اگر تم نے میرے اس فضل اور رحمت کی آمد پر خوشی نہ کی تو بے شک تم عبادت و ریاضت کے ڈھیر لگا دو تو مجھے اُن سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ مجھے تو اپنے محبوب کی آمد پر تمہارا خوش ہونا ان عبادتوں سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ بے شک ان عبادات کا حکم بھی میں نے ہی دیا ہے مگر اس نعمت کے شکرانے پر تم عبادات کے علاوہ خوشی بھی مناؤ۔

(۸) هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ کی تفسیر

آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا جمع کرکے رکھنے سے بہتر ہے۔ سوال یہ کہ کیا چیز جمع ہو سکتی ہے؟ دو چیزیں ہی جمع کی جاسکتی ہیں:

۱۔ دنیا کے حوالے سے جمع کرنا چاہیں تو مال و اَسباب اور دولت وغیرہ جمع کی جاسکتی ہے۔ اور

۲۔ اگر آخرت کے حوالے سے جمع کرنا ہو تو اَعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،

---

(۱) یونس، ۱۰: ۵۸

صدقات و خیرات وغیرہ جمع ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن حکیم نے یہاں نہ مال و دولت کی تخصیص کی ہے اور نہ ہی اَعمالِ صالحہ اور تقویٰ وغیرہ کی نشان دہی کی ہے۔ بلکہ آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا کلمہ مَا عام ہے جو اپنے اندر عمومیت کا مفہوم لیے ہوئے ہے اور دنیا و آخرت دونوں کو حاوی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں نکات ذہن نشین رکھ کر دیکھا جائے تو اس آیت سے مراد ہوگا:

لوگو! تم اگر دنیا کے مال و دولت جمع کرتے ہو، جائیدادیں، کارخانے اور فیکٹریاں بناتے ہو یا سونے چاندی کے ڈھیروں کا ذخیرہ کرتے ہو غرضیکہ انواع و اقسام کی دولت خواہ نقد صورت میں ہو یا کسی جنس کی صورت میں، میرے حبیب کی آمد اور ولادت پر خوشی منانا تمہارے اس قدر مال و دولت جمع کرنے سے بہ ہر حال بہتر ہے۔ اور اگر آخرت کے حوالے سے سجود، رکوع، قیام وقعود کا ذخیرہ کرلو، نفلی عبادات جمع کرلو، فرائض کی بجا آوری سے اجر وثواب کا ذخیرہ کرلو، غرضیکہ نیکی کے تصور سے جو چاہو کرتے پھرو لیکن اس نعمت پر شکرانے کے لیے جشن منانا اور اس پر اپنا مال و دولت خرچ کرنا، یہ تمہارے اَعمالِ صالحہ کے ذخیرے سے زیادہ گراں اور زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ اگر تم نے اس نعمتِ عظمیٰ کی آمد پر خوشی نہ کی تو تم نے اَعمالِ صالحہ کی بھی قدر نہ کی۔ چونکہ سب اعمال تو تمہیں اسی کے سبب سے نصیب ہوئے؛ قرآن اسی کے سبب سے ملا، نماز، روزہ، حج وغیرہ اسی کے توسط سے عطا کیے گئے، ایمان واسلام بھی اسی کے ذریعے سے ملے، دنیا و آخرت کی ہر نیکی اور عزت و مرتبہ بھی اسی کے سبب سے ملا، بلکہ نیکی، نیکی اِنتخابِ مصطفیٰ ﷺ سے بنی اور برائی، برائی اِجتنابِ مصطفیٰ ﷺ سے قرار پائی۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ عطا کرنے والے رب العزت کی معرفت تمہیں اسی کے سبب سے ملی۔ پس اس ہستی کے عطا کیے جانے پر خوشی اور مسرت کا اظہار کر کے باری تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر بجا لانے کا یہ عمل سب سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔

۶۔ جشنِ میلاد - شکرانۂ نعمتِ عظمیٰ ﷺ

خالقِ کائنات نے بنی نوع انسان پر بے حد و حساب احسانات و انعامات فرمائے ہیں۔ اس نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ کھانے پینے اور دیگر سامانِ آرام و آسائش اور زینت و آرائش سے نوازا۔ ہمارے لیے دن رات کا نظام مرتب کیا۔ سمندروں، پہاڑوں اور فضاؤں کو ہمارے لیے مسخر فرمایا مگر اس نے کبھی اپنی کسی نعمت کا احسان نہیں جتلایا۔ اس ذات رؤف و رحیم نے ہمیں اپنی پوری کائنات میں شرف و بزرگی کا تاج پہنایا اور أَحْسَنِ تَقْوِيم کے سانچے میں ڈھال کر رشکِ ملائکہ بنایا۔ ہمیں ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی اور بچوں جیسے پیارے رشتے عطا کیے۔ غرضیکہ اَنفس و آفاق کی ہزاروں ایسی نعمتیں جو ہمارے حیطۂ ادراک سے بھی باہر ہیں اس نے ہمیں عطا فرمائیں، لیکن بطور خاص کسی نعمت کا احسان نہیں جتلایا۔ اس لیے کہ وہ تو اتنا سخی ہے کہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے وہ سب کو اپنے کرم سے نوازتا ہے اور کسی پر اپنا احسان بھی نہیں جتلاتا۔ لیکن ایک نعمتِ عظمیٰ ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے حریمِ کبریائی سے بنی نوع انسان کی طرف بھیجا اور کائنات کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا تو نہ صرف اس کا ذکر کیا بلکہ تمام نعمتوں میں سے فقط اس کا احسان جتلایا اور اس کا اظہار عام الفاظ میں نہیں بلکہ دو تاکیدوں - لَ اور قَدْ - کے ساتھ کیا۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔(۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا اِحسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا۔“

آیت مبارکہ واضح کرتی ہے کہ اللہ رب العزت فرما رہا ہے: اے لوگو! تم پر میرا یہ بہت بڑا احسان اور کرم ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو تمہاری جانوں میں سے تمہارے

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۶۴

لیے پیدا کیا۔ تمہاری تقدیریں بدل دیں، بگڑے ہوئے حالات سنوار دیے اور تمہیں ذلت و گمراہی کے گڑھے سے اٹھا کر عز و شرف سے ہم کنار کر دیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میرے کارخانۂ قدرت میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت تھی ہی نہیں۔ جب میں نے وہی محبوب تمہیں دے دیا جس کی خاطر میں کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا تو اب ضروری تھا کہ میں رب العالمین ہوتے ہوئے بھی اس عظیم نعمت کا احسان جتلاؤں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امتِ مصطفوی اسے عام نعمت سمجھتے ہوئے اس کی قدر و منزلت سے بے نیازی کا مظاہرہ کر دے اور میرے اس احسانِ عظیم کی ناشکری کرنے لگے۔ اس احسان جتلانے میں بھی اُمت مسلمہ کی بھلائی کو پیشِ نظر رکھا گیا اور قرآن حکیم نے اس واضح حکم کے ذریعے ہر فرزندِ توحید کو آگاہ کر دیا کہ وہ کبھی اللہ کے اس عظیم احسان کو فراموش نہ کرے بلکہ اس نعمتِ عظمیٰ پر شکرانہ ادا کرتے ہوئے جشنِ مسرت منائے۔

۷۔ نعمتوں کا شکر بجا لانا کیوں ضروری ہے؟

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل و کرم پر شکر بجا لانا تقاضائے بندگی ہے مگر قرآن مجید نے ایک مقام پر اس کی ایک اور حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○[1]

’’اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے ○‘‘

نعمتوں پر شکر بجا لانا اس آیت کے تحت مزید نعمتوں کے حصول کا پیش خیمہ

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۷

ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں پر مزید نعمتیں نچھاور کرتا ہے لیکن کفرانِ نعمت اتنا ناپسندیدہ عمل ہے کہ ایسا کرنے والوں کو عذابِ الٰہی کی وعید سنائی گئی ہے۔ اِس لیے دیگر اِنعاماتِ اِلٰہی کا مستحق قرار پانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی صورت میں میسر آنے والی نعمتِ عظمیٰ پر شکر بجالانا ضروری ہے۔

۸۔ شکرانۂ نعمت کے معروف طریقے

اِس باب کے آخر میں ہم بالاختصار نعمتوں پر شکر بجا لانے کی مختلف صورتیں بیان کریں گے جن کی سند بھی قرآن حکیم نے ہی فراہم کی ہے۔ نعمتِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا شکرانہ ادا کرتے وقت بھی یہی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

(۱) ذکرِ نعمت

قرآن حکیم نے نعمتوں کا شکر بجالانے کی ایک صورت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت کو یاد رکھا جائے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بنی اسرائیل پر ہونے والی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ہے:

يَا بَنِيٓ اِسۡرَآئِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ۔(۱)

’’اے اولادِ یعقوب! میرے وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیے۔‘‘

یہی مضمون سورۃ آل عمران کی اس آیت میں بھی ضمناً آیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو حکم دیا کہ وہ اس کی نعمت کو یاد کریں:

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖٓ اِخۡوَانًا۔(۲)

---

(۱) البقرہ، ۲: ۴۷

(۲) آل عمران، ۳: ۱۰۳

’’اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت و بعثت کو یاد کرنا، آپ ﷺ کی صورت و سیرت، فضائل و کمالات اور خصائص و معجزات کا ذکر کرنا بارگاہِ خداوندی میں اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کی ہی ایک صورت ہے۔ اس نعمت جلیلہ کا ذکر کر کے ہم خود کو بلند کرتے ہیں ورنہ حضور ﷺ کا ذکر تو **وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ** کے فرمودۂ خداوندی کے مطابق ہر روز افزوں ہی رہے گا۔ اور ہر آنے والی ساعت آپ ﷺ کے ذکر کی رفعتوں کو بلند سے بلند تر ہوتا دیکھے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَـلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝(۱)

’’اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت و رفعت) ہے ۝‘‘

وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۝(۲)

’’اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا ۝‘‘

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اب کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرے گا تو اس سے اس کی اپنی ذات کو فائدہ ہے اور آپ ﷺ کے میلاد مبارک کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور شکرانہ خوشی منائے گا تو یہ بھی اس کے اپنے مفاد میں ہے، ایسا کرنے والا کسی پر احسان نہیں کر رہا بلکہ اپنا ہی توشۂ آخرت جمع کر رہا ہے۔ اِمام اَحمد رضا خان

---

(۱) الضحیٰ، ۹۳: ۴

(۲) الإنشراح، ۹۴: ۴

(۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ) نے کیا خوب کہا ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا(۱)

(۲) عبادت و بندگی

اللہ کی نعمتوں کا شکر اُس کی عبادت و بندگی کے ذریعے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی فرض عبادات کے علاوہ دیگر نفلی عبادات سب اللہ کی نعمتوں پر شکرانے کی بہترین صورتیں ہیں۔

علاوہ ازیں صدقات و خیرات دے کر غریب، بے سہارا اور یتیم لوگوں کی پرورش ونگہداشت کر کے بھی اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمت پر شکر بجا لانا اَمرِ مستحب ہے۔

(۳) تحدیثِ نعمت

نعمت کا شکر بجا لانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت پر اُس کا خوب اِظہار کرے۔ خوشی منانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ بھی کرے۔ اِس کا ذکر قرآن حکیم نے یوں کیا ہے:

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ○(۲)

’’اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں ○‘‘

گزشتہ صفحات میں بیان کردہ آیاتِ قرآنی میں ذکرِ نعمت کا حکم ہے جس سے مراد ہے کہ نعمت کو دل سے یاد رکھا جائے اور زبان سے اس کا چرچا کیا جائے لیکن وہ ذکر

---

(۱) احمد رضا خان، حدائقِ بخشش، ۱: ۱۸

(۲) الضحیٰ، ۹۳: ۱۱

لوگوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو۔ مذکورہ بالا آیت میں تحدیثِ نعمت یعنی کھلے بندوں اس نعمت کا تذکرہ کرنے کا حکم دیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوقِ خدا کے سامنے نعمت کا خوب چرچا کیا جائے۔ چنانچہ ذکر اور تحدیثِ نعمت میں بنیادی فرق یہ ہوا کہ ذکر اللہ کے لیے ہوتا ہے جب کہ تحدیث کا تعلق زیادہ تر مخلوق کے ساتھ ہے یعنی لوگوں میں چرچا کرنا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ○(۱)

''سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور (میری نعمتوں کا) اِنکار نہ کیا کرو○''

یہاں ذکر سے مراد اللہ کو یاد کرنا ہے، لیکن تحدیثِ نعمت سے مراد ہے کہ خالی ذکر ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس نعمت کا ایسا اظہار کیا جائے کہ اسے خلقِ خدا بھی سنے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے درمیان کیا جائے جو کہ منشائے الٰہی ہے۔

تحدیثِ نعمت کے بیان میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ نعمتِ خداوندی کے نزول کا علم زیادہ سے زیادہ خلقِ خدا تک پہنچے اور لوگ کثرت کے ساتھ اس ادائے شکر میں شریک ہوں۔ لہٰذا اب ذکر اور تحدیث میں دوسرا بڑا اور واضح فرق یہ ہوا کہ ذکر تنہا شکر بجا لا کر بھی ہوسکتا ہے مگر تحدیثِ نعمت کا تقاضا ہے کہ اسے بڑے بڑے جلسوں اور اجتماعات میں خلقِ خدا تک پہنچایا جائے۔ اس کے شکرانے کے لیے اس کی نعمت کے شایانِ شان عظیم محافل و مجالس اور اجتماعات کا اہتمام کیا جائے اور ان محافل میں اس نعمتِ کبریٰ کا تذکرہ کیا جائے۔

''تحدیثِ نعمت'' کیسے کی جائے؟

قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ جب اُمتِ مسلمہ اپنے آقا ﷺ کی ولادت جیسی عظیم

(۱) البقرہ، ۲: ۱۵۲

ترین نعمت کے صلہ میں تحدیثِ نعمت کے فریضہ سے عہدہ برآ ہوگی تو تذکارِ نعمت میں کبھی حضور ﷺ کی نعت پڑھی جائے گی، کبھی صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا جائے گا، کبھی حضور ﷺ کے فضائل و شمائل کا ذکر ہوگا، کبھی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی بات ہوگی اور کبھی آپ ﷺ کے حسنِ سیرت کا ذکر چھیڑا جائے گا۔ کوئی آپ ﷺ کے حسن صورت اور دل رُبا اداؤں کا تذکرہ کرے گا اور کوئی آپ ﷺ کی پیاری پیاری اور کریمانہ عادات مبارکہ بیان کرے گا۔ یہ سب چیزیں وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ کی تفسیر میں ہیں اور اس نعمت کبریٰ کی یاد کی مختلف صورتیں ہیں جو ذکرِ نعمت کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر تھوڑا سا بھی غور کر لیا جائے تو تمام محافلِ میلاد کی عام صورت حال یہی ہوتی ہے اور ان ہی چیزوں کے بیان کو ان محافل میں خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ حضور ﷺ کے ذکر میلاد میں ان کا ذکر کس طرح کیا جائے، اس کی حدود و قیود کیا ہونی چاہئیں اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ہم حضور ﷺ کی یاد میں ان کی مدح سرائی کس طرح کریں؟ تو ان تمام التباسات کے جواب میں نعت گویانِ رسول ﷺ کے اِمام، قافلۂ عشق کے سرخیل امام شرف الدین بوصیری (۶۰۸۔۶۹۶ھ) نے چند اشعار میں بڑے صاف اور واضح انداز میں اس سلسلے میں پیش آمدہ ذہنی اشکالات کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

۱۔ دع ما ادعَتْه النصاری فی نبیّهمِ
واحکم بما شئت مدحًا فیه واحتکمِ

۲۔ فانسب إلی ذاته ما شئت من شرف
وانسب إلی قدره ما شئت من عِظمِ

۳۔ فإن فضل رسول اللّٰه لیس له
حدٌّ فیعرب عنه ناطقٌ بفمِ

امام بوصیریؒ یہاں ایک احتیاط کا ذکر کر رہے ہیں کہ

۱۔ ’’نصاریٰ (عیسائیوں) نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ دعویٰ الوہیت کیا ہے (اور انہیں خدا کا بیٹا وغیرہ بنا کر غلو اور کفر کا ارتکاب کیا ہے) وہ چھوڑ دو۔ حضور ﷺ کی تعریف میں ایسے خطرناک غلو اور زیادتی سے بچتے ہوئے جو کچھ تمہارا جی چاہے کہو اور پورے یقین اور اذعان کے ساتھ سرکارِ دوجہاں ﷺ کی خوب مدح سرائی کیا کرو۔

۲۔ ’’پس ذاتِ اقدس ﷺ کی بزرگی اور بڑائی کا اظہار کرو اور جن جن عظمتوں کو چاہو حضور ﷺ کی ذات گرامی کے بلند مرتبہ سے منسوب کرو۔

۳۔ ’’کیوں کہ بے شک سرکار رسالت مآب ﷺ کے فضل و شرف اور بزرگیٔ مرتبہ کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں کہ کوئی مدح کرنے والا اسے بیان کر سکے۔‘‘

بنا بریں حضور ﷺ کی یاد میں اُن کی تعریف و نعت ہر طرح سے جائز و مستحسن ہے۔ تاہم مقامِ اُلوہیت اور مقامِ نبوت میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنا بہرحال فرض اور شرطِ ایمان ہے۔

(۴) جشنِ عید

ذکرِ نعمت اور تحدیثِ نعمت کے علاوہ اللہ کی نعمتوں اور اس کی عنایات کریمانہ پر شکر کے اظہار کا ایک طریقہ اور صورت یہ بھی ہے کہ اس خوشی و مسرت کا اِظہار جشن اور عید کے طور پر کیا جائے۔ پہلی امتوں کا بھی ادائے شکر کے حوالے سے یہی وطیرہ تھا، جس کا ذکر گزشتہ اَوراق میں ہو چکا ہے۔ اور یہ سنتِ انبیاء ہے کہ جس دن اللہ کی کوئی خاص نعمت میسر آئے اس دن کو بطور عید منایا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی

بارگاہ میں یوں ملتجی ہوتے ہیں:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا۔(۱)

’’اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہوجائے، ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی)۔‘‘

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں مائدہ جیسی عارضی نعمت کے حصول پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عید منانے کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی کے پیشِ نظر عیسائی لوگ آج تک اتوار کے دن اس نعمت کے حصول پر بطور شکرانہ عید مناتے ہیں۔

نزولِ مائدہ کی نعمت کو ہمارے آقا و مولا حضور سرور کائنات ﷺ کی بعثت مبارکہ کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ کہاں وہ ایک عارضی خوانِ نعمت اور کہاں وہ دائمی اور ابدالآباد بلکہ دونوں جہانوں میں جاری رہنے والی نعمت جو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی صورت میں نوعِ انسانی کو نصیب ہوئی! ان دونوں کا آپس میں تقابل و موازنہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ہمارے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ ہم اس ابدی و دائمی نعمت پر کما حقہ اظہارِ تشکر کر رہے ہیں یا نہیں۔

یہاں نزولِ مائدہ اور ولادتِ مصطفیٰ ﷺ میں تقابل قطعاً مقصود نہیں، سردست ایک تاریخی حقیقت پر مبنی اہم اور توجہ طلب پہلو کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ عیسائی اُس وقت سے لے کر آج تک اتوار کے روز یہ خوشی مناتے چلے آئے ہیں کیوں کہ اتوار کے دن ہی ان پر مائدہ کی نعمت اتری تھی۔ سابقہ امتیں تو مائدہ جیسی نعمت کے شکرانے پر عیدیں مناتی رہی ہیں جس کا ذکر قرآن نے بھی محفوظ رکھا ہے کیوں کہ یہ بھی رضائے الٰہی کے حصول کی ایک صورت ہے اور سنت انبیاء ہے۔ تو جب عمومی نعمتوں کے حصول اور ان کے

(۱) المائدہ، ۵: ۱۱۴

نزول پر عید منانا انبیاء علیھم السلام کی سنت اور اللہ کے حکم کی پیروی قرار پائی تو پھر میلادِ مصطفیٰ ﷺ جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول پر - کہ جس کے توسط سے کائنات ہست و بود کو ساری نعمتیں عطا ہوئی ہیں - یہ امت عید اور جشن کیوں نہ منائے۔

گزشتہ صفحات میں دی گئی تفصیلات سے یہ اَمر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ جشنِ میلاد النبی ﷺ منانا نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ اِس پر کسی قسم کا اِعتراض و اِبہام پیدا کرنا قرآنی تعلیمات سے عدم آگہی کے مترادف ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ آقا ﷺ کے میلاد پر خوشی منانے کے جائز اور مستحسن اَمر کو باعثِ نزاع بنانے کی بجائے اِس خوشی میں دل و جان سے شریک ہوکر اُلوہی نعمتوں اور نبوی فیوضات سے سیراب ہوا جائے۔

بابِ پنجم

جشنِ میلاد النبی ﷺ کا

اَحادیث سے اِستدلال

گزشتہ باب میں قرآن حکیم کی آیات اور ان کی تفاسیر کی روشنی میں جشنِ میلاد النبی ﷺ منانے کے حوالہ سے مفصل گفتگو ہوچکی ہے۔ باب ہٰذا میں جشنِ میلاد کی مشروعیت اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بیان کی جائے گی، اور کتبِ اَحادیث کی رُو سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت پر خوشی و مسرت منانے کے شرعی پہلو کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ اَحادیثِ یومِ عاشورہ سے جشنِ میلاد پر اِستدلال

حضور نبی اکرم ﷺ عالمِ انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل، رحمت اور اِحسانِ عظیم ہیں۔ اُمتِ مسلمہ پر واجب ہے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے کیوں کہ شکر اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور کسی عطا پر اس کا شکر بجا لانا سنتِ انبیاء ہے جیسا کہ احادیثِ صومِ عاشورہ سے واضح ہے۔ اِظہارِ تشکر کے کئی طریقے ہیں: انفرادی طور پر بندہ رب کریم کا شکر ادا کرنے کے لیے نفلی عبادات اور خیرات و عطیات کو ذریعہ اظہار بناتا ہے مگر جو فضل و احسان امت پر اجتماعی سطح پر ہوا ہو اس کا اظہارِ تشکر بھی اجتماعی طریقے سے کیا جاتا ہے۔ چوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت و بعثت پوری کائناتِ انسانی پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم اور فضل عمیم ہے اس لیے اس نعمتِ عظمیٰ پر اللہ ﷻ کا شکر اجتماعی طور پر ادا کرنا واجب ہے۔ اور جو عمل اجتماعی نوعیت کا ہو اس کی ہیئت ترکیبی کی بنیاد معاشرتی تہذیب و ثقافت پر رکھی جاتی ہے۔ یومِ میلاد النبی ﷺ ثقافتی طور پر عید کی طرح جوش و جذبے سے جشن کے انداز میں منایا جاتا ہے۔ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جشن

منانے کی تہذیبی تاریخ مختلف معاشروں کے طریقہ ہائے اظہارِ تشکر پر مبنی ہے اور اس کا اِستدلال سابقہ امتوں کے مماثل رویوں سے منسلک ہے۔ درج ذیل مطالعہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں احادیثِ یومِ عاشورہ سے جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا اِستدلال پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) یومِ موسیٰ علیہ السلام منانے سے اِستدلال

یوم عاشورہ وہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح عطا کی اور فرعون کو اس کے لاؤ لشکر سمیت غرقِ نیل کر دیا۔ یوں بنی اِسرائیل کو فرعون کے جبر و استبداد سے نجات ملی۔ چناں چہ یہ دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا دن بھی تھا اور قوم بنی اسرائیل کی آزادی کا دن بھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے اس دن روزہ رکھا۔

جب حضور ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ نے یہودِ مدینہ کو یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے مذکورہ بالا وجہ بیان کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: (ایک نبی ہونے کی حیثیت سے) میرا موسیٰ پر زیادہ حق ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہونے والی نعمتِ خداوندی پر اِظہارِ تشکر کے طور پر خود بھی روزہ رکھا اور اپنے تمام صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ یوم عاشورہ کے روزہ کے حوالے سے چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قدم النبی ﷺ المدینة، فرأی الیهود تصوم یوم عاشوراء، فقال: ما هذا؟ قالوا: هذا یوم صالح، هذا یوم نَجَّی اللہ بنی إسرائیل من عدوهم، فصامه موسی. قال: فأنا أحق بموسی منکم. فصامه

وأمر بصيامه۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یومِ عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے اس دن روزہ رکھنے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا: یہ دن (ہمارے لیے) متبرک ہے۔ یہ وہ مبارک دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دلائی (یہ ہمارا یومِ آزادی اور یومِ نجات ہے)۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے زیادہ موسیٰ کا حق دار میں ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی) اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔‘‘

۲۔ ایک اور طُرق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اسی حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

لما قدم النبی ﷺ المدينة. وجد اليهود يصومون عاشوراء، فَسُئِلوا عن ذلک، فقالوا: هذا اليوم الذی أظفر الله فيه موسی وبنی إسرائيل علی فرعون، ونحن نصومه تعظيما له، فقال رسول الله ﷺ: نحن أولی بموسی منکم. ثم أمر بصومه۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۹۰۰
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۱، رقم: ۲۶۴۴
۳۔ ابو يعلیٰ، المسند، ۴: ۴۴۱، رقم: ۲۵۶۷
۴۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب إتيان اليهود النبی ﷺ حين قدم المدينة، ۳: ۱۴۳۴، رقم: ۳۷۲۷ ←

''حضور نبی اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہیں۔ پس ان سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ ونصرت عطا فرمائی تو ہم اس عظیم کامیابی کی تعظیم و تکریم بجا لانے کے لیے اس دن روزہ رکھتے ہیں، (یہ ہمارا یومِ فتح ہے)۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حق دار ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔''

۳۔ ایک روایت میں یہودیوں کا جواب اور حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان اِس طرح منقول ہے:

فقالوا: هذا يوم عظيم، أنجى الله فيه موسى وقومه، وغرق فرعون وقومه. فصامه موسى شكرا، فنحن نصومه. فقال رسول الله ﷺ: فنحن أحق وأولى بموسى منكم. فصامه رسول الله ﷺ، وأمر بصيامه۔[1]

...... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ۲: ۷۹۵، رقم: ۱۱۳۰

۳۔ ابوداؤد، السنن، كتاب الصوم، باب فی صوم يوم عاشوراء، ۲: ۳۲۶، رقم: ۲۴۴۴

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ۲: ۷۹۶، رقم: ۱۱۳۰

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى: وهل أتاك حديث موسى، ۳: ۱۲۴۴، رقم: ۳۲۱۶

۳۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، ۱: ۵۵۲، رقم: ۱۷۳۴

←

''انہوں نے کہا: یہ بہت عظیم دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا کی جب کہ فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اُسی دن روزہ رکھا، لہٰذا ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہاری نسبت ہم موسیٰ کے زیادہ حق دار اور قریبی ہیں۔ پس اس دن آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی) اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔''

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل فرعون کے جبر و اِستبداد کا شکار تھے جس کی وجہ سے اللہ کے دین کی پیروی ان کے لیے مشکل تھی۔ لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جہدِ مسلسل کے نتیجے میں وہ حسین دن بھی طلوع ہوا جب بنی اسرائیل دریائے نیل پار کر گئے اور ان کے تعاقب میں آنے والا فرعون اپنے لشکر سمیت اِسی دریا میں غرق ہوگیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کو ظلم و استبداد سے نجات اور آزادی ملی۔ فتح و آزادی کی یہ نعمت اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا اور بنی اسرائیل نے بھی روزہ رکھا۔ وہ اس دن کو یوم نجات اور یوم آزادی کے طور پر آج تک منا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے اس دن کو روزہ رکھ کر منایا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ اِمام طحاوی (۲۲۹۔۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے موسی علیہ السلام کے فرعون پر غلبہ پا لینے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے لیے روزہ رکھا۔[1]

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اگر یہود اپنے پیغمبر کی فتح اور اپنی آزادی و نجات کا دن قابلِ تعظیم سمجھ کر اسے منانے کا حق رکھتے ہیں تو مسلمان اپنے نبی ﷺ کا یومِ میلاد

.... ۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۳۶، رقم: ۳۱۱۲

(۱) طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، ۲: ۱۳۲، رقم: ۳۲۰۹

قابلِ تعظیم سمجھ کر اُسے منانے کا بہ درجہ اَتم حق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ خاتم الانبیاء اور سید المرسلین و الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کا فضل اور رحمت بن کر پوری انسانیت کو آزادی عطا کرنے اور ہر ظلم و نااِنصافی سے نجات دلانے کے لیے تشریف لائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔[1]

’’اور (یہ رسول ﷺ) اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری مظلوم انسانیت کے لیے نجات اور آزادی کی نوید تھی۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت وہ حسین ترین لمحہ تھا جس کی خوشی پوری کائنات میں منائی گئی۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک مومن کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی بعثت کو امت کے لیے بہت بڑے احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ دن جس میں سید الانبیاء ﷺ کی ولادت ہوئی اور آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ سے عالم انسانیت کو نوازا گیا سب کے لیے تعظیم و تکریم کا مستحق ہے۔ ظہورِ قدسی کا وہ عظیم ترین دن اس قابل ہے کہ ہم اس دن عطائے نعمتِ عظمی پر سراپا تشکر بن جائیں، اس کی تعظیم کے لیے اپنے دیدہ و دل فرش راہ کر دیں اور اِسے ہر ممکن جائز طریقے سے والہانہ احترام اور عقیدت و محبت کے جذبات میں ڈوب کر جشن کی صورت میں خوب دھوم دھام سے منائیں۔

(۲) حضور ﷺ کا خود نسبتِ موسیٰ علیہ السلام کے سبب سے دن منانا

مذکورہ بالا اَحادیث سے حضور ﷺ کا میلاد منانے کی ایک اور دلیل بھی اَخذ ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے اِس دن کو منایا اور روزہ

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۷

رکھا۔ اس سے کسی عظیم دن کو منانے کا جواز خود سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے مل رہا ہے۔ اور اہلِ ایمان کے لیے یومِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر اور کون سا دن عظیم ہوسکتا ہے! لہٰذا یومِ میلاد النبی ﷺ منانا بھی اِتباعِ سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے زمرے میں آتا ہے۔

(۳) یہود یومِ عاشورہ یومِ عید کے طور پر مناتے تھے

بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہود اپنا یومِ آزادی یعنی عاشورہ کا دن روزہ رکھ کر مناتے تھے، جب کہ میلاد النبی ﷺ کا دن یومِ عید کے طور پر منایا جاتا ہے، لیکن اس دن روزہ نہیں رکھا جاتا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی مبارک دن کو یومِ مسرت کے طور پر منانا سنت ہے اور اس کو دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے کسی بھی شکل میں منایا جا سکتا ہے۔ اگر یہود یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یومِ شکرانہ منانے کو صرف روزہ رکھنے کے عمل تک محدود کرلیا جائے اور اس دن کو روزہ رکھنے کے سوا کسی اور طریقے سے نہ منایا جائے۔ احادیثِ مذکورہ میں اس امر کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہود اس خوشی کے موقع پر روزہ ایک اضافی نیک عمل کے طور پر رکھتے تھے اور وہ یہ دن بہ طور عید مناتے تھے۔

قبل اَز اِسلام عرب معاشرہ میں یومِ عاشورہ کے موقع پر عید منائی جاتی تھی۔ اگرچہ عربوں کا اس دن عید منانا مختلف وجوہات کی بنا پر تھا۔[1] جب حضور نبی اکرم ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی بھی اس دن صرف روزہ نہیں رکھتے بلکہ عید بھی مناتے تھے، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

۱۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) **الصحیح** میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) اِس کی تفصیلات آئندہ صفحات میں آئیں گی۔

كان يوم عاشوراء تَعُدُّه اليهود عيدًا، قال النبی ﷺ: فصوموه أنتم۔[1]

’’یوم عاشورہ کو یہود یومِ عید شمار کرتے تھے، حضور نبی اکرم ﷺ نے (مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے) فرمایا: تم ضرور اس دن روزہ رکھا کرو۔‘‘

۲۔ اِمام مسلم (۲۰۶۔۲۶۱ھ) نے بھی **الصحیح** میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

كان يوم عاشوراء يوما تعظّمه اليهود، وتتّخذه عيدًا، فقال رسول الله ﷺ: صوموه أنتم۔[2]

’’یہود یوم عاشورہ کی تعظیم کرتے تھے اور اسے عید کے طور پر مناتے تھے۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے (مسلمانوں کو) حکم دیا کہ تم بھی اس دن روزہ رکھو۔‘‘

اِمام طحاوی (۲۲۹۔۳۲۱ھ) اِس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے یومِ عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم صرف اِس لیے دیا تھا کہ یہود اس دن روزہ رکھتے تھے۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، ۲: ۷۰۴، ۷۰۵، رقم: ۱۹۰۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲، ۷۹۶، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء، رقم: ۱۱۳۱

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۱۵۹، رقم: ۲۸۴۸

۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، ۲: ۱۳۳، رقم: ۳۲۱۷

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۲۸۹، رقم: ۸۱۹۷

۳۔ اِمام مسلم (۲۰۶۔۲۶۱ھ) نے **الصحیح** میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے درج ذیل الفاظ کے ساتھ ایک اور حدیث بھی روایت کی ہے:

كان أهل خيبر يصومون يوم عاشوراء، يتّخذونه عيدًا، ويُلْبِسُوْنَ نساءهم فيه حُلِيَّهُمْ وشَارَتَهُمْ. فقال رسول الله ﷺ: فصوموه أنتم۔[1]

''اہلِ خیبر یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے اور اسے عید کے طور پر مناتے تھے۔ اس دن وہ اپنی عورتوں کو خوب زیورات پہناتے اور ان کا بناؤ سنگھار کرتے۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے (مسلمانوں سے) فرمایا: تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔''

اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) اور اِمام مسلم (۲۰۶۔۲۶۱ھ) کی مذکورہ بالا روایات سے مستنبط ہوتا ہے کہ:

۱۔ یومِ عاشورہ یہودیوں کے لیے یومِ نجات اور یومِ کامیابی تھا۔ وہ عرصہ قدیم سے من حیث القوم اِسے یومِ عید کے طور پر شایانِ شان طریقے سے مناتے چلے آرہے تھے۔

۲۔ عید کا دن اُن کے لیے یومِ تعظیم تھا، وہ اس کا احترام کرتے اور بطور شکر و

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء، ۲: ۷۹۶، رقم: ۱۱۳۱

۲۔ ابونعیم، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۳: ۲۱۲، رقم: ۲۵۷۵

۳۔ إسماعیلی، معجم شیوخ أبی بکر الإسماعیلی، ۳: ۷۲۲، رقم: ۳۳۷

۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۸

اِمتنان ایک اِضافی عمل کے طور پر اس دن روزہ بھی رکھتے تھے۔

۳۔ یہ دن صرف روزہ رکھنے پر ہی موقوف نہ تھا بلکہ روزہ رکھنا محض ایک اِضافی عمل تھا جو اس دن انجام دیا جاتا تھا۔

۴۔ اِس حوالے سے اگر آج کوئی عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں اِعتراض کرے اور کہے کہ روزہ کے بغیر عید میلاد النبی ﷺ کا جشن منانا جائز نہیں، تو یہ درست نہیں اور نہ ہی ایسا اِستدلال احادیث کی روشنی میں ممکن ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ یومِ عاشورہ یہودیوں کے نزدیک یومِ عید ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کے عید منانے پر کوئی سوال نہیں کیا بلکہ ان کے روزہ رکھنے کے بارے میں اِستفسار فرمایا تو انہوں نے - ''تعظيماً له'' اور ''شكراً له'' کہہ کر - بہ طور تعظیم وتشکر روزہ رکھنے کی توجیہ بیان کی۔ اس پر آپ ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔

(۴) عید میلاد النبی ﷺ پر حافظ عسقلانی کا اِستدلال

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) نے مذکورہ بالا اَحادیثِ مبارکہ سے عید میلاد النبی ﷺ پر اِستدلال کرتے ہوئے اُس دن کی شرعی حیثیت کو واضح طور پر متحقق کیا ہے اور اس سے یوم میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانے کی اِباحت پر دلیل قائم کی ہے۔ حافظ اِبن حجر عسقلانی کا اِستدلال نقل کرتے ہوئے اِمام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

وقد سئل شيخ الإسلام حافظ العصر أبوالفضل ابن حجر عن عمل المولد، فأجاب بما نصه: قال:

وقد ظهر لي تخريجها على أصل ثابت، وهو ما ثبت في

الصحیحین من: ’’أن النبی ﷺ قدم المدینة، فوجد الیهود یصومون یوم عاشوراء، فسألهم، فقالوا: هو یوم أغرق الله فیه فرعون، ونجّی موسی، فنحن نصومه شکرًا لله تعالی.

فیستفاد منه فعل الشکر لله تعالی علی ما منَّ به فی یوم معیّن من إسداء نعمة، أو دفع نقمة، ویعاد ذلک فی نظیر ذلک الیوم من کل سنة.

والشکر لله تعالی یحصل بأنواع العبادات کالسجود والصیام والصدقة والتلاوة، وأیّ نعمة أعظم من النعمة ببروز هذا النبی ﷺ الذی هو نبی الرحمة فی ذلک الیوم۔[1]

’’شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر سے میلاد شریف کے عمل کے حوالہ سے پوچھا گیا تو آپ نے اس کا جواب کچھ یوں دیا:

’’میرے نزدیک یومِ میلاد النبی ﷺ منانے کی اَساسی دلیل وہ روایت ہے جسے ’’صحیحین‘‘ میں روایت کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۳

۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۵، ۲۰۶

۳۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۶

۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۲۶۳

۵۔ احمد بن زینی دحلان، السیرة النبویة، ۱: ۵۴

۶۔ نبهانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۷

نے ان سے پوچھا: ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس پر وہ عرض کناں ہوئے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی، سو ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر بجا لانے کے لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

''اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اِحسان و اِنعام کے عطا ہونے یا کسی مصیبت کے ٹل جانے پر کسی معین دن میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا اور ہر سال اس دن کی یاد تازہ کرنا مناسب تر ہے۔

''اللہ تعالیٰ کا شکر نماز وسجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوتِ قرآن و دیگر عبادات کے ذریعہ بجا لایا جا سکتا ہے اور حضور نبی رحمت ﷺ کی ولادت سے بڑھ کر اللہ کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے؟ اس لیے اس دن ضرور شکرانہ بجا لانا چاہیے۔''

جشنِ میلاد کی بابت پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے حافظ عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) نے میلاد النبی ﷺ منانے کی بنیاد ان اَحادیث کو بنایا ہے جو ''صحیحین'' میں متفقہ طور پر روایت ہوئیں۔ ان احادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو ملنے والی عظیم نعمت اور فتح پر اِظہارِ تشکر کرنے اور اس دن کو عید کے طور پر منانے کی تائید وتوثیق فرماتے ہوئے اس عمل کو اپنی سنت کا درجہ دے دیا۔ جب رسولِ معظم حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، کیا اس دن سے زیادہ کوئی اور بڑی نعمت ہوسکتی ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ یومِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کو عید کے طور پر نہ منایا جائے! حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) کے موقف کی تائید اِمام سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) نے ''الحاوی للفتاوی (ص: ۲۰۵، ۲۰۶)'' میں کی ہے۔ حافظ عسقلانی نے صومِ عاشورہ سے جو اِستدلال کیا ہے اس میں باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی گزشتہ زمانہ کے معین یومِ عاشورہ کو ہوئی تھی مگر پورے سال میں صرف اسی روز کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس نعمت کا شکر ہر سال اسی روز ادا کیا

جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ گو یہ واقعہ کا اعادہ نہیں مگر اس کی برکت کا اِعادہ ضرور ہوتا ہے جس پر دلیل یہ ہے کہ ہر پیر کے روز ابولہب کے لیے میلاد کی برکت کا اعادہ ہوتا ہے۔

ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے قبل عاشورہ کے روزے مسلمانوں پر واجب تھے۔[1] جب ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو ان کا وجوب منسوخ ہوگیا۔[2] بعض ذہنوں میں یہ اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ صومِ عاشورہ کا وجوب تو منسوخ ہوگیا ہے اس لیے اس کی فضیلت باقی نہیں رہی۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد اب کسی روزہ کی فرضیت نہیں، لیکن اس سے صومِ عاشورہ کی حِلّت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس لیے کہ اس روزہ کے حکم وجوبیت کی منسوخی کے بعد آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ نحن لسنا أحق بموسیٰ منکم (ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار نہیں) جس طرح روزہ رکھتے وقت

---

(۱) ۱۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، باب صوم یوم عاشوراء، ۲: ۱۲۹۔۱۳۲

۲۔ عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۰

(۲) اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) الصحیح میں روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول الله ﷺ أمر بصیام یوم عاشوراء، فلما فُرض رمضان، کان من شاء صام ومن شاء أفطر۔☆

’’رسول اکرم ﷺ یومِ عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، تاہم جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو جو چاہتا یہ روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔‘‘

☆ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۸۹۷، ۱۸۹۸

آپ ﷺ نے نحن أحق بموسیٰ منکم (ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں) فرمایا تھا، حالاں کہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ گزرے ایک زمانہ بیت چکا تھا۔

صومِ عاشورہ کا وجوب منسوخ ہونے کے باوجود اَحادیث میں اس کے فضائل وارد ہیں۔ اس دن کے روزے کی جو فضیلت پہلے تھی وہ اب بھی ہے، اور یہ بات مسلمہ ہے کہ فضائل منسوخ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے صومِ عاشورہ کی منسوخی کا حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) کے اِستدلال پر کوئی اثر نہیں۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس روزہ کی فضیلت بھی منسوخ ہوگئی تو پھر بھی جشنِ میلاد النبی ﷺ کے لیے اِس سے اِستدلال پر فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیادہ خوشی لامحالہ اُن لوگوں کو ہوگی جنہیں اُمتِ موسوی کے افراد ہونے کا دعویٰ تھا۔ حضور ﷺ کا اس روزہ سے صرف اُمت کو یہ توجہ دلانا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم ایک نبی کی فتح پر شکر ادا کرتے ہیں تو تمہیں بھی ہماری ولادت کی بے حد خوشی کرنی چاہیے۔ مگر طبعِ غیور کو صراحتاً یہ فرمانا گوارا نہ تھا کہ ہمارے میلاد کے روز تم لوگ روزہ رکھا کرو، بلکہ خود ہی حضور ﷺ پیر کے روز ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ اس وقت تک نہیں بتائی جب تک کسی نے پوچھا نہیں۔ اس لیے کہ بغیر اِستفسار کے بیان کرنا بھی طبعِ غیور کے مناسبِ حال نہ تھا۔

۲۔ یومِ نوح علیہ السلام کی یاد منانے سے اِستدلال

امام احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ اس میں یومِ عاشورہ منانے کا یہ پہلو بھی بیان ہوا ہے کہ عاشورہ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کا دن تھا۔ اس روز وہ بہ حفاظت جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئے تھے۔ اِس پر حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت اس دن کو یومِ تشکر کے طور پر منانے لگی، اور یہ دن بعد میں آنے والوں کے لیے باعثِ اِحترام بن گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہود سے حضور نبی اکرم ﷺ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے بنی اسرائیل کی آزادی اور فرعون کی غرقابی کا ذکر کرنے کے بعد کہا:

وهذا يوم استَوَتْ فيه السفينة على الجُودِي، فصامه نوح وموسى شكرًا لله تعالٰى.

''اور یہ وہ دن ہے جس میں جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہری تو حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔''

اِس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا أحق بموسى، وأحق بصوم هذا اليوم۔(1)

''میں موسیٰ کا زیادہ حق دار ہوں اور میں اس دن روزہ رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اُس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے حوالے سے یوم عاشورہ کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی جماعتِ مومنین کی بقاء دراصل عالم انسانیت کی بقاء اور فروغِ نسلِ اِنسانی کی بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اس دن کو آپ کی قوم نے یاد رکھا اور بارگاہِ خداوندی میں ہمیشہ اس کا شکر ادا کیا۔ اس سے یہ اصول سامنے آیا کہ ہر وہ واقعہ جس سے مومنین کی اِجتماعی نجات، آزادی اور بقاء وابستہ ہے اس پر اِظہارِ تشکر اور اِظہارِ مسرت و اِنبساط اِسلامی تہذیب کی علامت رہی ہے۔ لہٰذا سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کا مبارک دن بھی اَبد تک اہلِ ایمان کے لیے یومِ عید ہے۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۹، ۳۶۰، رقم: ۸۷۰۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۷

۳۔ غلافِ کعبہ کا دن عید کے طور پر منائے جانے سے اِستدلال

دورِ جاہلیت میں قریشِ مکہ یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے اور اس دن کو عید کے طور پر مناتے تھے۔ ہجرت سے قبل حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اِس دن روزہ رکھا۔ وہ اس دن کو اس وجہ سے مناتے اور اس کا احترام و تعظیم کرتے کہ اس دن کعبۃ اللہ پر پہلی مرتبہ غلاف چڑھایا گیا تھا۔ یہی وہ خاص پس منظر تھا جس کی وجہ سے ہجرت کے بعد آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے یہودیوں سے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت فرمائی۔

۱۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) الصحیح میں روایت کرتے ہیں کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> کان یوم عاشوراء تصومه قریش فی الجاهلیة، وکان رسول الله ﷺ یصومه۔(۱)

> ''زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور رسول اکرم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔''

جب پہلی دفعہ زمانۂ جاہلیت میں کعبہ کو غلاف سے ڈھانپا گیا تو یہ دس محرم کا دن

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، ۲: ۷۰۴، رقم: ۱۸۹۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب أیام الجاهلیة، ۳: ۱۳۹۳، رقم: ۳۶۱۹

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، ۲: ۷۹۲، رقم: ۱۱۲۵

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب ما جاء فی الرخصة فی ترک صوم یوم عاشوراء، ۳: ۱۲۷، رقم: ۷۵۳

تھا۔ اُس وقت سے مکہ کے لوگوں کا یہ معمول رہا کہ وہ ہر سال اسی دن روزہ رکھتے اور یہ ان کے لیے عید کا دن ہوتا تھا۔ ان کا یہ معمول حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت سعیدہ کے بعد بھی جاری رہا اور آپ ﷺ نے خود بھی کعبہ پر غلاف چڑھانے کے دن روزہ رکھنے کا معمول اپنایا۔ کعبہ پر غلاف چڑھانے کو ’’کسوۃ الکعبۃ‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) **الصحیح** میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت کرتے ہیں:

كانوا يصومون عاشوراء قبل أن يُفرض رمضان، وكان يوما تستر فيه الكعبة، فلما فرض الله رمضان، قال رسول الله ﷺ: من شاء أن يصومه فليصمه، ومن شاء أن يتركه فليتركه۔[1]

’’اہلِ عرب رمضان کے روزے فرض ہونے سے قبل یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس دن کعبہ پرغلاف چڑھایا جاتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو اس دن روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھ لے، اور جو ترک کرنا چاہے وہ ترک کر دے۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) درج بالا حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب قول اللہ: جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام، ۲: ۵۷۸، رقم: ۱۵۱۵
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۲۷۸، رقم: ۷۴۹۵
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۵۹، رقم ۹۵۱۳
۴۔ ابن عبد البر، التمہید لما فی الموطا من المعانی والأسانید، ۷: ۲۰۴

فإنه يفيد أن الجاهلية كانوا يعظّمون الكعبة قديمًا بالستور ويقومون بها۔[1]

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت سے ہی وہ کعبہ پر غلاف چڑھا کر اس کی تعظیم کرتے تھے، اور یہ معمول وہ قائم رکھے ہوئے تھے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) ایک اور مقام پر قریش کے اس دن روزہ رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما صيام قريش لعاشوراء فلعلهم تلقّوه من الشرع السالف، ولهذا كانوا يعظّمونه بكسوة الكعبة فيه۔[2]

''یومِ عاشورہ کو قریش کا روزہ رکھنے کا سبب یہ تھا کہ شاید اُنہوں نے گزشتہ شریعت سے اس کو پایا ہو، اور اِسی لیے وہ اس دن کی تعظیم کعبہ پر غلاف چڑھا کر کیا کرتے تھے۔''

ہر سال کعبہ پر غلاف چڑھانے کا دن منانے پر امام طبرانی (۲۶۰۔۳۶۰ھ) ''المعجم الکبیر (۵: ۱۳۸، رقم: ۴۸۷۶)'' میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے درجِ ذیل قول نقل کرتے ہیں:

ليس يوم عاشوراء باليوم الذی يقوله الناس، إنما كان يوم تستر فيه الكعبة وكان يدور فی السنة۔[3]

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۴۵۵

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۶

(۳) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۱۸۷
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۸
۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۲۷۶

''یومِ عاشورہ سے مراد وہ دن نہیں جو عام طور پر لیا جاتا ہے، بلکہ یہ وہ دن ہے جس میں کعبہ کو غلاف چڑھانے کی رسم کا آغاز ہوا۔ اسی سبب ہر سال اس کی تجدید ہوتی ہے اور اس دن کو منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔''

کعبہ پر غلاف چڑھانے کے دن کا اِحترام بعض لوگوں کے لیے باعثِ خلجان بنتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کعبہ کو غلاف چڑھا دینے کے بعد معاملہ اپنے انجام کو پہنچا۔ لیکن ہر سال اس دن کی تعظیم اور خود حضور نبی اکرم ﷺ کا اس دن کا احترام کرنا چہ معنیٰ دارد؟ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت چودہ سو سال قبل ہوئی، پھر آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، آپ ﷺ نے بحیثیتِ رسولِ خدا لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دی۔ یہ معاملہ بہ خیر انجام پایا۔ اب ہر سال آپ ﷺ کے یومِ ولادت کے موقع پر محافل میلاد کے اِنعقاد اور جشنِ عید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اتنا کافی نہیں کہ آپ ﷺ کی سنت اور تعلیمات کی پیروی کی جائے؟

یہ اور اس قبیل کے دوسرے سوالات کے جواب سے پہلے ہر اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ رسول معظم ﷺ کے مقامِ رسالت سے آگاہ رہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت سے اپنے ذہن کو روشن رکھے۔ نزولِ قرآن اور تشکیلِ اُسوۂ حسنہ کی اَہمیت سے اپنے زاویۂ نگاہ کو منور کرے اور عالم اسلام کے وجود میں آنے کے مراحل کو اپنی سوچوں کا محور بنائے۔ پھر اسے میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کے بارے میں تمام سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ کعبہ کو غلاف چڑھانے کا دن ہر سال آتا تو اہلِ عرب ہمیشہ اس دن کا کعبہ کی وجہ سے اِکرام کرتے جس کے باعث یہ باقاعدہ سالانہ تعظیم و تکریم کا دن بن گیا اور اسے مستقلاً منایا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کو اگرچہ ایک عرصہ گزر گیا ہے لیکن اس دن کے بار بار آنے سے اس کی تعظیم یا اس پر فرحت کا اظہار ایسے ہی ضروری ہے جیسے کہ ابولہب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا اور ہر پیر کو اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ خود حضور ﷺ نے بھی اِس عمل کو جاری رکھا۔ پس ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یومِ ولادت کو

منانا اور اس پر اِظہارِ مسرت وفرحت کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ یہ عمل کسی دن کو منانے کی سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے ثابت ہے۔

۴۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا یومِ نزولِ عید کے طور پر منانا

جب سورۃ المائدہ کی تیسری آیت - ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ - نازل ہوئی تو یہودی اِسے عام طور پر زیرِبحث لاتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ مکالمہ کرتے تھے۔ درج ذیل حدیث میں اسی حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک یہودی کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے اور اِس سے میلا دالنبی ﷺ کا دن بہ طورِ عید منانے پر اِستشہاد کیا گیا ہے:

۱۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) الصحیح میں روایت کرتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: إن رجلا من اليهود قال له: يا أمير المومنين! آية فى كتابكم تقرؤونها، لو علينا معشر اليهود نزلت، لاتّخذنا ذلک اليوم عيدًا، قال: أى آية؟ قال: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ قال عمر: قد عرفنا ذلک اليوم، والمكان الذى نزلت فيه على النبى ﷺ، وهو قائم بعرفة يوم جمعة۔[1]

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب زیادۃ الإیمان ونقصانه، ۱: ۲۵، رقم: ۴۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، ۴: ۱۶۰۰، رقم: ۴۱۴۵

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: الیوم أکملت لکم دینکم، ۴: ۱۶۸۳، رقم: ۴۳۳۰

۴۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، ۶: ۲۶۵۳، رقم: ۶۸۴۰

←

’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک یہودی نے اُن سے کہا: اے امیر المومنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر وہ آیت ہم گروہِ یہود پر اُترتی تو ہم اس کے نزول کا دن عید بنا لیتے۔ آپ نے پوچھا: کون سی آیت؟ اس نے کہا: ﴿آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بہ طورِ) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا﴾۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس دن اور جس جگہ یہ آیت حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی ہم اس کو پہچانتے ہیں۔ آپ ﷺ اُس وقت جمعہ کے دن عرفات کے مقام پر کھڑے تھے۔‘‘

اِس حدیث میں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ یہودی نے سوال کیا کہ اگر تکمیلِ دین کی یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس کے نزول کا دن عید کے طور پر مناتے، آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ اُنہیں مغالطہ تھا کہ شاید مسلمان اِسے عام دن کے طور پر ہی لیتے ہیں۔ یہاں جواب بھی اسی نوعیت کا ہونا چاہیے تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

قد عرفنا ذلک اليوم، والمکان الذی نزلت فيه۔

’’ہم اُس دن اور مقام کو خوب پہچانتے ہیں جہاں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔‘‘

وہ دن جمعہ اور حج کا تھا اور وہ جگہ جہاں آیت کا نزول ہوا عرفات کا میدان تھا۔ ظاہراً سوال اور جواب کے مابین کوئی ربط اور مطابقت دکھائی نہیں دیتی لیکن درحقیقت

.... ۵۔ مسلم، الصحيح، کتاب التفسير، ۴: ۲۳۱۳، رقم: ۳۰۱۷

۶۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب تفسير القرآن، باب من سورة المائدة، ۵: ۲۵۰، رقم: ۳۰۴۳

۷۔ نسائی، السنن، کتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان، ۸: ۱۱۴، رقم: ۵۰۱۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سوال کے عین مطابق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرفہ اور یوم الجمعہ کے الفاظ سے ہی اس کا مکمل جواب دے دیا اور اشارۃً بتا دیا کہ یومِ حج اور یوم جمعہ دونوں ہمارے ہاں عید کے دن ہیں۔ ہم انہیں سالانہ اور ہفتہ وار عید کے طور پر مناتے ہیں۔ پس یہودی کا اس جواب سے خاموش رہنا اور دوبارہ سوال نہ کرنا بھی اس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد لاجواب ہوکر رہ گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کو مکمل وضاحت قرار دیتے ہوئے حافظ ابنِ حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) تبصرہ کرتے ہیں:

عندی أن هذه الرواية اكتفى فيها بالإشارة۔ (۱)

''میرے نزدیک اس روایت میں اِشارہ کرنے پر ہی اِکتفا کیا گیا ہے۔''

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی تصریح حضرت کعب اَحبار رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں ایسی قوم کو جانتا ہوں کہ اگر ان پر یہ آیت نازل ہوتی تو وہ اسے عید کے طور پر مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کون سی آیت؟ میں نے کہا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (۲)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اِسلام کو (بہ طور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔''

اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۱۰۵، رقم: ۴۵

(۲) المائدة، ۵: ۳

إنی لأعرف فی أی یوم أنزلت: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾، یوم جمعة ویوم عرفة، وهما لنا عیدان۔(۱)

’’میں پہچانتا ہوں کہ کس دن اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہوئی: جمعہ اور عرفات کے دن، اور وہ دونوں دن (پہلے سے) ہی ہمارے عید کے دن ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا روایات ثابت کرتی ہیں کہ یہودی کا نظریہ درست تھا۔ اِسی لیے اُس کی توثیق کی گئی ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسی وقت اس کی تردید کر دیتے اور فرماتے کہ شریعت نے ہمارے لیے عید کے دن مقرر کر رکھے ہیں، لہٰذا ہم اس دن کو بہ طورِ عید نہیں منا سکتے۔ بہ اَلفاظِ دیگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کو باور کرایا کہ اگر یہ دن تمہارے نصیب میں ہوتا تو تم اس دن ایک عید مناتے مگر ہم تو یومِ عرفہ اور یومِ جمعہ دو عیدیں مناتے ہیں۔

۳۔ اس معنی کی تائید کتبِ حدیث میں مذکور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت عمار بن اَبی عمار رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت - ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً﴾ - تلاوت کی تو آپ کے پاس ایک یہودی کھڑا تھا۔ اس نے کہا:

لو أُنزلت هذه علینا لاتّخذنا یومها عیدًا۔

’’اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کا دن عید کے طور پر مناتے۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۵۳، رقم: ۸۳۰
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۱۰۵، رقم: ۴۵
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۱۴

فإنها نزلت فی یوم عیدین: فی یوم الجمعة ویوم عرفة۔[1]

''بے شک یہ آیت دو عیدوں یعنی جمعہ اور عرفہ (حج) کے دن نازل ہوئی۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہودی کا قول ردّ نہیں کیا بلکہ اس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت کا نزول جمعہ اور عرفہ (حج) کے دن ہوا جنہیں مسلمان پہلے ہی عیدوں کے طور پر مناتے ہیں۔

اِن اَحادیث سے اِس اَمر کی تائید ہوتی ہے کہ نزولِ نعمت کے دن کو بطور عید منانا جائز ہے۔ جس طرح تکمیلِ دین کی آیت کا یومِ نزول روزِ عید ٹھہرا، اسی طرح وہ دن جب حضور رحمت عالم ﷺ خود دنیا میں تشریف لائے اور جن کے صدقے ہمیں صرف یہ آیت نہیں بلکہ مکمل قرآن جیسی نعمت عطا ہوئی اس دن کو بطور عید کیوں نہیں منایا جا سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عید میلاد منانا اَصل حلاوتِ ایمان ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ حبِ رسول ﷺ کو ایمان کی بنیاد تسلیم کیا جائے ورنہ یہ حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ وہ ذات اقدس جن کے صدقے تمام عالم کو عیدیں نصیب ہوئیں، ان کا جشنِ میلاد منانے کے لیے دل میں گنجائش نہ ہونا کون سی کیفیتِ ایمان کی نشان دہی کرتا ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی سورۃ المائدۃ کی یہ آیت بہت بڑی خوش خبری اور بشارت کی آئینہ دار تھی۔ جس دن اس آیت کا نزول ہوا وہ دن عید الجمعہ اور عید الحج کی خوشیاں لے کر

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة المائدة، ۵: ۲۵۰، رقم: ۳۰۴۴

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۱۸۴، رقم: ۱۲۸۳۵

۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۶: ۸۲

۴۔ مروزی، تعظیم قدر الصلاة، ۱: ۳۵۲، رقم: ۳۵۴

۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۱۴

۶۔ ابن موسی حنفی، معتصر المختصر، ۲: ۱۶۹

طلوع ہوا۔ لہٰذا اہلِ ایمان کے لیے یہ نکتہ سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں کہ جس مبارک دن نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی وہ سب عیدوں سے بڑی عید کا دن ہے۔ جمہور اہلِ اِسلام محافلِ میلاد کے ذریعے اپنی دلی مسرت کا اظہار اور بارگاہ ایزدی میں اس نعمتِ اَبدی کے حصول پر ہدیۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ اس دن اظہارِ مسرت و انبساط عینِ ایمان ہے۔ جمہور اُمتِ مسلمہ مداومت سے اس معمول پر عمل پیرا ہے اور رسول محتشم ﷺ کا یومِ ولادت **''۱۲ ربیع الاول''** ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عید کے طور پر مناتی ہے۔

بعض لوگ اِعتراض کرتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا کسی دن کے لیے عید کا لفظ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہی سوال حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف لے جاتے ہیں کہ کیا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا کسی دن کے لیے عید کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کی طرف سے جواب آتا ہے:

فإنها نزلت في يوم عيدين: في يوم الجمعة ويوم عرفة۔

''بے شک یہ آیت دو عیدوں یعنی جمعہ اور عرفہ (حج) کے دن نازل ہوئی۔''

اِس جواب پر یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ یومِ عرفہ تو عید الاضحیٰ کا دن ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ نے یوم جمعہ کو بھی یومِ عید قرار دیا ہے۔ اور اگر ان اَجل صحابہ کے قول کے مطابق جمعہ کا دن عید ہو سکتا ہے تو پھر میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا دن عید کیوں نہیں ہو سکتا؟ بلکہ وہ تو **عید الأعیاد** (عیدوں کی عید) ہے کہ اُن صاحبِ لولاک ﷺ کے صدقہ اور وسیلہ سے پوری نسلِ اِنسانی کو قرآن حکیم جیسے بے مثل صحیفۂ آسمانی اور ہدایتِ ربانی سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔

۵۔ فضیلتِ جمعہ کا سبب یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام ہے

جمعہ کے دن کی خاص اَہمیت اور فضیلت کی بناء پر اسے سید الایام کہا گیا ہے۔

اس دن غسل کرنا، صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور کاروبارِ زندگی چھوڑتے ہوئے مسجد میں اِجتماعِ عام میں شریک ہونا اُمورِ مسنونہ ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس دن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا بھی حکم دیا ہے۔

حضرت اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا عليّ من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علي۔[1]

---

(۱) ۱۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة وفضل يوم الجمعة وليلة الجمعة، ۱: ۲۷۵، رقم: ۱۰۴۷

۲۔ أبو داؤد، السنن، أبواب الوتر، باب في الاستغفار، ۲: ۸۸، رقم: ۱۵۳۱

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب في فضل الجمعة، ۱: ۳۴۵، رقم: ۱۰۸۵

۴۔ نسائی، السنن، كتاب الجمعة، باب إكثار الصلاة على النبی ﷺ يوم الجمعة، ۳: ۹۱، رقم: ۱۳۷۵

۵۔ نسائی، السنن الكبرى، باب الأمر بإكثار الصلاة على النبی ﷺ يوم الجمعة، ۱: ۵۱۹، رقم: ۱۶۶۶

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۴۵، رقم: ۱۵۷۲

۷۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۲: ۲۵۳، رقم: ۸۶۹۷

۸۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱: ۲۱۶، رقم: ۵۸۹

۹۔ بيهقی، السنن الكبرى، ۳: ۲۴۸، رقم: ۵۷۸۹

۱۰۔ بيهقی، السنن الصغرى، ۱: ۳۷۲، رقم: ۶۳۴

۱۱۔ ہيثمی، موارد الظمان إلى زوائد ابن حبان، ۱: ۱۴۶، رقم: ۵۵۰

”تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے، اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی (یعنی اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ہوئی اور آپ کو لباسِ بشریت سے سرفراز کیا گیا)، اس روز اُن کی روح قبض کی گئی، اور اِسی روز صور پھونکا جائے گا۔ پس اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو، بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“

جمعۃ المبارک عید کا دن ہے، اِس پر کبار محدثین کرام نے اپنی کتب میں درج ذیل احادیث بیان کی ہیں:

۱۔ اِبن ماجہ (۲۰۹۔۲۷۳ھ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن هذا يوم عيد، جعله الله للمسلمين، فمن جاء إلى الجمعة فليغتسل، وإن كان طيب فليمس منه، وعليكم بالسواك۔[1]

”بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے (بابرکت) بنایا ہے۔ پس جو کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو غسل کر کے آئے، اور اگر ہو سکے تو خوشبو لگا کر آئے۔ اور تم پر مسواک کرنا لازمی ہے۔“

۲۔ احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن يوم الجمعة يوم عيد، فلا تجعلوا يوم عيدكم يوم صيامكم إلا

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلٰوة، باب في الزينة يوم الجمعة، ۱: ۳۴۹، رقم: ۱۰۹۸

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۳۰، رقم: ۷۳۵۵

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، ۱: ۲۸۶، رقم: ۱۰۵۸

أن تصوموا قبله أو بعده۔[1]

''بے شک یومِ جمعہ عید کا دن ہے، پس تم اپنے عید کے دن کو یومِ صیام (روزوں کا دن) مت بناؤ مگر یہ کہ تم اس سے قبل (جمعرات) یا اس کے بعد (ہفتہ) کے دن کا روزہ رکھو (پھر جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں)۔''

۴۔ اِبن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ ابو اوبر بیان کرتے ہیں:

کنت قاعدًا عند أبی هريرة إذ جاءه رجل فقال: إنک نهيت الناس عن صيام يوم الجمعة؟ قال: ما نهيت الناس أن يصوموا يوم الجمعة، ولکنی سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: لاتصوموا يوم الجمعة، فإنه يوم عيد إلا أن تصلوه بأيام۔[2]

''میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے اُن کے پاس آ کر کہا: آپ نے لوگوں کو جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہیں روکا بلکہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: تم جمعہ کے دن روزہ نہ رکھو کیوں کہ یہ عید کا دن ہے، سوائے اس کے کہ تم اس کو اور دنوں کے ساتھ ملا کر (روزہ) رکھو۔''

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۰۳، ۵۳۲، رقم: ۸۰۱۲، ۱۰۹۰۳

۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۳: ۳۱۵، ۳۱۸، رقم: ۲۱۶۱، ۲۱۶۶

۳۔ ابن راهويه، المسند، ۱: ۴۵۱، رقم: ۵۲۴

۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ۱: ۶۰۳، رقم: ۱۵۹۵

(۲) ابن حبان، الصحيح، ۸: ۳۷۵، رقم: ۳۶۱۰

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ فضیلتِ جمعہ کا سبب کیا ہے اور اسے کس لیے سب دنوں کا سردار اور یومِ عید قرار دیا گیا؟ اس سوال کا جواب گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس دن کی فضیلت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فيه خلق آدم۔

''(یوم جمعہ) آدم کے میلاد کا دن ہے (یعنی اس دن آدم علیہ السلام کی خلقت ہوئی اور آپ کو لباسِ بشریت سے سرفراز کیا گیا)۔''

جمعہ کے دن ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی جس کی بناء پر اِسے یوم عید کہا گیا ہے اور اس دن کی تکریم کی جاتی ہے۔ اگر یوم الجمعہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے باعث عزت و اِحترام کے ساتھ منائے جانے کا حق دار ہوسکتا ہے تو یومِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی ولادت باسعادت کی بناء پر **عید الأعیاد** (تمام عیدوں کی عید) کے طور پر اسلامی کیلنڈر کی زینت کیوں نہیں بن سکتا۔ اب کوئی کہے کے میلادِ آدم علیہ السلام کی تقریب کا اہتمام اس لیے کیا گیا کہ ان کی تخلیق معروف طریقے سے عمل میں نہیں آئی۔ لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیوں کہ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے دن ہوئی۔ لہٰذا یوم الجمعہ کو یوم العید بنادیا گیا کہ یہ بنی نوع انسان کے جدِ اَمجد اور پہلے نبی کا یومِ تخلیق ہے۔ اِسی بناء پر وجہِ تخلیقِ کائنات اور تمام انبیاء کے سردار سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا یومِ ولادت تمام عیدوں کی عید ہے۔

روزِ جمعہ کا اِہتمام برائے محفلِ درود و سلام

جمعۃ المبارک کے سلسلہ میں کیے جانے والے تمام تر اِنتظامات وہ ہیں جو میلاد کے حوالہ سے بھی کیے جاتے ہیں، مثلاً غسل کرنا، خوشبو لگانا، ایک جگہ جمع ہونا، کاروبار ترک کرنا اور مسجد میں حاضری دینا۔ ان کے علاوہ بھی بعض امور کا تذکرہ کتب حدیث میں

موجود ہے۔ جمعہ کے دن یہ سارا اہتمام درحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام بھیجنے کے حوالہ سے ہے اور اس دن کو کثرتِ درود و سلام کے لیے اس لیے چنا گیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا یوم میلاد ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

فأكثروا عليّ من الصلاة فيه۔

''پس اس روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو۔''

اِس دن عاشقانِ رسول درود شریف کا اِجتماعی ورد کرتے ہیں اور اس دن محفل میلاد اور محفلِ صلوٰۃ و سلام کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ سو یہ دن جہاں ایک طرف میلادِ سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے خاص ہے تو دوسری طرف درود و سلام کے ذکر کی نسبت سے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے بھی ہے۔ اس طرح بہ یک وقت یہ دن جدماجد اور فرزند اَمجد دونوں کے لیے اِظہارِ مسرت کا مژدہ بردار بن گیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

يا رسول الله! وَكيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟

''یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ کے وصال کے بعد کیسے آپ پر پیش کیا جائے گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله عزوجل حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء۔(1)

---

(1) 1۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة وفضل يوم الجمعة وليلة الجمعة، 1: 275، رقم: 1047

2۔ أبو داؤد، السنن، أبواب الوتر، باب في الاستغفار، 2: 88، رقم: 1531

←

''بے شک اللہ ﷻ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام ﷡ کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ میں اِس دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے جسم کے ساتھ زندہ رہوں گا، اور تمہیں چاہیے کہ مجھ پر جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود و سلام پڑھنا اپنا معمول بنا لو۔

۶۔ مقامِ میلادِ عیسیٰ ؑ کی زیارت و اَہمیت

حضرت انس بن مالک ﷛ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جبرائیل ؑ نے بیت اللحم کے مقام پر مجھ سے کہا: آپ براق سے اتریے اور نماز پڑھیے۔ میں نے اتر کر نماز ادا کی۔ پس اس نے کہا:

أتدری أین صلیت؟ صلیت ببیت لحم حیث ولد عیسی

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب في فضل الجمعة، ۱: ۳۴۵، رقم: ۱۰۸۵

۴۔ نسائی، السنن، کتاب الجمعة، باب إکثار الصلاة علی النبی ﷺ یوم الجمعة، ۳: ۹۱، رقم: ۱۳۷۵

۵۔ نسائی، السنن الکبری، باب الأمر بإکثار الصلاة علی النبی ﷺ یوم الجمعة، ۱: ۵۱۹، رقم: ۱۶۶۶

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۴۵، رقم: ۱۵۷۲

۷۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲: ۲۵۳، رقم: ۸۶۹۷

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۱۶، رقم: ۵۸۹

۹۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۲۴۸، رقم: ۵۷۸۹

۱۰۔ بیہقی، السنن الصغری، ۱: ۳۷۲، رقم: ۶۳۴

۱۱۔ ہیثمی، موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان، ۱: ۱۴۶، رقم: ۵۵۰

السلام۔(1)

”پس اس نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ آپ نے بیت اللحم میں نماز ادا کی ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔“

اِس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح جمعہ کو فضیلت اور تکریم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی وجہ سے ملی - جو کہ تعظیمِ زمانی ہے - اِسی طرح بیت اللحم کو مولدِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے کی وجہ سے تعظیمِ مکانی کا شرف حاصل ہوا۔ اِسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کو وہاں نماز ادا کرنے کی گزارش کی گئی۔ اِس حدیث شریف سے نبی کی جائے ولادت کی اَہمیت اور تعظیم ثابت ہوتی ہے۔ اِسی لیے عاشقانِ رسول مولد النبی ﷺ (وہ مکان جہاں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی) کی تعظیم اور زیارت کرتے ہیں۔ اہلِ مکہ کا ایک عرصہ تک معمول رہا ہے کہ وہ اِس مکان سے جشنِ میلاد النبی ﷺ کا جلوس نکالا کرتے تھے۔ مزید برآں اگر نبی کی ولادت کسی مکان کو متبرک اور یادگار بنا دیتی ہے اور یہ براہِ راست حدیثِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے تو وہ دن اور لمحہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی واجب التعظیم، یادگار اور یومِ عید کیوں نہ ہوگا۔

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب فرض الصلاۃ، ۱: ۲۲۲، رقم: ۴۵۰

۲۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱: ۱۹۴، رقم: ۳۴۱

درج ذیل کتب میں یہ حدیث حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

۳۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۸: ۴۱۰، رقم: ۳۴۸۴

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۲۸۳، رقم: ۷۱۴۲

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱: ۷۳

۶۔ عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۱۹۹

۷۔ حضور ﷺ نے یومِ میلاد پر روزہ رکھ کر خود خوشی کا اِظہار فرمایا

جشنِ میلاد کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے درج بالا دلائل کے ساتھ ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے یومِ ولادت کی بابت بالتخصیص کوئی ہدایت یا تلقین فرمائی ہے؟ اس کا جواب اِثبات میں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے یومِ میلاد پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کی تلقین فرمائی اور ترغیب دی۔ آپ ﷺ اپنے میلاد کے دن روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِظہارِ تشکر و اِمتنان فرماتے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل مبارک درج ذیل روایات سے ثابت ہے:

اِمام مسلم (۲۰۶۔۲۶۱ھ) اپنی الصحیح میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أن رسول الله ﷺ سُئل عن صوم یوم الإثنین؟ قال: ذاک یوم ولدت فیه ویوم بعثت أو أنزل عليّ فیه۔(۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب استحبابِ صیام ثلٰثة أیام من کل شهر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۱۱۶۲

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۲۸۶، رقم: ۳۸۱۸۲

درج ذیل کتب میں ''اُنزلت عليّ فیه النبوة (اسی روز مجھے نبوت سے سرفراز کیا گیا)'' کے الفاظ ہیں:

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۱۴۶، رقم: ۲۷۷۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۹۶، ۲۹۷، رقم: ۲۲۵۹۰، ۲۲۵۹۴

۵۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۲۹۶، رقم: ۷۸۶۵

۶۔ أبویعلی، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۱۴۴

۷۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۳۰۰، رقم: ۸۲۵۹

’’حضور نبی اکرم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن نازل کیا گیا۔‘‘

پیر کے دن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کا دن ہے۔ بنا بریں یہ دن شرعی طور پر خصوصی اَہمیت و فضیلت اور معنویت کا حامل ہے۔ حضور ﷺ خود روزہ رکھ کر اس دن اظہارِ تشکر فرماتے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل امت کے لیے اِظہارِ مسرت کی سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ آج بھی حرمین شریفین میں بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم اہلِ محبت وتصوف پیر کے دن روزہ رکھنے کی سنت پر باقاعدگی سے عمل کرتے ہیں۔

اِسلام میں ولادت کے دن کو خاص اَہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں یومِ ولادت کا کوئی تصور نہیں، انہیں علمِ شریعت سے صحیح آ گہی نہیں۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان - کہ ’’یہ میری ولادت کا دن ہے‘‘ - اِسلام میں یوم ولادت کے تصور کی نشان دہی کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم انبیاء علیہم السلام کے ایامِ میلاد بیان کرتا ہے۔ اِس کی تفصیل گزشتہ اَبواب میں بیان ہوچکی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے پیغمبر کے یوم ولادت کی کیا قدر و منزلت ہے۔ اگر اِس تناظر میں دیکھا جائے تو یومِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا مقام ومرتبہ سب سے اَرفع و اَعلیٰ ہے۔ یہ دن منانے کے مختلف طریقے ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔ جیسے مذکورہ بالا حدیث سے عبادات کی ایک قسم روزہ رکھنا ثابت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے حصول کے لیے صدقہ و خیرات کرنا، کھانا کھلانا، شکر بجا لانا اور خوشی منانا میلاد منانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ ہم گزشتہ باب میں شکر بجا لانے کی مختلف صورتوں کے ذیل میں اس پر بحث کر چکے ہیں۔

۸۔ حضور ﷺ نے اپنا میلاد بکرے ذبح کر کے منایا

حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنا میلاد منایا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے اپنی ولادت کی خوشی میں بکرے ذبح کیے اور ضیافت کا اہتمام فرمایا۔

۱۔ بیہقی (۳۸۴۔۴۵۸ھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

إن النبی ﷺ عقّ عن نفسه بعد النبوة۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے اِعلانِ نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔‘‘

۲۔ ضیاء مقدسی (۵۶۹۔۶۴۳ھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

أن النبی ﷺ عق عن نفسه بعد ما بُعِثَ نبیًا۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے بعد اَز بعثت اپنا عقیقہ کیا۔‘‘

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لمّا ولد النبی ﷺ عقّ عنه عبد المطلب بکبش۔(۳)

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۳۰۰، رقم: ۴۳
۲۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۵: ۲۰۵، رقم: ۱۸۳۳
۳۔ نووی، تہذیب الأسماء واللغات، ۲: ۵۵۷، رقم: ۹۶۲
۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۵۹۵
۵۔ عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۵: ۳۴۰، رقم: ۶۶۱
۶۔ مزی، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۶: ۳۲، رقم: ۳۵۲۳

(۲) ۱۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۵: ۲۰۵، رقم: ۱۸۳۲
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۹۸، رقم: ۹۹۴
۳۔ رویانی، مسند الصحابة، ۲: ۳۸۶، رقم: ۱۳۷۱

(۳) ۱۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۳: ۳۲ ←

''جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا۔''

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے:

أن عبد المطلب جعل له مأدبة يوم سابعة۔(۱)

''بے شک حضرت عبد المطلب نے ساتویں روز آپ ﷺ (کے عقیقہ) کی دعوت کی۔''

اِس میں تو ائمہ کا اختلاف ہی نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا عقیقہ آپ ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے ساتویں دن کیا تھا۔ آپ ﷺ چالیس سال تک اپنا عقیقہ کیسے مؤخر کر سکتے تھے، کیوں کہ حدیث مبارکہ کی رُو سے جب تک عقیقہ نہ کر دیا جائے بچہ گروی رہتا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

الغلام مُرْتَهَنٌ بعقيقته يُذبَحُ عنه يوم السابع۔(۲)

۲۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، ۱: ۱۲۸

۳۔ سیوطی، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، ۱: ۱۳۴

(۱) ۱۔ ابن عبد البر، التمہید لما فی الموطا من المعانی والأسانید، ۲۱: ۶۱

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۱: ۵۱

۳۔ ابن حبان، الثقات، ۱: ۴۲

۴۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۲: ۱۰۰

۵۔ ابن قیم، زاد المعاد فی هدی خیر العباد، ۱: ۸۱

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۱۰۱، کتاب الأضاحی، باب من العقیقة، رقم: ۱۵۲۲

’’بچہ اپنے عقیقہ کے باعث گروی رہتا ہے، اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے۔‘‘

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے اپنی بعثتِ مبارکہ کے بعد کون سا عقیقہ کیا تھا؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بعثت کے بعد اپنی ولادت اور میلاد کی خوشی و مسرت اور شکرانے میں بکرے ذبح کیے اور اِہتمامِ ضیافت کیا تھا کیونکہ عقیقہ دو (۲) بار نہیں ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ صرف عقیقہ ہی تھا جو آپ ﷺ نے اپنے اعلانِ نبوت کے بعد کیا۔ اگر ہم اسے عقیقہ ہی تصور کریں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ’’عقیقہ‘‘ کیا ہے؟ عقیقہ فی نفسہٖ ولادت پر اِظہارِ تشکر و اِمتنان ہے۔ اسے ولادت کی خوشی کی تقریب کہہ لیں یا تقریبِ میلاد، مفہوم ایک ہی ہے کہ ولادت کے موقع پر خوشی منائی جاتی ہے۔

اِمام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ’’**حسن المقصد فی عمل المولد** (ص: ۶۴، ۶۵)‘‘ میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) کے دلائل کی تائید میں ایک اور استدلال پیش کیا ہے جو جشنِ میلاد النبی ﷺ کے بارے میں ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وظهر لی تخریجه علی أصلٍ آخر، وهو ما أخرجه البیهقی، عن أنس رضی الله عنه أن النبی عق عن نفسه بعد النبوة. مع أنه قد ورد أن جده عبد المطلب عق عنه فی سابع ولادته، والعقیقة لا تعاد مرة ثانیة، فیحمل ذلک علی أن الذی فعله النبی ﷺ إظهارًا للشکر علی

۲۔ أبوداؤد، السنن، ۳: ۱۰۶، کتاب الضحایا، باب فی العقیقة، رقم: ۲۸۳۷

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۰۵۶، کتاب الذبائح، باب العقیقة، رقم: ۳۱۶۵

إيجاد الله تعالى إياه، رحمة للعالمين وتشريفًا لأمته، كما كان يصلي على نفسه، لذلک فيستحب لنا أيضًا إظهار الشکر بمولده باجتماع الإخوان، وإطعام الطعام، ونحو ذلک من وجوه القربات، وإظهار المسرات۔ (۱)

''یوم میلاد النبی ﷺ منانے کے حوالہ سے ایک اور دلیل مجھ پر ظاہر ہوئی ہے، جسے امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِعلانِ نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا باوُجود اس کے کہ آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں روز آپ ﷺ کا عقیقہ کر چکے تھے۔ اور عقیقہ دو (۲) بار نہیں کیا جاتا۔ پس یہ واقعہ اِسی پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو اللہ کی طرف سے رحمۃً للعالمین اور اپنی اُمت کے مشرف ہونے کی وجہ سے اپنی ولادت کی خوشی کے اظہار کے لیے خود عقیقہ کیا۔ اسی طرح ہمارے لیے مستحب ہے کہ ہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے یومِ ولادت پر خوشی کا اِظہار کریں اور کھانا کھلائیں اور دیگر عبادات بجا لائیں اور خوشی کا اظہار کریں۔''

اِمام سیوطی خود ہی سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا وہ حقیقتاً ایک عقیقہ ہی تھا، اور پھر خود

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۴، ۶۵

۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶

۳۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۷

۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۲۶۳، ۲۶۴

۵۔ نبهانی، حجة الله علی العٰلمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۷

ہی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دراصل وہ عقیقہ نہیں تھا۔ اگرچہ ''**عق عن نفسہ**'' کے الفاظ - جو ولادت کی خوشی میں شکرانے کے طور پر جانور کی قربانی دینے سے عبارت ہیں - تکنیکی اِعتبار سے عقیقہ کے آئینہ دار ہیں تاہم وہ معروف معنوں میں روایتی طور پر عقیقہ نہیں تھا کیوں کہ آپ ﷺ کا عقیقہ آپ کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ آپ کی ولادت کے ایک ہفتہ بعد ہی کر چکے تھے۔ پھر امام سیوطی اپنا شرعی موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقیقہ زندگی میں صرف ایک بار ہوتا ہے اور اسے دہرایا نہیں جاتا۔

اگر کوئی کہے کہ ٹھیک ہے آپ ﷺ کا عقیقہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کر چکے تھے لیکن عقیقہ کی وہ رسم دورِ جاہلیت میں آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ سے پہلے ادا کی گئی تھی اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عقیقہ کا اِعادہ مناسب خیال کیا ہوگا۔ یہ سوچ جاہلانہ ہے۔ اگر دورِ جاہلیت سے متعلق اس نقطہ نظر کو درست مان لیا جائے تو حضور نبی اکرم ﷺ کو بعثت کے بعد اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنے نکاح کی بھی تجدید کرنی چاہیے تھی۔ عقیقہ تو محض ایک صدقہ ہے جب کہ نکاح عقدِ ازدواج ہے، پھر آپ ﷺ کے نکاح پر مہر کی ادائیگی بھی حضرت ابو طالب نے اپنی جیب سے کی تھی۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو نکاح اور مہر کا اعادہ بھی ہونا چاہئے تھا۔ اِس لیے یہ نقطہ نظر درست نہیں کیوں کہ شریعتِ مطہرہ نے دورِ جاہلیت میں کیے گئے جائز کاموں کو سندِ قبولیت عطا کی ہے اور شرعی اَحکام نزولِ وحی کے بعد نافذ کیے گئے۔ جیسے ''اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا)''[1] کے تحت تو قبولِ اسلام کے بعد دورِ جاہلیت کے تمام گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، ہر ہر گناہ کی الگ الگ توبہ درکار نہیں ہوتی، چہ جائے کہ اُمورِ صالحہ اور اُمورِ مستحسنہ، نکاح، عقیقہ، معاہدے اور ایسے تمام اُمورِ خیر برقرار رہتے ہیں۔ اس لیے امام سیوطی فرماتے ہیں کہ دوبارہ عقیقہ کرنے کی کوئی ضرورت تھی نہ کوئی شرعی تقاضا تھا۔ پس اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعثت کے بعد خود اپنا

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۲

میلاد مناتے ہوئے بکرے ذبح کیے۔

۹۔ آمدِ مصطفیٰ ﷺ پر اِظہارِ مسرت پر کافر کے عذاب میں تخفیف

مندرجہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوا کہ جشنِ میلا د النبی ﷺ منانا اللہ تعالیٰ، حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے، اس لیے محدثین وائمہ کرام اور بزرگانِ دین نے کثیر تعداد میں اس کے فضائل و برکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ تمام کتبِ فضائل وسیرت اور تاریخ اس پر شاہد ہیں۔ اِس ضمن میں ایک مشہور واقعہ درج ہے جو اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) نے الصحیح کی کتاب النکاح میں نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کو زیر بحث لانے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کا مسلمہ اُصول اور اِجماعِ اُمت ہے کہ کافر کی کوئی نیکی اُسے آخرت میں فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ اُس کے اُمورِ خیر کے صلہ میں اُسے جنت دی جائے گی نہ اُس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ بلکہ اُس کے اچھے اَعمال کے صلہ میں اُسے دنیا میں ہی کشادگی عطا کر دی جاتی ہے۔[1] آخرت میں

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۴۵

۲۔ عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ۲۰: ۹۵

اِس بابت قرآن حکیم فرماتا ہے:

۱۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○[1]

’’جو لوگ (فقط) دنیوی زندگی اور اُس کی زینت (وآرائش) کے طالب ہیں ہم اُن کے اَعمال کا پورا پورا بدلہ اِسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور اُنہیں اِس (دنیا کے صلہ) میں کوئی کمی نہیں دی جاتی ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کچھ (حصہ) نہیں سوائے آتشِ (دوزخ) کے، اور وہ سب (اَعمال ـــــ

(۱) ہود، ۱۱: ۱۵، ۱۶

نیک کاموں پر جزا کے مستحق صرف مسلمان ہیں کیوں کہ عند اللہ اَعمال کے اَجر کا باعث اِیمان ہے۔(۱)

...... اپنے اُخروی اَجر کے حساب سے) اَکارت ہوگئے جو اُنہوں نے دنیا میں اَنجام دیے تھے اور وہ (سب کچھ) باطل و بے کار ہوگیا جو وہ کرتے رہے تھے (کیوں کہ ان کا حساب پورے اَجر کے ساتھ دنیا میں ہی چکا دیا گیا ہے، اور آخرت کے لئے کچھ نہیں بچا)o‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِo(۱)

’’اور کافروں کے اَعمال چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہیں جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آتا ہے تو اُسے کچھ (بھی) نہیں پاتا، (اِسی طرح اُس نے آخرت میں) اللہ کو اپنے پاس پایا مگر اللہ نے اُس کا پورا حساب (دنیا میں ہی) چکا دیا تھا، اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہےo‘‘

۳۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًاo(۲)

’’اور (پھر) ہم اُن اَعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جو (بزعمِ خویش) اُنہوں نے (زندگی میں) کیے تھے تو ہم اُنہیں بکھرا ہوا غبار بنا دیں گےo‘‘

(۱) اِس ضمن میں قرآن حکیم فرماتا ہے:

۱۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَo اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ ←

(۱) النور، ۲۴: ۳۹

(۲) الفرقان، ۲۵: ۲۳

اب ہم اِمام بخاری کی بیان کردہ اُس روایت کی طرف آتے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک کافر چچا ابولہب کا ذکر ہے کہ اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے آمدِ مصطفیٰ ﷺ

...... الْقَرْحُ ط لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌo(1)

”وہ اللہ کی (تجلیّاتِ قُرب کی) نعمت اور (لذّاتِ وصال کے) فضل سے مسرور رہتے ہیں اور اِس پر (بھی) کہ اللہ اِیمان والوں کا اَجر ضائع نہیں فرماتاo جن لوگوں نے زخم کھا چکنے کے بعد بھی اللہ اور رسول (ﷺ) کے حکم پر لبیک کہا، اُن میں جو صاحبانِ اِحسان ہیں اور پرہیزگار ہیں، اُن کے لئے بڑا اَجر ہےo“

۲۔ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَo وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَo(2)

”اور ہم نیکوکاروں کا اَجر ضائع نہیں کرتےo اور یقیناً آخرت کا اَجر اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور روشِ تقویٰ پر گامزن رہےo“

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًاo(3)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، یقیناً ہم اُس شخص کا اَجر ضائع نہیں کرتے تو نیک عمل کرتا ہےo“

۴۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَo(4)

←

(۱) آل عمران، ۳: ۱۷۱، ۱۷۲

(۲) یوسف، ۱۲: ۵۶، ۵۷

(۳) الکہف، ۱۸: ۳۰

(۴) ۱۔ الأعراف، ۷: ۱۲۸

۲۔ القصص، ۲۸: ۸۳

کی خوشی منانے پر اَجر سے محروم نہیں رکھا؛ حالاں کہ وہ حضور ﷺ کے مخالفین میں سرِفہرست تھا۔ یہ ایسا بدبخت شخص تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی مذمت میں پوری سورت نازل فرمائی۔ اِرشاد فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○[1]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے (اُس نے ہمارے حبیب پر ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی ہے)○ اُسے اُس کے (موروثی) مال نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور نہ ہی اُس کی کمائی نے○ عنقریب وہ شعلوں والی آگ میں جا پڑے گا○''

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے حوالہ سے مشہور واقعہ کتبِ اَحادیث میں مذکور ہے کہ ابولہب نے اپنی ایک لونڈی ثویبہ کو وقتِ ولادت حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنھا کی خدمت کے لیے بھیجا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی تو ثویبہ دوڑتے ہوئے ابولہب کے پاس پہنچی اور اسے بھتیجا پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی۔ بھتیجے کی پیدائش کی خبر سن کر ابولہب اتنا خوش ہوا کہ اُس نے وہیں اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''ثویبہ! جا میں نے تجھے نومولود (ﷺ) کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کیا۔''

ابولہب جب حالت کفر پر ہی مر گیا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ مرنے کے بعد تجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دن رات سخت عذاب میں جلتا ہوں لیکن

------ ''اور نیک اَنجام پرہیزگاروں کے لیے ہے○''

(۱) اللھب، ۱۱۱: ۱۔۳

جب پیر کا دن آتا ہے تو میرے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے اور میری انگلیوں سے پانی جاری ہو جاتا ہے جسے پی کر مجھے سکون ملتا ہے۔ اِس تخفیف کا باعث یہ ہے کہ میں نے پیر کے دن اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری سن کر اپنی خادمہ ثویبہ کو ان انگلیوں کا اشارہ کرتے ہوئے آزاد کر دیا تھا۔

یہ واقعہ حضرت زینب بنت اَبی سلمہ سے مروی ہے جسے محدثین کی کثیر تعداد نے واقعہ میلاد کے تناظر میں نقل کیا ہے۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کی **الصحیح** میں مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فلما مات أبو لهب أريه بعض أهله بشرّ حيبة، قال له: ما ذا لقيت؟ قال أبولهب: لم ألق بعدكم غير أنی سقيت فی هذه بعتاقتی ثويبة۔[1]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب وأمهاتکم اللاتی أرضعنکم، ۵: ۱۹۶۱، رقم: ۴۸۱۳

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۷: ۴۷۸، رقم: ۱۳۹۵۵

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۲۶، رقم: ۱۶۳۵۰

۴۔ مروزی، السنة: ۸۲، رقم: ۲۹۰

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۱۶۲، رقم: ۱۳۷۰۱

۶۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۲۶۱، رقم: ۲۸۱

۷۔ بیہقی، دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشریعة، ۱: ۱۴۹

۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۱۰۸

۹۔ ابن ابی دنیا نے ”کتاب المنامات (ص: ۱۵۴، رقم: ۲۶۳)“ میں اسے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۰۔ بغوی، شرح السنة، ۹: ۷۶، رقم: ۲۲۸۲

←

’’جب ابولہب مر گیا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو اُسے خواب میں دکھایا گیا۔ وہ برے حال میں تھا۔ (دیکھنے والے نے) اس سے پوچھا: کیسے ہو؟ ابولہب نے کہا: میں بہت سخت عذاب میں ہوں، اس سے کبھی چھٹکارا نہیں ملتا۔ ہاں مجھے (اس عمل کی جزا کے طور پر) اس (انگلی) سے قدرے سیراب کر دیا جاتا ہے جس سے میں نے (محمد ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔‘‘

یہ روایت اگرچہ مُرسَل[1] ہے لیکن مقبول ہے، اِس لیے کہ اِمام بخاری

۱۱۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۱: ۶۲

۱۲۔ سہیلی، الروض الأنف فی تفسیر السيرة النبوية لابن ہشام، ۳: ۹۸، ۹۹

۱۳۔ زیلعی، نصب الراية لأحاديث الهداية، ۳: ۱۶۸

۱۴۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، ۶۷: ۱۷۱، ۱۷۲

۱۵۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۲: ۲۲۹، ۲۳۰

۱۶۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۴۵

۱۷۔ عینی، عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ۲۰: ۹۵

۱۸۔ شیبانی، حدائق الأنوار، ۱: ۱۳۴

۱۹۔ عامری، شرح بهجة المحافل، ۱: ۴۱

۲۰۔ انور شاہ کشمیری، فیض الباری علی صحيح البخاری، ۴: ۲۷۸

(۱) اُصولِ حدیث میں مرسل اُس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کی سند کا آخری حصہ یعنی تابعی سے اوپر کا کوئی راوی ساقط ہو۔[1] اِس کا حکم یہ ہے کہ جب اَجل تابعی تک یہ ←

------

(۱) ۱۔ ذہبی، الموقظة فی علم مصطلح الحديث: ۳۸

۲۔ ابن کثیر، الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث: ۴۸ ←

(۱۹۴۔۲۵٦ھ) نے اسے اپنی ''الصحیح'' میں نقل کیا ہے اور اَجل علماء وحفاظِ حدیث

...... روایت صحیح ثابت ہوجائے تو قابلِ حجت ہوگی۔(۱) تین فقہی مذاہب کے بانیان - اِمام اَعظم ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ)، اِمام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ) اور اِمام اَحمد بن حنبل (۱٦۴۔۲۴۱ھ) - اور محدّثین کی کثیر جماعت کے نزدیک مرسل روایت قابلِ حجت ہوتی ہے بشرطیکہ ارسال کرنے والا ثقہ ہو اور وہ ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو۔(۲) ان کی دلیل یہ ہے کہ ثقہ تابعی کے متعلق یقینی ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے متعلق ''قال رسول الله ﷺ كذا أو فعل كذا أو فعل بحضرته ﷺ (رسولِ خدا ﷺ نے یہ فرمایا، یا یہ کیا یا آپ ﷺ کے سامنے یہ کیا گیا)'' تب ہی کہے گا جب وہ ثقہ راوی سے سنے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) ''نزهة النظر بشرح نخبة الفكر في مصطلح حديث أهل الأثر (ص: ۳۷)'' میں لکھتے ہیں:

> ''اِمام اَحمد کے ایک قول اور مالکی وحنفی فقہاء کے مطابق حدیثِ مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے، اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی اور سند (خواہ وہ سند متصل ہو یا مرسل) سے مرسل روایت کی تائید ہو جائے تو وہ مقبول ہے ورنہ نہیں۔''

←

...... ۳۔ ابن حجر عسقلانی، نزهة النظر بشرح نخبة الفكر فی مصطلح حديث أهل الأثر: ۳٦، ۳۷

۴۔ سخاوی، کتاب الغاية فی شرح الهداية فی علم الرواية، ۱: ۲۷۲

(۱) ذہبی، الموقظة فی علم مصطلح الحديث: ۳۹

(۲) ۱۔ سخاوی، کتاب الغاية فی شرح الهداية فی علم الرواية، ۱: ۲۷۳

۲۔ ابن کثیر، الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث: ۴۸

۳۔ عبد الحق محدث دہلوی، مقدمة فی أصول الحديث: ۴۲، ۴۳

نے اِس پر اِعتماد کرتے ہوئے اِس سے اِستشہاد و اِستناد کیا ہے۔ ثانیاً یہ روایت فضائل و مناقب کے باب میں ہے نہ کہ حلال و حرام میں؛ اور مناقب و اَحکام کے مابین حدیث کے اِستدلال میں فرق کو علماء خوب جانتے ہیں۔

ذیل میں ہم اِس روایت کے بارے میں چند ائمہ کرام کے ملفوظات نقل کریں گے، جنہوں نے اِس واقعہ سے جشنِ میلاد النبی ﷺ کا اِستشہاد و اِستناد کیا ہے:

۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد اللہ جزری (م ۶۶۰ھ) اپنی تصنیف ''**عرف التعریف بالمولد الشریف**'' میں لکھتے ہیں:

فإذا کان أبولهب الکافر الذی نزل القران بذمه جوزیَ فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ به، فما حال المسلم الموحد من أمة النبی ﷺ یسر بمولده، وبذل ما تصل إلیه قدرته فی محبته ﷺ؟ لعمری إنما یکون جزاؤه من اللہ الکریم أن یدخله بفضله جنات النعیم۔[1]

.... ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) شرح شرح نخبة الفکر میں لکھتے ہیں کہ ابن جریر نے یہ تصریح کی ہے کہ حدیث مرسل قبول کرنے پر تمام تابعین کا اِجماع ہے اور کسی تابعی سے اس کا انکار منقول نہیں۔ اور نہ اس کے بعد دو سو (۲۰۰) سال تک اَئمہ میں سے کسی نے اس کا انکار کیا اور یہی وہ قرونِ فاضلہ ہیں جن کے خیر پر برقرار رہنے کی رسول اللہ ﷺ نے شہادت دی۔

(۱) ۱۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶
۲۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۵، ۶۶
۳۔ قسطلانی، المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۱۴۷
۴۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۲۶۰، ۲۶۱
۵۔ یوسف صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ←

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں اُس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک مکمل سورت نازل ہوئی ہے۔ تو اُمتِ محمدیہ کے اُس مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت و عشق میں حسبِ اِستطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو اپنے حبیب مکرّم ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔‘‘

۲۔ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی (۷۷۷۔۸۴۲ھ) ’’**مورد الصادی فی مولد الهادی**‘‘ میں فرماتے ہیں:

قد صح أن أبالهب يخفّف عنه عذاب النار فی مثل يوم الإثنين لإعتاقه ثويبة سرورًا بميلاد النبی ﷺ.

’’یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میلاد النبی ﷺ کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کرنے کے صلہ میں ہر پیر کے روز ابولہب کے عذاب میں کمی کی جاتی ہے۔‘‘

اِس کے بعد محمد بن ناصر الدین دمشقی نے درج ذیل اَشعار پڑھے:

إذا كان هذا كافر جاء ذمه
وتبت يداه فی الجحيم مخلّدا

أتی أنه فی يوم الاثنين دائما
يخفّف عنه للسّرور بأحمدا

------ ۱: ۳۶۶، ۳۶۷

۲۔ نبهانی، حجة الله علی العالمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۷، ۲۳۸

فما الظن بالعبد الذی طولُ عمره
بأحمد مسروراً ومات موحدا(۱)

’’جب ابولہب جیسے کافر کے لیے - جس کی مذمت قرآن حکیم میں کی گئی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں اُس کے ہاتھ ٹوٹتے رہیں گے - حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کی خوشی منانے کی وجہ سے ہر سوموار کو اُس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ تو کتنا خوش نصیب ہوگا وہ مسلمان جس کی ساری زندگی عبادتِ الٰہی اور میلاد کی خوشیوں میں بسر ہوئی اور وہ حالتِ اِیمان پر فوت ہوا۔‘‘

۳۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) اِسی روایت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

در اینجا سند است مراهل موالید را که در شبِ میلاد آنحضرت ﷺ سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولهب که کافر بود، و قرآن بمذمت وے نازل شده، چوں بسرور میلاد آنحضرت ﷺ و بذل شیر جاریه وے بجهت آنحضرت ﷺ جزا داده شد تا حال مسلمان که مملوست بمحبت و سرور و بذل مال در وے چه باشد۔ ولیکن باید که از بدعتها که عوام احداث کرده انداز تغنی وآلات محرمه ومنکرات خالی باشد تا موجب حرمان اَز

(۱) ۱۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶
۲۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ٦٦
۳۔ نبهانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۸

طریقه اِتباع نگردد۔[1]

''یہ روایت موقعِ میلاد پر خوشی منانے اور مال صدقہ کرنے والوں کے لیے دلیل اور سند ہے۔ ابولہب جس کی مذمت میں ایک مکمل سورتِ قرآنی نازل ہوئی جب وہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کر کے عذاب میں تخفیف حاصل کر لیتا ہے تو اس مسلمان کی خوش نصیبی کا کیا عالم ہوگا جو اپنے دل میں موجزن محبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے ولادتِ مصطفیٰ کے دن مسرت اور عقیدت کا اظہار کرے۔ ہاں بدعات مثلاً رقص اور غیر اسلامی اعمال وغیرہ سے اجتناب ضروری ہے کیوں کہ انسان اس کے باعث میلاد کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔''

۴۔ مولانا محمد عبد الحیٔ فرنگی محلی لکھنوی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:

''پس جب ابولہب ایسے کافر پر آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی امتی آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرے اور اپنی قدرت کے موافق آپ ﷺ کی محبت میں خرچ کرے کیوں کر اعلیٰ مرتبہ کو نہ پہنچے گا، جیسا کہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ) اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) نے لکھا ہے۔''[2]

۵۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی (و ۱۳۴۱ھ) تحریر کرتے ہیں:

''جب ابولہب جیسے بدبخت کافر کے لیے میلاد النبی ﷺ کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی اُمتی آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسبِ وسعت آپ ﷺ کی محبت میں خرچ کرے تو کیوں کر اَعلیٰ مراتب

---

(۱) عبد الحق، مدارج النبوة، ۲: ۱۹

(۲) عبد الحیٔ، مجموعه فتاویٰ، ۲: ۲۸۲

حاصل نہ کرے گا۔‘‘(۱)

اِن اَئمہ و علماء کا ثویبہ کے واقعہ سے اِستدلال کرنا اس روایت کی صحت و حقانیت پر بھی دلالت کرتا ہے اور جشنِ میلاد النبی ﷺ کے جواز کا بھی بیّن ثبوت ہے۔

کافر کے عذاب میں تخفیف کیوں؟

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابولہب کے عذاب میں تخفیف کیوں کی گئی جب کہ قرآن و حدیث اور اِجماعِ اُمت کی رُو سے کافر کا کوئی عمل بھی قابلِ اَجر نہیں اور آخرت میں اَجر و ثواب کا مستحق صرف صاحبِ ایمان ہی ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ابولہب کے اِس عمل کا تعلق چوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اَقدس سے تھا اور اُس نے آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی آمد کا جشن منانے پر اُس کافر کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جس کی مذمت میں پوری ایک سورۃ نازل فرمائی تھی۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافر کا وہ عمل جس کا تعلق رسولِ خدا ﷺ سے ہے رائیگاں نہیں جائے گا۔

ابولہب سے ہفتہ وار تخفیفِ عذاب اِس سبب سے نہیں ہوئی کہ اُس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی منانا ہی اِس اِنعام کا باعث ہے اور اُس کا یہی عمل کافر ہوتے ہوئے بھی اُس کے عذاب میں رعایت کا سبب بن گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں دیکھتا کہ عمل کرنے والا کون ہے بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ عمل کس کے لیے کیا گیا ہے۔ اُسے اِس سے غرض نہیں کہ عمل کرنے والا ابولہب ایک کافر تھا کیوں کہ اُس کی ساری شفقتیں تو اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

وضاحت کے لیے محدثین کی چند مزید تصریحات درج ذیل ہیں:

۱۔ اِمام بیہقی (۳۸۴۔۴۵۸ھ) شعب الإیمان میں لکھتے ہیں کہ یہ خصائص

(۱) لدھیانوی، احسن الفتاویٰ، ۱: ۳۴۷، ۳۴۸

محمدیہ ﷺ میں سے ہے کہ کفار کو بھی آپ ﷺ کی خدمت کا صلہ عطا کیا جاتا ہے:

وهذا أيضا لأن الإحسان كان مرجعه إلى صاحب النبوة، فلم يضع۔(1)

''اور یہ اِس لیے ہے کہ ابولہب کے اِحسان کا مرجع صاحبِ نبوت ذات تھی، اس لیے اُس کا عمل ضائع نہیں کیا گیا۔''

۲۔ اِمام بغوی (۴۳۶۔۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:

هذا خاص به إكرامًا له ﷺ۔(2)

''ابولہب کے عذاب میں تخفیف آپ ﷺ کے اِکرام کی وجہ سے ہے۔''

۳۔ اِمام سہیلی (۵۰۸۔۵۸۱ھ) نے بھی یہی نقطہ نظر اِختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے:

قال: مالقيت بعدكم راحة، غير أني سُقيت في مثل هذه، وأشار إلى النقرة بين السبابة والإبهام، بعِتقي ثويبة، وفي غير البخاري إن الذي رآه من أهله هو أخوه العباس، قال: مكثت حولا بعد موت أبي لهب لا أراه في نوم، ثم رأيته في شر حال، فقال: ما لقيت بعدكم راحة إلا أن العذاب يخفّف عني كل يوم اثنين. وذلك أن رسول الله ﷺ ولد يوم الإثنين، وكانت ثويبة قد بشّرته بمولده، فقالت له: أشعرت أن آمنة ولدت غلامًا لأخيك

(1) بيهقي، شعب الإيمان، 1: 261، رقم: 281

(2) بغوي، شرح السنة، 9: 76

عبد اللہ؟ فقل لها: اذهبی، فأنت حرة، فنفعه ذلک۔(۱)

''ابولہب نے کہا: میں نے تمہارے بعد آرام نہیں پایا سوائے اس کے کہ ثویبہ لونڈی کے آزاد کرنے پر مجھے اتنا پانی پلایا جاتا ہے، اور (یہ کہتے ہوئے) اُس نے سبابہ (انگشتِ شہادت) اور انگوٹھے کے درمیانی فاصلے کی طرف اشارہ کیا۔ صحیح بخاری کے علاوہ دیگر روایات میں ہے کہ اُس کے اہلِ خانہ میں سے جس فرد نے اُسے دیکھا وہ اُس کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا: میں ابولہب کی موت کے بعد ایک سال تک اُسے خواب میں دیکھتا رہا، پھر میں نے اُسے بہت بری حالت میں دیکھا تو اُس نے کہا: میں نے تمہارے بعد کوئی آرام نہیں پایا سوائے اِس کے کہ ہر پیر کے روز میرے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے دن ہوئی اور ثویبہ نے ابولہب کو آپ ﷺ کی ولادت کی خوش خبری سنائی تھی، اور اسے کہا تھا: کیا تجھے پتہ چلا ہے کہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں تیرے بھائی عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا پیدا ہوا ہے؟ (اِس پر خوش ہوکر) ابولہب نے اُس سے کہا: جا، تو آزاد ہے۔ اِس (خوشی منانے) نے اُسے دوزخ کی آگ میں فائدہ پہنچایا۔''

۴۔ رئیس المفسرین اِمام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

هذا التخفيف خاص بهذا وبمن ورد النص فيه۔(۲)

''جب نصِ صحیح میں آچکا ہے کہ کافر کو نبی ﷺ کی خدمت کے صلہ میں اَجر ملتا

(۱) سہیلی، الروض الأنف فی تفسیر السیرة النبویة لابن ہشام، ۳: ۹۸، ۹۹

(۲) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۲۰: ۹۵

ہے تو ایسے مقام پر اُسے مانا جائے گا۔‘‘

۵۔ شارِحِ صحیح بخاری اِمام کرمانی (۷۱۷۔۷۸۶ھ) لکھتے ہیں:

یحتمل أن یکون العمل الصالح والخیر الذی یتعلق بالرسول ﷺ مخصوصا من ذالک۔(۱)

’’اِس واقعہ کو اِس پر محمول کیا جائے گا کہ کافر کے اُس عمل اور بھلائی پر اَجر و ثواب دیا جاتا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو۔‘‘

۶۔ شارِحِ صحیح بخاری اِمام بدر الدین عینی (۷۶۲۔۸۵۵ھ) بیان کرتے ہیں:

یحتمل أن یکون ما یتعلق بالنبی ﷺ مخصوصا من ذلک۔(۲)

’’اِس واقعہ کو اِس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اَعمال جن کا تعلق ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے ہو اُن کے ذریعے کافر کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔‘‘

۷۔ اِمام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) نے یہ موقف بالصراحت بیان کیا ہے، جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں اُن کی کتب - **الحاوی للفتاوی** اور **حسن المقصد فی عمل المولد** - سے مختلف عبارات نقل کی ہیں۔

۸۔ اِمام عبد الرحمٰن بن دبیع شیبانی (۸۶۶۔۹۴۴ھ) لکھتے ہیں:

فتخفیف العذاب عنه إنما هو کرامة النبی ﷺ۔(۳)

’’ابولہب کے عذاب میں یہ تخفیف حضور نبی اکرم ﷺ کے اِکرام کی وجہ سے ہوئی۔‘‘

---

(۱) کرمانی، الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری، ۱۹: ۷۹
(۲) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۲۰: ۹۵
(۳) شیبانی، حدائق الأنوار، ۱: ۱۳۴

اِن تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ نادانستہ طور پر آمدِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منانے والے بدترین کافر کو بھی اللہ تعالیٰ اِس عمل کی جزا دے رہا ہے اور قیامت تک دیتا رہے گا۔ اور یہ صرف اور صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے کیے جانے والے اَعمال کی خصوصیت ہے کہ اگر کافر بھی کوئی عمل کرے گا تو اس کو جزا دی جائے گی۔

ایک اِعتراض اور اُس کا جواب

بعض لوگ اِس روایت پر اِعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خواب میں پیش آیا اور وہ اُس وقت تک ایمان بھی نہیں لائے تھے۔ لہٰذا اِسے شرعی ضابطہ کیوں کر بنایا جا سکتا ہے؟

اِس اِعتراض کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔ جب ہم اِس واقعہ کو اپنے موقف - میلاد النبی ﷺ پر خوشی منانا باعثِ اَجر و ثواب ہے - کی تائید میں بطور دلیل لیتے ہیں تو ہم ابولہب کا بیان اپنی دلیل کی بنیاد نہیں بناتے۔ ہمارے اِستدلال کی بنیاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پر ہوتی ہے۔

۲۔ اگرچہ یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اِسلام لانے سے پہلے کا ہے لیکن اِسے روایت کرتے وقت اُن کا مشرف بہ اِسلام ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ روایت اُنہوں نے شرفِ صحابیت حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں بیان کی تھی۔ لہٰذا آپ کی یہ روایت نورِ اِسلام حاصل ہوجانے کے بعد کی ہے اور ہر طرح سے قابلِ لحاظ ولائق اِستناد ہے۔

۳۔ اس حدیث کی ثقاہت اور قبولیت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اِس روایت پر اِعتماد کرتے ہوئے اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) نے اسے الصحیح میں روایت کیا ہے۔ اگر اِمام بخاری کی نظر میں یہ حدیث قابلِ

اِستناد نہ ہوتی تو وہ ہرگز اسے اپنی الصحیح میں شامل نہ کرتے بلکہ اِسے مسترد کر دیتے۔ ان کے علاوہ اِمام بخاری کے اُستاد اِمام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ) نے اِسے المصنف میں روایت کیا ہے۔ اِمام مروزی (۲۰۲۔۲۹۴ھ) نے السنۃ میں درج کیا ہے۔ اِمام بیہقی (۳۸۴۔۴۵۸ھ) نے یہ روایت اپنی تین کتب - السنن الکبری، شعب الإیمان، دلائل النبوۃ و معرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ - میں بیان کی ہے۔ اِمام ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) نے یہ روایت البدایۃ و النہایۃ میں درج کی ہے۔ ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ) نے الطبقات الکبری میں، اِمام بغوی (۴۳۶۔۵۱۶ھ) نے شرح السنۃ میں، ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ) نے صفوۃ الصفوۃ میں، سہیلی (۵۰۸۔۵۸۱ھ) نے الروض الأنف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام میں اور ابن عساکر (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ) نے تاریخ دمشق الکبیر میں اِسے روایت کیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ ہوتی اور حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کی خوشی منانے کے صلہ میں ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا واقعہ درست نہ ہوتا تو مذکورہ بالا اَجل علماء و محدثین سمیت دیگر ائمہ کرام یہ روایت اپنی اپنی کتب میں کیوں بیان فرماتے؟ اِن اَجل ائمہ و محدثین نے نہ صرف اِسے روایت کیا ہے بلکہ اِس سے اِستنباط کرتے ہوئے اِس کی شرح بیان کی ہے جس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہماری نظر میں اِس حدیث کے قابلِ اِستناد و اِستدلال ہونے کی دلیل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اِسے بیان کرنا، اِمام بخاری کا بطورِ حدیث اِسے قبول کرنا اور درجنوں ائمہ حدیث کا اپنی اپنی کتب میں اِسے شرعی قواعد وضوابط کے طور پر درج کرکے اس سے میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانے کی شرعی اِباحت کا اِستدلال و اِستنباط کرنا ہے۔

ایک عبرت آموز حقیقت

مذکورہ بالا واقعہ سے ایک طرف تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خاطر کیا جانے والا معمولی سا عمل بھی بارگاہِ ایزدی میں باعثِ اَجر ہے خواہ وہ کسی کافر کا ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف مومنین کے لیے وعید ہے کہ مومن زندگی بھر کروڑوں نیک عمل کرتا رہے لیکن اگر اس سے حضور نبی اکرم ﷺ کی کوئی ایک معمولی سی بے ادبی سرزد ہو جائے تو مومن ہوتے ہوئے بھی اُس کے سارے اَعمال غارت کر دیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ۔[1]

’’اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ بات کرتے ہو۔‘‘

یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا جارہا ہے کہ اِحتیاط سے اپنی آوازوں کو پست رکھا کریں اور آپس میں بات کرتے ہوئے اپنی آواز اتنی بلند نہ کیا کریں کہ وہ حضور ﷺ کے تبسم شعار لبوں سے نکلی ہوئی شیریں آواز سے اونچی ہو جائے۔ بارگاہِ نبوت کا یہ ادب خود اللہ رب العزت سکھا رہا ہے۔ بصورتِ دیگر واضح الفاظ میں حکم فرما رہا ہے کہ میرے باز رکھنے کے باوجود اگر نہیں سمجھو گے اور بے احتیاطی سے کام لو گے تو سن لو:

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝[2]

’’(ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اَعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں

(۱) الحجرات، ۴۹: ۲

(۲) الحجرات، ۴۹: ۲

اور تمہیں (ایمان اور اَعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہوo‘‘

یہاں توحید کے اِنکار کا ذکر ہے نہ سنت کے انکار کا، نبوت و رسالت کے انکار کا ذکر ہے نہ آخرت کے اِنکار کا، نماز روزے سے اِنحراف کا ذکر ہے نہ حج و زکوٰۃ کے اِنکار کا ذکر ہے۔ صرف آواز ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی تو نتیجتاً پوری زندگی کے نیک اَعمال برباد ہو جانے کی کڑی وعید سنائی جا رہی ہے۔

اِس بحث کی روشنی میں یہ تصور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر ایک طرف کروڑوں عمل ہوں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں معمولی سی بے ادبی ہو جائے تو آخرت میں ان تمام اَعمال کی جزا سے محروم کر دیا جائے گا؛ اور دوسری طرف اگر کافر و دشمنِ اِسلام اور توحید و رسالت کا منکر شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور تعظیم میں ایک عمل بھی کردے تو اسے اس عمل کی جزا عالمِ برزخ اور آخرت دونوں میں دی جائے گی۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اَصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے[1]

تمام اِنسانی اَعمال کی عظمت و قبولیت اُسی عمل کے سبب سے ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں کیا جائے اور اگر دل محبتِ رسول سے خالی ہے تو کوئی بھی نیک عمل بارگاہِ خداوندی میں باعثِ اَجر و ثواب نہیں ہوگا۔ اِسی لیے اہلِ دل حضور ﷺ کی بارگاہِ اَقدس میں عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ای کریمی که اَز خزانه غیب
گبر و ترسا وظیفه خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو که بادشمن این نظر داری[2]

(۱) أحمد رضا خان، حدائقِ بخشش، ۱: ۱۳۵
(۲) سعدی، کلیات (گلستان): ۲۲

(اے جود و سخا کے پیکرِ اَتم! آپ کی کرم نوازیوں کا یہ عالم ہے کہ اِس خرمنِ جود و سخا سے کوئی بت پرست و آتش پرست بھی محروم نہیں۔ آپ اپنے عاشقوں کو کیسے اپنے کرم سے محروم رکھ سکتے ہیں جب کہ آپ کی نظرِ شفقت تو دشمنوں پر بھی ہے۔)

اِس باب میں دی گئی روایات واَبحاث سے واضح ہوجاتا ہے کہ آمدِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی منانا حضور ﷺ کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کی آمد کی خوشی منانا کوئی غیر شرعی فعل نہیں بلکہ منشائے خدا و رسول ﷺ کے عین مطابق اور تقاضائے اِسلام ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا جشن منانے پر کفار بھی اَجر سے محروم نہیں رہتے۔ لہٰذا جب گنہگار اُمتی ایسا کریں گے تو وہ کیسے اُخروی نعمتوں سے محروم رہ سکتے ہیں۔

باب ششم

جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائمہ و محدثین کی نظر میں

قرآن و سنت سے جشنِ میلاد النبی ﷺ پر تفصیلی دلائل پیش کرنے کے بعد باب ہٰذا میں ہم اُن ائمہ کرام کے حوالہ جات دیں گے جنہوں نے اِنعقادِ جشنِ میلاد کے اَحوال بیان کیے ہیں۔ تاریخی تناظر میں ان کے یہ تذکرے متعدد اسلامی اَدوار اور بلادِ اِسلامیہ سے متعلق ہیں۔ یہ کہنا مطلقاً غلط اور خلافِ حقیقت ہے کہ میلاد پر منعقد کی جانے والی تقریبات بدعت ہیں اور ان کی ابتداء برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے کی۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ تقاریبِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد ہندوستان کے مسلمانوں کی اختراع ہے نہ یہ کوئی بدعت ہے۔ جشن میلاد النبی ﷺ کا آغاز حالیہ دور کے مسلمانوں نے نہیں کیا بلکہ یہ ایک ایسی تقریب سعید ہے جو حرمین شریفین - مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ - سمیت پورے عالم عرب میں صدیوں سے اِنعقاد پذیر ہوتی رہی ہے۔ بعد ازاں وہاں سے دیگر عجمی ملکوں میں بھی اِس تقریب کا آغاز ہوا۔ ذیل میں ہم اَکابر ائمہ و محدثین کے حوالہ سے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے آغاز و اِرتقاء کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ حجۃ الدین اِمام محمد بن ظفر المکی (۴۹۷۔۵۶۵ھ)

حجۃ الدین اِمام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ظفر المکی (۱۱۰۴۔۱۱۷۰ء) کہتے ہیں کہ الدر المنتظم میں ہے:

وقد عمل المحبون للنبي ﷺ فرحاً بمولده الولائم، فمن ذلک ما عمله بالقاهرة المعزّية من الولائم الکبار الشيخ أبو الحسن المعروف بابن قُفل قدّس اﷲ تعالی سره، شيخ شيخنا أبي عبد اﷲ

محمد بن النعمان، وعمل ذلک قبلُ جمال الدین العجمی الهمذانی. وممن عمل ذلک علی قدر وسعه یوسف الحجّار بمصر، وقد رأی النبی ﷺ وهو یحرّض یوسف المذکور علی عمل ذلک۔[1]

’’اہلِ محبت حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی میں دعوتِ طعام منعقد کرتے آئے ہیں۔ قاہرہ کے جن اَصحابِ محبت نے بڑی بڑی ضیافتوں کا انعقاد کیا ان میں شیخ ابو الحسن بھی ہیں جو کہ ابن قفل قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے نام سے مشہور ہیں اور ہمارے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن نعمان کے شیخ ہیں۔ یہ عمل مبارک جمال الدین عجمی ہمذانی نے بھی کیا اور مصر میں سے یوسف حجار نے اسے بہ قدرِ وسعت منعقد کیا اور پھر انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو (خواب میں) دیکھا کہ آپ ﷺ یوسف حجار کو عملِ مذکور کی ترغیب دے رہے تھے۔‘‘

۲۔ شیخ معین الدین عمر بن محمد المَلاّ (م ۵۷۰ھ)

شیخ معین الدین ابو حفص عمر بن محمد بن خضر اِربلی موصلی المَـلّا کے لقب سے معروف تھے۔ آپ موصل کی نہایت صالح، زاہد و عالم شخصیت تھے۔

وکان أول من فعل ذلک بالموصل الشیخ عمر بن محمد المَـلّا أحد الصالحین المشهورین، وبه اقتدی فی ذلک صاحب إربل وغیره رحمهم الله تعالی۔[2]

(۱) صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۳

(۲) ۱۔ أبوشامة، الباعث علی إنکار البدع والحوادث: ۲۴

۲۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۵

’’اور شہر موصل میں سب سے پہلے میلاد شریف کا اِجتماع منعقد کرنے والے شیخ عمر بن محمد مَلّا تھے جن کا شمار مشہور صالحین میں ہوتا تھا۔ اور شاہِ اِربل و دیگر لوگوں نے اُنہی کی اِقتداء کی ہے۔ اللہ اُن پر رحم فرمائے۔‘‘

۳۔ علامہ اِبن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ)

علامہ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن جوزی (۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء) کثیر کتب کے مصنف تھے۔ اُنہوں نے میلاد النبی ﷺ پر دو کتب تالیف کیں:

۱۔ بيان الميلاد النبوي ﷺ

۲۔ مولد العروس

علامہ ابن جوزی بیان الميلاد النبوي ﷺ میں فرماتے ہیں:

لا زال أهل الحرمين الشريفين والمصر واليمن والشام وسائر بلاد العرب من المشرق والمغرب يحتفلون بمجلس مولد النبي ﷺ، ويفرحون بقدوم هلال شهر ربيع الأول ويهتمون اهتمامًا بليغًا على السماع والقراة لمولد النبي ﷺ، وينالون بذالک أجرًا جزيلاً وفوزًا عظيمًا۔(۱)

’’مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، مصر، شام، یمن الغرض شرق تا غرب تمام بلادِ عرب کے باشندے ہمیشہ سے میلاد النبی ﷺ کی محفلیں منعقد کرتے آئے ہیں۔ وہ ربیع الاول کا چاند دیکھتے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ چنانچہ ذکرِ میلاد پڑھنے اور سننے کا خصوصی اہتمام کرتے اور اس کے باعث بے پناہ اَجر و کامیابی حاصل کرتے رہے ہیں۔‘‘

---

(۱) ابن جوزی، بيان الميلاد النبوي ﷺ: ۵۸

علامہ ابن جوزی مولد العروس میں فرماتے ہیں:

وجعل لمن فرح بمولده حجابًا من النار وسترًا، ومن أنفق فی مولده درهمًا کان المصطفی ﷺ له شافعًا ومشفعًا، وأخلف الله علیه بکل درهم عشرًا.

فیا بشری لکم أمة محمد لقد نلتم خیرًا کثیرًا فی الدنیا وفی الأخری. فیا سعد من یعمل لأحمد مولدًا فیلقی الهناء والعز والخیر والفخر، ویدخل جنات عدن بتیجان درّ تحتها خلع خضرًا۔[1]

’’اور ہر وہ شخص جو آپ ﷺ کے میلاد کے باعث خوش ہوا، اللہ تعالیٰ نے (یہ خوشی) اس کے لیے آگ سے محفوظ رہنے کے لیے حجاب اور ڈھال بنادی۔ اور جس نے مولدِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے ایک درہم خرچ کیا تو آپ ﷺ اُس کے لیے شافع و مشفع ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر درہم کے بدلہ میں اُسے دس درہم عطا فرمائے گا۔

’’اے اُمتِ محمدیہ! تجھے بشارت کہ تونے دنیا و آخرت میں خیر کثیر حاصل کی۔ پس جو کوئی احمد مجتبیٰ ﷺ کے میلاد کے لیے کوئی عمل کرتا ہے تو وہ خوش بخت ہے اور وہ خوشی، عزت، بھلائی اور فخر کو پالے گا۔ اور وہ جنت کے باغوں میں موتیوں سے مرصع تاج اور سبز لباس پہنے داخل ہوگا۔‘‘

علامہ ابن جوزی شاہِ اِربل مظفر ابو سعید کوکبری کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پر میلاد شریف منائے جانے اور اس پر خطیر رقم خرچ کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

(۱) ابن جوزی، مولد العروس: ۱۱

لو لم يكن فی ذلک إلا إرغام الشيطان وإدعام أهل الإيمان۔[(۱)]

”اِس نیک عمل میں سوائے شیطان کو ذلیل و رُسوا کرنے اور اہل ایمان کو تقویت پہنچانے کے کچھ نہیں۔“

مراد یہ کہ محافلِ میلاد کا اِنعقاد شیطان کو رُسوا اور ذلیل و خوار کرتا ہے جب کہ اس سے مومنین کو تقویت ملتی ہے۔

۴۔ حافظ ابو الخطاب بن دحیہ کلبی (۵۴۴۔۶۳۳ھ)

قاضی القضاۃ ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان اپنی کتاب ”وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان (۳: ۴۴۸۔۴۵۰)“ میں حافظ ابو الخطاب بن دحیہ کلبی (۵۴۴۔۶۳۳ھ) کے سوانحی خاکہ میں لکھتے ہیں:

كان من أعيان العلماء، ومشاهير الفضلاء، قدم من المغرب، فدخل الشام والعراق، واجتاز بإربل سنة أربع وستمائة، فوجد ملكها المعظم مظفر الدين بن زين الدين يعتنی بالمولد النبوی، فعمل له كتاب ”التنوير فی مولد البشير النذير“ وقرأه عليه بنفسه، فأجازه بألف دينار. قال: وقد سمعناه على السلطان فی ستة مجالس، فی سنة خمس وعشرين وستمائة۔[(۲)]

---

(۱) صالحی، سبل الهدى والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۳

(۲) ۱۔ سيوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۴۴، ۴۵

۲۔ سيوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۰

۳۔ نبهانی، حجة الله على العالمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۶، ۲۳۷

’’ان کا شمار بلند پایہ علماء اور مشہور محققین میں ہوتا تھا۔ وہ مراکش سے شام اور عراق کی سیاحت کے لیے روانہ ہوئے۔ ۶۰۴ھ میں ان کا گزر اِربل کے علاقے سے ہوا جہاں ان کی ملاقات عظیم المرتبت سلطان مظفر الدین بن زین الدین سے ہوئی جو یوم میلاد النبی ﷺ کے انتظامات میں مصروف تھا۔ اس موقع پر انہوں نے ’’التنویر فی مولد البشیر النذیر‘‘ کتاب لکھی۔ انہوں نے یہ کتاب خود سلطان کو پڑھ کر سنائی۔ پس بادشاہ نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار بطور انعام پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ۶۲۵ھ میں سلطان کے ساتھ اسے چھ نشستوں میں سنا تھا۔‘‘

۵۔ حافظ شمس الدین الجزری (م ۶۶۰ھ)

شیخ القراء حافظ شمس الدین محمد بن عبد اللہ الجزری الشافعی (م ۶۶۲ ۱۲ء) اپنی تصنیف ’’عرف التعریف بالمولد الشریف‘‘ میں لکھتے ہیں:

وقد رؤی أبولهب بعد موته فی النوم، فقيل له: ما حالک؟ فقال: فی النار، إلا أنه يُخفّف عنی کل ليلة اثنين، وأمص من بين أصبعی هاتين ماء بقدر هذا - وأشار برأس إصبعه - وإن ذلک بإعتاقی لثويبة عند ما بشرتنی بولادة النبی ﷺ و بإرضاعها له.

فإذا کان أبولهب الکافر الذی نزل القرآن بذمه جوزیَ فی النار بفرحه ليلة مولد النبی ﷺ به، فما حال المسلم الموحد من أمة النبی ﷺ يسر بمولده، وبذل ما تصل إليه قدرته فی محبته ﷺ؟ لعمری إنما يکون جزاؤه من الله الکريم أن يدخله بفضله جنات النعيم۔(۱)

(۱) ۱۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶ ←

''ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: اب تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا: آگ میں جل رہا ہوں، تاہم ہر پیر کے دن میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ اُنگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ (ہر پیر کو) میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے جسے میں پی لیتا ہوں اور یہ تخفیفِ عذاب میرے لیے اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد (ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

''حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں اُس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک مکمل سورت نازل ہوئی ہے۔ تو اُمت محمدیہ کے اُس مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت و عشق میں حسبِ اِستطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو اپنے محبوب ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔''

آپ مزید لکھتے ہیں:

۲۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۵، ۶۶

۳۔ قسطلانی، المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۱۴۷

۴۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۲۶۰، ۲۶۱

۵۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۶، ۳۶۷

۶۔ نبہانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۷، ۲۳۸

من خواصه أنه أمان فی ذلک العام، وبشری عاجلة بنیل البغیة والمرام۔[1]

”(محافلِ میلاد شریف کے) خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس سال میلاد منایا جائے اُس سال امن قائم رہتا ہے، نیز (یہ عمل) نیک مقاصد اور دلی خواہشات کی فوری تکمیل میں بشارت ہے۔“

۶۔ اِمام ابو شامہ (۵۹۹۔۶۶۵ھ)

شارحِ صحیح مسلم اِمام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء) کے شیخ امام ابو شامہ عبد الرحمان بن اسماعیل (۱۲۰۲۔۱۲۶۷ء) اپنی کتاب الباعث علی إنکار البدع والحوادث میں لکھتے ہیں:

ومن أحسن ما ابتدع فی زماننا من هذا القبیل ما کان یفعل بمدینة إربل، جبرها الله تعالی، کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی ﷺ من الصدقات والمعروف وإظهار الزینة والسرور، فإن ذالک مع ما فیه من الإحسان إلی الفقراء مُشعِر بمحبة النبی ﷺ، وتعظیمه وجلالته فی قلب فاعله وشکر الله تعالی علی ما مَنّ به من إیجاد رسوله الذی أرسله رحمةً للعالمین ﷺ وعلی جمیع الأنبیاء والمرسلین۔[2]

---

(۱) صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۵، ۳۶۶

(۲) ۱۔ ابوشامہ، الباعث علی إنکار البدع والحوادث: ۲۳، ۲۴

۲۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۵ ←

''اور اِسی (بدعتِ حسنہ) کے قبیل پر ہمارے زمانے میں اچھی بدعت کا آغاز شہر ''اِربل'' - خدا تعالیٰ اُسے حفظ و امان عطا کرے - میں کیا گیا۔ اس بابرکت شہر میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کے موقع پر اِظہارِ فرحت و مسرت کے لیے صدقات و خیرات کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس سے جہاں ایک طرف غرباء و مساکین کا بھلا ہوتا ہے وہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ محبت کا پہلو بھی نکلتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اِظہارِ شادمانی کرنے والے کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی بے حد تعظیم پائی جاتی ہے اور ان کی جلالت وعظمت کا تصور موجود ہے۔ گویا وہ اپنے رب کا شکر ادا کر رہا ہے کہ اس نے بے پایاں لطف و احسان فرمایا کہ اپنے محبوب رسول ﷺ کو (ان کی طرف) بھیجا جو تمام جہانوں کے لیے رحمتِ مجسم ہیں اور جمیع انبیاء و رُسل پر فضیلت رکھتے ہیں۔''

شیخ ابو شامہ شاہِ اِربل مظفر ابوسعید کوکبری کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پر میلاد شریف منائے جانے اور اس پر خطیر رقم خرچ کیے جانے کے بارے میں اُس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مثل هذا الحسن يُندب إليه ويُشكر فاعله ويُثنى عليه۔(۱)

''اِس نیک عمل کو مستحب گردانا جائے گا اور اِس کے کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جائے اور اِس پر اُس کی تعریف کی جائے۔''

.... ۳۔ حلبی، إنسان العيون في سيرة الأمين المامون، ۱: ۸۴

۴۔ احمد بن زینی دحلان، السيرة النبوية، ۱: ۵۳

۵۔ نبہانی، حجة الله على العالمين في معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۳

(۱) صالحی، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۳

۷۔ امام صدر الدین موہوب بن عمر الجزری (م ٦٦٥ھ)

قاضیٔ مصر صدر الدین موہوب بن عمر بن موہوب الجزری الشافعی فرماتے ہیں:

هذه بدعة لا بأس بها، ولا تُكره البِدع إلا إذا راغمت السُّنة، وأما إذا لم تراغمها فلا تُكره، ويُثاب الإنسان بحسب قصده في إظهار السرور والفرح بمولد النبي ﷺ.

وقال في موضع آخر: هذا بدعة، ولكنها بدعة لا بأس بها، ولكن لا يجوز له أن يسأل الناس بل إن كان يَعلمُ أو يغلب على ظنه أن نفس المسؤول تَطِيب بما يعطيه فالسؤال لذلک مباح أرجو أن لا ينتهي إلى الكراهة۔(۱)

''یہ بدعت ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بدعتِ مکروہ وہ ہے جس میں سنت کی بے حرمتی ہو۔ اگر یہ پہلو نہ پایا جائے تو (بدعت) مکروہ نہیں اور انسان حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کی حسبِ توفیق اور حسبِ اِرادہ مسرت و خوشی کے اظہار کے مطابق اجر و ثواب پاتا ہے۔''

''اور ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں: یہ بدعت ہے لیکن اس بدعت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اِس کے لیے لوگوں سے سوال کرنا جائز نہیں، اور اگر وہ یہ جانتا ہے یا اُسے غالب گمان ہے کہ اس کا سوال مسئول کی طبیعت پر گراں نہیں گزرے گا اور وہ خوشی سے سوال کو پورا کرے گا تو ایسی صورت میں یہ سوال مباح ہو گا، اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ عمل مبنی بر کراہت نہیں ہو گا۔''

---

(۱) صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳٦٥، ۳٦٦

۸۔ اِمام ظہیر الدین جعفر التزمنتی (م ۶۸۲ھ)

اِمام ظہیر الدین جعفر بن یحییٰ بن جعفر التزمنتی الشافعی (م ۱۲۸۳ء) کہتے ہیں:

هذا الفعل لم يقع فی الصدر الأول من السلف الصالح مع تعظيمهم وحبهم له إعظاماً ومحبة لا يبلغ جَمعُنا الواحدَ منهم ولا ذرّة منه، وهی بدعة حسنة إذا قصد فاعلها جمع الصالحين والصلاة على النبی ﷺ وإطعام الطعام للفقراء والمساکين وهذا القدر يثاب عليه بهذا الشرط فی کل وقت۔(۱)

’’محافلِ میلاد کے انعقاد کا سلسلہ پہلی صدی ہجری میں شروع نہیں ہوا اگرچہ ہمارے اَسلاف صالحین عشقِ رسول ﷺ سے اس قدر سرشار تھے کہ ہم سب کا عشق و محبت ان بزرگانِ دین میں سے کسی ایک شخص کے عشقِ نبی ﷺ کو نہیں پہنچ سکتا۔ میلاد کا انعقاد بدعتِ حسنہ ہے، اگر اس کا اہتمام کرنے والا صالحین کو جمع کرنے، محفلِ درود و سلام اور فقراء و مساکین کے طعام کا بندوبست کرنے کا قصد کرتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ جب بھی یہ عمل کیا جائے گا موجبِ ثواب ہو گا۔‘‘

۹۔ علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ)

علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ (۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء) اپنی کتاب **اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم** میں لکھتے ہیں:

وکذلک ما يحدثه بعض الناس، إما مضاهاة للنصاری فی ميلاد عيسی عليه السلام، وإما محبة للنبی ﷺ وتعظيمًا. والله قد يثيبهم علی

(۱) صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۴

هذه المحبة والاجتهاد، لا على البدع، من اتخاذ مولد النبی ﷺ عیدًا۔[1]

’’اور اِسی طرح اُن اُمور پر (ثواب دیا جاتا ہے) جو بعض لوگ ایجاد کر لیتے ہیں؛ میلادِ عیسی علیہ السلام میں نصاریٰ سے مشابہت کے لیے یا حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور تعظیم کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ اُنہیں اِس محبت اور اِجتہاد پر ثواب عطا فرماتا ہے نہ کہ بدعت پر، اُن لوگوں کو جنہوں نے یومِ میلا د النبی ﷺ کو بہ طور عید اپنایا۔‘‘

اِسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فتعظیم المولد واتخاذه موسماً، قد یفعله بعض الناس، ویکون له فیه أجر عظیم؛ لحسن قصده، وتعظیمه لرسول الله ﷺ، کما قدمته لک أنه یحسن من بعض الناس ما یستقبح من المؤمن المسدد۔[2]

’’میلا دشریف کی تعظیم اور اسے شعار بنا لینا بعض لوگوں کا عمل ہے اور اِس میں اُس کے لیے اَجرِ عظیم بھی ہے کیوں کہ اُس کی نیت نیک ہے اور رسول اکرم ﷺ کی تعظیم بھی ہے؛ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک ایک اَمر اچھا ہوتا ہے اور بعض مومن اسے قبیح کہتے ہیں۔‘‘

۱۰۔ اِمام ابو عبد اللہ بن الحاج المالکی (م ۷۳۷ھ)

امام ابو عبد اللہ ابن الحاج محمد بن محمد بن محمد المالکی (م ۱۳۳۶ء) اپنی کتاب ’’المدخل إلی تنمیة الأعمال بتحسین النیات والتنبیه علی کثیر من البدع

(۱) ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: ۴۰۴

(۲) ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: ۴۰۶

المحدثة والعوائد المنتحلة'' میں میلاد النبی ﷺ کی فضیلت کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

أشار عليه الصلاة والسلام إلى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله للسائل الذى سأله عن صوم يوم الاثنين، فقال له عليه الصلاة والسلام: ذلک يوم ولدت فيه.

فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر الذى ولد فيه، فينبغى أن نحترمه حق الاحترام ونفضله بما فضل الله به الأشهر الفاضلة، وهذا منها لقوله عليه الصلاة والسلام: أنا سيد ولد آدم ولا فخر. ولقوله عليه الصلاة والسلام: آدم ومن دونه تحت لوائى.

وفضيلة الأزمنة والأمكنة بما خصَّها الله تعالى من العبادات التى تفعل فيها، لما قد علم أن الأمكنة والأزمنة لا تتشرف لذاتها، وإنما يحصل لها التشريف بما خصّت به من المعانى. فانظر رحمنا الله وإيّاک إلى ما خصَّ الله تعالى به هذا الشهر الشريف ويوم الاثنين. ألا ترى أن صوم هذا اليوم فيه فضل عظيم لأنه ﷺ ولد فيه؟

فعلى هذا فينبغى إذا دخل هذا الشهر الكريم أن يكرَّم ويعظَّم ويحترم الاحترام اللائق به وذلک بالاتّباع له ﷺ فى كونه كان يخصّ الأوقات الفاضلة بزيادة فعل البر فيها وكثرة الخيرات. ألا ترى إلى قول البخارى: كان رسول الله ﷺ أجود الناس بالخير،

وكان أجود ما يكون فى رمضان. فنمتثل تعظيم الأوقات الفاضلة بما امتثله على قدر استطاعتنا.

فإن قال قائل: قد التزم عليه الصلاة والسلام فى الأوقات الفاضلة ما التزمه مما قد علم، ولم يلتزم فى هذا الشهر ما التزمه فى غيره. فالجواب: أن المعنى الذى لأجله لم يلتزم عليه الصلاة والسلام إنما هو ما قد عُلم من عادته الكريمة فى كونه عليه الصلاة والسلام يريد التخفيف عن أمته، والرحمة لهم سيّما فيما كان يخصّه عليه الصلاة والسلام.

ألا ترى إلى قوله عليه الصلاة والسلام فى حق حرم المدينة: اللّهم! إن إبراهيم حرّم مكة، وإنى أحرّم المدينة بما حرّم به إبراهيم مكة ومثله معه؟ ثم إنه عليه الصلاة والسلام لم يشرّع فى قتل صيده ولا فى قطع شجره الجزاء، تخفيفاً على أمته ورحمة لهم، فكان عليه الصلاة والسلام ينظر إلى ما هو من جهته ...... وإن كان فاضلاً فى نفسه يتركه للتخفيف عنهم۔[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے (اپنی ولادت کے) عظیم مہینے کی عظمت کا اِظہار

---

(۱) ۱۔ ابن الحاج، المدخل إلى تنمية الأعمال بتحسين النيات والتنبيه على كثير من البدع المحدثة والعوائد المنتحلة، ۲: ۲۔۴

۲۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۷۔۵۹

۳۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۳، ۲۰۴

۴۔ صالحی، سبل الهدى والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۷۱، ۳۷۲

ایک سائل کے جواب میں فرمایا جس نے پیر کے دن کا روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اُسے فرمایا: ’’یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی۔‘‘

’’پس اس دن کی عظمت سے اُس ماہِ (ربیع الاول) کی عظمت معلوم ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس مہینے کا کما حقہ‘ احترام کریں اور اِس ماہِ مقدس کو اس چیز کے ساتھ فضیلت دیں جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فضیلت والے مہینوں کو فضیلت بخشی ہے۔ اِسی حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔‘‘ اور آپ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے: ’’روزِ محشر آدم علیہ السلام سمیت سب میرے پرچم تلے ہوں گے۔‘‘

’’زمانوں اور مکانوں کی عظمتیں اور فضیلتیں ان عبادتوں کی وجہ سے ہیں جو ان (مہینوں) میں سرانجام دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ زمان و مکاں کی خود اپنی کوئی عظمت و رفعت نہیں بلکہ ان کی عظمت کا سبب وہ خصوصیات و امتیازات ہیں جن سے انہیں سرفراز فرمایا گیا۔ پس اس پر غور کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مہینے اور پیر کے دن کو عظمت عطا کی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس دن روزہ رکھنا فضلِ عظیم ہے کیوں کہ رسولِ معظم ﷺ کی ولادت اس روز ہوئی۔

’’لہٰذا لازم ہے کہ جب یہ مبارک مہینہ تشریف لائے تو اس کی بڑھ چڑھ کر تکریم و تعظیم اور ایسی توقیر و اِحترام کیا جائے جس کا یہ حق دار ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کے اُس اُسوۂ مبارکہ کی تقلید ہوگی کہ آپ ﷺ خصوصی (عظمت کے حامل) دنوں میں کثرت سے نیکی اور خیرات کے کام کرتے تھے۔ کیا تو

(حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے) اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کا روایت کردہ یہ قول نہیں دیکھا: حضور نبی اکرم ﷺ بھلائی میں سب لوگوں سے زیادہ فیاض تھے اور ماہِ رمضان میں آپ ﷺ بہت فیاضی اور دریا دلی کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ اس بناء پر کہ آپ ﷺ فضیلت والے اوقات کی عزت افزائی فرماتے تھے ہمیں بھی فضیلت کے حامل اوقات (جیسے ماہِ ربیع الاول) کی بہ قدرِ اِستطاعت تعظیم کرنی چاہیے۔

''اگر کوئی کہے: حضور نبی اکرم ﷺ نے فضیلت والے اوقات کی عزت افزائی فرمائی جو آپ ﷺ نے فرمائی جیسا کہ اوپر جانا جا چکا ہے لیکن آپ ﷺ نے خود اس ماہ کی جس میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی اس طرح عزت افزائی نہیں کی جس طرح آپ ﷺ دوسرے مہینوں کی کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو اُمت کے لیے تخفیف اور آسانی و راحت کا بہت خیال رہتا تھا بالخصوص ان چیزوں کے بارے میں جو آپ ﷺ کی اپنی ذات مقدسہ سے متعلق تھیں۔

''کیا تو نے حرمتِ مدینہ کی بابت آپ ﷺ کا قول نہیں دیکھا: ''اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ منورہ کو اُنہی چیزوں کی مثل حرم قرار دیتا ہوں جن سے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔'' لیکن آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے تخفیف اور رحمت کے سبب مدینہ منورہ کی حدود میں شکار کرنے اور درخت کاٹنے کی کوئی سزا مقرر نہیں فرمائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنی ذاتِ مقدسہ سے متعلقہ کسی اَمر کو اس کی ذاتی فضیلت کے باوجود امت کی آسانی کے لیے ترک فرما دیتے۔''

ابن الحاج مالکی ایک جگہ لکھتے ہیں:

فإن قال قائل: ما الحکمة في کونه علیه الصلاة والسلام خصّ

مولده الكريم بشهر ربيع الأول وبيوم الاثنين منه على الصحيح والمشهور عند أكثر العلماء، ولم يكن فى شهر رمضان الذى أنزل فيه القرآن، وفيه ليلة القدر، واختص بفضائل عديدة، ولا فى الأشهر الحرم التى جعل الله لها الحرمة يوم خلق السموات والأرض ولا فى ليلة النصف من شعبان، ولا فى يوم الجمعة ولا فى ليلتها؟

فالجواب من أربعة أوجه:

الوجه الأول: ما ورد فى الحديث من أن الله خلق الشجر يوم الاثنين. وفى ذلك تنبيه عظيم وهو أن خلق الأقوات والأرزاق والفواكه والخيرات التى يتغذى بها بنو آدم ويحيون، ويتداوون وتنشرح صدورهم لرؤيتها وتطيب بها نفوسهم وتسكن بها خواطرهم عند رؤيتها لاطمئنان نفوسهم بتحصيل ما يبقى حياتهم على ما جرت به العادة من حكمة الحكيم سبحانه وتعالى فوجوده ﷺ فى هذا الشهر فى هذا اليوم قرّة عين بسبب ما وجد من الخير العظيم والبركة الشاملة لأمته صلوات الله عليه وسلامه.

الوجه الثانى: أن ظهوره عليه الصلاة والسلام فى شهر ربيع فيه إشارة ظاهرة لمن تفطن إليها بالنسبة إلى اشتقاق لفظة ربيع إذ أن فيه تفاؤلاً حسناً ببشارته لأمته عليه الصلاة والسلام والتفاؤل له أصل إشار إليه عليه الصلاة والسلام. وقد قال الشيخ الإمام أبو

عبد الرحمن الصقلی: لکل إنسان من اسمه نصیب.

الوجه الثالث: أن فصل الربیع أعدل الفصول وأحسنها.

الوجه الرابع: أنه قد شاء الحکیم سبحانه وتعالی أنه علیه الصلاة والسلام تتشرف به الأزمنة والأماکن لا هو یتشرف بها بل یحصل للزمان والمکان الذی یباشره علیه الصلاة والسلام الفضیلة العظمی والمزیة علی ما سواه من جنسه الا ما استثنی من ذلک لأجل زیادة الأعمال فیها وغیر ذلک. فلو ولد ﷺ فی الأوقات المتقدم ذکرها لکان ظاهره یوهم أنه یتشرف بها۔[1]

’’اگر کوئی کہنے والا کہے: حضور نبی اکرم ﷺ کی ربیع الاول میں اور پیر کے دن ولادتِ مبارکہ کی حکمت کے بارے میں سوال کیا جائے کہ ان کی ولادت رمضان المبارک جو نزولِ قرآن کا مہینہ ہے اور جس میں لیلۃ القدر رکھی گئی ہے یا دوسرے مقدس مہینوں یا ۱۵ شعبان المعظم اور جمعہ کے دن میں کیوں نہ ہوئی؟

’’اس سوال کا جواب چار زاویہ ہائے نظر سے دیا جاسکتا ہے:

۱۔ ذخیرۂ احادیث میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیر کے دن درختوں کو پیدا کیا۔ اس میں ایک لطیف نکتہ مضمر ہے۔ وہ یہ کہ پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے

(۱) ۱۔ ابن الحاج، المدخل إلی تنمیة الأعمال بتحسین النیات والتنبیه علی کثیر من البدع المحدثة والعوائد المنتحلة، ۲: ۲۶۔۲۹
۲۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۷، ۶۸
۳۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۷
۴۔ نبهانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۸

غذا، رزق، روزی اور پھلوں اور دیگر خیرات کی چیزوں کو پیدا فرمایا جن سے بنی نوع انسان غذا حاصل کرتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔ اور ان کو بہ طور علاج بھی استعمال کرتا ہے اور انہیں دیکھ کر انہیں شرحِ صدر نصیب ہوتا ہے (دلی خوشی ہوتی ہے)۔ اور ان کے ذریعے ان کے نفوس کو خوشی و فرحت نصیب ہوتی ہے اور ان کے دلوں کو سکون میسر آتا ہے کیوں کہ (ان کے ذریعے) نفوس - اس چیز کو حاصل کر کے جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے - مطمئن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کی سنت اور طریقہ ہے (کہ اس نے جانوں کو انہی چیزوں کے ساتھ زندہ رکھا ہوا ہے)۔ پس آپ ﷺ کا وجودِ اَطہر اس مبارک مہینہ میں اس مبارک دن میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے بسبب اس کے کہ (آپ ﷺ کی ولادت کے سبب) آپ ﷺ کی امت کو خیر کثیر اور عظیم برکتوں سے نوازا گیا۔

۲۔ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ کا ربیع کے مہینہ میں ظہور اس میں واضح اشارہ ہے ہر اس کے لیے جو لفظ ربیع کے اشتقاق، معنی و مفہوم پر غور کرے کیوں کہ لفظ ربیع (موسم بہار) میں اشتقاقی طور پر ایک اچھا اور نیک شگون پایا جاتا ہے۔ اس میں نیک شگون یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کی بشارت دی گئی۔ اور نیک شگونی کی کوئی نہ کوئی اصل ہوتی جس کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا۔ ابو عبد الرحمان صقلی بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے اس کے نام میں اس کا ایک حصہ رکھ دیا گیا ہے یعنی اس کے نام کے اثرات اس کی شخصیت پر مرتسم ہوتے ہیں۔

۳۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ربیع (بہار) تمام موسموں میں انتہائی معتدل اور حسین

ہوتا ہے۔ اور اسی طرح رسولِ معظم ﷺ کی شریعت تمام شرائع میں انتہائی پر اعتدال اور آسان ترین ہے۔

۴۔ بے شک اللہ ﷻ نے چاہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وجودِ مسعود سے زمان و مکان شرف حاصل کریں نہ کہ آپ ﷺ اُن سے شرف پائیں۔ بلکہ وہ زمان و مکان جس میں براہِ راست آپ ﷺ کی آمد ہو اس کو فضیلتِ عظمیٰ اور دیگر زمان و مکان پر نمایاں ترین مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے۔ سوائے اس زمان و مکاں کے جن کا اس لیے استثناء کیا گیا کہ ان میں اعمال کی کثرت کی جائے اور اس کے علاوہ باقی اسباب کی وجہ سے۔ پس اگر آپ ﷺ ان اوقات میں تشریف لاتے جن کا ذکر (اوپر اعتراض میں) گزر چکا ہے تو وہ بہ ظاہر اس وہم میں ڈال دیتے کہ آپ ﷺ ان سے متشرف ہوئے ہیں۔‘‘

۱۱۔ اِمام شمس الدین الذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)

اِمام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء) کا شمار عالمِ اسلام کے عظیم محدّثین و مؤرّخین میں ہوتا ہے۔ اُنہوں نے اُصولِ حدیث اور اَسماء الرجال کے فن میں بھرپور خدمات سرانجام دیں اور کئی کتب تالیف کی ہیں، مثلا **تجريد الأصول في أحاديث الرسول، ميزان الإعتدال في نقد الرجال، المشتبة في أسماء الرجال، طبقات الحفاظ** وغیرہ۔ فنِ تاریخ میں اُن کی ایک ضخیم کتاب - **تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام** - موجود ہے۔ اَسماء الرجال کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب - **سير أعلام النبلاء** - میں رُواۃ کے حالاتِ زندگی پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب علمی حلقوں میں بلند پایہ مقام رکھتی ہے۔ امام ذہبی نے اس کتاب میں سلطان صلاح الدین ایوبی (۵۳۲۔۵۸۹ھ/ ۱۱۳۸۔۱۱۹۳ء) کے بہنوئی اور اِربل کے

بادشاہ سلطان مظفر الدین ابو سعید کوکبری (م ۶۳۰ھ) کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے اور ان کی بہت تعریف و تحسین کی ہے۔ بادشاہ ابو سعید کوکبری بہت زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والے اور مہمان نواز تھے۔ اُنہوں نے دائمی بیماروں اور اندھوں کے لیے چار مسکن تعمیر کروائے اور ہر پیر و جمعرات کو ان سے ملاقات و دریافت اَحوال کے لیے جاتے۔ اِسی طرح خواتین، یتیموں اور لاوارث بچوں کے لیے الگ الگ گھر تعمیر کروائے تھے۔ وہ بیماروں کی عیادت کے لیے باقاعدگی سے ہسپتال جاتے تھے۔ اَحناف اور شوافع کے لیے الگ الگ مدارس بنوائے اور صوفیاء کے لیے خانقاہیں تعمیر کروائی تھیں۔ اِمام ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بادشاہ سنی العقیدہ، نیک دل اور متقی تھا۔ اُنہوں نے یہ واقعہ اپنی دو کتب۔ ''سیر أعلام النبلاء'' اور ''تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام'' - میں بالتفصیل درج کیا ہے۔

اِمام ذہبی ملک المظفر کے جشنِ میلاد منانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

و أما احتفاله بالمَوْلِد فيقصر التعبير عنه؛ كان الخلق يقصدونه من العراق والجزيرة ...... و يُخْرِجُ من البَقَر والإبل والغَنَم شيئاً كثيراً فَتُنْحَر وتُطْبَخ الألوان، ويَعْمَل عِدّة خِلَع للصُّوفية، ويتكلم الوُعّاظ في الميدان، فينفق أموالاً جزيلة. وقد جَمَعَ له ابن دحية ''كتاب المولد'' فأعطاه ألف دينار. وكان مُتواضعًا، خيراً، سُنّيّاً، يحب الفقهاء والمحدثين. ...... وقال سِبط الجوزي: كانَ مُظفّر الدِّين ينفق في السنة على المولد ثلاث مائة ألف دينار، وعلى الخانقاه مائتي ألف دينار. ...... وقال: قال من حضر المولد مرّة عددت على سماطه مائة فرس قشلميش، وخمسة آلاف رأس شوي، و عشرة آلاف دجاجة، مائة ألف زُبدية، و ثلاثين ألف

صحن حلواء۔[1]

''اَلفاظ ملک المظفر کے محفلِ میلا دِمصطفیٰ ﷺ منانے کا انداز بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ جزیرۂ عرب اور عراق سے لوگ کشاں کشاں اس محفل میں شریک ہونے کے لیے آتے ...... اور کثیر تعداد میں گائیں، اونٹ اور بکریاں ذبح کی جاتیں اور انواع و اقسام کے کھانے پکائے جاتے۔ وہ صوفیاء کے لیے کثیر تعداد میں خلعتیں تیار کرواتا اور واعظین وسیع و عریض میدان میں خطابات کرتے اور وہ بہت زیادہ مال خیرات کرتا۔ ابن دحیہ نے اس کے لیے ''میلا دالنبی ﷺ'' کے موضوع پر کتاب تالیف کی تو اس نے اسے ایک ہزار دینار دیے۔ وہ منکسر المزاج اور راسخ العقیدہ سنی تھا، فقہاء اور محدثین سے محبت کرتا تھا۔ سبط الجوزی کہتے ہیں: شاہ مظفر الدین ہر سال محفلِ میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا جب کہ خانقاہِ صوفیاء پر دو لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ اس محفل میں شریک ہونے والے ایک شخص کا کہنا ہے کہ اُس کی دعوتِ میلاد میں ایک سو (۱۰۰) قشلمیش گھوڑوں پر سوار سلامی و اِستقبال کے لیے موجود تھے۔ میں نے اُس کے دستر خوان پر پانچ ہزار بھنی ہوئی سِریاں، دس ہزار مرغیاں، ایک لاکھ دودھ سے بھرے مٹی کے پیالے اور تیس ہزار مٹھائی کے تھال پائے۔''

۱۲۔ امام کمال الدین الادفوی (۶۸۵۔۷۴۸ھ)

اِمام کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر الادفوی (۱۲۸۶۔۱۳۴۷ء) ''الطالع السعید الجامع لأسماء نجباء الصعید'' میں فرماتے ہیں:

(۱) ۱۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱۶: ۲۷۴، ۲۷۵

۲۔ ذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام (۶۲۱۔۶۳۰ھ)، ۴۵: ۴۰۲۔۴۰۵

حکی لنا صاحبنا العدل ناصر الدین محمود بن العماد أن أبا الطیب محمد بن إبراهیم السبتی المالکی نزیل قوص، أحد العلماء العاملین، کان یجوز بالمکتب فی الیوم الذی ولد فیه النبی ﷺ، فیقول: یا فقیه! هذا یوم سرور، اصرف الصبیان، فیصرفنا.

وهذا منه دلیل علی تقریره وعدم إنکاره، وهذا الرجل کان فقیهاً مالکیًّا متفنّناً فی علوم، متورّعاً، أخذ عنه أبو حیان وغیره، مات سنة خمس وتسعین وستمائة۔[1]

’’ہمارے ایک مہربان دوست ناصر الدین محمود بن عماد حکایت کرتے ہیں کہ بے شک ابو طیب محمد بن ابراہیم سبتی مالکی - جو قوص کے رہنے والے تھے اور صاحبِ عمل علماء میں سے تھے - اپنے دارالعلوم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے دن محفل منعقد کرتے اور مدرسے میں چھٹی کرتے۔ وہ (اساتذہ سے) کہتے: اے فقیہ! آج خوشی و مسرت کا دن ہے، بچوں کو چھوڑ دو۔ پس ہمیں چھوڑ دیا جاتا۔

’’ان کا یہ عمل ان کے نزدیک میلاد کے اِثبات و جواز اور اِس کے عدم کے اِنکار پر دلیل و تائید ہے۔ یہ شخص (محمد بن ابراہیم) مالکیوں کے بہت بڑے فقیہ اور ماہرِ فن ہو گزرے ہیں جو بڑے زُہد و ورع کے مالک تھے۔ علامہ ابوحیان اور دیگر علماء نے ان سے اِکتسابِ فیض کیا ہے اور انہوں نے ۶۹۵ھ

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۶، ۶۷
۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶
۳۔ نبہانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۸

میں وفات پائی۔‘‘

۱۳۔ اِمام تقی الدین ابو الحسن السبکی (۶۸۳۔۷۵۶ھ)

اِمام تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی السبکی (۱۲۸۴۔۱۳۵۵ء) کے بارے میں شیخ اِسماعیل حقی (۱۰۶۳۔۱۱۳۷ھ) فرماتے ہیں:

وقد اجتمع عند الإمام تقی الدین السبکی جمع کثیر من علماء عصره، فأنشد منشد قول الصرصری فی مدحه ﷺ:

قلیل لمدح المصطفی الخط بالذهب
علی ورق من خط أحسن من کتب
وإن تنهض الأشراف عند سماعه
قیاما صفوفا أو جثیا علی الرکب[۱]

’’اِمام تقی الدین سبکی کے ہاں اُن کے معاصر علماء کا ایک کثیر گروہ جمع ہوتا اور وہ سب مل کر مدحِ مصطفیٰ ﷺ میں اِمام صرصری حنبلی کے درج ذیل اشعار پڑھتے:

(حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح میں چاندی کے ورق پر سونے کے پانی سے اچھے خوش نویس کے ہاتھ سے نہایت خوبصورت انداز میں لکھنا بھی کم ہے؛ اور یہ بھی کم ہے کہ دینی شرف والے آپ ﷺ کے ذکرِ جمیل کے وقت صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں یا گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں۔)

(۱) ۱۔ اِسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۵۶
۲۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۱: ۸۴

۱۴۔ اِمام عماد الدین بن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ)

اِمام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر (۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء) ایک نام وَر مفسر، محدث، مؤرّخ اور فقیہ تھے۔ آپ کی تحریر کردہ ''تفسیر القرآن العظیم'' ایک مستند تفسیر ہے۔ آپ نے ''جامع المسانید والسنن'' میں اَحادیث کا ایک وسیع ذخیرہ جمع کیا ہے۔ تاریخ کے میدان میں آپ کی ''البداية والنهاية'' کے نام سے ایک ضخیم تصنیف موجود ہے۔ اِس کتاب میں اُنہوں نے شاہِ اِربل ابو سعید المظفر کے جشنِ میلاد کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اِمام ابن کثیر نے ''ذكر مولد رسول الله ﷺ ورضاعه'' کے نام سے ایک رسالہ بھی تالیف کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

أول ما أرضعته ثويبة مولاة عمّه أبی لهب، وكانت قد بشرت عمه بميلاده فأعتقها عند ذلک، ولهذا لما رآه أخوه العباس بن عبد المطلب بعد ما مات، ورآه فی شرّ حالة، فقال له: ما لقيت؟ فقال: لم ألق بعدكم خيراً، غير أنی سقيت فی هذه - وأشار إلی النقرة التی فی الإبهام - بعتاقتی ثويبة.

وأصل الحديث فی الصحيحين.

فلما كانت مولاته قد سقت النبی ﷺ، من لبنها عاد نفع ذلک علی عمه أبی لهب، فسقی بسبب ذلک، مع أنه الّذی أنزل الله فی ذمّه سورة فی القرآن تامة۔[1]

''سب سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابو لہب کی کنیز ثویبہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اُس نے آپ ﷺ کے اِس چچا کو آپ ﷺ کی ولادت کی

(۱) ابن كثير، ذكر مولد رسول الله ﷺ ورضاعه: ۲۸، ۲۹

خوش خبری دی تو اُس نے (اِس خوشی میں) اُسی وقت اُسے آزاد کر دیا۔ پس جب اُس کے مرنے کے بعد اُس کے بھائی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اُسے خواب میں بری حالت میں دیکھا تو پوچھا: تیرا کیا حال ہے؟ پس اُس نے کہا: تم سے بچھڑنے کے بعد مجھے کوئی سکون نہیں ملا - اور اپنی شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا - سوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اِس سے پانی پلایا جاتا ہے۔

''اصل حدیث ''صحیحین'' میں ہے۔

''پس جب اُس کی خادمہ نے دودھ پلایا تو اُس کے دودھ پلانے کے نفع سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا ابو لہب کو محروم نہ رکھا، بلکہ اِس وجہ سے (اُس پر فضل فرماتے ہوئے) ہمیشہ کے لیے اُس کی پیاس بجھانے کا اِنتظام فرما دیا حالاں کہ اِسی چچا کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک مکمل سورت نازل ہوئی تھی۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بہنوئی شاہ ابو سعید المظفر کا جشنِ میلاد

شاہ ابو سعید المظفر (م ۶۳۰ھ) عظیم فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی (۵۳۲۔ ۵۸۹ھ/ ۱۱۳۸۔۱۱۹۳ء) کے بہنوئی تھے۔ سلطان کی حقیقی ہمشیرہ ربیعہ خاتون ملک ابو سعید المظفر کے عقد میں تھیں اور سلطان بادشاہ سے بغایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ وہ دونوں خدمتِ اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ دل و جان سے شریک تھے۔ بادشاہ خادمِ اسلام ہونے کے باوصف بہت متقی، پرہیزگار اور فیاض واقع ہوئے تھے۔ بادشاہ کا عظیم دینی و روحانی مقام اور خدمتِ اسلام کی تڑپ دیکھ کر ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی ہمشیرہ 'ربیعہ خاتون' کی شادی ان سے کی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حوالے سے ملک ابو سعید المظفر کا یہ تعارف کرانے کے بعد امام ابن کثیر نے تین چار سطور میں موصوف

کے سیرت و کردار، تقویٰ و پرہیزگاری اور دریا دلی پر روشنی ڈالی ہے اور میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے تفصیلات شرح و بسط کے ساتھ رقم کی ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر بالتفصیل لکھا ہے کہ بادشاہ کس جوش و جذبہ اور مسرت و سرور سے میلاد النبی ﷺ کی تقریب کا اہتمام کیا کرتا تھا۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

الملک المظفر أبو سعيد كوكبري بن زين الدين علي بن تبكتكين أحد الأجواد والسادات الكبراء والملوک الأمجاد، له آثار حسنة وقد عمر الجامع المظفري بسفح قاسيون، وكان قد همّ بسياقة الماء إليه من ماء برزة فمنعه المعظم من ذلک، واعتل بأنه قد يمر على مقابر المسلمين بالسفوح، وكان يعمل المولد الشريف فی ربيع الأول ويحتفل به احتفالاً هائلاً، وكان مع ذلک شهماً شجاعاً فاتكاً بطلاً عاقلاً عالماً عادلاً رحمه الله وأكرم مثواه. وقد صنّف الشيخ أبو الخطاب بن دحية له مجلداً فی المولد النبوي سمّاه "التنوير فی مولد البشير النذير" فأجازه على ذلک بألف دينار، وقد طالت مدته فی الملک فی زمان الدولة الصلاحية، وقد كان محاصراً عكا وإلى هذه السنة محمود السيرة والسريرة. قال السبط: حكى بعض من حضر سماط المظفر فی بعض الموالد كان يمد فی ذلک السماط خمسة آلاف رأس مشوي. وعشرة آلاف دجاجة، ومائة ألف زبدية، وثلاثين ألف صحن حلوى۔[1]

---

(۱) ۱۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۹: ۱۸

۲۔ محبی، خلاصة الأثر فی أعيان القرن الحادی عشر، ۳: ۲۳۳ ←

''شاہ مظفر ابو سعید کوکبری بن زین الدین علی بن تبکتکین ایک سخی، عظیم سردار اور بزرگ بادشاہ تھا، جس نے اپنے بعد اچھی یادگاریں چھوڑیں۔ اس نے قاسیون کے دامن میں جامع مظفری تعمیر کروائی۔ وہ برزہ کے پانی کو اس کی طرف لانا چاہتا تھا تو معظم نے اسے اس کام سے یہ کہہ کر روک دیا کہ وہ سفوح کے مقام پر مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے گا۔ وہ ماہ ربیع الاول میں میلاد مناتا تھا اور عظیم الشان محفلِ میلاد منعقد کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بہادر، دلیر، حملہ آور، جری، دانا، عالم اور عادل بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے اور اسے بلند رتبہ عطا فرمائے۔ شیخ ابو الخطاب ابن دحیہ نے اس کے لیے میلاد النبی ﷺ کے بارے میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ''**التنویر فی مولد البشیر والنذیر**'' رکھا۔ شاہ نے اس تصنیف پر اُسے ایک ہزار دینار انعام دیا۔ اس کی حکومت حکومتِ صلاحیہ کے زمانے تک رہی، اس نے عکا کا محاصرہ کیا اور اس سال تک وہ قابلِ تعریف سیرت و کردار اور قابلِ تعریف دل کا آدمی تھا۔ سبط نے بیان کیا ہے کہ مظفر کے دستر خوانِ میلاد پر حاضر ہونے والے ایک شخص کا بیان ہے کہ اس میں پانچ ہزار بھنے ہوئے بکرے، دس ہزار مرغیاں، ایک لاکھ مٹی کے دودھ سے بھرے پیالے اور تیس ہزار مٹھائی کے تھال ہوتے تھے۔''

اِس کے بعد امام ابن کثیر کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وكان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء والصوفية فيخلع عليهم ويطلق لهم ويعمل للصوفية سماعًا من الظهر إلى العصر، ويرقص بنفسه معهم، وكانت له دار ضيافة للوافدين من أي جهة

...... ۳۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۴۲۔۴۴

۴۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۰

۵۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۱: ۵۳، ۵۴

على أي صفة. وكانت صدقاته فى جميع القرب والطاعات على الحرمين وغيرهما، ويتفك من الفرنج فى كل سنة خلقًا من الأسارى، حتى قيل إن جملة من استفكه من أيديهم ستون ألف أسير، قالت زوجته ربيعة خاتون بنت أيوب — وكان قد زوجه إياها أخوها صلاح الدين، لما كان معه على عكا — قالت: كان قميصه لا يساوى خمسة دراهم فعاتبته بذلك، فقال: لبسى ثوبًا بخمسة وأتصدق بالباقى خير من أن ألبس ثوبًا مثمنًا وأدع الفقير المسكين، وكان يصرف على المولد فى كل سنة ثلاثمائة ألف دينار، وعلى دار الضيافة فى كل سنة مائة ألف دينار. وعلى الحرمين والمياه بدرب الحجاز ثلاثين ألف دينار سوى صدقات السر، رحمه الله تعالى، وكانت وفاته بقلعة إربل، وأوصى أن يحمل إلى مكة فلم يتفق فدفن بمشهد علي۔[1]

’’میلاد کے موقع پر اُس کے پاس بڑے بڑے علماء اور صوفیاء حاضر ہوتے تھے، وہ انہیں خلعتیں پہناتا اور عطیات پیش کرتا تھا اور صوفیاء کے لیے ظہر سے عصر تک سماع کراتا تھا اور خود بھی ان کے ساتھ رقص کرتا تھا۔ ہر خاص و عام کے

(۱) ۱۔ابن کثیر، البداية والنهاية، ۹: ۱۸

۲۔سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۴۴

۳۔سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۰

۴۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۲، ۳۶۳

۵۔ نبہانی، حجة الله على العالمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۶

لیے ایک دارِ ضیافت تھا اور وہ حرمین شریفین و دیگر علاقوں کے لیے صدقات دیتا تھا اور ہر سال بہت سے قیدیوں کو فرنگیوں سے چھڑا تا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ان کے ہاتھ سے ساٹھ ہزار قیدیوں کو رہا کرایا۔ اس کی بیوی ربیعہ خاتون بنت ایوب کہتی ہے کہ اس کے ساتھ میرا نکاح میرے بھائی صلاح الدین ایوبی نے کرایا تھا۔ اس خاتون کا بیان ہے کہ شاہ کی قمیص پانچ دراہم کے برابر بھی نہ ہوتی تھی۔ پس میں نے اسے اس بارے میں سوال کیا تو وہ کہنے لگے: میرا پانچ درہم کے کپڑے کو پہننا اور باقی کو صدقہ کر دینا اس بات سے بہتر ہے کہ میں قیمتی کپڑا پہنوں اور فقراء اور مساکین کو چھوڑ دوں۔ اور وہ ہر سال محفل میلادِ النبی ﷺ پر تین لاکھ دینار اور مہمان نوازی پر ایک لاکھ دینار اور حرمین شریفین اور حجاز کے راستے میں پانی پر خفیہ صدقات کے علاوہ تیس ہزار دینار خرچ کرتا تھا، رحمہ اللہ تعالی۔ اس کی وفات قلعہ اِربل میں ہوئی اور اس نے وصیت کی کہ اسے مکہ لے جایا جائے، مگر ایسا نہ ہو سکا اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اِجتماع گاہ میں دفن کیا گیا۔‘‘

شاہِ اِربل تقریباتِ میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ امام ابن کثیر نے اتنی خطیر رقم میلا د النبی ﷺ پر خرچ کرنے کی تحسین کی ہے اور ایک لفظ بھی تنقید اور اِعتراض کے طور پر نہیں لکھا۔ یاد رہے کہ ایک دینار دو پاؤنڈ کے برابر تھا اور اس طرح میلاد پر خرچ کی گئی رقم چھ لاکھ پاؤنڈ تک جا پہنچی تھی۔ دینار اور پاؤنڈ کا یہ موازنہ آج کے دور کا نہیں بلکہ آج سے آٹھ سو (۸۰۰) سال قبل کا ہے۔ اگر آج کے زمانہ سے تقابل کیا جائے تو اُن دنوں ایک دینار کم و بیش ایک چوتھائی تولہ سونے کے برابر ہوتا تھا جو آج پاکستانی کرنسی میں قریباً چار ہزار روپے (۴،۰۰۰) روپے بنتا ہے اور اگر ایک دینار کی اُسی حساب سے قدر نکالی جائے تو یہ آج تقریبًا چالیس (۴۰) پاؤنڈ بنتی ہے۔ اور اگر حساب کرتے ہوئے چالیس (۴۰) کو تین لاکھ (۳،۰۰،۰۰۰) سے ضرب دی جائے تو یہ رقم ایک اَرب بیس کروڑ

(۱,۲۰۰,۰۰۰,۰۰۰) پاکستانی روپے کے لگ بھگ ہوگی۔ اور یہ محض ایک تخمینہ ہے۔

۱۵۔ اِمام برہان الدین بن جماعہ (۷۲۵۔۷۹۰ھ)

اِمام برہان الدین ابو اِسحاق اِبراہیم بن عبد الرحیم بن اِبراہیم بن جماعہ الشافعی (۱۳۲۵۔۱۳۸۸ء) ایک نام وَر قاضی و مفسر تھے۔ آپ نے دس جلدوں پر مشتمل قرآن حکیم کی تفسیر لکھی۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) ''المورد الروی فی مولد النبوی ونسبہ الطاہر'' میں آپ کے معمولاتِ میلاد شریف کی بابت لکھتے ہیں:

فقد اتصل بنا أن الزاهد القدوة المعمر أبا إسحاق إبراهيم بن عبد الرحيم بن إبراهيم جماعة لما كان بالمدينة النبوية - على ساكنها أفضل الصلاة وأكمل التحية - كان يعمل طعاماً فى المولد النبوى، ويطعم الناس، ويقول: لو تمكنت عملت بطول الشهر كل يوم مولداً۔(۱)

''ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ زاہد و قدوہ معمر ابو اِسحاق بن اِبراہیم بن عبد الرحیم جب مدینۃ النبی - اُس کے ساکن پر افضل ترین درود اور کامل ترین سلام ہو - میں تھے تو میلادِ نبوی ﷺ کے موقع پر کھانا تیار کرکے لوگوں کو کھلاتے تھے، اور فرماتے تھے: اگر میرے بس میں ہوتا تو پورا مہینہ ہر روز محفلِ میلاد کا اہتمام کرتا۔''

۱۶۔ زین الدین بن رجب الحنبلی (۷۳۶۔۷۹۵ھ)

علامہ زین الدین عبد الرحمان بن اَحمد بن رجب حنبلی (۱۳۳۶۔۱۳۹۳ء) فقہ حنبلی کے معروف عالم اور کثیر التصانیف محقق تھے۔ اپنی کتاب - **لطائف المعارف فیما**

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبہ الطاہر: ۱۷

لمواسم العام من الوظائف - میں اُنہوں نے مختلف اِسلامی مہینوں کے فضائل اور ان میں کیے جانے والے اَعمال و وظائف مفصل بیان کیے ہیں۔ ماہِ ربیع الاوّل کے ذیل میں تین فصول قائم کی ہیں، جن میں سے دو فصول حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت اور واقعاتِ نبوت کے بیان پر مشتمل ہیں، جب کہ تیسری فصل میں آپ ﷺ کے وصال مبارک کے واقعات کا ذکر ہے۔ ماہِ ربیع الاوّل کے واقعات پر مشتمل باب کا آغاز ہی اُنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد سے متعلق مختلف روایات سے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

خرّج الإمام أحمد من حديث العِرُباض بن سَارِيَةَ السُّلَمِي رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ، قال: إنّی عِند الله فی أُمّ الکتاب لَخاتمُ النّبِيّين، وإنّ آدم لَمُنجدلٌ فی طينتهِ، وَسوف أنبئكم بتأوِيل ذلک: دعوة أبی إبراهيم،[1] وبشارة عيسى قومه،[2] ورؤيا أُمّی الّتی رأت أنه خرج منها نورٌ أضاءت له قصور الشام، وكذلک أمهات النببين يَرَيْنَ۔[3]

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۹

(۲) الصف، ۶۱: ۶

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۷، ۱۲۸، رقم: ۱۷۱۹۰، ۱۷۱۹۱، ۱۷۲۰۳

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۳۱۲، رقم: ۶۴۰۴

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۶۵۶، رقم: ۴۱۷۴

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۵۳، رقم: ۶۳۱

۵۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۲: ۳۴۰، رقم: ۱۴۵۵

۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۱۴۹

←

”اَحمد بن حنبل نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تخریج کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں لوحِ محفوظ میں اس وقت بھی خاتم الانبیاء تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ اور میں تمہیں ان کی تاویل بتاتا ہوں کہ میں اپنے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسی بن مریم علیہ السلام کی اپنی قوم کو دینے والی بشارت کا نتیجہ ہوں، اور اپنی والدہ ماجدہ کے ان خوابوں کی تعبیر ہوں جس میں انہوں نے دیکھا کہ ان کے جسم اَطہر سے ایسا نور پیدا ہوا جس سے شام کے محلات بھی روشن ہو گئے۔ اور اسی طرح کے خواب اَنبیاء کی مائیں دیکھتی تھیں۔“

بعد ازاں اُنہوں نے اِسی موضوع سے متعلق دیگر روایات ذکر کی ہیں،(۱) جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہِ ربیع الاوّل میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے واقعات بیان کرنا ایک جائز، مستحسن اور عملِ خیر ہے۔

۱۷۔ اِمام ولی الدین ابو زرعہ العراقی (۷۶۲۔۸۲۶ھ)

امام ولی الدین ابو زرعہ احمد بن عبد الرحیم بن حسین العراقی (۱۳۶۱۔۱۴۲۳ء) ایک نام وَر محدث وفقیہ تھے۔ اُن سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ محفلِ میلاد منعقد کرنا مستحب ہے یا مکروہ؟ یا اِس کے بارے میں کوئی باقاعدہ حکم موجود ہے جو قابلِ ذکر ہو اور اس کی

------ ۷۔ ہیثمي، موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان: ۵۱۲، الرقم: ۲۰۹۳

۸۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۲۳

۹۔ عسقلاني، فتح الباري، ۶: ۵۸۳

۱۰۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۲: ۳۲۱

(۱) ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف: ۱۵۸۔۲۱۶

پیروی کی جاسکتی ہو؟ آپ نے جواب دیا:

إطعام الطعام مستحب فی کل وقت، فکیف إذا انضم لذالک السرور بظهور نور النبوة فی هذا الشهر الشریف، ولا نعلم ذالک من السلف، ولا یلزم من کونه بدعة کونه مکروهاً، فکم من بدعة مستحبة بل واجبة۔(۱)

’’کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے۔ اگر کسی موقع پر ربیع الاول شریف کے مہینے میں ظہورِ نبوت کی یادگار کے حوالے سے خوشی اور مسرت کے اِظہار کا اِضافہ کر دیا جائے تو اس سے یہ چیز کتنی بابرکت ہوجائے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ اَسلاف نے ایسا نہیں کیا اور یہ عمل بدعت ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مکروہ ہو کیوں کہ بہت سی بدعات مستحب ہی نہیں بلکہ واجب ہوتی ہیں۔‘‘

۱۸۔ حافظ شمس الدین محمد الدمشقی (۷۷۷۔۸۴۲ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی اپنی کتاب ’’**مورد الصادی فی مولد الهادی**‘‘ میں لکھتے ہیں:

وقد صح أن أبالهب یخفّف عنه عذاب النار فی مثل یوم الاثنین، لإعتاقه ثویبة سروراً بمیلاد النبی ﷺ۔

’’یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ہر سوموار کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔‘‘

پھر انہوں نے درج ذیل شعر پڑھے:

إذا کان هذا کافرًا جاء ذمه
وتبّت یداه فی الجحیم مخلّداً

(۱) علی بن إبراهیم، تشنیف الآذان بأسرار الآذان: ۱۳۶

أتی أنه فی یوم الاثنین دائماً
یخفّف عنه للسرور بأحمدا

فما الظن بالعبد الذی طول عمره
بأحمد مسرورًا ومات موحدًا(1)

1۔ جب ابولہب جیسا کافر جس کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے اور جس کی مذمت میں قرآن مجید کی پوری سورت - تَبَّتْ یَدَا - نازل ہوئی۔

2۔ باوُجود اس کے جب سوموار کا دن آتا ہے تو احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ہمیشہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

3۔ پس کیا خیال ہے اس بندے کے بارے میں جس نے تمام عمر حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا جشن منانے میں گزاری اور توحید کی حالت میں اُسے موت آئی!

19۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (773۔852ھ)

شارحِ صحیح البخاری حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (1372۔1449ء) نے عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت واضح طور پر متحقق کی ہے اور یومِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانے کی اِباحت پر دلیل قائم کی ہے۔ حافظ اِبن حجر عسقلانی

(1) 1۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: 66

2۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: 206

3۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، 1: 367

4۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرة النبویة، 1: 54

5۔ نبهانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: 238

کا اِستدلال نقل کرتے ہوئے اِمام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

وقد سئل شيخ الإسلام حافظ العصر أبوالفضل ابن حجر عن عمل المولد، فأجاب بما نصه: قال:

وقد ظهر لی تخريجها على أصل ثابت، وهو ما ثبت فی الصحيحين من: ''أن النبی ﷺ قدم المدينة، فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء، فسألهم، فقالوا: هو يوم أغرق الله فيه فرعون، ونجی موسی، فنحن نصومه شكرًا لله تعالی.

فيستفاد منه فعل الشكر لله تعالى على ما منَّ به فی يوم معين من إسداء نعمة، أو دفع نقمة، ويعاد ذلک فی نظير ذلک اليوم من كل سنة.

والشكر لله تعالی يحصل بأنواع العبادات كالسجود والصيام والصدقة والتلاوة، وأیّ نعمة أعظم من النعمة ببروز هذا النبی ﷺ الذی هو نبی الرحمة فی ذلک اليوم.

وعلی هذا فينبغی أن يتحری اليوم بعينه، حتی يطابق قصة موسی عليه السلام فی يوم عاشوراء.

ومن لم يلاحظ ذلک لا يبالی بعمل المولد فی أیّ يوم فی الشهر، بل توسَّع قوم حتی نقلوه إلی يوم من السنة. وفيه ما فيه. فهذا ما يتعلق بأصل عمل المولد.

وأما ما يُعمل فيه فينبغی أن يقتصر فيه علی ما يفهم الشكر لله تعالی من نحو ما تقدم ذكره من التلاوة، والإطعام، والصدقة،

وإنشاد شيء من المدائح النبوية والزهدية المحركة للقلوب إلى فعل الخيرات والعمل للآخرة۔(۱)

’’شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر سے میلاد شریف کے عمل کے حوالے سے پوچھا گیا تو آپ نے اس کا جواب کچھ یوں دیا:

’’میرے نزدیک یومِ میلاد النبی ﷺ منانے کی اَساسی دلیل وہ روایت ہے جسے ’’صحیحین‘‘ میں روایت کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس پر وہ عرض کناں ہوئے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی، سو ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر بجا لانے کے لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

’’اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اِحسان و اِنعام کے عطا ہونے یا کسی مصیبت کے ٹل جانے پر کسی معین دن میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا اور ہر سال اس دن کی یاد تازہ کرنا مناسب تر ہے۔

’’اللہ تعالیٰ کا شکر نماز و سجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوتِ قرآن و دیگر عبادات کے ذریعہ بجا لایا جا سکتا ہے اور حضور نبی رحمت ﷺ کی ولادت سے بڑھ کر اللہ

---

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۳، ۶۴

۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۵، ۲۰۶

۳۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۶

۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۲۶۳

۵۔ احمد بن زینی دحلان، السیرة النبویة، ۱: ۵۴

۶۔ نبهانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۷

کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے؟ اس لیے اس دن ضرور شکرانہ بجا لانا چاہیے۔

’’اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسی معین دن کو منایا جائے تا کہ یومِ عاشوراء کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے مطابقت ہو۔

’’اور اگر کوئی اس چیز کو ملحوظ نہ رکھے تو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے عمل کو ماہ کے کسی بھی دن منانے میں حرج نہیں بلکہ بعض نے تو اسے یہاں تک وسیع کیا ہے کہ سال میں سے کوئی دن بھی منا لیا جائے۔ پس یہی ہے جو کہ عملِ مولد کی اصل سے متعلق ہے۔

’’جب کہ وہ چیزیں جن پر عمل کیا جاتا ہے ضروری ہے کہ ان پر اکتفا کیا جائے جس سے شکرِ خداوندی سمجھ آئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ (ان میں) ذکر، تلاوت، ضیافت، صدقہ، نعتیں، صوفیانہ کلام جو کہ دلوں کو اچھے کاموں کی طرف راغب کرے اور آخرت کی یاد دلائے (وغیرہ جیسے اُمور شامل ہیں)۔‘‘

۲۰۔ امام شمس الدین السخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ)

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمان سخاوی (۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء) اپنے فتاوی میں میلاد النبی ﷺ منانے کے بارے میں فرماتے ہیں:

وإنما حدث بعدها بالمقاصد الحسنة، والنية التى للإخلاص شاملة، ثم لا زال أهل الإسلام فى سائر الأقطار والمدن العظام يحتفلون فى شهر مولده ﷺ وشرف وكرم بعمل الولائم البديعة، والمطاعم المشتملة على الأمور البهية والبديعة، ويتصدقون فى لياليه بأنواع الصدقات، ويظهرون المسرات

ویزیدون فی المبرات، بل یعتنون بقرابة مولده الکریم، ویظهر علیهم من برکاته کل فضل عظیم عمیم، بحیث کان مما جرب کما قال الإمام شمس الدین بن الجزری المقری، أنه أمان تام فی ذالک العام وبشری تعجل بنیل ما ینبغی ویرام۔(1)

’’(محفلِ میلاد النبی ﷺ) قرونِ ثلاثہ کے بعد صرف نیک مقاصد کے لیے شروع ہوئی اور جہاں تک اس کے انعقاد میں نیت کا تعلق ہے تو وہ اخلاص پر مبنی تھی۔ پھر ہمیشہ سے جملہ اہلِ اسلام تمام ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کے معیار اور عزت و شرف کو عمدہ ضیافتوں اور خوبصورت طعام گاہوں (دسترخوانوں) کے ذریعے برقرار رکھا۔ اب بھی ماہِ میلاد کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات و خیرات دیتے ہیں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں۔ بلکہ جونہی ماہِ میلاد النبی ﷺ قریب آتا ہے خصوصی اہتمام شروع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً اس ماہِ مقدس کی برکات اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضلِ عظیم کی صورت میں ان پر ظاہر ہوتی

---

(۱) ۱۔ **ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۲، ۱۳**

۲۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۲

۳۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، ۱: ۸۴

۴۔ إسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۵۶، ۵۷

۵۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرة النبویة، ۱: ۵۳

۶۔ نبهانی، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۳

ہیں۔ یہ بات تجرباتی عمل سے ثابت ہے جیسا کہ امام شمس الدین بن جزری مقری نے بیان کیا ہے کہ ماہِ میلاد کے اس سال مکمل طور پر حفظ و امان اور سلامتی رہتی ہے اور بہت جلد تمنائیں پوری ہونے کی بشارت ملتی ہے۔‘‘

۲۱۔ اِمام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ)

امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء) کا شمار ان جلیل القدر محققین و مصنفین میں ہوتا ہے جنہوں نے میلاد النبی ﷺ کے تناظر میں بیش بہا معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی کتاب ’’**حسن المقصد فی عمل المولد**‘‘ کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب اِمام سیوطیؒ کی ایک اور کتاب ’’**الحاوی للفتاوی**‘‘ کا حصہ ہے۔ اِس حصہ میں نقلی و عقلی دلائل کے ساتھ تقریبِ میلاد کا شرعی جواز دینے کے علاوہ میلاد کی تاریخی، مذہبی، فقہی اور شرعی حیثیت کی تفصیلات بھی فراہم کی گئی ہیں اور کئی ائمہ کرام کے اِرشادات نقل کیے گئے ہیں۔ ذیل میں اس کتاب کے چند اہم اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ إن أصل عمل المولد الذی هو اجتماع الناس، وقراءة ما تيسر من القرآن، ورواية الأخبار الواردة فی مبدأ (أمر) النبی ﷺ، وما وقع فی مولده من الآيات، ثم يُمدّ لهم سماطاً يأكلونه، وينصرفون من غير زيادة علی ذلک من البدع (الحسنة) التی يثاب عليها صاحبها؛ لما فيه من تعظيم قدر النبی ﷺ، وإظهار الفرح والاستبشار بمولده (ﷺ) الشريف۔[1]

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصدفی عمل المولد: ۴۱
۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۱۹۹

←

’’رسولِ معظم ﷺ کا میلاد منانا جوکہ اصل میں لوگوں کے جمع ہوکر بہ قدرِ سہولت قرآن خوانی کرنے اور ان روایات کا تذکرہ کرنے سے عبارت ہے جو آپ ﷺ کے بارے میں منقول ہیں، آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے معجزات اور خارق العادت واقعات کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد ان کی ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور وہ تناول ماحضر کرتے ہیں اور وہ اس بدعتِ حسنہ میں کسی اضافہ کے بغیر لوٹ جاتے ہیں اور اس اہتمام کرنے والے کو حضور ﷺ کی تعظیم اور آپ ﷺ کے میلاد پر اِظہارِ فرحت و مسرت کی بناء پر ثواب سے نوازا جاتا ہے۔‘‘

۲۔ إن ولادته ﷺ أعظم النعم علينا، ووفاته أعظم المصائب لنا، والشريعة حثّت على إظهار شكر النعم والصبر والسكون والكتم عند المصائب، وقد أمر الشرع بالعقيقة عند الولادة وهی إظهار شكر وفرح بالمولود، ولم يأمر عند الموت بذبح ولا بغيره. بل نهى عن النياحة وإظهار الجزع، فدلّت قواعد الشريعة على أنه يحسن فی هذا الشهر إظهار الفرح بولادته ﷺ دون إظهار الحزن فيه بوفاته۔[1]

’’بے شک آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہمارے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے اور آپ ﷺ کی وفات ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ تاہم شریعت

...... ۳۔ صالحی، سبل الهدى والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۷

۴۔ نبهانی، حجة الله على العالمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۶

(۱) ۱۔ سيوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۴، ۵۵

۲۔ سيوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۳

نے نعمت پر اِظہارِ شکر کا حکم دیا ہے اور مصیبت پر صبر و سکون کرنے اور اُسے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ اِسی لیے شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کا حکم دیا ہے اور یہ بچے کے پیدا ہونے پر اللہ کے شکر اور ولادت پر خوشی کے اِظہار کی ایک صورت ہے، لیکن موت کے وقت جانور ذبح کرنے جیسی کسی چیز کا حکم نہیں دیا بلکہ نوحہ اور جزع وغیرہ سے بھی منع کر دیا ہے۔ لہٰذا شریعت کے قواعد کا تقاضا ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا جائے نہ کہ وصال کی وجہ سے غم کا۔‘‘

۳۔ وظهر لي تخريجه على أصلٍ آخر، وهو ما أخرجه البيهقى، عن أنس رضی الله عنه أن النبى ﷺ عقّ عن نفسه بعد النبوة. مع أنه قد ورد أن جده عبد المطلب عقّ عنه فى سابع ولادته، والعقيقة لا تعاد مرة ثانية، فيحمل ذلک على أن الذى فعله النبى ﷺ إظهارًا للشكر على إيجاد الله تعالى إياه، رحمة للعالمين وتشريفًا لأمته، كما كان يصلى على نفسه، لذلک فيستحب لنا أيضًا إظهار الشكر بمولده باجتماع الإخوان، وإطعام الطعام، ونحو ذلک من وجوه القربات، وإظهار المسرات۔[1]

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۴، ۶۵
۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶
۳۔ صالحی، سبل الهدى والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۷
۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۲۶۳، ۲۶۴
۵۔ نبهانی، حجة الله على العلمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۷

’’یوم میلاد النبی ﷺ منانے کے حوالے سے ایک اور دلیل جو مجھ پر ظاہر ہوئی ہے وہ ہے جسے امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِعلانِ نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا باوُجود اس کے کہ آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں روز آپ ﷺ کا عقیقہ کر چکے تھے۔ اورعقیقہ دو (۲) بار نہیں کیا جاتا۔ پس یہ واقعہ اِسی چیز پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کا دوبارہ اپنا عقیقہ کرنا آپ ﷺ کا شکرانے کا اِظہار تھا اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین اور آپ ﷺ کی اُمت کے شرف کا باعث بنایا۔ اسی طرح ہمارے لیے مستحب ہے کہ ہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے یومِ ولادت پر خوشی کا اِظہار کریں اور کھانا کھلائیں اور دیگر عبادات بجا لائیں اورخوشی کا اظہار کریں۔‘‘

۲۲۔ امام شہاب الدین ابو العباس قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ)

صاحبِ ’’إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری‘‘ امام شہاب الدین ابو العباس احمد بن ابی بکر قسطلانی (۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء) میلاد النبی ﷺ منانے کے متعلق لکھتے ہیں:

وقد رؤی أبولهب بعد موته فی النوم، فقیل له: ما حالک؟ فقال: فی النار، إلا أنه خُفّف عنّی کل لیلة اثنین، وأمصّ من بین أصبعی هاتین ماء - وأشار برأس أصبعه - وأن ذلک بإعتاقی لثویبة عندما بشّرتنی بولادة النبی (ﷺ) وبإرضاعها له.

قال ابن الجوزی: فإذا کان هذا أبولهب الکافر الذی نزل القران بذمّه جُوزیَ فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ به، فما حال المسلم الموحّد من أمته یسر بمولده، ویبذل ما تَصل إلیه قدرته

فی محبّته ﷺ؟ لعمری! إنما یکون جزاؤه من اللہ الکریم أن یدخله بفضله العمیم جنات النعیم۔

ولا زال أهل الإسلام یحتفلون بشهر مولده ؑ، ویعملون الولائم، ویتصدقون فی لیالیه بأنواع الصدقات، ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرات. ویعتنون بقراءة مولده الکریم، ویظهر علیهم من برکاته کل فضل عظیم.

ومما جُرّب من خواصه أنه أمان فی ذالک العام، وبشری عاجلة بنیل البغیة والمرام، فرحم اللہ امرءًا اتّخذ لیالی شهر مولده المبارک أعیادًا، لیکون أشد علة علی من فی قلبه مرض وأعیا داء۔(۱)

’’اور ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: اب تیرا کیا حال ہے؟ پس اُس نے کہا: آگ میں جل رہا ہوں، تاہم ہر پیر کے دن (میرے عذاب میں) تخفیف کر دی جاتی ہے اور - اُنگلی کے اشارہ سے کہنے لگا کہ - میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے (جسے میں پی لیتا ہوں) اور یہ (تخفیفِ عذاب میرے لیے) اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد (ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

(۱) ۱۔ قسطلانی، المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۱۴۷، ۱۴۸
۲۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۲۶۰۔۲۶۳
۳۔ نبہانی، حجة اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ: ۲۳۳، ۲۳۴

’’ابن جزری کہتے ہیں: پس جب حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں اُس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت (میں) قرآن حکیم میں (ایک مکمل سورت) نازل ہوئی ہے، تو اُمت محمدیہ کے اُس توحید پرست مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت و عشق میں حسبِ اِستطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو (اپنے حبیب مکرّم ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل) اپنے بے پناہ فضل کے ساتھ اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔

’’ہمیشہ سے اہلِ اسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے مہینے میں محافلِ میلاد منعقد کرتے آئے ہیں۔ وہ دعوتوں کا اِہتمام کرتے ہیں اور اِس ماہِ (ربیع الاول) کی راتوں میں صدقات و خیرات کی تمام ممکنہ صورتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ اِظہارِ مسرت اور نیکیوں میں کثرت کرتے ہیں اور میلاد شریف کے چرچے کیے جاتے ہیں۔ ہر مسلمان میلاد شریف کی برکات سے بہر طور فیض یاب ہوتا ہے۔

’’محافلِ میلاد شریف کے مجربات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس سال میلاد منایا جائے اُس سال امن قائم رہتا ہے، نیز (یہ عمل) نیک مقاصد اور دلی خواہشات کی فوری تکمیل میں بشارت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے ماہِ میلاد النبی ﷺ کی راتوں کو (بھی) بہ طور عید منا کر اس کی شدتِ مرض میں اضافہ کیا جس کے دل میں (بغضِ رسالت مآب ﷺ کے سبب پہلے ہی خطرناک) بیماری ہے۔‘‘

اِمام قسطلانی کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ماہِ ربیع الاوّل میں محافلِ میلاد منعقد کرنا، واقعاتِ میلاد پڑھنا، دعوتیں کرنا اور کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنا،

اَعمالِ صالحہ میں زیادتی کرنا اور خوشی و مسرت کا اِظہار کرنا ہمیشہ سے سلف صالحین کا شیوہ رہا ہے۔ اور ان اُمور کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رحمتوں و برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

۲۳۔ اِمام نصیر الدین بن الطباخ

شیخ نصیر الدین بن طباخ کہتے ہیں:

لیس هذا من السنن، ولکن إذا أُنفق فی هذا الیوم وأُظهر السرور فرحاً بدخول النبی ﷺ فی الوجود واتخذ السماع الخالی عن اجتماع المردان وإنشاد ما یثیر نار الشهوة من العِشقیات والمشوّقات للشهوات الدنیویّة کالقدّ والخدّ والعین والحاجب، وإنشاد ما یشوّق إلی الآخرة ویزهّد فی الدنیا فهذا اجتماع حسَن یُثاب قاصد ذلک وفاعله علیه، إلا أن سؤال الناس ما فی أیدیهم بذلک فقط بدون ضرورة وحاجة سؤالٌ مکروه، واجتماع الصلحاء فقط لیأکلوا ذلک الطعام ویذکروا الله تعالی ویصلّوا علی رسول الله ﷺ یضاعف لهم القربات والمثوبات۔ (۱)

”یہ عمل سنن میں سے تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی اس دن مال خرچ کرتا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے وجودِ مسعود کے ظہور پذیر ہونے کی خوشی مناتا ہے اور سماع کی محفل منعقد کرتا ہے جو کہ ایسا اجتماع نہ ہو جس میں لغویات جیسے شہوت انگیز گیت، دنیاوی عشق پر مبنی شاعری جس میں محبوب کے رُخساروں، آنکھوں،

(۱) صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۴

ابروؤں کا ذکر ہوتا ہے بلکہ ایسے اشعار ہوں جو کہ آخرت کی یاد دلائیں اور دنیا میں زُہد وتقوی اختیار کرنے کی طرف رغبت دلائیں تو ایسا اجتماع اچھا ہے اور ایسے اجتماع کرنے والا اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ مگر اس اجتماع میں لوگوں کا بغیر حاجت اور ضرورت کے سوال کرنا مکروہ ہے اور اس اجتماع میں صالح لوگوں کا جمع ہونا - تا کہ وہ یہ ضیافت کھائیں اور اللہ کا ذکر کریں اور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجیں - اُن کے اجر و ثواب اور قربتِ الٰہیہ میں مزید اِضافہ کا موجب ہے۔''

۲۴۔ امام جمال الدین بن عبد الرحمٰن الکتانی

اِمام جمال الدین بن عبد الرحمٰن بن عبد الملک کتانی لکھتے ہیں:

مولد رسول الله ﷺ مبجّل مكرّم، قدّس يوم ولادته وشرّف وعظم وكان وجوده ﷺ مَبدأ سبب النجاة لمن اتبعه وتقليل حظّ جهنم لمن أُعدّ لها لفرحه بولادته ﷺ وتمّت بركاتُه على من اهتدى به، فشابَه هذا اليومُ يوم الجمعة من حيث أن يوم الجمعة لا تُسَعّر فيه جهنم، هكذا ورد عنه ﷺ فمن المناسب إظهار السرور وإنفاق الميسور وإجابة من دعاه ربُّ الوليمة للحضور۔(۱)

''حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن بڑا ہی مقدس، بابرکت اور قابل تکریم ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اَقدس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان اور آپ ﷺ کو ماننے والا آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی منائے تو

(۱) صالحی، سبل الهدى والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱:۳۶۴

وہ نجات و سعادت حاصل کر لیتا ہے، اور اگر ایسا شخص خوشی منائے جو مسلمان نہیں اور دوزخ میں رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہو تو اس کا عذاب کم ہو جاتا ہے اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق چلنے والوں پر آپ ﷺ کی برکات مکمل ہوتی ہیں۔ یہ دن یوم جمعہ کے مشابہ ہے، اس حیثیت سے کہ یوم جمعہ میں جہنم نہیں بھڑکتی جس طرح کہ حضور ﷺ سے مروی ہے۔ اس لیے اس دن خوشی اور مسرت کا اظہار اور حسبِ توفیق خرچ کرنا اور دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا بہت ہی مناسب ہے۔‘‘

۲۵۔ اِمام یوسف بن علی بن زُریق الشامی

علامہ ابن ظفر بیان فرماتے ہیں کہ یوسف بن علی بن زُریق شامی - جو کہ اَصلاً مصری ہیں اور مصر کے شہر حَجّار میں پیدا ہوئے، جہاں وہ اپنے گھر میں میلاد النبی ﷺ کی محفل کا انعقاد کرتے تھے - نے کہا:

رأيت النبی ﷺ فی المنام منذ عشرين سنة، وکان لی أخ فی اللہ تعالیٰ يقال له: الشيخ أبو بکر الحجّار، فرأيت کأننی وأبا بکر هذا بين يدی النبی ﷺ جالسين، فأمسک أبوبکر لحية نفسه وفرَقها نصفين، وذکر للنبی ﷺ کلاماً لم أفهمه. فقال النبی ﷺ مجيباً له: لولا هذا لکانت هذه فی النار. ودار إلیّ، وقال: لأضُربنک. وکان بيده قضيب، فقلت: لأیّ شیء يا رسول اللہ؟ فقال: حتی لا تُبطل المولد ولا السّنن.

قال يوسف: فعملته منذ عشرين سنة إلی الآن.

قال: وسمعت يوسف المذکور، يقول: سمعت أخی أبابکر

الحجار یقول: سمعت منصورا النشار یقول: رأیت النبی ﷺ فی المنام یقول لی: قل له: لا یُبطله. یعنی المولد ما علیک ممن أکل وممن لم یأکل. قال: وسمعت شیخنا أبا عبد اللہ بن أبی محمد النعمان یقول: سمعت الشیخ أبا موسی الزرهُونی یقول: رأیت النبی ﷺ فی النوم فذکرت له ما یقوله الفقهاءُ فی عمل الولائم فی المولد. فقال ﷺ: من فَرِح بنا فرِحُنا به۔[1]

''میں نے بیس سال قبل حضور نبی اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی، شیخ ابو بکر حجار میرا دینی بھائی ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں اور ابو بکر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے ہیں۔ چنانچہ ابو بکر حجار نے خود اپنی داڑھی پکڑی اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور حضور ﷺ سے کوئی کلام کیا جو میں نہ سمجھ پایا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اگر یہ نہ ہوتا تو یہ آگ میں ہوتی او رمیری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: میں تمہیں ضرور سزا دوں گا۔ اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تاکہ نہ میلاد شریف کا اِہتمام ترک کیا جائے اور نہ سنتوں کا۔

''یوسف کہتے ہیں کہ (اس خواب کے باعث) میں گزشتہ بیس سالوں سے آج کے دن تک مسلسل میلاد مناتا آرہا ہوں۔

''(ابن ظفر) کہتے ہیں کہ میں نے انہی یوسف کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: میں نے اپنے بھائی ابوبکر حجار سے سنا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے منصور نشار کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ مجھے

(۱) صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۳

فرما رہے تھے کہ میں اسے (یعنی یوسف بن علی) کو کہوں کہ وہ یہ عمل (میلاد کی خوشی میں دعوتِ طعام) ترک نہ کرے، کوئی اس میں کچھ کھائے یا نہ کھائے تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ (ابن ظفر) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ ابو عبد اللہ بن ابی محمد نعمان کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوموسیٰ زرہونی کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے وہ تمام باتیں ذکر کر دیں جو کہ فقہاء میلاد کی ضیافت کے بارے میں کہتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو ہم سے خوش ہوتا ہے ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔‘‘

۲۶۔ اِمام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م۹۴۲ھ)

اِمام ابوعبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف صالحی شامی (م ۱۵۳۶ء) نے سیرتِ طیبہ کی معروف و ضخیم کتاب ’’**سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد** ﷺ‘‘ کی پہلی جلد میں میلاد شریف منانے، اِجتماع منعقد کرنے اور اِس بابت علماء و ائمہ کے اَقوال و طریقہ کے بیان پر مشتمل پورا ایک باب قلم بند کیا ہے۔ ہم نے باب ہذا میں مختلف جگہوں پر ان کی کتاب کے حوالہ جات بھی دیے ہیں۔

۲۷۔ اِمام ابن حجر ہیتمی المکی (۹۰۹۔۹۷۳ھ)

اِمام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی (۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء) سے پوچھا گیا کہ فی زمانہ منعقد ہونے والی محافلِ میلاد اور محافلِ اَذکار سنت ہیں یا نفل یا بدعت؟ تو اُنہوں نے جواب دیا:

الموالد والأذكار التی تفعل عندنا أكثرها مشتمل علی خير، كصدقة، وذكر، وصلاة وسلام علی رسول الله ﷺ ومدحه۔[1]

(۱) ہیتمی، الفتاوی الحدیثیة: ۲۰۲

''ہمارے ہاں میلاد و اَذکار کی جو محفلیں منعقد ہوتی ہیں وہ زیادہ تر نیک کاموں پر مشتمل ہوتی ہیں؛ مثلاً ان میں صدقات دیے جاتے ہیں (یعنی غرباء کی اِمداد کی جاتی ہے)، ذِکر کیا جاتا ہے، حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے اور آپ ﷺ کی مدح کی جاتی ہے۔''

ابن حجر ہیتمی مکی نے میلاد شریف پر ''**مولد النبی** ﷺ'' نامی ایک رِسالہ بھی تالیف کیا ہے۔ اِس میں آپ لکھتے ہیں:

أول من أرضعته ثويبة مولاة عمّه أبی لهب، أعتقها لما بشرته بولادته فخفّف اللہ عنه من عذابه كل ليلة اثنين جزاء لفرحه فيها بمولده ﷺ۔[1]

''سب سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابولہب کی کنیز ثویبہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ جب اُس (ثویبہ) نے اُسے (ابولہب کو) آپ ﷺ کی ولادت کی خوش خبری سنائی تو اُس نے اُسے آزاد کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر سوموار کی رات ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی اس لیے کہ اُس نے حبیبِ خدا ﷺ کی ولادت کا سن کر خوشی کا اِظہار کیا تھا۔''

۲۸۔ امام محمد بن جار اللہ بن ظہیرہ الحنفی (م ۹۸۶ھ)

اِمام جمال الدین محمد جار اللہ بن محمد نور الدین بن ظہیرہ قرشی حنفی (م ۱۵۸۷ء) ''**الجامع اللطيف فی فضل مكة وأهلها وبناء البيت الشريف**'' میں اہلِ مکہ کا جشنِ میلاد النبی ﷺ منانے کا معمول یوں بیان کرتے ہیں:

وجرت العادة بمكة ليلة الثانی عشر من ربيع الأول فی كل عام

---

(۱) ہیتمی، مولد النبی ﷺ: ۲۷

أن قاضی مکة الشافعی یتهیّأ لزیارة هذا المحل الشریف بعد صلاة المغرب فی جمع عظیم، منهم الثلاثة القضاة وأکثر الأعیان من الفقهاء والفضلاء، وذوی البیوت بفوانیس کثیرة وشموع عظیمة وزحام عظیم. ویدعی فیه للسلطان ولأمیر مکة، وللقاضی الشافعی بعد تقدم خطبة مناسبة للمقام، ثم یعود منه إلی المسجد الحرام قبیل العشاء، ویجلس خلف مقام الخلیل علیه السلام بإزاء قبة الفراشین، ویدعو الداعی لمن ذکر آنفًا بحضور القضاة وأکثر الفقهاء. ثم یصلون العشاء وینصرفون، ولم أقف علی أول من سن ذالک، سألت مؤرخی العصر فلم أجد عندهم علمًا بذالک۔[1]

’’ہر سال مکہ مکرمہ میں بارہ ربیع الاول کی رات اہل مکہ کا یہ معمول ہے کہ قاضی مکہ - جو کہ شافعی ہیں - مغرب کی نماز کے بعد لوگوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں تینوں مذاہبِ فقہ کے قاضی، اکثر فقہاء، فضلاء اور اہل شہر ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں فانوس اور بڑی بڑی شمعیں ہوتی ہیں۔ وہاں جا کر مولد شریف کے موضوع پر خطبہ دینے کے بعد بادشاہِ وقت، امیرِ مکہ اور شافعی قاضی کے لیے (منتظم ہونے کی وجہ سے) دعا کی جاتی ہے۔ پھر وہ وہاں سے نمازِ عشاء سے تھوڑا پہلے مسجد حرام میں آ جاتے ہیں اور صاحبانِ فراش کے قبہ کے مقابل مقامِ ابراہیم کے پیچھے بیٹھتے ہیں۔ بعد ازاں دعا کرنے والا کثیر فقہاء اور قضاۃ کی موجودگی میں دعا کا

(۱) ابن ظهیره، الجامع اللطیف فی فضل مکة وأهلها وبناء البیت الشریف: ۲۰۱، ۲۰۲

کہنے والوں کے لیے خصوصی دعا کرتا ہے اور پھر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سارے الوداع ہو جاتے ہیں۔ (مصنف فرماتے ہیں کہ) مجھے علم نہیں کہ یہ سلسلہ کس نے شروع کیا تھا اور بہت سے ہم عصر مؤرّخین سے پوچھنے کے باوُجود اس کی تاریخ کا پتہ نہیں چل سکا۔‘‘

۲۹۔ علامہ قطب الدین الحنفی (م ۹۸۸ھ)

علامہ قطب الدین حنفی نے ’’كتاب الإعلام بأعلام بيت الله الحرام فی تاريخ مكة المشرفة‘‘ میں اہلِ مکہ کی محافلِ میلاد کی بابت تفصیل سے لکھا ہے۔ اُنہوں نے واضح کیا ہے کہ اہلِ مکہ صدیوں سے جشنِ میلاد النبی ﷺ مناتے رہے ہیں:

يزار مولد النبی ﷺ المكانی فی الليلة الثانية عشر من شهر ربيع الأول فی كل عام، فيجتمع الفقهاء والأعيان على نظام المسجد الحرام والقضاة الأربعة بمكة المشرفة بعد صلاة المغرب بالشموع الكثيرة والمفرغات والفوانيس والمشاغل وجميع المشائخ مع طوائفهم بالأعلام الكثيرة ويخرجون من المسجد إلى سوق الليل ويمشون فيه إلى محل المولد الشريف بازدحام ويخطب فيه شخص ويدعو للسلطنة الشريفة، ثم يعودون إلى المسجد الحرام ويجلسون صفوفًا فی وسط المسجد من جهة الباب الشريف خلف مقام الشافعية ويقف رئيس زمزم بين يدی ناظر الحرم الشريف والقضاة ويدعو للسلطان ويلبسه الناظر خلعة ويلبس شيخ الفراشين خلعة. ثم يؤذن للعشاء ويصلی الناس على عادتهم، ثم يمشی الفقهاء مع

ناظر الحرم إلی الباب الذی یخرج منه من المسجد، ثم یتفرقون. وھذه من أعظم مواکب ناظر الحرم الشریف بمکة المشرفة ویأتی الناس من البدو والحضر وأھل جدة، وسکان الأودیة فی تلک اللیلة ویفرحون بھا۔[1]

''ہر سال باقاعدگی سے بارہ ربیع الاول کی رات حضور نبی اکرم ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کی جاتی ہے۔ (تمام علاقوں سے) فقہاء، گورنر اور چاروں مذاہب کے قاضی مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں، فانوس اور مشعلیں ہوتیں ہیں۔ یہ (مشعل بردار) جلوس کی شکل میں مسجد سے نکل کر سوق اللیل سے گزرتے ہوئے حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتا ہے اور اس سلطنتِ شریفہ کے لیے دعا کرتا ہے۔ پھر تمام لوگ دوبارہ مسجد حرام میں آنے کے بعد باب شریف کی طرف رُخ کرکے مقامِ شافعیہ کے پیچھے مسجد کے وسط میں بیٹھ جاتے ہیں اور رئیسِ زَم زَم حرم شریف کے نگران کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ بعد ازاں قاضی بادشاہِ وقت کو بلاتے ہیں، حرم شریف کا نگران اس کی دستار بندی کرتا ہے اور صاحبانِ فراش کے شیخ کو بھی خلعت سے نوازتا ہے۔ پھر عشاء کی اذان ہوتی اور لوگ اپنے طریقہ کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر حرم پاک کے نگران کی معیت میں مسجد سے باہر جانے والے دروازے کی طرف فقہاء آتے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا اجتماع ہوتا کہ دور دراز دیہاتوں، شہروں حتیٰ کہ جدہ کے لوگ بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور آپ ﷺ کی ولادت

(۱) قطب الدین، کتاب الإعلام بأعلام بیت اللہ الحرام فی تاریخ مکة المشرفة: ۳۵۵، ۳۵۶

پر خوشی کا اِظہار کرتے تھے۔‘‘

۳۰۔ ملا علی القاری کی تحقیق (م۱۰۱۴ھ)

نامور حنفی محدّث اور فقیہ، ’’شرح الشفا‘‘ اور ’’مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح‘‘ کے مصنف ملا علی بن سلطان ہروی قاری (م ۱۶۰۶ء) نے بھی میلاد النبی ﷺ پر ایک گراں قدر کتاب ’’المورد الروي في مولد النبي ﷺ ونسبه الطاهر‘‘ مرتب کی ہے۔ اِس میں میلاد النبی ﷺ کے جواز اور عالم عرب و عجم میں اِنعقاد محافلِ میلاد کو اسلامی و تاریخی تناظر میں انتہائی مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس کتاب میں ایک مقام پر ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وفي قوله تعالى: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ[1] إشعار بذلک وإيماء إلى تعظيم وقت مجيئه إلى هنالک. قال: وعلى هذا فينبغي أن يقتصر فيه على ما يفهم الشكر لله تعالى من نحو ما ذكر، وأما ما يتبعه من السماع واللهو وغيرهما فينبغي أن يقال ما كان من ذلک مباحًا بحيث يعين على السرور بذلک اليوم فلا بأس بإلحاقه، وما كان حرامًا أو مكروهًا فيمنع. وكذا ما كان فيه خلاف، بل نحسن في أيام الشهر كلها و لياليه يعني كما جاء عن ابن جماعة تمنيه فقد اتصل بنا أن الزاهد القدوة المعمر أبا إسحاق إبراهيم بن عبد الرحيم بن إبراهيم بن جماعة لما كان بالمدينة النبوية على ساكنها أفضل الصلاة وأكمل التحيّة كان يعمل طعامًا في المولد النبوی ويطعم الناس ويقول: لو تمكنت

(۱) التوبة، ۹: ۱۲۸

عملت بطول الشهر كل يوم مولدًا.

قلت: وأنا لما عجزت عن الضيافة الصورية كتبت هذه الأوراق لتصير ضيافة معنوية نورية مستمرة على صفحات الدهر غير مختصة بالسنة والشهر وسميته: بالمورد الروى فی مولد النبي ﷺ۔[1]

’’فرمانِ باری تعالیٰ - بے شک تمہارے پاس (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے - میں یہی خبر و اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے وقت کی تعظیم بجا لائی جائے اور اس لیے ضروری ہے کہ اظہارِ تشکر میں مذکورہ صورتوں پر اکتفا کیا جائے۔ جہاں تک سماع اور کھیل کود کا تعلق ہے تو کہنا چاہیے کہ اس میں سے جو مباح اور جائز ہے اور اس دن کی خوشی میں ممد و معاون ہے تو اُسے میلاد کا حصہ بنانے میں کوئی حرج نہیں اور جو حرام اور مکروہ ہے اس سے منع کیا جائے۔ یونہی جس میں اختلاف ہے بلکہ ہم تو اس مہینے میں تمام شب و روز میں یہ عمل جاری رکھتے ہیں جیسا کہ ابن جماعہ نے فرمایا۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ زاہد، قدوہ، معمر ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالرحیم بن ابراہیم بن جماعہ جب مدینۃ النبی - اُس کے ساکن پر افضل ترین درود اور کامل ترین سلام ہو - میں تھے تو میلادِ نبوی کے موقع پر کھانا تیار کرکے لوگوں کو کھلاتے اور فرماتے: اگر میرے بس میں ہوتا تو پورا مہینہ ہر روز محفلِ میلاد کا اہتمام کرتا۔

’’میں کہتا ہوں: جب میں ظاہری دعوت و ضیافت سے عاجز ہوں تو یہ اَوراق میں نے لکھ دیے تاکہ میری طرف سے یہ معنوی و نوری ضیافت ہو جائے جو زمانہ کے صفحات پر ہمیشہ باقی رہے، محض کسی سال یا مہینے کے

(۱) ملا علی قاری، المورد الروي فی مولد النبي ﷺ ونسبه الطاهر: ۱۷

ساتھ ہی خاص نہ ہو۔ اور میں نے اس کتاب کا نام ’’المورد الروي في مولد النبي ﷺ‘‘ رکھا ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وقد رؤی أبولهب بعد موته فی النوم، فقیل له: ما حالک؟ فقال: فی النار، إلا أنه خُفّف عنّی کل لیلة اثنتین، فأمصّ من بین أصبعی هاتین ماء – وأشار إلی رأس أصابعه – وإن ذلک بإعتاقی لثویبة عند ما بشرتنی بولادة النبی ﷺ وبإرضاعها له.

قال ابن الجوزی: فإذا کان هذا أبولهب الکافر الذی نزل القران بذمّه جُوزیَ فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ، فما حال المسلم الموحد من أمته یُسر بمولده، ویبذل ما تَصل إلیه قدرته فی محبته ﷺ؟ لعمری! إنما یکون جزاؤه من الله الکریم أن یدخله بفضله العمیم جنات النعیم۔[1]

’’اور ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: اب تیرا کیا حال ہے؟ پس اُس نے کہا: آگ میں جل رہا ہوں، تاہم ہر پیر کے دن (میرے عذاب میں) تخفیف کر دی جاتی ہے اور - اُنگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ - میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے (جسے میں پی لیتا ہوں) اور یہ (تخفیفِ عذاب میرے لیے) اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثُویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد (ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

(۱) ملا علی قاری، المورد الروي فی مولد النبي ﷺ ونسبه الطاهر: ۴۲، ۴۳

’’ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ) کہتے ہیں: پس حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں جب اُس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت (میں) قرآن حکیم میں (ایک مکمل سورت) نازل ہوئی ہے۔ تو اُمتِ محمدیہ کے اُس توحید پرست مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت و عشق میں حسبِ اِستطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو (اپنے محبوب ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل) اپنے بے پناہ فضل کے ساتھ اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔‘‘

۳۱۔ حضرت مجدد الف ثانی (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ)

امام ربانی شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی (۱۵٦۴۔۱٦۲۴ء) اپنے ’’مکتوبات‘‘ میں فرماتے ہیں:

نفس قرآں خواندن بصوتِ حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چه مضائقه است؟ ممنوع تحریف و تغییر حروفِ قرآن است، والتزام رعایة مقامات نغمه و تردید صوت بآں، به طریق الحان با تصفیق مناسب آن که در شعر نیز غیر مباح است۔ اگر به نہجے خوانند که تحریفِ کلمات قرآنی نشود ...... چه مانع است؟[1]

’’اچھی آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت کرنے، قصیدے اور منقبتیں پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ ممنوع تو صرف یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل و تحریف کیا جائے اور اِلحان کے طریق سے آواز پھیرنا اور اس کے مناسب تالیاں

(۱) مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب نمبر: ۷۲

بجانا جو کہ شعر میں بھی ناجائز ہے۔ اگر ایسے طریقہ سے مولود پڑھیں کہ قرآنی کلمات میں تحریف واقع نہ ہو اور قصائد پڑھنے میں مذکورہ (ممنوعہ) اُمور نہ پائے جائیں تو پھر کون سا اَمر مانع ہے؟''

۳۲۔ اِمام علی بن اِبراہیم الحلبی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)

اِمام نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی نہایت بلند رُتبہ عالم اور مقبول و مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ اُن کے مدلل علم کی وجہ سے اُنہیں امامِ کبیر اور علامۂ زماں کہا گیا ہے۔ اُن کے معاصرین میں سے کوئی ان کے پائے کا نہ تھا۔ آپ بہت سی بلند پایہ و مقبول کتب کے مصنف و شارح ہیں۔ آپ کی عظیم ترین کتاب سیرتِ طیبہ پر ''إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون'' ہے جو کہ ''السیرة الحلبیة'' کے نام سے معروف ہے۔ اُنہوں نے اِس کتاب میں حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد شریف منانے پر دلائل دیتے ہوئے اِس کا جائز اور مستحب ہونا ثابت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

والحاصل أن البدعة الحسنة متّفق علی ندبها، وعمل المولد واجتماع الناس له کذلک أی بدعة حسنة۔(۱)

''حاصلِ کلام یہ ہے کہ بدعتِ حسنہ کا جواز و اِستحباب متفقہ ہے (اس میں کوئی اِختلاف نہیں)۔ اور اِسی طرح میلاد شریف منانے اور اس کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کا عمل ہے، یعنی یہ بھی بدعتِ حسنہ (جائز اور مستحب) اَمر ہے۔''

۳۳۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ)

عارِف باللہ قدوۃ المحدثین شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء) نے اپنی

(۱) حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، ۱: ۸۴

کتاب ما ثَبَت مِن السُّنّة فی أیّام السَّنَة میں ہر مہینہ اور اس میں خاص خاص شب و روز کے فضائل اور ان میں کیے جانے والے اَعمال مفصل بیان کیے ہیں۔ اُنہوں نے ماہِ ربیع الاول کے ذیل میں میلاد شریف منانے اور شبِ قدر پر شبِ ولادت کی فضیلت ثابت کی ہے۔ اور بارہ (۱۲) ربیع الاول کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا جشن منانا بہ طورِ خاص ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وقد رؤی أبولهب بعد موته فی النوم، فقیل له: ما حالک؟ قال: فی النار، إلا أنه خُفّف کل لیلة اثنتین، وأمص من بین أصبعی هاتین ماء - وأشار إلی رأس إصبعیه - وإن ذلک بإعتاقی لثویبة عند ما بشرتنی بولادة النبی ﷺ وبإرضاعها له.

قال ابن الجوزی: فإذا کان أبولهب الکافر الذی نزل القران بذمّه جُوزیَ فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ، فما حال المسلم من أمته یسر بمولده، ویبذل ما تَصل إلیه قدرته فی محبته ﷺ؟ لعمری! إنما کان جزاؤه من الله الکریم أن یدخله بفضله جنات النعیم.

ولا یزال أهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده ﷺ ویعملون الولایم ویتصدقون فی لیالیه بأنواع الصدقات ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرّات ویعتنون بقراءة مولده الکریم ویظهر علیهم من مکانه کل فضل عمیم.

ومما جرّب من خواصه أنه أمان فی ذلک العام وبشری عاجل بنیل البغیة والمرام، فرحم الله امرأ اتخذ لیالی شهر مولده

المبارک أعیاداً لیکون أشد غلبة علی من فی قلبه مرض وعناد۔[1]

’’ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: اب تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا: آگ میں جل رہا ہوں، تاہم ہر پیر کے دن (میرے عذاب میں) تخفیف کر دی جاتی ہے اور۔ اُنگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ۔ میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے (جسے میں پی لیتا ہوں) اور یہ (تخفیفِ عذاب میرے لیے) اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد (ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

’’ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء) کہتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت (میں) قرآن حکیم میں (ایک مکمل) سورت نازل ہوئی ہے۔ تو اُمتِ محمدیہ کے اُس مسلمان کو ملنے والے اَجر وثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت وعشق میں حسبِ اِستطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو (اپنے محبوب ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل) اپنے فضل کے ساتھ اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔

’’اور ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ دستور رہا ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں، دعوتیں کرتے ہیں، اس کی راتوں میں صدقات و خیرات اور خوشی کے اِظہار کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان دنوں میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کریں۔ اس موقع پر وہ ولادت باسعادت

(۱) عبد الحق، ما ثَبَت مِن السُّنّة فی أیّام السَّنَة: ۶۰

کے واقعات بھی بیان کرتے ہیں۔

''میلاد شریف منانے کے خصوصی تجربات میں محفلِ میلاد منعقد کرنے والے سال بھر امن و عافیت میں رہتے ہیں اور یہ مبارک عمل ہر نیک مقصد میں جلد کامیابی کی بشارت کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس پر رحمتیں نازل فرماتا ہے جو میلاد النبی ﷺ کی شب بہ طور عید مناتا ہے، اور جس (بدبخت) کے دل میں عناد اور دشمنی کی بیماری ہے وہ اپنی دشمنی میں اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔''

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے میلاد النبی ﷺ منانے کے اَحوال اور درج بالا واقعات سیرتِ طیبہ پر فارسی زبان میں لکھی جانے والی اپنی کتاب ''مدارج النبوۃ (۲: ۱۸، ۱۹)'' میں بھی بیان کیے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک میلاد شریف منانا کس قدر مستحسن اور باعثِ اَجر و ثواب اَمر تھا۔

۳۴۔ اِمام محمد الزرقانی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ)

اِمام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف المالکی الزرقانی (۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء) سیرتِ طیبہ کی معروف کتاب المواهب اللدنية بالمنح المحمدية کی شرح میں فرماتے ہیں:

استمرّ أهل الإسلام بعد القرون الثلاثة التی شهد المصطفی ﷺ بخيريتها، فهو بدعة. وفی أنها حسنة، قال السيوطی: وهو مقتضی کلام ابن الحاج فی مدخله فإنه إنما ذم ما احتوی عليه من المحرمات مع تصريحه قبل بأنه ينبغی تخصيص هذا الشهر بزيادة فعل البرّ وکثرة الصدقات والخيرات وغير ذلک من وجوه القربات. وهذا هو عمل المولد مستحسن والحافظ أبی الخطاب

بن دحية ألف فی ذالک ’’التنویر فی مولد البشير النذير‘‘ فأجازه الملک المظفر صاحب إربل بألف دينار، واختاره أبو الطيب السبتی نزيل قوص وهؤلاء من أجلّة المالكية أو مذمومة وعليه التاج الفاكهانی وتكفل السيوطی، لردّ ما استند إليه حرفاً حرفاً والأول أظهر، لما اشتمل عليه من الخير الكثير.

يحتفلون: يهتمون بشهر مولده عليه الصلوة والسلام ويعملون الولائم ويتصدقون فی لياليه بأنواع الصدقات ويظهرون السرور به، ويزيدون فی المبرات ويعتنون بقراءة قصة مولده الكريم ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عميم۔[1]

’’اہلِ اِسلام ان ابتدائی تین اَدوار (جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے خیرالقرون فرمایا ہے) کے بعد سے ہمیشہ ماہِ میلاد النبی ﷺ میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ عمل (اگرچہ) بدعت ہے مگر ’’بدعتِ حسنہ‘‘ ہے (جیسا کہ) امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے، اور ’’المدخل‘‘ میں ابن الحاج کے کلام سے بھی یہی مراد ہے اگرچہ انہوں نے ان محافل میں دَر آنے والی ممنوعات (محرمات) کی مذمت کی ہے، لیکن اس سے پہلے تصریح فرما دی ہے کہ اس ماہِ مبارک کو اَعمالِ صالحہ اور صدقہ و خیرات کی کثرت اور دیگر اچھے کاموں کے لیے خاص کر دینا چاہیے۔ میلاد منانے کا یہی طریقہ پسندیدہ ہے۔ حافظ ابو خطاب بن دحیہ کا بھی یہی موقف ہے جنہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب - التنویر فی المولد البشیر والنذیر - تالیف فرمائی جس پر مظفر شاہِ اِربل نے انہیں ایک ہزار دینار (بطور انعام) پیش کیے۔ اور یہی رائے ابوطیب سبتی کی ہے جو قوص

(۱) زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۲۶۱، ۲۶۲

کے رہنے والے تھے۔ یہ تمام علماء جلیل القدر مالکی ائمہ میں سے ہیں۔ یا پھر یہ (عمل مذکور) بدعتِ مذمومہ ہے جیسا کہ تاج فاکہانی کی رائے ہے۔لیکن امام سیوطی نے ان کی طرف منسوب عبارات کا حرف بہ حرف رَدّ فرمایا ہے۔ (بہرحال) پہلا قول ہی زیادہ راجح اور واضح تر ہے۔ بایں وجہ یہ اپنے دامن میں خیر کثیر رکھتا ہے۔

''لوگ (آج بھی) ماہِ میلاد النبی ﷺ میں اجتماعات کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور اس کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات و خیرات دیتے ہیں اور خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ کثرت کے ساتھ نیکیاں کرتے ہیں اور مولود شریف کے واقعات پڑھنے کا اِہتمام کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کی خصوصی برکات اور بے پناہ فضل و کرم اُن پر ظاہر ہوتا ہے۔''

۳۵۔ شاہ عبد الرحیم دہلوی (۱۰۵۴۔۱۱۳۱ھ)

قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ) کے والدگرامی شاہ عبد الرحیم دہلوی فرماتے ہیں:

كنت أصنع في أيام المولد طعاماً صلة بالنبي ﷺ، فلم يفتح لي سنة من السنين شيء أصنع به طعاماً، فلم أجد إلا حمصًا مقليًا فقسمته بين الناس، فرأيته ﷺ وبين يديه هذا الحمص متبهجاً بشاشاً۔[1]

''میں ہر سال حضور ﷺ کے میلاد کے موقع پر کھانے کا اہتمام کرتا تھا،لیکن ایک سال (بوجہ عسرت شاندار) کھانے کا اہتمام نہ کر سکا،تو میں نے کچھ بھنے ہوئے چنے لے کر میلاد کی خوشی میں لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ رات کو میں نے

(۱) **شاہ ولی اللہ، الدر الثمين في مبشرات النبي الأمين ﷺ: ۴۰**

خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کے سامنے وہی چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ خوش و خرم تشریف فرما ہیں۔‘‘

برصغیر میں ہر مسلک اور طبقہ فکر میں یکساں مقبول و مستند ہستی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اپنے والد گرامی کا یہ عمل اور خواب بیان کرنا اِس کی صحت اور حسبِ اِستطاعت میلاد شریف منانے کا جواز ثابت کرتا ہے۔

۳۶۔ شیخ اِسماعیل حقی (۱۰۶۳۔۱۱۳۷ھ)

شیخ اِسماعیل حقی بروسوی (۱۶۵۲۔۱۷۲۴ء) ’’تفسیر روح البیان‘‘ میں لکھتے ہیں:

ومن تعظيمه عمل المولد إذا لم يكن فيه منكر. قال الإمام السيوطي قُدّس سره: يستحب لنا إظهار الشكر لمولده عليه السلام۔[1]

’’اور میلاد شریف منانا آپ ﷺ کی تعظیم میں سے ہے جب کہ وہ منکرات سے پاک ہو۔ اِمام سیوطی نے فرمایا ہے: ہمارے لیے آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت پر اِظہارِ شکر کرنا مستحب ہے۔‘‘

۳۷۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ)

قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء) اپنے والد گرامی اور صلحاء و عاشقان کی راہ پر چلتے ہوئے میلاد النبی ﷺ کی محافل میں شریک ہوتے تھے۔ آپ مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) اِسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۵۶

وكنت قبل ذلک بمكة المعظمة فى مولد النبی ﷺ فى يوم ولادته، والناس يصلون على النبی ﷺ ويذكرون إرهاصاته التی ظهرت فی ولادته ومشاهدة قبل بعثته، فرأيت أنواراً سطعت دفعة وحداة لا أقول إنی أدركتها ببصر الجسد، ولا أقول أدركتها ببصر الروح فقط، والله أعلم كيف كان الأمر بين هذا وذلک، فتأملت تلک الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة المؤكلين بأمثال هذه المشاهد وبأمثال هذه المجالس، ورأيت يخالطه أنوار الملائكة أنوار الرحمة۔[1]

''اس سے پہلے میں مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن ایک ایسی میلاد کی محفل میں شریک ہوا جس میں لوگ آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ہدیۂ درود وسلام عرض کر رہے تھے اور وہ واقعات بیان کر رہے تھے جو آپ ﷺ کی ولادت کے موقعہ پرظاہر ہوئے اور جن کا مشاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ اس محفل پر اَنوار وتجلیات کی برسات شروع ہوگئی۔ میں نہیں کہتا کہ میں نے یہ منظر صرف جسم کی آنکھ سے دیکھا تھا، نہ یہ کہتا ہوں کہ فقط روحانی نظر سے دیکھا تھا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دو میں سے کون سا معاملہ تھا۔ بہر حال میں نے ان اَنوار میں غور وخوض کیا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ اَنوار اُن ملائکہ کے ہیں جو ایسی مجالس اور مشاہد میں شرکت پر مامور ومقرر ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اَنوارِ ملائکہ کے ساتھ ساتھ اَنوارِ رحمت کا نزول بھی ہو رہا تھا۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی ہستی کا یومِ میلاد کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ہونے

(۱) شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین: ۸۰، ۸۱

والی محفلِ میلاد میں شرکت کرنا محفلِ میلاد کا جائز اور مستحب ہونا ثابت کرتا ہے۔ ثانیاً اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حرمین شریفین میں بھی محافلِ میلاد منعقد ہوتی رہی ہیں۔ اگر آج وہاں اِعلانیہ طور پر ایسی محافل منعقد نہیں ہوتیں تو اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہاں کبھی ایسی محافل ہوئی نہیں تھیں۔ اہلِ عشق و محبت تو آج بھی وہاں محبتِ اِلٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کے ترانے الاپ رہے ہیں۔

۳۸۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹۔۱۲۳۹ھ)

خاندان ولی اللہ کے آفتابِ روشن شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی (۱۷۴۵۔۱۸۲۲ء) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

وبرکة ربيع الأول بمولد النبی ﷺ فيه ابتداء وبنشر برکاته ﷺ علی الأمة حسب ما يبلغ عليه من هدايا الصلٰوة والإطعامات معاً۔(۱)

’’اور ماہِ ربیع الاول کی برکت حضور نبی اکرم ﷺ کی میلاد شریف کی وجہ سے ہے۔ جتنا اُمت کی طرف سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں ہدیۂ درود وسلام اور طعاموں کا نذرانہ پیش کیا جائے اُتنا ہی آپ ﷺ کی برکتوں کا اُن پر نزول ہوتا ہے۔‘‘

۳۹۔ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی (۱۱۶۵۔۱۲۴۲ھ)

غیر مقلدین کے بانی شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی (۱۱۱۵۔۱۲۰۶ھ/۱۷۰۳۔۱۷۹۱ء) کی کتاب ’’مختصر سيرة الرسول ﷺ‘‘ کی شرح کرتے ہوئے اُس کا بیٹا عبد اللہ بن محمد اپنی کتاب ’’مختصر سيرة الرسول ﷺ‘‘ میں میلاد شریف کی بابت

(۱) عبد العزیز محدث دہلوی، فتاویٰ، ۱: ۱۶۳

لکھتا ہے:

وأرضعته ﷺ ثويبة عتيقة أبی لهب، أعتقها حين بشّرته بولادته ﷺ. وقد رؤی أبولهب بعد موته فی النوم، فقيل له: ما حالک؟ فقال: فی النار، إلا أنه خُفّف عنّی کل اثنين، وأمصّ من بين أصبعی هاتين ماء — وأشار برأس أصبعه — وإن ذلک بإعتاقی لثويبة عندما بشّرتنی بولادة النبی ﷺ و بإرضاعها له.

قال ابن الجوزی: فإذا کان هذا أبولهب الکافر الذی نزل القران بذمّه جُوزیَ بفرحه ليلة مولد النبی ﷺ به، فما حال المسلم الموحد من أمته يُسر بمولده۔(۱)

’’اور ابولہب کی باندی ثویبہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا اور جب اُس نے آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر سنائی تو ابولہب نے اُسے آزاد کر دیا۔ اور ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: اب تیرا کیا حال ہے؟ پس اُس نے کہا: آگ میں جل رہا ہوں، تاہم ہر سوموار کو (میرے عذاب میں) تخفیف کر دی جاتی ہے اور - اُنگلی کے اشارہ سے کہنے لگا کہ - میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے (جسے میں پی لیتا ہوں)، اور یہ (تخفیفِ عذاب میرے لیے) اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد (ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

’’ابن جوزی کہتے ہیں: پس جب حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں ہر شبِ میلاد اُس ابولہب کو بھی جزا دی

(۱) عبد الله، مختصر سيرة الرسول ﷺ: ۱۳

جاتی ہے جس کی مذمت (میں) قرآن حکیم میں (ایک مکمل) سورت نازل ہوئی ہے۔ تو آپ ﷺ کی اُمت کے اُس توحید پرست مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے۔‘‘

۴۰۔ شاہ احمد سعید مجددی دہلوی (م ۱۲۷۷ھ)

شاہ احمد سعید مجددی دہلوی (م ۱۸۶۰ء) ہندوستان کی معروف علمی و روحانی شخصیت تھے۔ اُنہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ اپنے رسالہ ’’إثبات المولد والقيام‘‘ میں لکھتے ہیں:

أيها العلماء السائلون عن دلائل مولد الشريف لنبينا وسيدنا ﷺ! فاعلموا أن محفل المولد الشريف يشتمل على ذكر الآيات والأحاديث الصحاح الدالة على جلالة قدره وأحوال ولادته ومعراجه ومعجزاته ووفاته ﷺ. كلما ذكره الذاكرون وكلما غفل عن ذكره الغافلون. فإنكاركم مبنى على عدم استماعه۔

’’ہمارے نبی و آقا ﷺ کے میلاد شریف کے دلائل کے بارے میں پوچھنے والو اے علماء! جان لو کہ محفلِ میلاد شریف ایسی آیات و صحیح احادیث کے بیان پر مشتمل ہوتی ہے جن میں آپ ﷺ کی کمالِ شان پر دلالت ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت، معراج، معجزات اور وصال کے واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا ذکر کرنا ہمیشہ سے بزرگانِ دین کی سنت رہی ہے اور صرف غافلین نے آپ ﷺ کے ذکر سے غفلت برتی ہے۔ پس تمہارا اِنکار ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔‘‘

۴۱۔ مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸۔۱۲۷۹ھ)

’’علم الفرائض،‘‘ ’’علم الصیغۃ‘‘ اور ’’نقشہ مواقع النجوم‘‘ جیسی کئی کتب کے مصنف مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۸۱۳۔۱۸۶۳ء) ’’تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرت سید المرسلین ﷺ‘‘ - جو اُردو زبان میں سیرتِ طیبہ پر پہلی کتاب ہے- میں لکھتے ہیں:

’’ماہِ ربیع الاول روز دو شنبہ کو آپ ﷺ کے سبب سے شرفِ عظیم حاصل ہوا۔ حرمین شریفین اور اکثر بلادِ اِسلام میں عادت ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں محفلِ میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کر کے ذکر مولود شریف کرتے ہیں اور کثرت درود کی کرتے ہیں، اور بطور دعوت کے کھانا یا شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ سو یہ اَمر موجبِ برکاتِ عظیمہ ہے اور سبب ہے اِزدیادِ محبت کا ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے۔ بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ متبرک محفل مسجد نبوی شریف میں ہوتی ہے اور مکہ معظّمہ میں مکانِ ولادتِ آنحضرت ﷺ میں۔‘‘(۱)

مفتی کاکوروی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے جو ہم نے گزشتہ صفحات میں درج کیا ہے۔ اِس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

’’مسلمانوں کو چاہیے کہ بمقتضائے محبتِ آنحضرت ﷺ محفل شریف کیا کریں اور اس میں شریک ہوا کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ بہ نیت خالص کیا کریں، ریا اور نمائش کو دخل نہ دیں۔ اور بھی اَحوالِ صحیح اور معجزات کا حسبِ روایاتِ معتبرہ بیان ہو کہ اکثر لوگ جو محفل میں فقط شعر خوانی پر اِکتفاء کرتے ہیں یا روایاتِ

(۱) کاکوروی، تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین ﷺ: ۱۴، ۱۵

واہیہ نامعتبر سناتے ہیں خوب نہیں۔ اور بھی علماء نے لکھا ہے کہ اِس محفل میں ذکر وفات شریف کا نہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ محفل واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی ہے۔ ذکرِ غم جانکاہ اِس محفل میں نازیبا ہے۔ حرمین شریفین میں ہرگز عادتِ ذکرِ قصہٴ وفات کی نہیں ہے۔‘‘(۱)

مفتی کاکوروی ابولہب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو لہب کو بعد موت کے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا، اُس نے کہا کہ عذابِ شدید میں مبتلا ہوں مگر ہمیشہ شب دوشنبہ کو درمیانِ انگشتِ شہادت اور وسطٰی سے -کہ اشارے سے اُن کے میں نے ثویبہ کو بسبب پہنچانے بشارتِ ولادتِ محمد مصطفٰی ﷺ کے آزاد کیا تھا - کچھ پانی چوسنے کو مل جاتا ہے کہ اس سے ایک گونہ عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے۔

’’علمائے محدثین نے بعد لکھنے اِس روایت کے لکھا ہے کہ جب ابولہب سے کافر کو جس کی مذمت قرآن شریف میں بتصریح وارِد ہے بسببِ خوشیٴ ولادت شریف کے تخفیفِ عذاب ہوئی تو جو مسلمان خوشی ولادت شریف سے ظاہر کرے خیال کرنا چاہیے کہ اُس کو کیسا ثوابِ عظیم ہوگا اور کیا کیا برکات شاملِ حال اُس کے ہوں گے۔‘‘(۲)

۴۲۔ مولانا احمد علی سہارن پوری (م ۱۲۹۷ھ)

مولانا احمد علی محدّث سہارن پوری دیوبندی میلاد شریف کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) کاکوروی، تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین ﷺ: ۱۵

(۲) کاکوروی، تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین ﷺ: ۱۶

إن ذكر الولادة الشريفة لسيدنا رسول الله ﷺ بروايات صحيحة في أوقات خالية عن وظائف العبادات الواجبات وبكيفيات لم تكن مخالفة عن طريقة الصحابة وأهل القرون الثلاثة المشهود لها بالخير، وبالاعتقادات التي موهمة بالشرك والبدعة وبالآداب التي لم تكن مخالفة عن سيرة الصحابة التي هي مصداق قوله عليه السلام: ما أنا عليه وأصحابي وفي مجالس خالية عن المنكرات الشرعية موجب للخير والبركة بشرط أن يكون مقرونًا بصدق النية والإخلاص واعتقاد كونه داخلاً في جملة الأذكار الحسنة المندوبة غير مقيد بوقت من الأوقات. فإذا كان كذلك لانعلم أحد من المسلمين أن يحكم عليه بكونه غير مشروع أو بدعة۔[1]

’’سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریف کا ذکر صحیح روایت سے ان اوقات میں جو عباداتِ واجبہ سے خالی ہوں، ان کیفیات سے جو صحابہ کرام ﷺ اور ان اہلِ قرونِ ثلاثہ کے طریقے کے خلاف نہ ہوں جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت (ﷺ) نے دی ہے، ان عقیدوں سے جو شرک و بدعت کے موہم نہ ہوں، ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرت کے مخالف نہ ہوں جو حضرت (ﷺ) کے اِرشاد - ما أنا علیه وأصحابی - کی مصداق ہے ان مجالس میں جو منکراتِ شرعیہ سے خالی ہوں سببِ خیر و برکت ہے۔ بشرطیکہ صدقِ نیت اور اخلاص اور اس عقیدہ سے کیا جاوے کہ یہ بھی منجملہ دیگر اَذکارِ حسنہ کے ذکر حسن ہے، کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس جو ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی

(۱) سہارن پوری، المهند على المفند: ۶۱، ۶۲

مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا۔‘‘

۴۳۔ سید احمد بن زینی دحلان (۱۲۳۳۔۱۳۰۴ھ)

سید اَحمد بن زینی دحلان حسنی ہاشمی قرشی مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ مکہ مکرمہ کے مفتی تھے اور اپنے معاصر علمائے حجاز میں بلند رتبہ پر فائز تھے۔ آپ نے قریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور ۳۵ سے زائد کتب و رسائل لکھے۔ آپ نے ’’السیرۃ النبویۃ (۱: ۵۳، ۵۴)‘‘ میں ائمہ و علماء کے اَقوال نقل کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانے پر تو ایک کافر بھی جزا سے محروم نہیں رہتا، توحید پرست مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا۔ میلاد شریف منانے والے کے نیک مقاصد اور دلی خواہشات جلد پایہ تکمیل تک پہنچتی ہیں۔

۴۴۔ مولانا عبد الحی لکھنوی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ)

مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی (۱۸۴۸۔۱۸۸۶ء) میلاد النبی ﷺ منانے کے متعلق لکھتے ہیں:

> ’’پس جب ابولہب ایسے کافر پر آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو گئی تو جو کوئی اُمتی آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرے اور اپنی قدرت کے موافق آپ ﷺ کی محبت میں خرچ کرے کیوں کر اعلیٰ مرتبہ کو نہ پہنچے گا، جیسا کہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ) اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) نے لکھا ہے۔‘‘(۱)

محفلِ میلاد کے اِنعقاد کے لیے دن اور تاریخ متعین کرنے کے بارے آپ لکھتے ہیں:

(۱) عبد الحی، مجموعہ فتاویٰ، ۲: ۲۸۲

’’جس زمانے میں بہ طرزِ مندوب محفل میلاد کی جائے باعثِ ثواب ہے اور حرمین، بصرہ، شام، یمن اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشی اور محفلِ میلاد اور کارِ خیر کرتے ہیں اور قرات اور سماعت میلاد میں اہتمام کرتے ہیں۔ اور ربیع الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ان ممالک میں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد نہ کرنا چاہیے کہ ربیع الاول ہی میں میلاد شریف کیا جائے گا تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔‘‘(۱)

۴۵۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ)

غیر مقلدین کے نام وَر عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی میلاد شریف منانے کی بابت لکھتے ہیں:

’’اِس میں کیا برائی ہے کہ اگر ہر روز ذکرِ حضرت (ﷺ) نہیں کر سکتے تو ہر اُسبوع (ہفتہ) یا ہر ماہ میں اِلتزام اِس کا کریں کہ کسی نہ کسی دن بیٹھ کر ذکر یا وعظِ سیرت وسمت و دل و ہدی و ولادت و وفات آنحضرت کا کریں۔ پھر ایامِ ماہِ ربیع الاول کو بھی خالی نہ چھوڑیں اور اُن روایات و اخبار و آثار کو پڑھیں پڑھائیں جو صحیح طور پر ثابت ہیں۔‘‘(۲)

آگے لکھتے ہیں:

’’جس کو حضرت (ﷺ) کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول پر اِس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔‘‘(۳)

(۱) عبد الحی، مجموعہ فتاویٰ، ۲: ۲۸۳

(۲) بھوپالی، الشمامة العنبرية من مولد خير البرية: ۵

(۳) بھوپالی، الشمامة العنبرية من مولد خير البرية: ۱۲

۴۶۔ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی (۱۲۳۳۔۱۳۱۷ھ)

علمائے ہند کے عظیم شیخ بالخصوص مدرسہ دیو بند کے نام وَر عالم و فاضل بزرگ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی (۱۸۱۷۔۱۸۹۹ء) ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے اور مکہ میں درس دیتے رہے، پھر وہیں ان کی وفات ہوئی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔[۱] حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی چاروں سلاسلِ طریقت میں بیعت کرتے تھے، اور دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸۔۱۲۹۷ھ/ ۱۸۳۳۔۱۸۸۰ء) اور دار العلوم دیوبند کے سرپرست مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴۔۱۳۲۳ھ/ ۱۸۲۹۔۱۹۰۵ء) آپ کے مرید و خلفاء تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۲۷۵۔۱۳۵۶ھ/ ۱۸۵۹۔۱۹۳۷ء)، مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)، مولانا محمود الحسن دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) اور کئی دیگر علماء و مشائخ کا شمار حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء میں ہوتا تھا۔

''شمائمِ اِمدادیہ'' کے صفحہ نمبر ۴۷ اور ۵۰ پر درج ہے کہ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی نے ایک سوال - میلاد النبی ﷺ کے اِنعقاد کے بارے میں اُن کی کیا رائے ہے؟ - کے جواب میں فرمایا:

> ''مولد شریف تمام اہلِ حرمین کرتے ہیں، اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے۔ اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا ذکر کیسے مذموم ہوسکتا ہے! البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اِختراع کی ہیں نہ چاہئیں۔ اور قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں، مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔''[۲]

---

(۱) مصنف کو اُن کی آخری آرام گاہ پر حاضری کی سعادت بچپن میں ۱۹۶۳ء میں حاصل ہوئی۔ اُس وقت ان کا مدفن ایک حجرے میں تھا۔

(۲) ۱۔ اِمداد اللہ، شمائم اِمدادیہ: ۴۷

۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی یہ عبارت ''اِمداد المشتاق اِلیٰ اشرف الاخلاق (ص: ۵۲، ۵۳)'' میں نقل کی ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

''ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں۔ تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ جب صورت جواز کی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں؟ اور ہمارے واسطے اِتباعِ حرمین کافی ہے۔ البتہ وقتِ قیام کے اِعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے۔ اگر اِہتمام تشریف آوری کا کیا جائے تو مضائقہ نہیں کیوں کہ عالم خلق مقید بہ زمان و مکان ہے لیکن عالم اَمر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں۔''(۱)

حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق حرمین شریفین میں میلاد کی تقریبات کا ہونا اس بات کی حتمی وقطعی دلیل ہے کہ اس پر اہل مدینہ اور اہل مکہ میں دو آراء نہیں تھیں، وہ سب متفقہ طور پر میلاد کا اہتمام کرتے تھے۔ اور میلاد کے جواز پر اِس قدر حجت ہمارے لیے کافی ہے جو کہ اِنکار کرنے والوں کے لیے برہانِ قاطع ہے۔

حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی نے اِعتقادی نوعیت کے سات سوالات کے جواب میں اپنی کتاب ''فیصلہ ہفت مسئلہ''(۲) لکھی۔ کسی نے اُن سے دریافت کیا کہ میلاد کے بارے

(۱) ۱۔ اِمداد اللہ، شمائم امدادیہ: ۵۰

۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی یہ عبارت ''اِمداد المشتاق اِلیٰ اشرف الاخلاق (ص: ۵۸)'' میں نقل کی ہے۔

(۲) دیو بندی مسلک کے بعض علماء ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کے بارے کہتے ہیں کہ یہ حضرت اِمداد اللہ مہاجر مکی کی تحریر نہیں، حالاں کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ''اشرف السوانح (۳: ۳۵۵، ۳۵۶)'' میں تصریح کی ہے کہ یہ حضرت اِمداد اللہ مہاجر مکی کی تحریر ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے ''فتاویٰ رشیدیہ (ص: ۱۳۰، ۱۳۱)'' میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے یہ رسالہ کسی سے لکھوایا اور سُن کر اس میں اِصلاحات کروائیں۔ گویا اِس میں جو کچھ لکھا ہے وہ حضرت کا مسلک و مشرب ہے۔ علاوہ ازیں دیو بند مسلک کے کتب خانوں سے شائع ہونے والے حضرت اِمداد اللہ مہاجر مکی کے دس رسالوں کے مجموعہ۔ ←

میں ان کا کیا عقیدہ اور معمول ہے؟ تو اِس پر اُنہوں نے جواب دیا:

> ’’فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ برکات کا ذریعہ سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف اور لذت پاتا ہوں۔‘‘(۱)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ’’رہا یہ عقیدہ کہ مجلسِ مولود میں حضور پُر نور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں، تو اس عقیدہ کو کفر و شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ یہ بات عقلاً و نقلاً ممکن ہے، بلکہ بعض مقامات پر واقع ہو بھی جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت ﷺ کو کیسے علم ہوا، آپ کئی جگہ کیسے تشریف فرما ہوئے؛ تو یہ شبہ بہت کمزور شبہ ہے۔ حضور ﷺ کے علم و روحانیت کی وسعت کے آگے۔ جو صحیح روایات سے اور اہلِ کشف کے مشاہدے سے ثابت ہے۔ یہ ادنیٰ سی بات ہے۔‘‘(۲)

جو لوگ محفلِ میلاد کو بدعتِ مذمومہ اور خلافِ شرع کہتے ہیں، اُنہیں کم از کم اپنے شیخ و مرشد کا ہی لحاظ کرتے ہوئے اِس رویہ سے گریز کرنا چاہیے۔

۴۷۔ علامہ وحید الزماں (م ۱۳۳۸ھ)

مشہور غیر مقلد عالم دین علامہ نواب وحید الزماں (م ۱۹۲۰ء) میلاد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكذلك من يزجر الناس بالعنف والتشدد على سماع الغناء أو

------ ’’کلیاتِ اِمدادیہ‘‘ - میں بھی ’’فیصلہ ہفت مسئلہ‘‘ شامل ہے؛ جیسا کہ کتب خانہ اشرفیہ، راشد کمپنی، دیوبند (بھارت) نے طبع کیا تھا، اور ادارہ اِسلامیات، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔

(۱) اِمداد اللہ، فیصلہ ہفت مسئلہ: ۷

(۲) اِمداد اللہ، فیصلہ ہفت مسئلہ: ٦

المزامير أو عقد مجلس للميلاد أو قراءة الفاتحة المرسومة ويفسقهم أو يكفرهم على هذا۔ (۱)

’’ایسے ہی لوگوں کو سماع، غناء یا مزامیر یا محفلِ میلاد منعقد کرنے یا مروّجہ فاتحہ پڑھنے پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے یا اُن کے فسق یا اُن کے کفر پر ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور تشدد کرنا نیکی کی بجائے گناہ حاصل کرنا ہے۔‘‘

۴۸۔ اِمام یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)

عالم عرب کے معروف محدّث و سیرت نگار اِمام یوسف بن اسماعیل بن یوسف نبہانی نے ’’حجة الله على العالمين في معجزات سيد المرسلين ﷺ‘‘ میں إجتماع الناس لقراءة قصة مولد النبی ﷺ کے عنوان سے ایک فصل قائم کی ہے۔ اِس میں اُنہوں نے میلاد شریف کے بارے میں مختلف ائمہ و علماء کے اَقوال نقل کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ محفل میلاد شریف کا اِنعقاد صحیح اور مطلوب عمل ہے۔ ایک دوسری کتاب ’’الأنوار المحمدية من المواهب اللدنية‘‘ میں اِمام نبہانی لکھتے ہیں:

وليلة مولده ﷺ أفضل من ليلة القدر. وولد ﷺ في مكة في الدار التي كانت لمحمد بن يوسف. وأرضعته ﷺ ثويبة عتيقة أبي لهب، أعتقها حين بشّرته بولادته عليه الصلاة والسلام.

وقد رؤى أبولهب بعد موته في النوم، فقيل له: ما حالک؟ فقال: في النار، إلا أنه خُفّف عنّي في كل ليلة اثنين، وأمصّ من بين أصبعي هاتين ماء - وأشار برأس إصبعه - وإن ذلک بإعتاقي لثويبة عندما بشّرتني بولادة النبي ﷺ وبإرضاعها له.

(۱) وحيد الزمان، ہدية المهدي من الفقه المحمدي: ۱۱۸، ۱۱۹

قال ابن الجزری: فإذا كان هذا أبولهب الكافر الذی نزل القران بذمّه جُوزیَ فی النار بفرحه ليلة مولد النبی ﷺ به، فما حال المسلم الموحّد من أمته يُسر بمولده، ويبذل ما تَصل إليه قدرته فی محبته ﷺ؟ لعمری! إنما يكون جزاؤه من الله الكريم أن يدخله بفضله العميم جنات النعيم.

ولا زال أهل الإسلام يحتفلون بشهر مولده عليه السلام، ويعملون الولائم، ويتصدقون فی لياليه بأنواع الصدقات، ويظهرون السرور ويزيدون فی المبرات. ويعتنون بقراءة مولده الكريم، ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عظيم.

ومما جرب من خواصه أنه أمان فی ذالک العام، وبشری عاجلة بنيل البغية والمرام، فرحم الله امرءًا اتخذ ليالی شهر مولده المبارک أعيادًا۔(1)

’’اور شبِ میلاد شبِ قدر سے افضل ہے۔ اور آپ ﷺ مکہ کے اُس گھر میں پیدا ہوئے جو محمد بن یوسف کی ملکیت ہے۔ اور ابولہب کی باندی ثویبہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا اور جب اُس نے آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر سنائی تو ابولہب نے اُسے آزاد کر دیا۔

’’اور ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: اب تیرا کیا حال ہے؟ پس اُس نے کہا: آگ میں جل رہا ہوں، تاہم ہر پیر کے دن (میرے عذاب میں) تخفیف کر دی جاتی ہے اور ۔ اُنگلی کے اشارہ سے

(1) نبهانی، الأنوار المحمدية من المواهب اللدنية: ۲۸، ۲۹

کہنے لگا کہ- میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے (جسے میں پی لیتا ہوں) اور یہ (تخفیفِ عذاب میرے لیے) اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد (ﷺ) کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

''ابن جزری کہتے ہیں: پس جب حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اَجر میں اُس ابولہب کو بھی جزا دی جاتی ہے جس کی مذمت (میں) قرآن حکیم میں (ایک مکمل) سورت نازل ہوئی ہے۔ تو اُمت محمدیہ کے اُس توحید پرست مسلمان کو ملنے والے اَجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت و عشق میں حسبِ اِستطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو (اپنے محبوب ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل) اپنے بے پناہ فضل کے ساتھ اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔

''ہمیشہ سے اہلِ اسلام حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافلِ میلاد منعقد کرتے آئے ہیں۔ وہ دعوتوں کا اِہتمام کرتے ہیں اور اِس ماہِ (ربیع الاول) کی راتوں میں صدقات و خیرات کی تمام ممکنہ صورتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ اِظہارِ مسرت اور نیکیوں میں کثرت کرتے ہیں اور میلاد شریف کے چرچے کیے جاتے ہیں۔ ہر مسلمان میلاد شریف کی برکات سے بہر طور فیض یاب ہوتا ہے۔

''محافلِ میلاد شریف کے مجربات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس سال میلاد منایا جائے اُس سال امن قائم رہتا ہے، نیز (یہ عمل) نیک مقاصد اور دلی خواہشات کی فوری تکمیل میں بشارت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے ماہِ میلاد النبی ﷺ کی راتوں کو (بھی) بہ طور عید منایا۔''

۴۹۔ حکیم الامت علامہ محمد اِقبال (۱۲۹۴۔۱۳۵۷ھ)

شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ محمد اِقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) فرماتے ہیں:

’’منجملہ ان مقدس اَیام کے جو مسلمانوں کے لیے مقدس کیے گئے ہیں ایک میلاد النبی ﷺ کا دن بھی ہے۔ میرے نزدیک انسانوں کی دماغی و قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رُو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہوا وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے اِسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اُسوۂ رسول ﷺ کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے تین طریقے ہیں:

۱۔ پہلا طریق تو درود و صلوٰۃ ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک ہو چکا ہے۔ وہ ہر وقت درود پڑھنے کے موقع نکالتے ہیں۔ عرب کے متعلق میں نے سنا کہ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑ پڑتے ہیں اور تیسرا بہ آوازِ بلند اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَبَارِكْ وَسَلِّمْ پڑھ دیتا ہے تو لڑائی فوراً رک جاتی ہے، اور متخاصمین ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے سے فوراً باز آ جاتے ہیں۔ یہ درود کا اثر ہے اور لازم ہے کہ جس پر درود پڑھا جائے اس کی یاد قلوب کے اندر اپنا اثر پیدا کرے۔

۲۔ پہلا طریق اِنفرادی دوسرا اِجتماعی ہے۔ یعنی مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور ایک شخص جو حضور آقائے دو جہاں ﷺ کے سوانح حیات سے پوری طرح باخبر ہو، آپ ﷺ کی سوانح زندگی بیان کرے تاکہ ان کی تقلید کا ذوق شوق مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہو۔ اس طریق پر عمل پیرا ہونے کے لیے آج ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔

۳۔ تیسرا طریق اگرچہ مشکل ہے لیکن بہ ہر حال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری

ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ یادِ رسول ﷺ اِس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہوجائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرورِ عالم ﷺ کے وجودِ مقدس سے ہویدا تھی، وہ آج بھی تمہارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے۔(۱)

۵۰۔ مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ)

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء) نام وَر عالم دیوبند تھے۔ آپ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی چشتی کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ سیرتِ طیبہ پر آپ کی کتاب - نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ - عشق و محبتِ نبوی ﷺ میں ڈوبی ہوئی تحریر ہے، جس کا آغاز ہی آپ نے مشہور حدیثِ جابر بیان کرتے ہوئے نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق کے باب سے کیا ہے۔ بعد ازاں اِس نوع کی دیگر روایات بیان کی ہیں۔ اِسی طرح میلاد النبی ﷺ پر آپ کے خطبات کا مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔ مجالسِ موالید پر خطاب کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

”میرا کئی سال تک یہ معمول رہا کہ یہ جو مبارک زمانہ ہے جس کا نام ربیع الاول کا مہینہ ہے، جس کی فضیلت کو ایک عاشق ملا علی قاری نے اس عنوان سے ظاہر کیا ہے:

لهذا الشهر فی الإسلام فضل
منقبته تفوق علی الشهور

ربیع فی ربیع فی ربیع
ونور فوق نور فوق نور

(۱) غلام دستگیر رشید، آثارِ اِقبال: ۳۰۶، ۳۰۷

(اِسلام میں اس ماہ کی بڑی فضیلت ہے اور تمام مہینوں پر اس کی تعریف کو فضیلت ہے۔ بہار اندر بہار اندر بہار ہے اور نور بالائے نور بالائے نور ہے۔)

''تو جب یہ مبارک مہینہ آتا تھا تو میں حضور ﷺ کے وہ فضائل جن کا خاص تعلق ولادتِ شریفہ سے ہوتا تھا مختصر طور پر بیان کرتا تھا مگر اِلتزام کے طور پر نہیں کیوں کہ التزام میں تو علماء کو کلام ہے۔ بلکہ بدوں اِلتزام کے دو وجہ سے:

''ایک یہ کہ حضور ﷺ کا ذکر فی نفسہٖ طاعت و موجبِ برکت ہے۔

''دوسرے اس وجہ سے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہم لوگ جو مجالسِ موالید کی ممانعت کرتے ہیں تو وہ ممانعت نفسِ ذکر کی وجہ سے نہیں۔ نفسِ ذکر کو تو ہم لوگ طاعت سمجھتے ہیں بلکہ محض منکرات و مفاسد کے اِنضمام کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے ورنہ نفسِ ذکر کا تو ہم خود قصد کرتے ہیں۔

''یہ تو ظاہری وجوہ تھیں۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں اور دنوں سے زیادہ حضور ﷺ کے ذکر کو جی چاہا کرتا ہے اور یہ ایک امر طبعی ہے کہ جس زمانہ میں کوئی امر واقع ہوا ہو اس کے آنے سے دل میں اس واقع کی طرف خود بخود خیال ہوا جاتا ہے۔ اور خیال کو یہ حرکت ہونا جب امر طبعی ہے تو زبان سے ذکر ہوجانا کیا مضائقہ ہے۔ یہ تو ایک طبعی بات ہے۔''(۱)

اِسی خطاب میں آگے ایک جگہ فرماتے ہیں:

''تو میرا جو معمول تھا کہ اِس ماہِ مبارک میں حضور ﷺ کے فضائل بیان کیا کرتا تھا، وہ دوام کے حد میں تھا، التزام کے طور پر نہ تھا۔ چنانچہ چند سال تک تو میں نے کئی وعظوں میں فضائلِ نبوی ﷺ کا ذکر کیا جن کے نام سب مقفی ہیں: النور، الظھور، السرور، الشذور، الحبور۔ وہاں ایک ذکر رسول ﷺ

(۱) اشرف علی تھانوی، خطباتِ میلاد النبی ﷺ: ۱۹۰

جوکہ اسی سلسلہ میں ہے مقفی نہیں۔ پھر کئی سال سے اس کا اتفاق نہیں ہوا کچھ اسبابِ طبعیہ ایسے مانع ہوئے جن سے یہ معمول ناغہ ہوگیا۔ نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ اس معمول سے التزام کا خیال نہ کریں جوکہ خلافِ واقع ہے کیوں کہ میرے اس معمول کی بڑی وجہ صرف یہ تھی ان ایام میں حضور ﷺ کے فضائل اور دنوں سے زیادہ یاد آتے تھے نہ کہ اس میں شرعی ضرورت کا اعتقاد یا عمل تھا۔‘‘(۱)

فضل اور رحمت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سباق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام لیے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کے قدوم مبارک لیے جائیں۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی اور ان میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔ پس یہ تفسیر اَجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر خواہ وجودِ نوری ہو یا ولادتِ ظاہری، اس پر خوش ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ ہمارے لیے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں۔ (دوسری عام نعمتوں کے علاوہ) افضل نعمت اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور ﷺ سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔‘‘(۲)

---

(۱) اشرف علی تھانوی، خطباتِ میلاد النبی ﷺ: ۱۹۸، ۱۹۹

(۲) اشرف علی تھانوی، خطباتِ میلاد النبی ﷺ: ۶۴، ۶۵

مولانا اشرف علی تھانوی کے مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے کہ اُن کا عقیدہ ہرگز مجالسِ میلاد کے قیام کے خلاف نہیں تھا۔ وہ صرف اِس کے لیے وقت معین کرنے کے حامی نہیں تھے۔ بہ ہر حال میلاد شریف منانا اُن کے نزدیک جائز اور مستحب اَمر تھا۔

۵۱۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی (و ۱۳۴۱ھ)

مفتی رشید احمد لدھیانوی (و۱۹۲۲ء) تحریر کرتے ہیں:

''جب ابولہب جیسے بدبخت کافر کے لیے میلاد النبی ﷺ کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی اُمتی آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسبِ وسعت آپ ﷺ کی محبت میں خرچ کرے تو کیوں کر اَعلیٰ مراتب حاصل نہ کرے گا۔''(۱)

۵۲۔ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''میلاد خوانی بشرطیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں شریف میں جلوس نکالنا بشرطیکہ اس میں کسی فعل ممنوع کا ارتکاب نہ ہو، یہ دونوں جائز ہیں۔ ان کو ناجائز کہنے کے لیے دلیل شرعی ہونی چاہیے۔ مانعین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے؟ یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے نہ کبھی اس طور سے میلاد خوانی کی نہ جلوس نکالا ممانعت کی دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز اَمر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کرسکتا۔''(۲)

---

(۱) لدھیانوی، احسن الفتاویٰ، ۱: ۳۴۷، ۳۴۸

(۲) فتاویٰ مظہری: ۴۳۵، ۴۳۶

۵۳۔ شیخ محمد رضا مصری کی تحقیق

عظیم سیرت نگار و مؤرخ شیخ محمد رضا مصری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''**محمد رسول اللہ** ﷺ'' میں تمام عالم اسلام کے تناظر میں اِنعقادِ میلا د کے بارے میں تاریخی جائزہ لیا ہے اور دنیا بھر میں وقوع پذیر ہونے والی تقریباتِ میلا د کے اَحوال تین صفحات پر رقم کیے ہیں۔ ان صفحات کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''امام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء) کے شیخ اِمام ابو شامہ (۵۹۹۔۶۶۵ھ/۱۲۰۲۔۱۲۶۷ء) فرماتے ہیں کہ ہمارے دور کا نیا مگر بہترین عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے یوم ولادت کا جشن منانے کا عمل ہے جس میں اس مبارک خوشی کی مناسبت سے صدقہ و خیرات، محفلوں کی زیبائش و آرائش اور اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔ یہ مبارک تقریبات فقراء سے حسنِ سلوک کے علاوہ اُمتیوں کی حضور ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت اور اہلِ محفل کے دل میں آپ ﷺ کی فضیلت وعظمت کی پختگی اور آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنے والے کے قلبی شکر و امتنان کا احساس دلاتی ہیں۔

''امام سخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ/۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء) فرماتے ہیں: میلاد شریف کا رواج تین صدی بعد ہوا ہے۔ اس کے بعد سے تمام ممالک و اَمصار میں مسلمانانِ عالم عید میلاد النبی ﷺ مناتے چلے آرہے ہیں، وہ ان دنوں میں خیرات وصدقات کرتے اور میلاد النبی ﷺ کی مجالس منعقد کرتے ہیں جن کی برکتوں سے ان پر حق تعالیٰ کا عام فضل وکرم ہوتا ہے۔

''علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء) فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے سال بھر اَمن و عافیت رہتی ہے اور یہ مبارک عمل ہر نیک مقصد میں جلد کامیابی کی بشارت کا سبب بنتا ہے۔

''سلاطینِ اسلام میں اس طریقہ کو رائج کرنے والے سب سے پہلے شاہِ اِربل سلطان مظفر ابوسعید تھے جن کی فرمائش پر حافظ ابن دحیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب ''التنویر فی مولد البشیر والنذیر'' تالیف کی تھی۔ اس پر شاہ نے خوش ہو کر مؤلف کو ایک ہزار دینار انعام عطا فرمایا تھا۔ اسی سلطان نے سب سے پہلے جشن میلاد النبی ﷺ منعقد فرمایا تھا، وہ ہر سال ماہِ ربیع الاول میں یہ جشن انتہائی اہتمام کے ساتھ بہت اعلیٰ پیمانے پر منایا کرتے تھے۔ وہ طبعاً نہایت سخی، جواں مرد، شیر دل، فیاض طبع، نہایت زیرک و دانا اور منصف مزاج تھے۔ کہا گیا ہے کہ وہ ہر سال جشنِ میلاد پر تین لاکھ (۳,۰۰,۰۰۰) دینار خرچ کیا کرتے تھے۔

''شاہِ تلمسان سلطان ابوحمو موسیٰ (۷۲۳۔۷۹۱ھ/۱۳۲۳۔۱۳۸۹ء) بھی عید میلاد النبی ﷺ کا عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے جیسا کہ ان کے زمانہ میں اور ان سے قبل مغرب اقصیٰ واندلس کے سلاطین بھی منایا کرتے تھے۔ سلطان ابوحمو کے جشن کی تفصیل حافظ سید ابوعبد اللہ تونسی تلمسانی نے اپنی کتاب - راح الأرواح فیما قاله مولی أبوحمو من الشعر وقیل فیه من الأمداح (سلطان ابوحمو اور دوسروں کے فرمودہ منقبتی اَشعار میں اَرواحِ انسانی کے لیے راحت وسکون ہے) - میں بیان کی ہے۔ مؤلف نے بیان کیا ہے کہ سلطانِ تلمسان صاحبِ رائے معززین کے مشورہ سے شبِ میلاد النبی ﷺ ایک عام دعوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے جس میں بلااستثناء ہر خاص و عام کو شرکت کی اجازت ہوتی تھی۔ اس محفل میں اعلیٰ قسم کے قالینوں کا فرش اور منقش پھول دار چادریں بچھائی جاتیں۔ سنہرے کارچوبی غلافوں والے گاؤ تکیے لگائے جاتے تھے۔ ستونوں کے برابر بڑے بڑے شمع دان روشن کیے جاتے تھے۔ بڑے بڑے دسترخوان بچھائے جاتے تھے۔ بڑے بڑے گول اور خوش نما نصب شدہ

بخور دانوں میں بخور سلگایا جاتا تھا، جو دیکھنے والوں کو پگھلایا ہوا سونا معلوم ہوتا تھا۔ پھر تمام حاضرین کے سامنے اَنواع و اَقسام کے کھانے چنے جاتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ موسم بہار میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں، ایسے کھانے جن کی طرف دل کو رغبت ہو اور جنہیں دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں۔ ان محفلوں میں اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں بسائی جاتی تھیں جن کی مہک سے فضاء معطر ہو جاتی تھی۔ مہمانوں کو حسب مراتب ترتیب وار بٹھایا جاتا تھا، یہ ترتیب جشن کی مناسبت سے دی جاتی تھی۔ حاضرین پر عظمتِ نبوت کا جلال و وقار چھایا رہتا تھا۔ انعقادِ محفل کے بعد سامعین حضور ﷺ کے مناقب و فضائل اور ایسے پاکیزہ خیالات و نصائح سنتے جو انہیں گناہوں سے توبہ کی طرف راغب کرتے۔ خطباء اسلوب بیان کے مد و جزر اور خطاب کے تنوعات سے سامعین کے قلوب کو گرماتے اور سامعین کو لذت اندوز کرتے تھے۔

''ہمارے زمانہ میں بھی مسلمانان عالم اپنے اپنے شہروں میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ مصر کے علاقوں میں یہ محفلیں مسلسل منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں برابر میلاد نبوی ﷺ سے متعلق واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ فقراء و مساکین کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص طور پر قاہرہ میں اس روز ظہر کے بعد ایک پیادہ جلوس کمشنر آفس کے سامنے سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان کی طرف روانہ ہوتا ہے جو پولیس کے حفاظتی دستوں کے ساتھ سڑکوں سے گزرتا ہے۔ یہ جلوس مقاماتِ غوریہ، اشرافیہ، کوئلہ بازار اور حسینیہ سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان پر ختم ہوتا ہے۔ ان راستوں پر ہجوم بڑھتا جاتا ہے، جلوس کے آگے پولیس کے سوار دستے ہوتے ہیں اور دونوں طرف فوج کے کچھ افسر ہوتے ہیں۔ مصر میں یہ مبارک دن حکومت کی طرف سے منایا جاتا ہے۔ چنانچہ عباسیہ میں وزراء و حکام کے لیے شامیانے نصب کیے جاتے ہیں اور خود شاہِ وقت یا ان کے نائب

جلسہ گاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ کے پہنچنے پر فوج سلامی دیتی ہے، پھر وہ شامیانے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر صوفیاء اور مشائخ طریقت اپنے اپنے جھنڈے لیے وہاں حاضر ہو کر ذکر میلاد النبی ﷺ سماعت فرماتے ہیں۔ ختم محفل پر حاکمِ مصر میلاد کا بیان کرنے والے کو شاہانہ خلعت عطا فرماتے ہیں، پھر حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور شربت پلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد توپوں کی گونج میں شاہانہ سواری مراجعت فرما ہوتی ہے، پھر شام کے وقت خیموں پر نصب شدہ قمقمے روشن کیے جاتے ہیں۔ بہترین آتش بازی چھوڑی جاتی ہے۔ اس دن تمام دفاتر میں تعطیل ہوتی ہے۔ نیز بمقام مشہد حسینی کمشنر مصر کی موجودگی میں سیرت النبی ﷺ کا بیان ہوتا ہے۔ آج کل مذہبی علماء اور بے دار مغز حکام کی توجہات و مساعی جمیلہ سے بیشتر مروجہ بدعتوں کو دور کیا جا رہا ہے۔

''یہ جشن میلاد النبی ﷺ کے اہتمام کا بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی ہم حکامِ وقت سے مسلسل یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ ہر برائی جو دین کے خلاف ہے اور وہ تمام غیر ضروری باتیں جو ان مبارک مجالس کے موقعوں پر رواج پا گئی ہیں انہیں سختی سے روک دیا جائے کیوں کہ یہ باتیں اسلام کی خوبیوں کو داغ دار بنا دیتی ہیں اور مجالسِ میلاد کے انعقاد کے پاکیزہ مقاصد کو مفاسد سے آلودہ کر دیتی ہیں۔''(۱)

۵۴۔ علمائے دیوبند کا متفقہ فیصلہ (۱۳۲۵ھ)

حرمین شریفین کے علمائے کرام نے علمائے دیوبند سے اِختلافی و اِعتقادی نوعیت کے چھبیس (۲۶) مختلف سوالات پوچھے تو ۱۳۲۵ھ میں مولانا خلیل احمد سہارن پوری (۱۲۶۹۔۱۳۴۶ھ) نے اِن سوالات کا تحریری جواب دیا، جو ''المهند علی المفند'' نامی

(۱) محمد رضا، محمد رسول الله ﷺ: ۲۶۔۲۸

کتاب کی شکل میں شائع ہوا۔ اِن جوابات کی تصدیق چوبیس (۲۴) نام وَر علمائے دیوبند نے اپنے قلم سے کی، جن میں مولانا محمود الحسن دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ)، مولانا احمد حسن امروہوی (م ۱۳۳۰ھ)، مفتی اعظم دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن (م ۱۳۴۷ھ)، مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) اور مولانا عاشق اِلٰہی میرٹھی بھی شامل ہیں۔ اِن چوبیس (۲۴) علماء نے صراحت کی ہے کہ جو کچھ ''**المهند علی المفند**'' میں تحریر کیا گیا ہے وہی ان کا اور ان کے مشائخ کا عقیدہ ہے۔

کتاب مذکورہ میں اِکیسواں سوال میلاد شریف منانے کے متعلق ہے۔ اس کی عبارت ہے:

أتقولون أن ذكر ولادته ﷺ مستقبح شرعًا من البدعات السيئة المحرمة أم غير ذلک؟

''کیا تم اس کے قائل ہو کہ حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر شرعاً قبیح سیئہ، حرام (معاذ اللہ) ہے یا اور کچھ؟''

علمائے دیوبند نے اِس کا متفقہ جواب یوں دیا:

حاشا أن يقول أحد من المسلمين فضلاً أن نقول نحن أن ذكر ولادته الشريفة علية الصلاة والسلام، بل وذكر غبار نعاله وبول حماره ﷺ مستقبح من البدعات السئية المحرمة. فالأحوال التی لها أدنی تعلق برسول الله ﷺ ذكرها من أحب المندوبات وأعلی المستحبات عندنا سواء، كان ذكر ولادته الشريفة أو ذكر بوله وبزاره وقيامه وقعوده ونومه ونبهته، كما هو مصرح فی رسالتنا المسماة بالبراهين القاطعة فی مواضع شتی منها۔[1]

(۱) سہارن پوری، المهند علی المفند: ۶۰، ۶۱

’’حاشا کہ ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ ﷺ کے نعلین اور آپ ﷺ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کے تذکرہ کو بھی قبیح و بدعتِ سیئہ یا حرام کہے۔ وہ جملہ حالات جنہیں رسول اکرم ﷺ سے ذرا سی بھی نسبت ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلی درجہ کا مستحب ہے؛ خواہ ذکر ولادت شریف کا ہو یا آپ ﷺ کے بول و براز، نشست و برخاست اور بے داری وخواب کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے رسالہ ’’براہین قاطعہ‘‘ میں متعدد جگہ بالصراحت مذکور ہے۔‘‘

اِس سارے لٹریچر کی موجودگی میں اِسلامی تاریخ سے لاعلمی اور جہالت ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اِنگلستان، امریکہ، یورپ اور عرب دنیا میں نام نہاد دانش وَر اور مقررین اپنی تقریروں کے ذریعے نئی نسل کو یہ کہہ کر گمراہ کر رہے ہیں کہ اِنعقادِ میلاد کی کوئی حیثیت نہیں، یہ ایک بدعت ہے جس کا وجود صرف پاکستان اور ہندوستان میں ہے، اس کے علاوہ اور کہیں نہیں۔ اگر ان کی یہ بات مان لی جائے تو اسلامی تاریخ کی تمام نام وَر علمی شخصیات جن کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں بدعتی قرار پاتی ہیں۔ اس میں ان کے متبعین کو بھی بدعتی کا لقب ملے گا۔ پھر پوری اِسلامی تاریخ میں بدعت کے فتویٰ سے کوئی نہیں بچے گا اور پورے اسلام پر بدعت کی اِس اِلزام تراشی کی زَد سے کوئی محفوظ نہیں ہوگا۔

بلادِ اِسلامیہ میں جشنِ میلاد النبی ﷺ کی تاریخ

ماہِ ربیع الاول کا آغاز ہوتے ہی پورا عالمِ اِسلام میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی میں اِنعقادِ تقریبات کا آغاز کر دیتا ہے۔ ہر اسلامی ملک اپنی ثقافت اور رسم و رواج کے مطابق محبت آمیز جذبات کے ساتھ یہ مہینہ مناتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ میلادِ مصطفیٰ ﷺ آج کے مسلمان ہی نہیں مناتے بلکہ ماضی بعید اور قریب میں بھی انتہائی گرم جوشی اور اہتمام کے ساتھ یہ دن منایا جاتا رہا ہے۔

علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۷۹ھ / ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء) فرماتے ہیں:

لا زال أهل الحرمين الشريفين والمصر واليمن والشام وسائر بلاد العرب من المشرق والمغرب يحتفلون بمجلس مولد النبي ﷺ، ويفرحون بقدوم هلال شهر ربيع الأول ويهتمون إهتماما بليغا على السماع والقراءة لمولد النبي ﷺ، وينالون بذالک أجرا جزيلا وفوزا عظيما۔(۱)

’’مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، مصر، شام، یمن الغرض شرق تا غرب تمام بلادِ عرب کے باشندے ہمیشہ سے میلاد النبی ﷺ کی محفلیں منعقد کرتے آئے ہیں۔ وہ ربیع الاول کا چاند دیکھتے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ چنانچہ ذکرِ میلاد پڑھنے اور سننے کا خصوصی اہتمام کرتے اور اس کے باعث بے پناہ اَجر و کامیابی حاصل کرتے رہے ہیں۔‘‘

اِمام سخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ / ۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء)، اِمام قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ /

(۱) ابن جوزی، بیان المیلاد النبوي ﷺ: ۵۸

۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء) اور اِمام یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ) فرماتے ہیں:

وإنما حدث بعدها بالمقاصد الحسنة، والنية التي للإخلاص شاملة، ثم لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار والمدن العظام يحتفلون في شهر مولده ﷺ وشرف وكرم بعمل الولائم البديعة، والمطاعم المشتملة على الأمور البهية والبديعة، ويتصدقون في لياليه بأنواع الصدقات، ويظهرون المسرات ويزيدون في المبرات، بل يعتنون بقراءة مولده الكريم، ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عظيم عميم۔[1]

''(محفلِ میلاد النبی ﷺ) قرونِ ثلاثہ کے بعد صرف نیک مقاصد کے لیے

(۱) ۱۔ ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۲، ۱۳

۲۔ قسطلانی، المواہب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۱۴۸

۳۔ صالحی، سبل الهدیٰ والرشاد فی سيرة خير العباد ﷺ، ۱: ۳۶۲

۴۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المامون، ۱: ۸۴

۵۔ عبد الحق، ما ثَبَت مِن السُّنّة فی أيّام السَّنَة: ۶۰

۶۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۲۶۱، ۲۶۲

۷۔ إسماعيل حقی، تفسير روح البيان، ۹: ۵۷

۸۔ أحمد بن زينی دحلان، السيرة النبوية، ۱: ۵۳

۹۔ نبہانی، حجة الله علی العالمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۳، ۲۳۴

۱۰۔ نبہانی، الأنوار المحمدية من المواہب اللدنية: ۲۹

شروع ہوئی اور جہاں تک اس کے انعقاد میں نیت کا تعلق ہے تو وہ اخلاص پر مبنی تھی۔ پھر ہمیشہ سے جملہ اہل اسلام تمام ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کے معیار اور عزت وشرف کو عمدہ ضیافتوں اور خوبصورت طعام گاہوں (دستر خوانوں) کے ذریعے برقرار رکھا۔ اب بھی ماہِ میلاد کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات وخیرات دیتے ہیں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں۔ بلکہ جونہی ماہِ میلاد النبی ﷺ قریب آتا ہے خصوصی اہتمام شروع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً اس ماہِ مقدس کی برکات اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل کی صورت میں ان پر ظاہر ہوتی ہیں۔''

مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸۔۱۲۷۹ھ/۱۸۱۳۔۱۸۶۳ء) لکھتے ہیں:

''حرمین شریفین اور اکثر بلادِ اِسلام میں عادت ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں محفلِ میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کر کے ذکر مولود شریف کرتے ہیں اور کثرت درود کی کرتے ہیں، اور بہ طور دعوت کے کھانا یا شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ سو یہ اَمر موجبِ برکاتِ عظیمہ ہے اور سبب ہے اِزدیادِ محبت کا ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے۔ بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ متبرک محفل مسجد نبوی شریف میں ہوتی ہے اور مکہ معظّمہ میں مکانِ ولادتِ آنحضرت ﷺ میں۔''(۱)

مجموعی طور پر محافلِ میلاد کے مراکز کے ذکر کے بعد ذیل میں ہم چند ایک خاص اِسلامی مراکز کا تذکرہ کر رہے ہیں جس سے اِسلامی معاشروں میں مولد النبی ﷺ منانے کی روایت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے:

(۱) کاکوروی، تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین ﷺ: ۱۴، ۱۵

۱۔ مکہ مکرمہ میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد

اِمام سخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ/۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء) فرماتے ہیں:

وأما أهل مكة معدن الخير والبركة فيتوجهون إلى المكان المتواتر بين الناس أنه محل مولده، وهو فى ''سوق الليل'' رجاء بلوغ كل منهم بذالك المقصد، ويزيد اهتمامهم به على يوم العيد حتى قلَّ أن يتخلف عنه أحد من صالح وطالح، ومقل وسعيد سيما ''الشريف صاحب الحجاز'' بدون توارٍ وحجاز. وجود قاضيها وعالمها البرهانى الشافعى إطعام غالب الواردين وكثير من القاطنين المشاهدين فاخر الأطعمة والحلوى، ويمد للجمهور فى منزله صبيحتها سماطاً جامعاً رجاء لكشف البلوى، وتبعه ولده الجمالى فى ذالك للقاطن والسالك۔[1]

''اور اہلِ مکہ خیر و برکت کی کان ہیں۔ وہ سوق اللیل میں واقع اُس مشہور مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کی جائے ولادت ہے۔ تاکہ ان میں سے ہر کوئی اپنے مقصد کو پا لے۔ یہ لوگ عید (میلاد) کے دن اس اہتمام میں مزید اضافہ کرتے ہیں یہاں تک کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نیک یا بد، سعید یا شقی اس اہتمام سے پیچھے رہ جائے۔ خصوصاً امیرِ حجاز بلا تردّد (بہ خوشی) شرکت کرتے ہیں۔ اور مکہ کے قاضی اور عالم ''البرہانی الشافعی'' نے بے شمار زائرین، خدام اور حاضرین کو کھانا اور مٹھائیاں کھلانے کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور وہ (امیر حجاز) اپنے گھر میں عوام کے لیے وسیع و عریض دسترخوان بچھاتا ہے، یہ امید کرتے ہوئے کہ آزمائش اور مصیبت ٹل جائے۔ اور اس کے

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۵

بیٹے ''جمالی'' نے بھی خدام اور مسافروں کے حق میں اپنے والد کی اتباع کی ہے۔''

ملاعلی قاری (م۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء) اِس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: أما الآن فما بقی من تلک الأطعمة إلا الدخان، ولا یظهر مما ذکر إلا بریح الریحان، فالحال کما قال:

أما الخیام فإنها کخیامهم
وأری نساء الحی غیر نسائهم[1]

''میں کہتا ہوں: اب ان کھانوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے دھوئیں کے۔ اور نہ ہی مذکورہ بالا اشیاء میں سے پھلوں کی خوشبو کے سوا کچھ رہا۔ اب تو حال شاعر کے اس شعر کے مطابق ہے:

(خیمے تو ان کے خیموں کی طرح ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس قبیلے کی عورتیں ان عورتوں سے بہت مختلف ہیں)۔''

محمد جار اللہ بن ظہیرہ حنفی (م۹۸۶ھ/۱۵۸۷ء) اہلِ مکہ کے جشنِ میلاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

وجرت العادة بمکة لیلة الثانی عشر من ربیع الأول فی کل عام أن قاضی مکة الشافعی یتهیّأ لزیارة هذا المحل الشریف بعد صلاة المغرب فی جمع عظیم، منهم الثلاثة القضاة وأکثر الأعیان من الفقهاء والفضلاء، وذوی البیوت بفوانیس کثیرة وشموع عظیمة وزحام عظیم. ویدعی فیه للسلطان ولأمیر مکة،

---

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۵

وللقاضی الشافعی بعد تقدم خطبة مناسبة للمقام، ثم يعود منه إلی المسجد الحرام قبيل العشاء، ويجلس خلف مقام الخليل عليه السلام بإزاء قبة الفراشين، ويدعو الداعی لمن ذكر آنفًا بحضور القضاة وأكثر الفقهاء. ثم يصلون العشاء وينصرفون، ولم أقف علی أول من سن ذالک، سألت مؤرخی العصر فلم أجد عندهم علما بذالک۔(۱)

’’ہر سال مکہ مکرمہ میں بارہ ربیع الاول کی رات اہل مکہ کا یہ معمول ہے کہ قاضی مکہ - جو کہ شافعی ہیں - مغرب کی نماز کے بعد لوگوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں تینوں مذاہبِ فقہ کے قاضی، اکثر فقہاء، فضلاء اور اہل شہر ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں فانوس اور بڑی بڑی شمعیں ہوتی ہیں۔ وہاں جا کر مولد شریف کے موضوع پر خطبہ دینے کے بعد بادشاہِ وقت، امیرِ مکہ اور شافعی قاضی کے لیے (منتظم ہونے کی وجہ سے) دعا کی جاتی ہے۔ پھر وہ وہاں سے نمازِ عشاء سے تھوڑا پہلے مسجد حرام میں آجاتے ہیں اور صاحبانِ فراش کے قبہ کے مقابل مقامِ ابراہیم کے پیچھے بیٹھتے ہیں۔ بعد ازاں دعا کرنے والا کثیر فقہاء اور قضاۃ کی موجودگی میں دعا کا کہنے والوں کے لیے خصوصی دعا کرتا ہے اور پھر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سارے الوداع ہو جاتے ہیں۔ (مصنف فرماتے ہیں کہ) مجھے علم نہیں کہ یہ سلسلہ کس نے شروع کیا تھا اور بہت سے ہم عصر مؤرّخین سے پوچھنے کے باوُجود اس کا پتہ نہیں چل سکا۔‘‘

علامہ قطب الدین حنفی (م ۹۸۸ھ) نے ’’كتاب الإعلام بأعلام بيت الله

---

(۱) ابن ظهيره، الجامع اللطيف فی فضل مكة وأهلها وبناء البيت الشريف: ۲۰۱، ۲۰۲

الحرام فی تاریخ مکة المشرفة'' میں اہلِ مکہ کی محافلِ میلاد کی بابت تفصیل سے لکھا ہے۔ اُنہوں نے واضح کیا ہے کہ اہلِ مکہ صدیوں سے جشنِ میلاد النبی ﷺ مناتے رہے ہیں۔

يزار مولد النبی ﷺ المکانی فی الليلة الثانية عشر من شهر ربيع الأول فی کل عام، فيجتمع الفقهاء والأعيان على نظام المسجد الحرام والقضاة الأربعة بمکة المشرفة بعد صلاة المغرب بالشموع الکثيرة والمفرغات والفوانيس والمشاغل وجميع المشائخ مع طوائفهم بالأعلام الکثيرة ويخرجون من المسجد إلى سوق الليل ويمشون فيه إلى محل المولد الشريف بازدحام ويخطب فيه شخص ويدعو للسلطنة الشريفة، ثم يعودون إلى المسجد الحرام ويجلسون صفوفا فی وسط المسجد من جهة الباب الشريف خلف مقام الشافعية ويقف رئيس زمزم بين يدی ناظر الحرم الشريف والقضاة ويدعو للسلطان ويلبسه الناظر خلعة ويلبس شيخ الفراشين خلعة. ثم يؤذن للعشاء ويصلی الناس على عادتهم، ثم يمشی الفقهاء مع ناظر الحرم إلى الباب الذی يخرج منه من المسجد، ثم يتفرقون. وهذه من أعظم مواکب ناظر الحرم الشريف بمکة المشرفة ويأتی الناس من البدو والحضر وأهل جدة، وسکان الأودية فی تلک الليلة ويفرحون بها۔[1]

---

(۱) قطب الدين، کتاب الإعلام بأعلام بيت الله الحرام فی تاريخ مکة المشرفة: ۳۵۵، ۳۵۶

’’ہر سال باقاعدگی سے بارہ ربیع الاول کی رات حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کی جاتی ہے۔ (تمام علاقوں سے) فقہاء، گورنر اور چاروں مذاہب کے قاضی مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں، فانوس اور مشعلیں ہوتیں ہیں۔ یہ (مشعل بردار) جلوس کی شکل میں مسجد سے نکل کر سوق اللیل سے گزرتے ہوئے حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتا ہے اور اس سلطنتِ شریفہ کے لیے دعا کرتا ہے۔ پھر تمام لوگ دوبارہ مسجد حرام میں آنے کے بعد باب شریف کی طرف رُخ کرکے مقامِ شافعیہ کے پیچھے مسجد کے وسط میں بیٹھ جاتے ہیں اور رئیسِ زَم زَم حرم شریف کے نگران کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ بعد ازاں قاضی بادشاہِ وقت کو بلاتے ہیں، حرم شریف کا نگران اس کی دستار بندی کرتا ہے اور صاحبانِ فراش کے شیخ کو بھی خلعت سے نوازتا ہے۔ پھر عشاء کی اذان ہوتی اور لوگ اپنے طریقہ کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر حرم پاک کے نگران کی معیت میں مسجد سے باہر جانے والے دروازے کی طرف فقہاء آتے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا اجتماع ہوتا کہ دور دراز دیہاتوں، شہروں حتیٰ کہ جدہ کے لوگ بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور آپ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اِظہار کرتے تھے۔‘‘

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ/۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء) مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وکنت قبل ذلک بمکة المعظمة فی مولد النبی ﷺ فی یوم ولادته، والناس یصلون علی النبی ﷺ ویذکرون إرهاصاته التی ظهرت فی ولادته ومشاهدة قبل بعثته، فرأیت أنواراً سطعت

دفعة وحدة لا أقول إنی أدرکتها ببصر الجسد، ولا أقول أدرکتها ببصر الروح فقط، واﷲ أعلم کیف کان الأمر بین هذا وذلک، فتأملت تلک الأنوار فوجدتها من قبل الملائکة المؤکلین بأمثال هذا المشاهد وبأمثال هذه المجالس، ورأیت یخالطه أنوار الملائکة أنوار الرحمة۔[1]

’’اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن میں ایک ایسی میلاد کی محفل میں شریک ہوا جس میں لوگ آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ہدیہ درود و سلام عرض کر رہے تھے اور وہ واقعات بیان کر رہے تھے جو آپ ﷺ کی ولادت کے موقعہ پر ظاہر ہوئے اور جن کا مشاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ اس محفل پر اَنوار وتجلیات کی برسات شروع ہوگئی۔ میں نہیں کہتا کہ میں نے یہ منظر صرف جسم کی آنکھ سے دیکھا تھا، نہ یہ کہتا ہوں کہ فقط روحانی نظر سے دیکھا تھا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دو میں سے کون سا معاملہ تھا۔ بہرحال میں نے ان اَنوار میں غور وخوض کیا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ اَنوار اُن ملائکہ کے ہیں جو ایسی مجالس اور مشاہد میں شرکت پر مامور ومقرر ہوتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ اَنوارِ ملائکہ کے ساتھ ساتھ اَنوارِ رحمت کا نزول بھی ہو رہا تھا۔‘‘

مکہ معظّمہ میں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کا آنکھوں دیکھا حال

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے یومِ پیدائش کے موقع پر مکہ میں بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ اسے ’’عید یوم ولادت رسول اللہ ﷺ‘‘ کہتے ہیں۔ اس روز جلیبیاں بہ کثرت بکتی ہیں۔ حرم شریف میں حنفی مصلہ کے پیچھے مکلّف فرش بچھایا جاتا ہے۔ شریف اور کمانڈر حجاز

(۱) شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین: ۸۰، ۸۱

مع اسٹاف کے لباسِ فاخرہ زرق برق پہنے ہوئے آ کر موجود ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی جائے ولادت پر جا کر تھوری دیر نعت شریف پڑھ کر واپس آتے ہیں۔ حرم شریف سے مولد النبی ﷺ تک دو رویہ لالٹینوں کی قطاریں روشن کی جاتی ہیں اور راستے میں جو مکانات اور دکانیں واقع ہیں ان پر روشنی کی جاتی ہے۔ جائے ولادت اس روز بقعہ نور بنی ہوتی ہے۔ جاتے وقت ان کے آگے مولود خوان نہایت خوش اِلحانی سے نعت شریف پڑھتے چلتے جاتے ہیں۔ ۱۱ ربیع الاول بعد نمازِ عشاء حرم محترم میں محفلِ میلاد منعقد ہوتی ہے۔ ۲ بجے شب تک نعت، مولد اور ختم پڑھتے ہیں اور رات مولد النبی ﷺ پر مختلف جماعتیں جا کر نعت خوانی کرتی ہیں۔

۱۱ ربیع الاول کی مغرب سے ۱۲ ربیع الاول کی عصر تک ہر نماز کے وقت ۲۱ توپیں سلامی کے قلعہ جیاد سے ترکی توپ خانہ سر کرتا ہے۔ ان دنوں میں اہل مکہ بہت جشن کرتے، نعت پڑھتے اور کثرت سے مجالسِ میلاد منعقد کرتے ہیں۔(۱)

۲۔ ۱۱ ربیع الاول کو مکہ مکرمہ کے در و دیوار عین اُس وقت توپوں کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھے جب کہ حرم شریف کے مؤذن نے نماز عصر کے لیے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَر کی صدا بلند کی۔ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارک باد دینے لگے۔ مغرب کی نماز ایک بڑے مجمع کے ساتھ شریف حسین نے حنفی مصلہ پر ادا کی۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد سب سے پہلے قاضی القضاۃ نے حسبِ دستور شریف کو عیدِ میلاد کی مبارک باد دی، پھر تمام وزراء اور اَرکانِ سلطنت ایک عام مجمع کے ساتھ۔ جس میں دیگر اَعیانِ شہر بھی شامل تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے مقامِ ولادت کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شاندار مجمع نہایت انتظام و احتشام کے ساتھ مولد النبی ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ قصر سلطنت سے مولد النبی ﷺ تک راستے میں دو رویہ اعلیٰ درجے کی روشنی کا انتظام تھا اور خاص کر مولد النبی ﷺ تو اپنی رنگ برنگ روشنی سے رشکِ جنت بنا ہوا تھا۔

---

(۱) ماہنامہ "طریقت" لاہور

زائرین کا یہ مجمع وہاں پہنچ کر مؤدب کھڑا ہوگیا اور ایک شخص نے نہایت مؤثر طریقے سے سیرتِ احمدیہ ﷺ بیان کی جس کو تمام حاضرین نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ سنتے رہے۔ اور ایک عام سکوت تھا جو تمام محفل پر طاری تھا۔ ایسے متبرک مقام کی بزرگی کسی کو حرکت کرنے اجازت نہیں دیتی تھی اور اس یوم سعید کی خوشی ہر شخص کو بے حال کیے ہوئے تھی۔ اس کے بعد نائب وزیر خارجہ شیخ فواد نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں عالم انسانی کے اس انقلاب عظیم پر روشنی ڈالی جس کا سبب وہ خلاصۃ الوجود ذات تھی۔...... آخر میں قابل مقرر نے ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا جس کو سن کر سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ اس سے فارغ ہوکر سب نے مقام ولادت کی ایک ایک کر کے زیارت کی، پھر واپس ہوکر حرم شریف میں نماز عشاء ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب حرم شریف کے ایک دالان میں مقررہ سالانہ بیانِ میلاد سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ یہاں بھی مقرر نے نہایت خوش اسلوبی سے اخلاق و اوصافِ نبی اکرم ﷺ بیان کیے۔

عیدِ میلاد کی خوشی میں تمام کچہریاں، دفاتر اور مدارس بھی ۱۲ ربیع الاول کو ایک دن کے لیے بند کر دیے گئے اور اس طرح یہ خوشی اور سرور کا دن ختم ہوگیا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اسی سرور اور مسرت کے ساتھ پھر یہ دن دکھائے۔ آمین۔[۱]

ایں دعا اَز من و اَز جملہ جہاں آمین باد

مندرجہ بالا اقتباسات ہمیں ماضی قریب کی یاددہانی کراتے ہیں جب مکہ مکرمہ میں جشنِ میلاد النبی ﷺ پوری عقیدت و محبت سے منایا جاتا تھا اور اتنا اہتمام کیا جاتا تھا جس کا تذکرہ کتب و رسائل میں محفوظ ہے۔ لیکن افسوس! یہی امت آج اس مقدس دن کے موقع پر جواز اور عدمِ جواز کی بحث میں پڑی ہوئی ہے۔

---

(۱) ۱۔ ماخوذ از اخبار ''القبلہ'' مکہ مکرمہ

۲۔ ماہنامہ ''طریقت'' لاہور

نوٹ: یہ اقتباسات ہم نے اِمروز میگزین کے ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے ایڈیشن سے لیے ہیں۔ اس پر ہم میگزین انچارج جناب سعید بدر کے خصوصی ممنون ہیں۔

۲۔ مدینہ منورہ میں محفلِ میلادالنبی ﷺ کا انعقاد

ولأهل المدينة - كثرهم الله تعالى - به احتفال وعلى فعله إقبال وكان للملک المظفر صاحب "أريک" بذالک فيها أتم العناية واهتمامًا بشأنه جاوز الغاية، فأثنى عليه به العلامة أبو شامة أحد شيوخ النووی السابق فی الاستقامة فی كتابة الباعث على البدع والحوادث. وقال مثل هذا الحسن: يندب اليه ويشكر فاعله ويثنى عليه. زاد ابن الجزری: ولو لم يكن فی ذالک إلا إرغام الشيطان وسرور أهل الإيمان.

قال يعنی الجزری: وإذا كان أهل الصليب اتخذوا ليلة مولد نبيهم عيداً أكبر فأهل الإسلام أولى بالتكريم وأجدر۔(۱)

''اہل مدینہ۔ اللہ انہیں زیادہ کرے۔ بھی اسی طرح محافل منعقد کرتے ہیں اور اس طرح کے امور بجا لاتے ہیں۔ بادشاہ مظفر شاہِ اریک اس معاملے میں بہت زیادہ توجہ دینے والا اور حد سے زیادہ اہتمام کرنے والا تھا۔ علامہ ابو شامہ (جو امام نووی کے شیوخ میں سے ہیں اور صاحب استطاعت بزرگ ہیں) نے اپنی کتاب - الباعث على البدع والحوادث - میں اس اہتمام پر اس (بادشاہ) کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس طرح کے اچھے امور اسے پسند تھے اور وہ ایسے افعال کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتا تھا۔'' امام جزری اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان امور کی بجا آوری سے صرف شیطان کی تذلیل اور اہل ایمان کی شادمانی ومسرت ہی مقصود ہو۔ آگے

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاهر: ۱۵، ۱۶

مزید فرماتے ہیں کہ جب عیسائی اپنے نبی کی شبِ ولادت بہت بڑے جشن کے طور پر مناتے ہیں تو اہل اسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ ﷺ کے یومِ ولادت پر بے پناہ خوشی و مسرت کا اظہار کریں۔‘‘

ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء) اِمام برہان الدین بن جماعہ شافعی (۷۲۵۔ ۷۹۰ھ/ ۱۳۲۵۔۱۳۸۸ء) کے معمولاتِ میلاد شریف کی بابت لکھتے ہیں:

فقد اتصل بنا أن الزاهد القدوة المعمر أبا إسحاق إبراهيم بن عبد الرحيم بن إبراهيم جماعة لما كان بالمدينة النبوية على ساكنها أفضل الصلاة وأكمل التحية كان يعمل طعاماً فى المولد النبوى، ويطعم الناس، ويقول: لو تمكنت عملت بطول الشهر كل يوم مولداً۔(۱)

’’ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ زاہد وقدوہ معمر ابو اِسحاق بن اِبراہیم بن عبد الرحیم جب مدینۃ النبی - اُس کے ساکن پر افضل ترین درود اور کامل ترین سلام ہو - میں تھے تو میلادِ نبوی ﷺ کے موقع پر کھانا تیار کر کے لوگوں کو کھلاتے تھے، اور فرماتے تھے: اگر میرے بس میں ہوتا تو پورا مہینہ ہر روز محفلِ میلاد کا اہتمام کرتا۔‘‘

۳۔ مصر اور شام میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد

فأكثرهم بذلک عناية أهل مصر والشام، ولسلطان مصر فى تلک الليلة من العام أعظم مقام، قال: ولقد حضرت فى سنة

---

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۷

خمس وثمانين وسبعمائة ليلة المولد عند الملك الظاهر برقوق بقلعه الجبل العلية. فرأيت ما هالنى و سرنى و ما ساءنى، وحررت ما أنفق فى تلك الليلة على القراء والحاضرين من الوعاظ والمنشدين وغيرهم من الأتباع والغلمان والخدام المترددين بنحو عشرة آلاف مثقال من الذهب ما بين خلع ومطعوم ومشروب ومشموم وشموع وغيرها ما يستقيم به الضلوع. وعددت فى ذلک خمساً وعشرين من القراء الصيتين المرجو كونهم مثبتين، ولا نزل واحد منهم إلا بنحو عشرين خلعة من السلطان ومن الأمراء الأعيان.

قال السخاوى: قلت: ولم يزل ملوک مصر خدام الحرمين الشريفين ممن وفّقهم الله لهدم كثير من المناكير والشين، ونظروا فى أمر الرعية كالوالد لولده، و شهروا أنفسهم بالعدل، فأسعفهم الله بجنده ومدده۔(۱)

’’محافلِ میلاد کے اہتمام میں اہلِ مصر اور اہلِ شام سب سے آگے ہیں اور سلطانِ مصر ہر سال ولادت باسعادت کی رات محفلِ میلاد منعقد کرنے میں بلند مقام رکھتا ہے۔ فرمایا کہ میں ۷۸۵ھ میں سلطان ظاہر برقوق کے پاس میلاد کی رات الجبل العلية کے قلعہ میں حاضر ہوا۔ وہاں وہ کچھ دیکھا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور بہت زیادہ خوش کیا اور کوئی چیز مجھے بری نہ لگی۔ میں ساتھ ساتھ لکھتا گیا جو بادشاہ نے اس رات تقسیم کیا۔ قراء اور موجود واعظین، نعت خواں (شعراء) اور ان کے علاوہ کئی اور لوگوں، بچوں اور مصروف خدام کو تقریباً

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۳

دس ہزار مثقال سونا، خلعتیں، انواع و اقسام کے کھانے، مشروبات، خوشبوئیں، شمعیں اور دیگر چیزیں دیں جن کے باعث وہ اپنی معاشی حالت درست کر سکتے تھے۔ اس وقت میں نے ایسے ۲۵ خوش الحان قراء شمار کیے جو اپنی مسحورکن آواز سے سب پر فائق رہے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو سلطان اور اَعیانِ سلطنت سے ۲۰ کے قریب خلعتیں لیے بغیر سٹیج سے اترا ہو۔

''امام سخاوی کہتے ہیں کہ میرا موقف یہ ہے کہ مصر کے سلاطین جو حرمین شریفین کے خدام رہے ہیں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اکثر برائیاں اور عیوب ختم کرنے کی توفیق عطا کر رکھی تھی۔ اور انہوں نے رعیت کے بارے میں ایسا ہی سلوک کیا جیسا والد اپنے بیٹے سے کرتا ہے۔ اور انہوں نے قیامِ عدل کے ذریعے شہرت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں انہیں اپنی غیبی مدد سے نوازے۔''

حجۃ الدین اِمام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ظفر مکی (۴۹۷۔۵۶۵ھ/۱۱۰۴۔۱۱۷۰ء) کہتے ہیں کہ الدر المنتظم میں ہے:

وقد عمل المحبون للنبی ﷺ فرحاً بمولده الولائم، فمن ذلک ما عمله بالقاهرة المعزّیة من الولائم الکبار الشیخ أبو الحسن المعروف بابن قُفل قدس اللہ تعالی سره، شیخ شیخنا أبی عبد اللہ محمد بن النعمان، وعمل ذلک قبلُ جمال الدین العجمی الهمدانی. وممن عمل ذلک علی قدر وسعه یوسف الحجّار بمصر، وقد رأی النبی ﷺ وهو یحرّض یوسف المذکور علی عمل ذلک۔(۱)

''اہلِ محبت حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی میں دعوتِ طعام منعقد کرتے آئے

(۱) صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد ﷺ، ۱: ۳۶۳

ہیں۔ قاہرہ کے جن اَصحابِ محبت نے بڑی بڑی ضیافت کا انعقاد کیا ان میں شیخ ابو الحسن ہیں جو کہ ابن قفل قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے نام سے مشہور ہیں جو کہ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن نعمان کے شیخ ہیں۔ اور یہ عمل مبارک جمال الدین عجمی ہمذانی نے بھی کیا اور مصر میں سے یوسف حجار نے اسے بہ قدرِ وسعت منعقد کیا اور پھر انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ یوسف حجار کو عملِ مذکور کی ترغیب دے رہے تھے۔''

۴۔ قوص میں جشنِ میلاد النبی ﷺ

اِمام کمال الدین الادفوی (۶۸۵۔۷۴۸ھ/ ۱۲۸۶۔۱۳۴۷ء) ''**الطالع السعيد الجامع لأسماء نجباء الصعيد**'' میں فرماتے ہیں:

حكى لنا صاحبنا العدل ناصر الدين محمود بن العماد أن أبا الطيب محمد بن إبراهيم السبتى المالكى نزيل قوص، أحد العلماء العاملين، كان يجوز بالمكتب فى اليوم الذى ولد فيه النبى ﷺ، فيقول: يا فقيه! هذا يوم سرور، اصرف الصبيان، فيصرفنا.

وهذا منه دليل على تقريره وعدم إنكاره، وهذا الرجل كان فقيهاً مالكيًّا متفنّناً فى علوم، متورّعاً، أخذ عنه أبو حيان وغيره، مات سنة خمس وتسعين وستمائة۔[1]

---

(۱) ۱۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۶، ۶۷
۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۶
۳۔ نبہانی، حجة الله على العالمين فى معجزات سيد المرسلين ﷺ: ۲۳۸

''ہمارے ایک مہربان دوست ناصر الدین محمود بن عماد حکایت کرتے ہیں کہ بے شک ابو طیب محمد بن ابراہیم سبتی مالکی - جو قوص کے رہنے والے تھے اور صاحبِ عمل علماء میں سے تھے - اپنے دارالعلوم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے دن محفل منعقد کرتے اور مدرسے میں چھٹی کرتے۔ وہ (اساتذہ سے) کہتے: اے فقیہ! آج خوشی و مسرت کا دن ہے، بچوں کو چھوڑ دو۔ پس ہمیں چھوڑ دیا جاتا۔

''ان کا یہ عمل ان کے نزدیک میلاد کے اِثبات و جواز اور اِس کے عدم کے اِنکار پر دلیل و تائید ہے۔ یہ شخص (محمد بن ابراہیم) مالکیوں کے بہت بڑے فقیہ اور ماہرفن ہوگزرے ہیں جو بڑے زُہد و ورع کے مالک تھے۔ علامہ ابوحیان اور دیگر علماء نے ان سے اکتساب فیض کیا ہے اور انہوں نے ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔''

۵۔ اندلس اور روم میں محفلِ میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد

و أما ملوک الأندلس والغرب فلهم فيه ليلة تسير بها الركبان يجتمع فيها أئمة العلماء الأعلام، فمن يليهم من كل مكان وعلوا بين أهل الكفر كلمة الإيمان، وأظن أهل الروم لا يتخلفون عن ذلک، اقتفاء بغيرهم من الملوک فيما هنالک۔[1]

''سلاطینِ اندلس اور شاہانِ بلادِ مغرب (یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ پر) رات کے وقت قافلے کی صورت میں نکلتے جس میں بڑے بڑے ائمہ و علماء شامل ہوتے۔ راستے میں جگہ جگہ سے لوگ ان کے ساتھ ملتے چلے جاتے اور یہ سب اہلِ کفر کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے۔ میرا غالب گمان ہے کہ اہلِ روم بھی ان

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۴

سے کسی طرح پیچھے نہیں تھے اور وہ بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح محافلِ میلاد منعقد کرتے تھے۔‘‘

۶۔ بلادِ ہند (برصغیر پاک و ہند) میں جشنِ میلاد النبی ﷺ

وبلاد الهند تزيد على غيرها بكثير كما أعلمنيه بعض أولى النقد والتحرير. وأما العجم فمن حيث دخل هذا الشهر المعظم والزمان المكرم لأهلها مجالس فِخام من أنواع الطعام للقراء الكرام وللفقراء من الخاص والعام، وقراءات الختمات والتلاوات المتواليات والإنشادات المتعاليات، وأنواع السرور وأصناف الحبور حتى بعض العجائز – من غزلهن ونسجهن – يجمعن ما يقمن بجمعه الأكابر والأعيان وبضيافتهن ما يقدرون عليه فى ذلک الزمان. ومن تعظيم مشايخهم وعلمائهم هذا المولد المعظم والمجلس المكرم أنه لا يأباه أحد فى حضوره، رجاء إدارک نوره وسروره.

وقد وقع لشيخ مشايخنا مولانا زين الدين محمود الهمدانى النقشبندى – قدس الله سره العلى – أنه أراد سلطان الزمان وخاقان الدوران همايون بادشاه تغمده الله وأحسن مثواه أن يجتمع به ويحصل له المدد والمدد بسببه فأباه الشيخ، وامتنع أيضًا أن يأتيه السلطان استغناء بفضل الرحمن فألح السلطان على وزيره بيرم خان بأنه لا بد من تدبير للاجتماع فى المكان، ولو فى قليل من الزمان. فسمع الوزير أن الشيخ لا يحضر فى دعوة من هناء وعزاء إلا فى مولد النبى عليه السلام تعظيمًا لذلک

المقام. فأنهى إلى السلطان، فأمره بتهيئة أسبابه الملوكانية فى أنواع الأطعمة والأشربة ومما يتمم به ويبخر فى المجالس العلمية. ونادى الأكابر والأهالى.

وحضر الشيخ مع بعض الموالى فأخذ السلطان الإبريق بيد الأدب ومعاونة التوفيق، والوزير أخذ الطشت من تحت أمره رجاء لطفه ونظره وغسلا يدا الشيخ المكرم، وحصل لهما ببركة تواضعها لله ولرسوله ﷺ المقام المعظم والجاه المفخم۔[1]

''جیسا کہ بلند پایہ نقاد، علماء اور اہل قلم حضرات نے مجھے بتایا ہے ہندوستان کے لوگ دوسرے ممالک کی نسبت بڑھ چڑھ کر ان مقدس اور بابرکت تقریبات کا انعقاد کرتے ہیں۔ اور عجم میں جونہی اس ماہ مقدس اور بابرکت زمانے کا آغاز ہوتا لوگ عظیم الشان محافل کا اہتمام کرتے جن میں قراء حضرات اور عوام وخواص میں فقراء منش لوگوں کے لیے انواع و اقسام کے کھانوں کا انتظام کیا جاتا۔ مولود شریف پڑھا جاتا اور مسلسل تلاوتِ قرآن کی جاتی، بآواز بلند نعتیہ ترانے (قصیدے) پڑھے جاتے اور فرحت و انبساط کا متعدد طریقوں سے اظہار کیا جاتا حتی کہ بعض عمر رسیدہ خواتین سوت کات اور بن کر رقم جمع کرتیں جس سے اپنے دور کے اکابرین اور زعماء کی حسبِ استطاعت ضیافت کرتیں۔ میلاد النبی ﷺ کی اس بابرکت ومکرم مجلس کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ اس دور کے علماء و مشائخ میں سے کوئی بھی اس میں حاضر ہونے سے انکار نہ کرتا، یہ امید کرتے ہوئے کہ اس میں شریک ہو کر نور وسرور اور تسکینِ قلب حاصل کریں۔

''ایک دفعہ شہنشاہِ دوراں، سلطانِ زماں، ہمایوں بادشاہ (اللہ تعالیٰ اس کی پردہ

---

(۱) ملا علی قاری، المورد الروی فی مولد النبی ﷺ ونسبه الطاہر: ۱۴، ۱۵

پوشی کرے اور اچھا ٹھکانہ دے) نے ارادہ کیا کہ وہ ہمارے شیخ المشائخ زین الدین محمود ہمدانی نقشبندی قدس سرہ العزیز کے ہمراہ مجلس منعقد کرے اور ان کے لیے (مالی) اعانت کا اہتمام کرے۔ اور یہ مدد اس (بادشاہ) کے واسطہ سے ہو تو شیخ نے آنے سے انکار کر دیا حتی کہ سلطان کو اپنے پاس بھی آنے سے روک دیا کیوں کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ اس سے مستغنی تھے۔ بادشاہ نے اپنے وزیر بیرم خان سے اصرار کیا کہ اجتماع کی لازماً کوئی تدبیر کی جائے اگرچہ وہ محدود وقت کے لیے ہی ہو۔ وزیر نے سنا کہ شیخ محفل میلاد النبی ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی بھی خوشی یا غمی کی محفل میں شریک نہیں ہوتے۔ پس اس (وزیر) نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ شاہانہ کھانے اور مشروبات تیار کیے جائیں اور ایک مجلسِ علمی کے انعقاد کے تمام اسباب بہم پہنچائے جائیں۔ تمام اکابرین اور کارکنانِ سلطنت کو مدعو کیا گیا۔

''شیخ اپنے بعض مریدین کے ساتھ تشریف لائے۔ سلطان نے نہایت ادب سے لوٹا پکڑا اور وزیر نے شیخ کی طرف نظرِ لطف و کرم کی امید کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں طشت اٹھائی۔ یوں دونوں نے شیخ کے ہاتھ دھلوائے۔ دونوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے حضور اپنی عاجزی و اِنکساری کی وجہ سے بڑا مقام و درجہ حاصل ہوا۔''

اِس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، قرطبہ اورغرناطہ (اسپین) حتی کہ بلادِ ہند اور عجم کے رہنے والوں کا یہ عالم تھا کہ وہ بارہ ربیع الاول کے دن محافلِ میلاد کا خصوصی اہتمام مداومت سے کرتے چلے آئے ہیں، اور یہ ایک تاریخی تسلسل تھا جو وہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔

واضح رہے کہ بلادِ اسلامیہ کے یہ لوگ بریلوی نہیں رہے نہ ہی مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور مصر و شام کے کوئی لوگ بریلوی مکتبِ فکر کے تھے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ جو لوگ

اِسلامی تاریخ سے کوئی آ گاہی نہیں رکھتے اور ان کا مسلک شکوک و شبہات اور فتنہ و فساد پھیلانے کے سوا اور کچھ نہیں وہ اِسلام کی مسلّمہ تعلیمات کو مشکوک بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسلامی ماخذ تاریخ تک ان کی رسائی نہیں جس کی وجہ سے وہ جھوٹ بولتے ہیں اور ایمانی حقائق کو مسخ کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ محض جہالت کا پرچار کرتے ہیں، تقریباتِ میلاد کے حق میں ماضی کی کتابوں کا انہوں نے کبھی مطالعہ کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔

میلاد النبی ﷺ پر لکھی جانے والی گراں قدر تصانیف

قرونِ اُولیٰ سے لے کر آج تک اَئمہ و محدّثین اور علماء و شیوخ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر قلم اٹھایا اور نظم و نثر میں ہزاروں کی تعداد میں گراں قدر کتب تصنیف کیں۔ ان میں سے بعض مختصر اور بعض ضخیم ہیں۔

اکثر اَئمہ و محدّثین اور اَکابر علماء نے اَحادیث، سیرت و فضائل اور تاریخ کی کتب میں میلاد شریف کے موضوع پر باقاعدہ اَبواب باندھے ہیں۔ مثلاً اِمام ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ) نے الجامع الصحیح میں کتاب المناقب کا دوسرا باب ہی ''ما جاء فی میلاد النبی ﷺ'' قائم کیا ہے۔ ابن اِسحاق (۸۵۔۱۵۱ھ) نے السیرۃ النبویۃ میں، ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے السیرۃ النبویۃ میں، ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ) نے الطبقات الکبری میں، ابو نعیم (۳۳۶۔۴۳۰ھ) نے دلائل النبوۃ میں، بیہقی (۳۸۴۔۴۵۸ھ) نے دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ میں، ابو سعد خرکوشی نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) نے کتاب شرف المصطفی ﷺ میں، ابن اثیر (۵۵۵۔۶۳۰ھ) نے الکامل فی التاریخ میں، طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) نے تاریخ الأمم والملوک میں، ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) نے البدایۃ والنھایۃ میں، ابن عساکر (۴۹۹۔۵۷۱ھ) نے تاریخ دمشق الکبیر میں، الغرض تمام اَجل اَئمہ و علماء نے اپنی اپنی کتب میں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ نیز اِمام محمد بن یوسف صالحی شامی (م ۹۴۲ھ) نے ''سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ'' میں بہت تفصیل سے لکھا اور جواز میں علمی دلائل کے اَنبار لگا دیے ہیں۔ اِمام ابو عبد اللہ بن الحاج مالکی (م ۷۳۷ھ) نے ''المدخل إلی تنمیۃ الأعمال بتحسین النیات والتنبیہ علی کثیر من البدع المحدثۃ والعوائد المنتحلۃ'' میں مفصل بحث کی ہے۔ اِمام زرقانی

(۱۰۵۵۔۱۱۲۲ء) نے ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' میں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) نے ''ما ثَبَت مِن السُّنّة فی أيّام السَّنَة'' میں اور اِمام یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ) نے ''حجة الله العالمين فی معجزات سيد المرسلين ﷺ'' اور ''جواهر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ'' میں میلاد شریف کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

ذیل میں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر لکھی جانے والی چند معروف کتب درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ ابو العباس احمد اقلیشی (م ۵۵۰ھ)

ابو العباس احمد بن معد بن عیسی اقلیشی اندلسی (م ۵۵۰ھ) نے **الدر المنظم فی مولد النبی الاعظم** ﷺ کے عنوان سے کتاب تالیف کی ہے۔ اِس میں اُنہوں نے دس فصول قائم کی ہیں۔[۱]

۲۔ علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۹۷ھ)

عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی جن کا لقب جمال الدین ہے۔ ۵۱۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۵۹۷ ہجری میں اسی شہر میں انتقال فرمایا۔ ابتدائی علوم پر صغرسنی میں ہی دسترس حاصل کر کے وعظ و تبلیغ میں لگ گئے۔ پھر حدیث میں مہارت اور پختگی حاصل کی تو حافظ اور محدّث کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے ۱۵۹ سے زائد کتب تصنیف کیں جن میں سے اکثر حدیث، تاریخ اور مواعظ پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے میلاد النبی ﷺ پر دو مستقل کتب لکھیں:

۱۔ **بيان الميلاد النبوي** ﷺ

(۱) باشا بغدادی، ایضاح المکنون: ۴۵۱

۲۔ **مولد العروس**

۳۔ اِبن دحیہ کلبی (۵۴۴۔۶۳۳ھ)

ابو خطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد بن دحیہ کلبی اندلس میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حصولِ علم کے لیے شام، عراق، خراسان وغیرہ کے سفر کیے اور مصر میں قیام فرما رہے۔ آپ مشہور محدّث، معتمد مؤرّخ اور مایہ ناز ادیب تھے۔ بہت سی کتب لکھیں اور شاندار علمی ورثہ چھوڑا۔ میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر آپ کی تصنیف ''**التنویر فی مولد البشیر النذیر**'' بھی ہے۔

۴۔ حافظ شمس الدین جزری (م۶۶۰ھ)

ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبد اللہ جزری شافعی (م۱۲۶۲ء) اپنے وقت کے امام القراء اور محدّث تھے۔ مولد النبی ﷺ پر آپ کی ایک کتاب ''**عرف التعریف بالمولد الشریف**'' ہے۔

۵۔ شیخ ابو بکر جزائری (م ۷۰۷ھ)

شیخ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن محمد بن احمد عطار جزائری نے ''**المورد العذب المعین فی مولد سید الخلق أجمعین** ﷺ'' کے نام سے کتاب لکھی۔

۶۔ اِمام کمال الدین الادفوی (۶۸۵۔۷۴۸ھ)

اِمام کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر اَدفوی نے اپنے ملک مراکش میں جشنِ میلاد کی تقریبات کے حوالے سے بہت سی تفصیلات اپنی کتاب ''**الطالع السعید الجامع لأسماء نجباء الصعید**'' میں جمع کی ہیں۔

۷۔ سعید الدین الکازرونی (م ۷۵۸ھ)

محمد بن مسعود بن محمد سعید الدین الکازرونی نے ''مناسک الحجز المنتقی من سیر مولد المصطفی ﷺ'' کے نام سے کتاب لکھی۔

۸۔ ابو سعید خلیل بن کیکلدی (۶۹۴۔ ۷۶۱ھ)

ابو سعید خلیل بن کیکلدی بن عبد اللہ لاعلائی دمشقی شافعی نے الدرة السنیة فی مولد خیر البریة ﷺ کے نام سے کتاب تالیف کی۔

۹۔ امام عماد الدین بن کثیر (۷۰۱۔ ۷۷۴ھ)

میلاد نگاروں میں صاحبِ ''تفسیر القرآن العظیم'' - اِمام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر - کا نام بھی شامل ہے۔ اِمام ابن کثیر نے ''ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ورضاعہ'' کے نام سے میلاد شریف کے موضوع پر کتاب لکھی ہے۔

۱۰۔ سلیمان برسوی حنفی

سلیمان بن عوض باشا بن محمود برسوی حنفی ۷۸۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔ آپ سلطان بایزید عثمانی کے دور میں بہت بڑے امام تھے۔ اُنہوں نے ''وسیلة النجاة'' کے نام سے ترکی زبان میں منظوم میلاد نامہ لکھا۔

۱۱۔ اِمام عبد الرحیم برعی (م ۸۰۳ھ)

اِمام عبد الرحیم بن اَحمد برعی یمانی (م ۱۴۰۰ء) نے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر رسالہ تالیف کیا ہے جو کہ ''مولد البرعي'' کے نام سے معروف ہے۔

۱۲۔ حافظ زین الدین عراقی (۷۲۵۔۸۰۸ھ)

حافظ ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن حسین بن عبد الرحمٰن مصری عراقی یکتائے زمانہ، نابغہ روزگار، محافظ اسلام، مرجع خلائق اور دانش وَر محقق تھے۔ انہوں نے حدیث، اسناد اور ضبط روایات میں کمال رسوخ حاصل کیا۔ علم حدیث سے تھوڑا بہت شغف رکھنے والا ہر شخص ان کے علم و فضل سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس جلیل القدر امام نے جشنِ میلاد کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا نام ''**المورد الهنی فی المولد السنی**'' رکھا۔

۱۳۔ سلیمان برسونی

حاجی خلیفہ نے ''**کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون (۲: ۱۹۱۰)**'' میں لکھا ہے کہ سلیمان برسونی ۸۰۸ھ کے بعد فوت ہوئے۔ اُنہوں نے ترکی زبان میں منظوم میلاد نامہ لکھا جو کہ روم کی مجالسِ میلاد میں پڑھا جاتا ہے۔

۱۴۔ اِمام محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ھ)

اِمام ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم فیروز آبادی ایک بہت بڑے اِمام ہو گزرے ہیں۔ آپ نے بے شمار کتب لکھیں، جن میں **تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس**، **الصلات والبشر فی الصلاۃ علیٰ خیر البشر** ﷺ اور لغت کی معروف کتاب **القاموس المحیط** شامل ہیں۔ آپ نے میلاد شریف پر **النفحة العنبرية فی مولد خیر البرية** ﷺ لکھی۔

۱۵۔ امام شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی (۷۷۷۔۸۴۲ھ)

میلاد النبی ﷺ پر لکھنے والے جلیل القدر آئمہ میں سے ایک حافظ شمس الدین

محمد بن ابی بکر بن عبد اللہ قیسی شافعی المعروف حافظ ابن ناصر الدین دمشقی ہیں۔ آپ اعلیٰ پائے کے مؤرّخ تھے۔ لاتعداد کتب ان کی نوک قلم سے نکلیں، بے شمار حواشی تحریر کیے اور مختلف علوم وفنون میں طبع آزمائی کی۔ آپ دمشق کے الشرفیہ دار الحدیث کے شیخ الحدیث بنے۔ آپ نے میلاد النبی ﷺ کے بارے میں کئی کتب تحریر کیں۔ حاجی خلیفہ نے ’’کشف الظنون عن أسامی الکتب و الفنون (۲: ۱۹۱۰)‘‘ میں ان کی درج ذیل تین کتب کا تذکرہ کیا ہے جو صرف اِسی موضوع پر ہیں:

۱۔ جامع الآثار فی مولد النبی المختار ﷺ (تین جلدوں پر مشتمل ہے)

۲۔ اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق ﷺ

۳۔ مورد الصادی فی مولد الهادی ﷺ

۱۶۔ شیخ عفیف الدین التبریزی (م ۸۵۵ھ)

شیخ عفیف الدین محمد بن سید محمد بن عبد اللہ حسینی تبریزی شافعی نے مدینہ منورہ میں ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔ آپ نے اِمام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) کی الأربعین اور اِمام ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ) کی الشمائل المحمدیۃ کا حاشیہ لکھا۔ آپ نے مولد النبی ﷺ کے نام سے کتاب لکھی۔

۱۷۔ شیخ محمد بن فخر الدین (م ۸۶۷ھ)

شیخ شمس الدین ابو القاسم محمد بن فخر الدین عثمان لؤلؤی دمشقی حنبلی ’’اللؤلؤ ابن الفخر‘‘ کے نام سے معروف تھے۔ اُنہوں نے میلاد شریف کے موضوع پر الدر المنظم فی مولد النبی المعظم ﷺ لکھی۔ بعد ازاں اُنہوں نے اللفظ الجمیل بمولد النبی الجلیل ﷺ کے نام سے اس کی تلخیص کی۔

۱۸۔ سید اصیل الدین ہروی (م ۸۸۳ھ)

سید اصیل الدین عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ہروی نے **درج الدرر فی میلاد سید البشر** ﷺ کے نام سے کتاب تالیف کی۔

۱۹۔ اِمام عبد اللہ حسینی شیرازی (م ۸۸۴ھ)

اِمام اصیل الدین عبد اللہ بن عبد الرحمٰن حسینی شیرازی نے میلاد کے موضوع پر ایک کتاب بہ عنوان ''**درج الدرر فی میلاد سید البشر** ﷺ'' لکھی۔ اِس کا ذکر حاجی خلیفہ نے ''**کشف الظنون** (۱: ۷۴۵)'' میں کیا ہے۔

۲۰۔ شیخ علاء الدین المرداوی (م ۸۸۵ھ)

ابو الحسن علاء الدین علی بن سلیمان بن احمد بن محمد مرداوی دمشق میں حنبلی فقہ کے بہت بڑے شیخ ہو گزرے ہیں۔ آپ نے میلاد شریف پر **المنهل العذب القرير فی مولد الهادی البشير النذير** ﷺ نامی کتاب تالیف کی۔

۲۱۔ برہان الدین ابو الصفاء (م ۸۸۷ھ)

برہان الدین ابو الصفاء ابن ابی الوفاء نے **فتح اللہ حسبی و کفی فی مولد المصطفی** ﷺ کے نام سے کتاب تالیف کی۔

۲۲۔ شیخ عمر بن عبد الرحمان باعلوی (م ۸۸۹ھ)

شیخ عمر بن عبد الرحمان بن محمد بن علی بن محمد بن احمد باعلوی حضرمی نے ''**کتاب مولد النبی** ﷺ'' لکھی۔

۲۳۔ امام شمس الدین السخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ)

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمان بن محمد قاہری سخاوی کا شمار اکابر ائمہ میں ہوتا ہے۔ ایک عالم نے کہا کہ ''حافظ ذہبی کے بعد ان جیسے ماہر علوم وفنونِ حدیث شخص کا وجود نہیں ملتا اور انہی پر فنِ حدیث ختم ہو گیا۔'' امام شوکانی کا کہنا ہے کہ اگر حافظ سخاوی کی ''الضوء اللامع'' کے علاوہ کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ان کی امامت پر بڑی دلیل تھی۔

آپ نے میلا د النبی ﷺ کے بارے میں ایک کتاب ''**الفخر العلوی فی المولد النبوی** ﷺ'' تصنیف کی، اور اس کا ذکر اپنی کتاب ''**الضوء اللامع** (۸: ۱۸)'' میں بھی کیا ہے۔ اِس کے علاوہ آپ نے **الضوء اللامع** میں اُن ائمہ کرام کی فہرست بھی دی ہے جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف کے بارے میں کتب و رسائل تالیف کیے ہیں۔(۱)

۲۴۔ اِمام نور الدین سمہودی (۸۴۴۔۹۱۱ھ)

میلاد کے موضوع پر لکھی جانے والی ایک اور کتاب ''**المورد الهنية فی مولد خير البرية** ﷺ'' ہے۔ اِس کے مصنف اِمام نور الدین ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد حسینی شافعی سمہودی ہیں جنہیں تاریخِ مدینہ کے لکھنے والوں میں مستند درجہ حاصل ہے۔

۲۵۔ امام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ)

امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی کا علمی مقام آفتاب کی طرح ہر خاص و عام پر واضح ہے۔ آپ کے تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد

---

(۱) حاجی خلیفه، كشف الظنون عن أسامی الكتب والفنون، ۲: ۱۹۱۰

سات سو (۷۰۰) کے قریب پہنچتی ہے۔ آپ نے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے جواز میں ''حسن المقصد فی عمل المولد'' کے نام سے رسالہ لکھا جو پوری دنیا میں مقبول ہوا۔ یہ رسالہ آپ کی تصنیف ''الحاوی للفتاوي'' میں بھی شامل ہے۔

۲۶۔ عائشہ بنت یوسف باعونیہ (م ۹۲۲ھ)

عائشہ بنت یوسف باعونیہ دمشقیہ شافعیہ مشہور عالمہ و صوفیہ اور کثیر التصانیف محققہ تھیں۔ اُنہوں نے منظوم ''مولود النبی ﷺ'' تصنیف کیا۔

۲۷۔ ابوبکر بن محمد حلبی (م ۹۳۰ھ)

ابوبکر بن محمد بن ابی بکر حبیشی حلبی نے الکواکب الدریة فی مولد خیر البریة ﷺ کے نام سے کتاب رقم کی۔

۲۸۔ ملا عرب الواعظ (م ۹۳۸ھ)

ملا عرب الواعظ نے مولد النبی ﷺ کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی۔

۲۹۔ ابن دیبع الشیبانی (۸۶۶۔۹۴۴ھ)

حافظ وجیہ الدین عبد الرحمٰن بن علی بن محمد شیبانی شافعی، ابن دیبع کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نے ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ مرتبہ بخاری شریف کا درس دیا اور ایک مرتبہ چھ روز میں بخاری شریف کو ختم کیا۔ آپ نے میلاد النبی ﷺ کے بارے میں بھی کتاب لکھی ہے۔

۳۰۔ شیخ عبد الکریم الادرنتوی (م ۹۶۵ھ)

شیخ عبد الکریم ادرنتوی خلوتی نے ترکی زبان میں منظوم میلاد نامہ لکھا تھا۔

۳۱۔ اِمام ابن حجر ہیتمی مکی (۹۰۹۔۹۷۳ھ)

امام الحرمین، ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی شافعی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ ''الفتاویٰ الحديثية،'' ''الخيرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنيفة النعمان،'' ''الصواعق المحرقة فی الرد علی أهل البدع والزندقة'' اور ''الجوهر المنظم فی زيارة القبر الشريف النبوی المكرم المعظم ﷺ'' جیسی مشہورِ زمانہ کتب آپ کے علمی شاہکار ہیں۔ آپ علومِ حدیث میں شیخ الاسلام زکریا مصری کے شاگردِ خاص تھے۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی آپ کے دادا استاد تھے۔ علامہ ملا علی قاری اور برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز فرزند علاؤ الدین علی متقی ہندی (صاحبِ كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال) آپ ہی کی مسند اِرشاد و تدریس کے فیض یافتہ تھے۔ آپ نے میلا د النبی ﷺ کے موضوع پر مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں:

۱۔ تحرير الكلام فی القيام عند ذكر مولد سيد الأنام ﷺ

۲۔ تحفة الأخيار فی مولد المختار ﷺ

۳۔ إتمام النعمة علی العالم بمولد سيد ولد آدم ﷺ

۴۔ مولد النبی ﷺ

علاوہ ازیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''الفتاویٰ الحديثية'' میں بھی اس موضوع کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

۳۲۔ اِمام خطیب شربینی (م ۹۷۷ھ)

اِمام شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی نے مولد النبی ﷺ پر پچاس (۵۰) صفحات کا مخطوطہ تحریر کیا ہے۔

۳۳۔ ابو الثناء احمد الحنفی (م ۱۰۰٦ء)

ابو الثناء احمد بن محمد بن عارف زیلی رومی حنفی نے **مولد النبی** ﷺ کے عنوان سے کتاب تالیف کی۔

۳۴۔ ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ)

جشنِ میلاد النبی ﷺ پر لکھنے والوں میں حافظِ حدیث، مجتہد الزمان امام ملا علی قاری بن سلطان بن محمد ہروی بھی ہیں۔ امام شوکانی نے ''**البدر الطالع**'' میں ان کے حالات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ علوم نقلیہ کے جامع، سنت نبوی میں دسترس رکھنے والے، عالم اسلام کے بطلِ جلیل اور قوتِ حفظ و فہم میں نام وَر تھے۔ اُنہوں نے میلاد النبی ﷺ کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام ''**المورد الروی فی مولد النبوی ﷺ ونسبه الطاهر**'' ہے۔ اِس کتاب میں اُنہوں نے میلاد شریف کے بارے میں مختلف علماء کے اَقوال اور مختلف اِسلامی ممالک میں جشنِ میلاد کی تقریبات کا حال بیان کیا ہے۔

۳۵۔ اِمام عبد الرؤف المناوی (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ)

''**فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**'' اور ''**شرح الشمائل علی جمع الوسائل**'' کے مصنف و نام وَر اِمام عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین مناوی (۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء) نے میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رِسالہ تالیف کیا ہے، جو کہ ''**مولد المناوي**'' کے نام سے معروف ہے۔

۳٦۔ محی الدین عبد القادر عیدروسی (۹۸۷۔۱۰۳۸ھ)

محی الدین عبد القادر بن شیخ بن عبد اللہ عیدروسی نے **المنتخب المصفی فی أخبار مولد المصطفی** ﷺ تالیف کی۔

۳۷۔ اِمام علی بن اِبراہیم الحلبی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)

سیرتِ طیبہ کی مشہور کتاب -’’إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون‘‘جو کہ’’السیرة الحلبیة‘‘ کے نام سے معروف ہے - کے مصنف اِمام نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی حلبی قاہری شافعی نے میلاد شریف کے موضوع پر کتاب’’الکواکب المنیر فی مولد البشیر النذیر ﷺ‘‘ لکھی ہے۔ اُنہوں نے’’السیرة الحلبیة‘‘میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف منانے پر دلائل دیتے ہوئے اِس کا جائز اور مستحب ہونا ثابت کیا ہے۔

۳۸۔ اِمام محمد بن علان صدیقی (۹۹۶۔۱۰۵۷ھ)

اِمام محمد علی بن محمد بن علان بکری صدیقی علوی (۱۵۸۸۔۱۶۴۷ء) نام وَر مفسر و محدّث تھے۔ اُنہوں نے’’مورد الصفا فی مولد المصطفیٰ ﷺ‘‘ نامی مولود نامہ تالیف کیا۔

۳۹۔ شیخ زین العابدین خلیفتی (م ۱۱۳۰ھ)

شیخ زین العابدین محمد بن عبد اللہ عباسی مدینہ منورہ کے نام وَر خطیب تھے۔ آپ خلیفتی کے لقب سے معروف تھے۔ آپ نے میلاد شریف پر الجمع الزاهر المنیر فی ذکر مولد البشیر النذیر ﷺ نامی کتاب لکھی۔

۴۰۔ اِمام عبد الغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ)

شیخ عبد الغنی نابلسی بڑے جلیل القدر اِمام تھے۔ آپ نے’’المولد النبوی ﷺ‘‘ کے عنوان سے مختصر اور جامع مولود نامہ لکھا ہے۔

۴۱۔ شیخ جمال الدین بن عقیلہ المکی الظاہر (م ۱۱۳۰ھ)

شیخ جمال الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن سعید بن مسعود المکی الظاہر نے مولد النبی ﷺ کے نام سے کتاب لکھی۔

۴۲۔ سلیمان نحیفی رومی (م ۱۱۵۱ھ)

سلیمان بن عبد الرحمان بن صالح نحیفی رومی - جنہوں نے مولانا روم (۶۰۴۔۶۷۲ھ) کی ''مثنوی مولوی معنوی'' کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا تھا - نے ترکی زبان میں منظوم میلاد نامہ بھی لکھا۔

۴۳۔ یوسف زادہ رومی (۱۰۸۵۔۱۱۶۷ھ)

عبد اللہ حلمی بن محمد بن یوسف بن عبد المنان رومی حنفی مقری ایک نام وَر محدث تھے۔ آپ ''یوسف زادہ شیخ القراء'' کے لقب سے معروف تھے۔ اُنہوں نے اِختلافِ قرات پر الإئتلاف فی وجود الإختلاف فی القراءۃ کے نام سے کتاب لکھی۔ میلاد شریف کے موضوع پر ان کی کتاب کا نام الکلام السنی المصفی فی مولد المصطفی ﷺ ہے۔

۴۴۔ حسن بن علی مدابغی (م ۱۱۷۰ھ)

علامہ حسن بن علی بن احمد بن عبد اللہ منطاوی جو کہ مدابغی کے نام سے معروف تھے، اُنہوں نے ۱۱۷۰ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔ اُنہوں نے رسالۃ فی المولد النبوی ﷺ کے نام سے ایک رِسالہ تالیف کیا۔

۴۵۔ عبد اللہ کاشغری (م ۱۱۷۴ھ)

عبد اللہ بن محمد کاشغری بندائی نقشبندی زاہدی قسطنطنیہ میں درس و تدریس کرتے

تھے۔ آپ وہاں سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ آپ نے **مولد النبی** ﷺ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

۴۶۔ احمد بن عثمان حنفی (۱۱۰۰۔۱۱۷۴ھ)

احمد بن عثمان دیاربکری آمدی حنفی نے **مولد النبی** ﷺ تالیف کی۔

۴۷۔ عبد الکریم برزنجی (م ۱۱۷۷ھ)

سید جعفر بن حسن بن عبد الکریم برزنجی شافعی مدینہ منورہ کے مفتی اعظم اور مشہور محدث تھے۔ عربی لغت کی مشہور کتاب - **تاج العروس من جواهر القاموس** - کے مصنف سید مرتضٰی زبیدی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ) نے آپ سے ملاقات کی اور مسجد نبوی میں ہونے والے آپ کے دروس میں حاضر ہوئے۔ آپ کی میلا د النبی ﷺ پر مشہور و معروف کتاب ’’**عقد الجوهر فی مولد النبی الأزهر** ﷺ‘‘ ہے، جو کہ ’’**مولود البرزنجی**‘‘ کے نام سے معروف ہے۔ اِس کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب و عجم میں اکثر لوگ اس رسالہ کو حفظ کرتے ہیں اور دینی اجتماعات کی مناسبت کے اعتبار سے اسے پڑھتے ہیں۔ یہ میلا د نامہ حضور نبی اکرم ﷺ کی مختصر سیرت، آپ ﷺ کی بعثت و ہجرت، اَخلاق و غزوات اور آپ ﷺ کی وفات تک کے ذکر پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس میلا د نامہ کے ابتداء میں یہ تحریر کیا ہے:

> **أبتدئ الإملاء باسم الذات العلية، مستدرًّا فيض البركات على ما أناله وأولاه.**
>
> ’’میں (اللہ تعالیٰ کی) بزرگ و برتر ذات کے نام سے لکھنا شروع کرتا ہوں، اُس سے برکتوں کے فیض کے نزول کا طلب گار ہوں ان نعمتوں پر جو اس نے مجھے عطا فرمائی ہیں۔‘‘

اس کتاب کی شرح شیخ ابوعبد اللہ محمد بن احمد علیش (م ۱۲۹۹ھ) نے کی ہے اور یہ شرح بہت ہی جامع اور مفید ہے اس کا نام ''**القول المنجی علی مولد البرزنجی**'' ہے۔ یہ مصر سے کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ اس شرح کو ان کے پوتے علامہ فقیہ ومورخ سید جعفر بن اسماعیل بن زین العابدین برزنجی (م ۱۳۱۷ھ) - جو کہ مدینہ منورہ میں مفتی تھے - نے منظوماً تحریر کرکے ۱۹۸ ابیات میں بیان کیا ہے۔ اِس کے شروع میں وہ فرماتے ہیں:

بدأت باسم الذات عالية الشأن
بها مستدراً فيض جود وإحسان

اس منظوم میلاد نامہ کا نام ''**الکوکب الأنوار علی عقد الجوهر فی مولد النبی الأزهر** ﷺ'' ہے۔

۴۸۔ سید محمد بن حسین حنفی جعفری (۱۱۴۹۔۱۱۸۶ھ)

سید محمد بن حسین مدنی علوی حنفی جعفری نے خلفاء راشدین اور اہلِ بیتِ اَطہار کے مناقب پر کافی کتب لکھیں، جن میں **الفتح والبشری فی مناقب سیدة فاطمة الزهراء، قرة العین فی بعض مناقب سیدنا الحسین، مناقب الخلفاء الأربعة، المواهب العزار فی مناقب سیدنا علی الکرار** شامل ہیں۔ آپ نے میلاد شریف کے موضوع پر **مولد النبی** ﷺ تالیف کی۔

۴۹۔ شیخ محمد بن احمد عدوی (م ۱۲۰۱ھ)

شیخ احمد بن محمد بن احمد عدوی مالکی مصری ''دردیر'' کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ کا مولد النبی ﷺ پر مختصر رسالہ مصر سے شائع ہوا جو ''**مولد الدردیر**'' کے نام سے معروف ہے۔ آپ کے علمی مرتبہ کے پیشِ نظر جامعہ اَزہر کے علماء و مدرسین یہ مولود نامہ درساً پڑھایا کرتے تھے۔ شیخ الجامعۃ الازہر ابراہیم بن محمد بن احمد بیجوری (م

۱۱۹۸۔۱۲۷۷ھ) نے اِس کے اوپر بہت مفید حاشیہ بھی لکھا ہے۔

۵۰۔ اشرف زادہ برسوی (م۱۲۰۲ھ)

عبد القادر نجیب الدین بن شیخ عز الدین احمد ''اشرف زادہ برسوی حنفی'' کے نام سے معروف تھے۔ ان کا ترکی زبان میں شعری دیوان ہے۔ ان کی تصوف پر لکھی گئی کتاب کا نام ''سر الدوران فی التصوف'' ہے۔ آپ نے ترکی زبان میں منظوم میلاد نامہ لکھا۔

۵۱۔ محمد شاکر عقاد السالمی (م۱۲۰۲ھ)

محمد شاکر بن علی بن حسن عقاد السالمی نے **تذکرة أهل الخير فی المولد النبوی** ﷺ لکھا۔

۵۲۔ عبد الرحمان بن محمد مقری (م۱۲۱۰ھ)

عبد الرحمان بن محمد نحراوی مصری مقری نے حسن بن علی مدابغی (م۱۱۷۰ھ) کے **رسالة فی المولد النبوی** ﷺ کی شرح لکھی، جس کا عنوان **حاشية علی مولد النبی ﷺ للمدابغی** ہے۔

۵۳۔ سلامی الازمیری (م ۱۲۲۸ھ)

مصطفیٰ بن اِسماعیل شرحی اَزمیری سلامی نے ترکی زبان میں منظوم میلاد نامہ لکھا۔

۵۴۔ محمد بن علی شنوانی (م۱۲۳۳ھ)

محمد بن علی مصری اَزہری شافعی شنوانی نے میلاد شریف کے موضوع پر **الجواهر السنية فی مولد خير البرية** ﷺ کے عنوان سے ایک رسالہ تالیف کیا۔

۵۵۔ عبد اللہ سویدان (م ۱۲۳۴ھ)

عبد اللہ بن علی بن عبد الرحمان دملیجی ضریر مصری شاذلی جو کہ سویدان کے لقب سے معروف تھے، اُنہوں نے **مطالع الأنوار فی مولد النبی المختار** ﷺ لکھی۔

۵۶۔ ابن صلاح الامیر

سید علی بن ابراہیم بن محمد بن اسماعیل بن صلاح الامیر صنعانی ۱۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۳۶ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ اُنہوں نے **تأنیس أرباب الصفا فی مولد المصطفی** ﷺ کے نام سے میلاد نامہ لکھا۔

۵۷۔ اِمام محمد مغربی (م ۱۲۴۰ھ)

اِمام محمد مغربی نامور محقق و صوفی اور اکابر اَولیاء میں سے تھے۔ اُنہوں نے ’’**المولد النبوي** ﷺ‘‘ کے عنوان سے مولود نامہ تصنیف کیا ہے جو محدّثین کی روایات اور صوفیاء کے اَقوال سے مزین ہے۔

۵۸۔ شیخ ابراہیم بن محمد باجوری (م ۱۲۷۶ھ)

شیخ ابراہیم بن محمد باجوری شافعی مصری نے **تحفة البشر علی مولد ابن حجر** تالیف کیا۔

۵۹۔ شاہ احمد سعید مجددی دہلوی (م ۱۲۷۷ھ)

ہندوستان کی معروف علمی و روحانی شخصیت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی (م ۱۸۶۰ء) نے جشنِ میلاد شریف کے جواز پر ’’**إثبات المولد والقیام**‘‘ نامی ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔

۶۰۔ سید احمد مرزوقی

سید ابو الفوز احمد بن محمد بن رمضان مکی مالکی مرزوقی حرمِ مکہ کے مدرّس تھے۔ آپ نے ۱۲۸۱ھ میں ''**بلوغ المرام لبیان ألفاظ مولد سید الأنام ﷺ فی شرح مولد أحمد البخاری**'' تالیف کیا۔ علاوہ ازیں ''**عقیدۃ العوام**'' کے نام سے ایک مولود نامہ بھی تحریر کیا، جس کی شرح بھی آپ نے خود ''**تحصیل نیل المرام**'' کے نام سے کی۔

۶۱۔ شیخ محمد مظہر بن احمد سعید (م ۱۳۰۱ھ)

شیخ محمد مظہر بن احمد سعید (م ۱۸۸۴ء) نے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے، جو کہ ''**الرسالۃ السعیدیۃ**'' کے نام سے معروف ہے۔

۶۲۔ عبد الہادی اَبیاری (م ۱۳۰۵ھ)

شیخ عبد الہادی اَبیاری مصری نے ''**مولد النبی ﷺ**'' پر ایک مختصر رسالہ تحریر کیا ہے۔

۶۳۔ عبد الفتاح بن عبد القادر دمشقی (۱۲۵۰۔۱۳۰۵ھ)

عبد الفتاح بن عبد القادر بن صالح دمشقی شافعی نے میلاد شریف کے موضوع پر **سرور الأبرار فی مولد النبی المختار ﷺ** تالیف کیا۔

۶۴۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ)

غیر مقلدین کے نام وَر عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے میلاد شریف کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا عنوان ہے: ''**الشمامۃ العنبریۃ من مولد خیر البریۃ ﷺ**۔''

۶۵۔ ابراہیم طرابلسی حنفی (م ۱۳۰۸ھ)

ابراہیم بن سید علی طرابلسی حنفی منظوم میلاد نامہ لکھا جس کا عنوان ہے: **منظومة فی مولد النبی** ﷺ

۶۶۔ ہبۃ اللہ محمد بن عبد القادر دمشقی (م ۱۳۱۱ھ)

ہبۃ اللہ ابو الفرح محمد بن عبد القادر بن محمد صالح دمشقی شافعی نے **مولد النبی** ﷺ کے عنوان سے رسالہ تالیف کیا۔

۶۷۔ ابوعبد المعطی محمد نویر جاوی (م ۱۳۱۵ھ)

ابو عبد المعطی محمد نویر بن عمر بن عربی بن علی نووی جاوی نے **بغیة العوام فی شرح مولد سید الأنام** ﷺ تالیف کی۔

۶۸۔ مفتی اَدرنہ محمد فوزی رومی (م ۱۳۱۸ھ)

مفتی اَدرنہ محمد فوزی بن عبد اللہ رومی نے **إثبات المحسنات فی تلاوة مولد سید السادات** ﷺ کے عنوان سے میلاد نامہ لکھا۔

۶۹۔ سید اَحمد بن عبد الغنی دمشقی (م ۱۳۲۰ھ)

سید اَحمد بن عبد الغنی بن عمر عابدین دمشقی فقہ حنفی کے نام وَر عالم و محقق اور ''**رد المحتار علی در المختار علی تنویر الأبصار**'' کے مؤلّف اِمام محمد بن محمد امین بن عابدین شامی دمشقی (۱۱۹۸۔۱۲۵۲ھ) کے بھانجے تھے۔ اُنہوں نے اِمام ابن حجر ہیتمی مکی (۹۰۹۔۹۷۳ھ) کی میلاد شریف کے موضوع پر لکھی کتاب کی ضخیم شرح ''**نثر الدرر علی مولد ابن حجر**'' کے عنوان سے لکھی۔

۷۰۔ اِمام احمد رضا خان (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ)

اِمام احمد رضا بن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء) میلاد شریف کے موضوع پر درج ذیل دو کتب تالیف کی ہیں:

۱۔ نطق الهلال بارخ ولادة الحبيب والوصال

۲۔ إقامة القيامة على طاعن القيام لنبى تهامة ﷺ

۷۱۔ محمد بن جعفر کتانی (م ۱۳۴۵ھ)

عارف باللہ سید شریف محمد بن جعفر کتانی بہت بڑے محدث اور معتمد تھے۔ آپ کا مولد النبی ﷺ پر ایک رسالہ ''اليمن والإسعاد بمولد خير العباد'' ہے۔ یہ ساٹھ (۶۰) صفحات پر مشتمل اور جدید و تاریخی تحقیقات سے بھرپور رسالہ ہے۔

۷۲۔ اِمام یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)

عالم عرب کے معروف محدّث و سیرت نگار اِمام یوسف بن اسماعیل نبہانی نے مولد النبی ﷺ پر ''جواهر النظم البديع فى مولد الشفيع ﷺ'' کے عنوان سے منظوم کتاب لکھی ہے۔

۷۳۔ مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ)

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء) نام وَر دیوبندی عالم تھے۔ سیرتِ طیبہ پر آپ کی کتاب -نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ- کے آغاز میں ہی تخلیقِ نورِ محمدی ﷺ اور واقعاتِ ولادت بالتفصیل ذکر کیے گئے ہیں۔ آپ نے ''طریقۂ مولود'' بھی ترتیب دیا ہے۔

۷۴۔ شیخ محمود عطار دمشقی (۱۲۸۴۔۱۳۶۲ھ)

شیخ محمود بن محمد رشید عطار حنفی دمشق کے نام وَر عالم و محدّث تھے۔ آپ نے اپنے وقت کے کبار اساتذہ وشیوخ سے علم حاصل کیا اور دمشق کے علماء کا شمار آپ کے شاگردوں یا آپ کے شاگردوں کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رسالہ ''**إستحباب القیام عند ذکر ولادته علیه الصلاة والسلام**'' تالیف کیا ہے۔

۷۵۔ اِمام محمد زاہد کوثری (۱۲۹۶۔۱۳۷۱ھ)

عالم عرب کی معروف علمی شخصیت علامہ مجدد اِمام محمد زاہد کوثری نے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے جواز پر مختلف مقالہ جات لکھے ہیں۔

۷۶۔ عبد اللہ بن محمد ہرری (م ۱۳۸۹ھ)

عبد اللہ بن محمد شیبی عبدری ہرری حبشی (م ۱۹۶۹ء) نے جشنِ میلاد النبی ﷺ کی بابت دو رسائل تالیف کیے ہیں:

۱۔ **کتاب المولد النبوی** ﷺ

۲۔ **الروائح الزکیة فی مولد خیر البریة** ﷺ

۷۷۔ شیخ محمد رشید رضا مصری

مصر کے معروف مؤرّخ، مشہور محقق، محدث، مفسر اور تاریخ دان شیخ محمد رشید رضا نے میلاد پر ایک کتاب تحریر کی جس کا نام ہے: ''**ذکر المولد وخلاصة السیرة النبویة وحقیقة الدعوة الإسلامیة**۔''

۷۸۔ شیخ محمد بن علوی مالکی مکی (م ۱۴۲۵ھ)

مکہ مکرمہ کے نام وَر محدث اور عالم شیخ محمد بن علوی مالکی مکی (م ۲۰۰۴ء) نے میلاد شریف کی بابت اجل ائمہ کرام کے درج ذیل تین رسائل کا مجموعہ تالیف کر کے طبع کرایا ہے:

۱۔ ابن کثیر، **ذکر مولد رسول اللہ ﷺ و رضاعه**

۲۔ ملا علی قاری، **المورد الروی فی المولد النبوی ﷺ** (اِس رسالہ پر اِمام علوی مالکی کی تعلیقات و تحقیق بھی شامل ہے۔)

۳۔ ابن حجر ہیتمی مکی، **مولد النبی ﷺ**

اُنہوں نے میلاد النبی ﷺ سے متعلق ایک رسالہ بہ عنوان ''**حول الإحتفال بذکری المولد النبوی الشریف** ﷺ'' بھی تالیف کیا ہے۔ علاوہ ازیں جشنِ میلاد النبی ﷺ کے جواز پر مختلف ائمہ و علماء کے فتاوی جات کا مجموعہ بھی ترتیب دیا ہے، جس کا عنوان ہے: ''**الإعلام بفتاوی أئمة الإسلام حول مولده علیه الصلاة والسلام**۔''

۷۹۔ شیخ عبد العزیز بن محمد

شیخ عبد العزیز بن محمد ایک عظیم محقق اور وزارت ''**الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر**'' کے رئیس العام تھے۔ انہوں نے جشنِ میلاد پر ایک کتاب بہ عنوان ''**بعثة المصطفی ﷺ فی مولد المصطفی ﷺ**'' لکھی۔

۸۰۔ سید ماضی ابو العزائم

آپ نے میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ''**بشائر الأخیار فی مولد المختار**'' لکھی ہے۔ اِس میں اُنہوں نے نورِ نبوت کی تخلیق اور ظہور کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی رضاعت، نبوت اور دیگر انبیائے کرام پر آپ ﷺ کی فضیلت کے بیان کے

ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا میلاد شریف منانے پر بھی دلائل دیے ہیں۔

۸۱۔ سید محمد عثمان میرغنی

آپ نے میلاد کے موضوع پر ایک رسالہ بہ عنوان ’’**الأسرار الربانیة المعروف بہ: مولد النبی** ﷺ‘‘ لکھا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف کے بیان پر مشتمل اِس رسالہ میں آپ ﷺ کے نسب و ولادت اور حیاتِ طیبہ کے دیگر پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۸۲۔ محمد بن محمد منصوری شافعی خیاط نے ابن حجر ہیتمی کی میلاد شریف کے موضوع پر تالیف کردہ کتاب کی شرح **اقتناص الشوارد من موارد الموارد** کے نام سے لکھی۔

۸۳۔ احمد بن قاسم مالکی بخاری حریری، **مولد النبی** ﷺ

۸۴۔ ابوحسن بکری، **الأنوار فی مولد النبی محمد** ﷺ

۸۵۔ ابراہیم اَبیاری، **مولد رسول الله** ﷺ

۸۶۔ صلاح الدین ہواری، **المولد النبوی الشریف** ﷺ

۸۷۔ ابومحمد ویلتوری، **إبتغاء الوصول لحب الله بمدح الرسول** ﷺ

۸۸۔ زین الدین مخدوم فنانی، **البنیان المرصوص فی شرح المولد المنقوص**

۸۹۔ عبد اللہ عفیفی، **المولد النبوی المختار** ﷺ

۹۰۔ عبد اللہ حمصی شاذلی، **مولد النبی** ﷺ

۹۱۔ شیخ خالد بن والدی، **مولد النبی** ﷺ

۹۲۔ شیخ محمد وفا صیادی، **مولد النبی** ﷺ

۹۳۔ شیخ محمود محفوظ دمشقی شافعی، **مولد النبی** ﷺ

۹۴۔ شیخ عبد اللہ بن محمد مناوی شاذلی، **مولد الجلیل حسن الشکل الجمیل**

۹۵۔ حافظ عبد الرحمٰن بن علی شیبانی، **مولد النبی** ﷺ

۹۶۔ سید عبد القادر اسکندرانی، **الحقائق فی قراءۃ مولد النبی** ﷺ

۹۷۔ محمد بن محمد دمیاطی، **مولد العزب**

۹۸۔ شیخ محمد ہاشم رفاعی، **مولد النبی** ﷺ

۹۹۔ شیخ محمد ہشام قبانی، **المولد فی الإسلام بین البدعۃ و الإیمان**

۱۰۰۔ سعید بن مسعود بن محمد کازرونی، **تعریب المتقی فی سیر مولد النبی المصطفی** ﷺ

۱۰۱۔ شیخ محمد نوری بن عمر بن عربی بن علی نووی شافعی، **الابریز الدانی فی مولد سیدنا محمد العدنانی** ﷺ

۱۰۲۔ شیخ محمد نوری بن عمر بن عربی بن علی نووی شافعی، **بغیۃ العوام فی شرح مولد سید الأنام** ﷺ

۱۰۳۔ زین العابدین محمد عباسی، **الجمع الزاھر المنیر فی ذکر مولد البشیر النذیر** ﷺ

۱۰۴۔ ابو شاکر عبد اللہ شلبی، **الدر المنظم شرح الکنز المطلسم فی مولد النبی المعظم** ﷺ

۱۰۵۔ سیف الدین ابو جعفر عمر بن ایوب بن عمر حمیری ترکمانی دمشقی حنفی، **الدر النظیم فی مولد النبی الکریم** ﷺ

۱۰۶۔ ابو ہاشم محمد شریف النوری، **احراز المزیۃ فی مولد النبی خیر البریۃ** ﷺ

۱۰۷۔ بدر الدین یوسف المغربی، فتح القدیر فی شرح مولد الدردیر ﷺ

۱۰۸۔ ابو الفتوح الحلبی، الفوائد البهية فی مولد خير البرية ﷺ

۱۰۹۔ سویدان عبد اللہ بن علی الدّملیجی المصری، مطالع الانوار فی مولد النبی المختار ﷺ

۱۱۰۔ ابن علان محمد علی الصدیقی المکی، مورد الصفا فی مولد المصطفی ﷺ

۱۱۱۔ سید محمد بن خلیل الطرابلسی المعروف بالقاوقجی، مولد النبی ﷺ

۱۱۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد العطار الجزائری، الورد العذب المبين فی مولد سيد الخلق اجمعين ﷺ

۱۱۳۔ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ البکری، كتاب الأنوار و مفتاح السرور والأفكار فی مولد محمد ﷺ

۱۱۴۔ أحمد بن علی بن سعید، طل الغمامة فی مولد سيد تهامة ﷺ

۱۱۵۔ ابن الشیخ آق شمس دین حمد اللہ، المولد الجسمانی و المورد الروحانی

۱۱۶۔ محمد بن حسن بن محمد بن احمد بن جمال الدین خلوتی سمنودی، الدر الثمين فی مولد سيد الاولين و الآخرين ﷺ (۱)

---

(۱) میلاد شریف کے موضوع پر لکھی جانے والی تصانیف کا براہِ راست حوالہ دینے کے ساتھ ساتھ ہم نے درج ذیل مصادر کی طرف بھی رجوع کیا ہے:

۱۔ ابن ندیم، كتاب الفهرست

۲۔ حاجی خلیفہ، كشف الظنون عن أسامی الكتب والفنون

۳۔ بابانی، هدية العارفين

۴۔ اِدوارد فندیک، اكتفاء القنوع بما هو مطبوع

۵۔ خوارزمی، مفاتيح العلوم

←

مذکورہ بالا صفحات میں ہم نے ایک سو سولہ (۱۱۶) اَئمہ و شیوخ کی ایک سو پچیس (۱۲۵) سے زائد تالیفات و شروحات کا ذکر کیا گیا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد ناموں اور واقعاتِ ولادت کے قصص پر مشتمل ہیں۔ جب کہ اَمرِ واقعہ یہ ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے میلاد کے واقعات اور جشنِ میلاد کی کیفیت کی حامل تالیفات و مولود ناموں کی تعداد اِس سے کہیں زیادہ ہے، اور ایسی کتب اُردو، پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، سرائیکی، ہندی، فارسی، انگریزی الغرض دنیا کی ہر اُس زبان میں پائی جاتی ہیں جو مومنین بولتے ہیں۔

اِس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حبیبِ خدا حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد شریف منانا اور آپ ﷺ کے میلاد کے واقعات بیان کرنا، آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ بیان کرنا، آپ ﷺ کی مدح خوانی کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جو عصرِ حاضر یا ماضی قریب کے مسلمانوں نے کسی مخصوص خطہ میں شروع کیا ہے۔ بلکہ اِس عمل پر ہمیشہ اور ہر جگہ مسلمانوں نے مداومت اِختیار کی ہے اور جشنِ میلاد کی تقاریب کا اِنعقاد مسلمانوں میں ثقافتی پہچان اور جذبہ ایمانی بیدار کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔ اگر یہ عمل (معاذ اللہ) بدعتِ سیئہ ہوتا - جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے - تو کبھی بھی اتنی کثیر تعداد میں کبار اَئمہ اور اَجل محدّثین اِس کا اِہتمام نہ کرتے نہ اِس موضوع کو اپنی تصانیف کا حصہ بناتے۔ چند لوگوں کا اِس مقدس و بابرکت کام کی مخالفت میں دلائل دینا اور اِسے ناجائز قرار دینا اُن کا اپنا خیال ہوسکتا ہے جو اُن کے اُس طبعی گھٹن کے سبب پیدا ہوتا ہے جو بدقسمتی سے بعض لوگوں کو محسنِ اِنسانیت

.... ۶۔ باشا بغدادی، ایضاح المکنون

۷۔ عبد الحی کتانی، فهرس الفهارس والأثبات ومعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات

۸۔ الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربية والمعربة

۹۔ قنوجی، أبجد العلوم الوشي المرقوم في بيان أحوال العلوم

۱۰۔ کتانی، الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المصنفة

پیغمبرِ اِسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اَقدس کے ساتھ عقیدت و محبت کے حوالہ سے لاحق رہتا ہے۔ توحید کی آڑ میں رِسالتِ محمدی ﷺ کے فیوض و برکات سے عوام و خواص کو روکنا ہر دور میں اِبلیسی وطیرہ رہا ہے۔ باقی رہ گیا یہ کہ بعض کم فہم لوگوں نے اِس میں بہت سی خرافات جمع کر دی ہیں تو ان خرافات کا اِزالہ ہونا چاہیے نہ کہ جشنِ میلاد کو کلیتاً ناجائز قرار دیا جائے اور اِسے منانے والوں کو بدعتی یا مشرک کے لقب سے نوازا جائے۔

باب ہفتم

قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے جشنِ میلاد کیوں نہیں منایا؟

محبوبِ ربّ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے یومِ ولادت باسعادت پر اِظہارِ مسرت کرنا، محافلِ میلاد منعقد کرنا اور جشنِ عید منانا ایک مومن کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے، مگر شومیٔ قسمت کہ بعض لوگ اس عظیم سعادت کو خلافِ شریعت عمل قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ اس کے عدمِ جواز پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جشنِ میلاد قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کے عمل سے ثابت نہیں، اس کا آغاز بعد کے اَدوار میں ہوا ہے۔ نیز یہ کہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وِصال مبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جشنِ میلاد کیوں نہ منایا؟ زیرِ نظر باب میں ہم اُس دور کے معروضی حالات کی روشنی میں اِس کے اَسباب کی توضیح بیان کریں گے۔

۱۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے حضور ﷺ کا سانحۂ اِرتحال اِنتہائی غم اَنگیز تھا

حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت مسلمانانِ عالم کے لیے دنیا کی تمام خوشیوں اور مسرتوں سے بڑھ کر ہے۔ قرنِ اَوّل کے مسلمانوں کے لیے بالعموم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بالخصوص اِس دنیائے آب وگل میں حضور ﷺ کی تشریف آوری سے بڑی اہم خبر اور کیا ہوسکتی تھی! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے عاشق اور جاں نثار تھے ان سے بڑھ کر اس نعمتِ عظمیٰ کا قدردان اور کون ہوسکتا تھا! اس پر اِظہارِ فرحت و مسرت جس طرح وہ کر سکتے تھے آج کے دور کے مسلمان اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد اگر انہوں نے آپ ﷺ کا یومِ ولادت تزک و اِحتشام سے نہیں منایا تو اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کا یومِ ولادت آپ ﷺ کے وصال کا دن بھی تھا، سرکارِ دوجہاں ﷺ اپنے خالقِ حقیقی

سے جا ملے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غم و آلام کا ایک کوہِ گراں ٹوٹ گیا، اس لیے جب ان کی زندگی میں بارہ ربیع الاول کا دن آتا تو وصال کے صدمے تلے ولادت کی خوشی دب جاتی اور جدائی کا غم اَز سرِنو تازہ ہو جاتا۔ آقائے دوجہاں ﷺ کی زندگی کی یادوں کے جلَو میں بارہ ربیع الاول کا دن آتا تو خوشی و غم کی کیفیتیں مل جاتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وصالِ محبوب ﷺ کو یاد کر کے صدمہ زدہ دلوں کے ساتھ خوشی کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ سو وہ ولادت کی خوشی میں جشن مناتے نہ وصال کے غم میں اَفسردہ ہوتے۔

اِنسانی فطرت لمحاتِ غم میں خوشی کا کھلا اِظہار نہیں کرنے دیتی

روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ جب کسی گھر میں کسی عزیز کی وفات ہو جائے جب کہ چند دنوں کے بعد اسی گھر میں شادی کی تقریب بھی منعقد ہونے والی ہو تو عام دستور یہی ہے کہ اُس غم کے باعث شادی ملتوی کر دی جاتی ہے۔ اگر شادی کی تقریب ملتوی نہ بھی کی جائے تو نہایت سوگوار ماحول میں سادگی کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔ لیکن اسی گھر میں اگر اس سوگوار واقعہ کے پانچ، دس سال بعد شادی ہو تو بالعموم یہی دیکھا گیا ہے کہ شادی کا اہتمام رسم و رواج کے مطابق دھوم دھام سے کیا جاتا ہے اور اس موقع پر کوئی یہ نہیں کہتا کہ چند سال پہلے ان کا والد فوت ہوا تھا اب وہ دھوم دھام سے شادی کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق ایک عرصہ تک غم و اندوہ کا پہلو صبر و ضبط پر غالب رہتا ہے اور جوں جوں زمانہ بیت جاتا ہے صدمے کا اثر زائل ہو جاتا ہے جس کے باعث حالات معمول پر آتے ہی زندگی پرانی ڈگر پر رواں دواں ہو جاتی ہے۔

۲۔ کیفیاتِ غم کی شدت قرونِ اُولیٰ میں جشن منانے میں مانع تھی

بشری تقاضوں کے مطابق قرنِ اَوّل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی جدائی کے غم کا پہلو زیادہ اثر آفریں تھا۔ ولادت اور وفات کا دن ایک ہونے

کے باعث جب یومِ میلاد آتا تو ان پر غم کی کیفیات خوشی کی نسبت بڑھ جاتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایثار و قربانی کی ایک زندہ و تابندہ مثال تھے۔ وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنبشِ اَبرو پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ معیارِ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے غایت درجہ محبت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ وصال ان کے لیے سب سے عظیم سانحہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی اَلم ناک خبر کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قیامت بن کر ٹوٹی ہوگی، لمحاتِ غم کی شدت میں غلاموں نے کس طرح اپنے آپ کو سنبھالا ہوگا۔ اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ وہ تو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے آقا کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کے جذباتی اور عشقی تعلق کی کیفیت یہ تھی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہری حیاتِ مبارکہ سے پردہ فرما گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور قوی دل صحابی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکنے کے باعث خود پر قابو نہ رکھ سکے۔

صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ اَطہار رضی اللہ عنہم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کی خبر اندوہ ناک اور ہوش رُبا تھی کیوں کہ ان کا محبوب ان سے جدا ہو گیا تھا۔ اپنی محبوب ترین ہستی کے بچھڑ جانے پر جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ردِعمل ایک فطری اَمر تھا، اس لیے کہ انہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنا وطن، عزیز و اَقارب، مال و دولت، بیوی بچے، الغرض سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے درمیان ظاہری طور پر نہ دیکھتے تھے تو ان کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسا کاری زخم بھی لگ سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن جذبات اور احساسات کا اظہار کیا ان کی ایک جھلک ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے:

(۱) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد اِمامِ عشاقانِ مصطفیٰ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت اپنے محبوب کے ہجر میں تڑپتے تھے، اور آپ کی وفات کا سبب بھی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا غم تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

کان سبب موت أبي بکر موت رسول الله ﷺ ما زال جسمه یجری حتٰی مات۔(1)

’’حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب رسولِ اکرم ﷺ کے وِصال (کا غم) تھا، یہی وجہ ہے کہ فراق میں آپ کا جسم نہایت ہی کمزور ہو گیا تھا حتی کہ آپ کا اِنتقال ہو گیا۔‘‘

حضرت زیاد بن حنظلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کان سبب موت أبي بکر الکمد علی رسول الله ﷺ۔(2)

’’حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب رسولِ اکرم ﷺ کے وِصال پر ہونے والا حزن و اَلم تھا۔‘‘

(۲) حضور ﷺ کے وصال پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل

حضور ﷺ کے وصال مبارک کی خبر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی مضبوط قوتِ اِرادی کی حامل جری و بہادر شخصیت کے خرمنِ ہوش پر بجلی کی طرح گری۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور شدتِ غم سے کہنے لگے: ’’اگر کسی نے کہا کہ حضور ﷺ وصال فرما گئے ہیں تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔‘‘(3) اِس موقع پر اُنہوں نے جن جذبات کا اِظہار کیا کتبِ سیر و تاریخ میں اس کے اَلفاظ یوں وارِد ہوتے ہیں:

---

(1) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۶۳، ۶۴، رقم: ۴۴۱۰

۲۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ۱: ۲۶۳

۳۔ سیوطی، مسند أبی بکر الصدیق: ۱۹۸، رقم: ۶۳۱

(2) سیوطی، مسند أبی بکر الصدیق: ۱۹۸، رقم: ۶۳۲

(3) طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۲: ۲۳۳

إن رجالاً من المنافقين يزعمون: أن رسول الله ﷺ قد توفی، وإن رسول الله ﷺ ما مات، ولكنه ذهب إلی ربه كما ذهب موسی بن عمران، فقد غاب عن قومه أربعين ليلة، ثم رجع إليهم بعد أن قيل: مات، ووالله! ليرجعَنّ رسول الله ﷺ كما رجع موسی، فليقطعن أيدی رجال و أرجلهم زعموا: أن رسول الله ﷺ مات۔(۱)

’’منافق گمان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ وفات پا گئے ہیں، حالاں کہ آپ ﷺ نے وفات نہیں پائی بلکہ آپ ﷺ اُسی طرح اپنے رب کی طرف چلے گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گئے تھے۔ وہ اپنی قوم سے چالیس راتیں غائب رہے، پھر وہ ان کی طرف اس حال میں لوٹے کہ ان کے وصال کی خبر پھیلا دی گئی تھی۔ خدا کی قسم! رسول اکرم ﷺ بھی اسی طرح لوٹ آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ آئے تھے۔ پھر آپ ﷺ ضرور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جنھوں نے یہ گمان کیا ہوگا کہ رسول

---

(۱) ۱۔ ابن اسحاق، السيرة النبوية: ۷۱۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۹۶، رقم: ۱۳۰۵۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۵۸۸، رقم: ۶۶۲۰

۴۔ ابن ہشام، السيرة النبوية: ۱۱۳۴

۵۔ ابن سعد، الطبقات الكبری، ۲: ۲۷۰

۶۔ ابن أثير، الكامل فی التاريخ، ۲: ۱۸۷

۷۔ سہيلی، الروض الأنف فی تفسير السيرة النبوية لابن ہشام، ۴: ۴۴۳

۸۔ سيوطی، الدر المنثور فی التفسير بالماثور، ۲: ۳۷۷

اکرم ﷺ کی موت واقع ہوگئی ہے۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ردِعمل اگرچہ جذباتی تھا لیکن اسے ہرگز غیر فطری نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ اپنی جان سے زیادہ محبوب ہستی کی جدائی کے صدمہ میں وقتی طور پر کسی انسان کا جذبات سے مغلوب ہو جانا ایک فطری اَمر ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں رعایا کی خبر گیری کے لئے راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ آخرت میں جواب دہی کا احساس اپنے اندر ہر وقت زندہ رکھتے تھے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک رات آپ عوام کی خدمت کے لیے رات کو نکلے تو آپ نے دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اُون کاتتے ہوئے ہجر و فراق میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہی ہے:

علی محمد صلاۃُ الأبرار
صلی علیک المصطفون الأخيار
قد کنتَ قَواماً بکی الأسحار
یا لیتَ شِعري والمنایا أطوار
هل تَجمَعنی وحَبِیبِی الدَّار(۱)

(محمد مصطفیٰ ﷺ پر صالحین کا درود ہو۔ منتخب اور بہترین لوگوں نے اُن پر درود بھیجا (اور بھیج رہے ہیں)۔ آپ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام کرنے والے اور آخرِ شب (یادِ اِلٰہی میں) آنسو بہانے والے تھے۔ ہائے افسوس! اَسبابِ موت متعدد ہیں، کاش! مجھے یقین ہوجائے کہ روزِ قیامت مجھے آقا ﷺ کا

---

(۱) ۱۔ ابن مبارك، الزهد: ۳۶۲، ۳۶۳، رقم: ۱۰۲۴
۲۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، ۲: ۵۶۹
۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفا، ۲: ۴۲، ۴۳

قرب نصیب ہو سکے گا۔)

یہ اَشعار سن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بہادر انسان کی آنکھیں بھی اَشک بار ہوگئیں۔ یادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تڑپانے لگی۔ اِمامِ اَعظم ابو حنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے شاگرد، اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کے اُستاد اور امیر المؤمنین فی الحدیث ''اِمام عبد اللہ بن مبارک (۱۱۸۔۱۸۱ھ)'' لکھتے ہیں:

فجلس عمر يبكى فما زال يبكى حتى قرع الباب عليها، فقالت: من هذا؟ قال: عمر بن الخطاب. فقالت: ما لي ولعمر؟ وما يأتى بعمر هذه الساعة؟ فقال: افتحى، رحمكِ الله، ولا بأس عليك، ففتحت له، فدخل. وقال: ردّى علىّ الكلمات التي قلت آنفا، فردّته عليه، فلما بلغت آخره، قال: أسألكِ أن تدخلنى معكما. قالت: وعمر، فاغفرله يا غفار. فرضى عمر ورجع۔[1]

''پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے، اور روتے رہے یہاں تک کہ اُنہوں نے دروازہ پر دستک دی۔ خاتون نے پوچھا: کون ہے؟ آپ نے کہا: عمر بن خطاب۔ خاتون نے کہا: میرا عمر کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ رات کے اِن اَوقات میں عمر کو یہاں کیا کام؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، تو دروازہ کھول، تجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ تو اس نے آپ کے لیے دروازہ کھولا، آپ اندر داخل ہوگئے اور کہا: جو اَشعار تو ابھی پڑھ رہی تھی اُنہیں دوبارہ پڑھ۔ پس اس نے دوبارہ وہ اَشعار پڑھے اور جب آخر پر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

(۱) ۱۔ ابن مبارك، الزهد: ۳۶۲، ۳۶۳، رقم: ۱۰۲۴
۲۔ خفاجى، نسيم الرياض فى شرح شفاء القاضى عياض، ۴: ۴۲۸، ۴۲۹

کہا: میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ان دونوں کے ساتھ مجھے بھی شامل کر لے۔

اُس نے کہا: اے غفار! تو عمر کی بھی مغفرت فرما۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس پر راضی ہوگئے اور واپس لوٹ آئے۔‘‘

بقول قاضی سلیمان منصور پوری سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے بعد چند دن تک صاحبِ فراش رہے[1] اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی عیادت کے لئے آتے رہے۔

(۳) سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا اِظہارِ غم

خاتونِ جنت، سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کو یہ لازوال اعزاز حاصل ہے کہ وہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کی لختِ جگر تھیں۔ انہیں آپ ﷺ سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ نے بھی انہیں اپنی جان کا حصہ قرار دیا۔[2] حضور ﷺ کے وصال پر سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی بے قراری و سوگواری کے واقعات تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں:

---

(۱) منصور پوری، رحمة للعالمین ﷺ، ۲: ۳۴۳

(۲) حضرت مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فاطمة بضعة منّی۔☆

’’فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔‘‘

☆ ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب قرابة رسول الله، ۳: ۱۳۶۱، رقم: ۳۵۱۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب فاطمة، ۳: ۱۳۴۷، رقم: ۳۵۵۶

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فاطمة بنت النبی، ۴: ۱۹۰۳، رقم: ۲۴۴۹

۱۔ سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا وِصال حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے بعد اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے ہوا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ اِس بارے میں مختلف روایات ہیں: سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کا وِصال حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے وِصال مبارک کے چھ (۶) ماہ بعد ہوا۔ بعضوں نے آٹھ (۸) ماہ کہا ہے، بعضوں نے سو (۱۰۰) دن اور بعضوں نے (۷۰) دن کہا ہے، جب کہ صحیح قول چھ (۶) ماہ کا ہی ہے۔ وِصال کے وقت سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی عمر مبارک اُنتیس (۲۹) سال تھی۔ آپ نے منگل کی رات ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو وفات پائی۔[1] سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی اِتنی کم عمری میں وفات کا سبب یہ ہے کہ آپ اپنے ابا جان تاجدارِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جدائی کا غم برداشت نہ کر سکیں، آپ اکثر غمگین رہتیں اور حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے وِصال کے بعد کبھی آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور حق بھی یہی تھا۔[2]

۲۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کی الصحیح میں بیان کی گئی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کو اپنے والد گرامی کی جدائی اتنی شاق گزری کہ بے ساختہ پکار اُٹھیں:

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۱۷۶، رقم: ۴۷۶۱
۲۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۱
۳۔ ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، ۲: ۸، ۹
۴۔ ابن اثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱

(۲) ۱۔ دولابی، الذریۃ الطاہرۃ: ۱۱۱، رقم: ۲۱۲
۲۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۳
۳۔ ابن اثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱
۴۔ ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف: ۲۱۴

يا أبتاه! أجاب رباً دعاه

يا أبتاه! مَن جنةُ الفردوس مأواه

يا أبتاه! إلى جبريل ننعاه(۱)

’’اے ابا جان! آپ نے (اپنے) رب کا بلاوا قبول فرمایا۔ اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں قیام پذیر ہیں۔ اے ابا جان! میں اس غم کی خبر جبرئیل علیہ السلام کو سناتی ہوں۔‘‘

۳۔ ابن ماجہ (۲۰۹۔۲۷۳ھ) کی السنن میں بیان کی گئی روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضور ﷺ کے وصال پر درج ذیل اَشعار کہے:

وا أبتاه! إلى جبرائيل أنعاه

وا أبتاه! مِن ربه ما أدناه

وا أبتاه! جنة الفردوس مأواه

وا أبتاه! أجاب رباً دعاه(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، ۴: ۱۶۱۹، رقم: ۴۱۹۳

۲۔ أحمد بن حنبل، ۳: ۱۹۷، رقم: ۱۳۰۵۴

۳۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۱، رقم: ۸۸

۴۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۲: ۴۱۶، رقم: ۱۰۲۹

۵۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۴: ۲۵۴

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، ۲: ۱۰۳، رقم: ۱۶۳۰

۲۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، باب فی البكاء على الميت، ۴: ۱۲، رقم: ۱۸۴۴

←

''ہائے اباجان! میں اس غم کی خبر جبرئیل علیہ السلام کو سناتی ہوں۔ ہائے اباجان! آپ اپنے رب کے کتنے نزدیک ہوگئے۔ ہائے اباجان! آپ جنت الفردوس میں قیام پذیر ہیں۔ ہائے اباجان! آپ نے (اپنے) رب کا بلاوا قبول فرما لیا۔''

۴۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) الصحیح میں روایت کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا فرطِ رنج و اَلم سے بے ساختہ اُن سے کہنے لگیں:

يا أنس! أطابت أنفسكم أن تحثوا على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم التراب۔[1]

''اے انس! کیا تمہارے دلوں نے اِس بات کو گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ

...... ۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۵۹۱، ۵۹۲، رقم: ۶۶۲۲

۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۸

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۶۱، رقم: ۴۳۹۶

۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۳۱۱

۷۔ ذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام (السیرة النبویة)، ۱: ۵۶۲

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاته، ۴: ۱۶۱۹، رقم: ۴۱۹۳

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۶: ۱۱۰، رقم: ۳۳۷۹

۳۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۴۰۲، رقم: ۱۳۶۴

۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۸

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۱۶، رقم: ۱۰۲۹

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۴۰۹، رقم: ۶۵۱۹

ﷺ پر مٹی ڈالو؟‘‘

۵۔ اِمام احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ) المسند میں روایت کرتے ہیں کہ سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ کہا:

یا أنس! أطابت أنفسکم أن دفنتم رسول اللہ ﷺ فی التراب ورجعتم۔(۱)

’’اے انس! کیا تمہارے دلوں نے اس بات کو گوارا کرلیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو مٹی میں دفن کر کے واپس چلے آ ؤ۔‘‘(۲)

۶۔ اِمام طبرانی (۲۶۰۔۳۶۰ھ) المعجم الکبیر میں روایت کرتے ہیں:

فلما انصرف الناس قالت فاطمة لعليّ رضی اللہ عنہ: یا أبا الحسن! دفنتم رسول اللہ ﷺ؟ قال: نعم. قالت فاطمة رضی اللہ عنہا: کیف طابت أنفسکم أن تحثوا التراب علی رسول اللہ ﷺ؟ أما کان فی صدورکم لرسول اللہ ﷺ الرحمة؟ أما کان معلم الخیر؟ قال: بلی، یا فاطمة! ولکن أمر اللہ الذی لا مرد له. فجعلت تبکی

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۰۴، رقم: ۱۳۱۳۹
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۴: ۲۵۴
۳۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، ۳: ۴۹۳

(۲) حضرت حماد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور مشہور تابعی حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرتے تو:

بکی حتی تختلف أضلاعه۔☆

’’وہ اتنا روتے کہ ان کی پسلیاں اپنی جگہ سے ہل جایا کرتی تھیں۔‘‘

☆ ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ ﷺ: ۸۰۳

وتندب، وهي تقول: يا أبتاه! الآن انقطع جبريل عليه السلام، وكان جبريل يأتينا بالوحى من السماء۔[1]

''جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد) واپس آئے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو؟ کیا تمہارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رحمت نہیں تھی؟ کیا وہ بھلائی کی تعلیم دینے والے نہیں تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیوں نہیں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام خوبیوں کا جامع تھے)، لیکن خدا کا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا۔ پس سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے رونا شروع کر دیا، آپ کی ہچکی بندھ گئی، اور یہ کہتے جاتی تھیں: اے ابا جان! اب جبریل علیہ السلام کی آمد کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا ہے جو آسمان سے وحی لے کر اترتے تھے۔''

۷۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالعموم مغموم رہتے، حتی کہ بعض نے مسکرانا ہی ترک کر دیا۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہراء رضي الله عنها کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

ما رأيت فاطمة رضي الله عنها ضاحكة بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[2]

''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال مبارک کے بعد کبھی بھی حضرت فاطمۃ الزہراء رضي الله عنها کو مسکراتے نہیں دیکھا۔''

۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آقائے دوجہاں

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۳: ۶۴، رقم: ۲۶۷۶
۲۔ ابو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۴: ۷۹

(۲) ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۸۰۳

ﷺ کے مزارِ اَقدس پر حاضر ہوتیں تو آپ کی کیفیت اس طرح ہوتی کہ

أخذت قبضة من تراب القبر، فوضعته على عينيها، فبكت وانشأت تقول:

ماذا ممن شم تربة أحمد
أن لا يشم مدى الزمان خواليا
صبت عليّ مصائب لو أنها
صبت على الأيام صرن لياليا(۱)

’’قبرِ اَنور کی مٹی مبارک اُٹھا کر آنکھوں پر لگا لیتیں اور حضور ﷺ کی یاد میں رو رو کر یہ اَشعار پڑھتیں:

(جس شخص نے آپ ﷺ کے مزارِ اَقدس کی خاک کو سونگھ لیا ہے اسے زندگی میں کسی دوسری خوشبو کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کے وِصال کی وجہ سے مجھ پر جتنے عظیم مصائب آئے ہیں اگر وہ دنوں پر اُترتے تو وہ راتوں میں بدل جاتے۔)

اِس غم ناک صورت حال میں جب سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے موت کو خوش دلی سے قبول کیا کیونکہ موت انہیں ربِ ذُوالجلال اور اپنے ابا جان سے ملانے والی تھی۔ اس کیفیت کا ذکر اَئمہ ومحدثین نے یوں کیا ہے:

عن أم سلمة رضي الله عنها **قالت: اشتكت فاطمة** سلام الله عليها **شكواها التي قبضت فيه، فكنت أمرضها فأصبحت يوما كأمثل ما رأيتها في**

---

(۱) ۱۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۲: ۱۳۴
۲۔ ابن قدامۃ، المغنی، ۲: ۲۱۳

شکواها تلک، قالت: وخرج عليّ لبعض حاجته، فقالت: يا أمه، اسكبي لي غسلاً، فسكبت لها غسلاً فاغتسلت كأحسن ما رأيتها تغتسل، ثم قالت: يا أمه، أعطينى ثيابي الجدد، فأعطيتها فلبستها، ثم قالت: يا أمه، قدمي لي فراشي وسط البيت، ففعلت واضطجعت واستقبلت القبلة وجعلت يدها تحت خدها، ثم قالت: يا أمه، إني مقبوضة الآن وقد تطهرت، فلا يكشفني أحد فقبضت مكانها، قالت: فجاء عليّ فأخبرته۔[1]

''حضرت ام سلمیٰ رضي الله عنها بیان کرتی ہیں کہ جب سیدۂ فاطمہ سلام الله علیہا اپنی مرضِ موت میں مبتلا ہوئیں تو میں ان کی تیمارداری کرتی تھی۔ مرض کے اس پورے عرصہ کے دوران میں جہاں تک میں نے دیکھا ایک صبح ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے۔ سیدہ نے کہا: امی جان! میرے غسل کرنے کے لیے پانی لائیں۔ میں پانی لائی، آپ نے اچھی طرح غسل کیا۔ پھر فرمایا: امی جان! مجھے نیا لباس دیں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسے آپ نے زیبِ تن فرمایا اور قبلہ رُخ ہوکر لیٹ گئیں، ہاتھ مبارک رُخسار مبارک کے

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٦: ۴٦١، ۴٦٢، رقم: ٢٧٦٥٦

٢۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابة، ٢: ٦٢٩، ٧٢٥، رقم: ١٠٧۴، ١٢۴٣

٣۔ دولابی، الذرية الطاهرة: ١١٣

۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ٩: ٢١١

۵۔ زیلعی، نصب الراية لأحاديث الهداية، ٢: ٢۵٠

٦۔ محب طبری، ذخائر العقبى فى مناقب ذوى القربىٰ: ١٠٣

٧۔ ابن أثير، أسد الغابة فى معرفة الصحابة رضی اللہ عنہم، ٧: ٢٢١

نیچے کر لیا، پھر فرمایا: امی جان! اب میری وفات ہوگی، میں پاک ہوچکی ہوں، لہٰذا کوئی مجھے (غسل دینے کے لیے) بے پردہ نہ کرے۔ پس اسی جگہ آپ کی وفات ہوگئی۔ حضرت اُم سلمیٰ کہتی ہیں: بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور میں نے انہیں سیدہ کے وِصال کی اطلاع دی۔''

اَصحابِ سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں ہوئی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور سیدنا علی، سیدنا عباس اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے آپ کو لحد میں اتارا۔ یوں آپ اپنے ابا حضور ﷺ سے جا ملیں۔(۱)

جب محبوبِ خدا ﷺ کی جدائی پرغم و اندوہ اور اِضطرابِ دل کی یہ کیفیت ہو اور یہی دن آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا بھی ہو تو کس کے اندر اتنی تاب ہوسکتی تھی کہ وہ جشن ولادت منانے کا سوچے؟

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۱۷۷، ۱۷۸، رقم: ۴۷۶۳۔۴۷۶۵

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۳: ۳۱، رقم: ۱۱۸۲۶

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۲۵، رقم: ۳۳۹۳۸

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۴: ۳۱

۵۔ محب طبري، الرياض النضرة في مناقب العشرة، ۱: ۱۷۵، ۱۷۶

۶۔ محب طبري، ذخائر العقبي في مناقب ذوي القربىٰ: ۱۰۴

۷۔ شيباني، الآحاد والمثاني، ۵: ۳۵۵، رقم: ۲۹۳۷

۸۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۸: ۲۹

۹۔ ابن جوزي، صفوة الصفوة، ۲: ۸

۱۰۔ ابن أثير، أسد الغابة في معرفة الصحابة رضي الله عنهم، ۷: ۲۲۱

(۴) حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کے اِحساساتِ غم

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت پر مامور رہے، پیغمبرِ انسانیت ﷺ کی سیرت و کردار سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہر وقت عشقِ رسول ﷺ کی فضائے کیف و سرور میں گم رہتے۔ جب تاجدارِ کائنات ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ پر بھی قیامت ٹوٹ پڑی۔ جس شفیق ہستی کا ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل ہونا دل پر شاق گزرتا تھا، اس عظیم ہستی کی یاد میں آنکھیں اَشک بار رہتیں۔ حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کرتے تو دل کو اطمینان ہوتا۔ ذکرِ نبی ﷺ کی محفل سجاتے، خود بھی تڑپتے اور دوسروں کو بھی تڑپاتے۔

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تاجدارِ کائنات حضور رحمتِ عالم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان فرما رہے تھے، حضور ﷺ کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:

ولا مَسِسْتُ خزّة ولا حريرَة ألين من كف رسول الله ﷺ، ولا شَمِمْتُ مسكة ولا عبيرة أطيب رائحة من رائحة رسول الله ﷺ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصوم، باب ما يذكر من صوم النبي ﷺ وأفطاره، ۲: ۶۹۶، رقم: ۱۸۷۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب طيب رائحة النبي ﷺ ولين مسه والتبرك بمسحه، ۴: ۱۸۱۴، رقم: ۲۳۳۰

۳۔ دارمی، السنن، المقدمة، باب في حسن النبي ﷺ، ۱: ۴۵، رقم: ۶۱

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۱۱، رقم: ۶۳۰۳

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۰۷

’’اور میں نے آج تک کسی دیباج اور ریشم کو مَس نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کہیں ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اَطہر کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اکثر خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی۔ مثنی بن سعید روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا:

ما من ليلةٍ إلاّ وأنا أرى فيها حبيبي، ثم يبكي۔(۱)

’’(آپ ﷺ کے وِصال کے بعد) کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جس میں میں اپنے حبیب ﷺ کی زیارت نہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ میں آمد اور وصال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لما كان اليوم الذى دخل فيه رسول الله ﷺ المدينة أضاء منها كل شيء، فلما كان اليوم الذى مات فيه أظلم منها كل شيء۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۷: ۲۰
۲۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۳: ۴۰۳

(۲) ۱۔ ترمذى، الجامع الصحيح، كتاب المناقب، باب فى فضل النبى ﷺ، ۶: ۱۳، رقم: ۳۶۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، ۱: ۵۲۲، رقم: ۱۶۳۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۶۸، رقم: ۱۳۸۵۷
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۶۰۱، رقم: ۶۶۳۴

←

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری پر اُس کی ہر شے روشن ہو گئی، لیکن جس روز آپ ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر شے (میرے لیے) تاریک ہوگئی۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یوں محسوس کیا کہ وہ شہر جس میں ہم صبح و شام آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے، اب آپ ﷺ کی زیارت نہ ہونے کے باعث تاریک نظر آنے لگا۔

شیخ اِبراہیم بیجوری حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اِس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

استنار من المدينة الشريفة كل شيء نوراً حسياً ومعنوياً، لأنه ﷺ نور الأنوار والسراج الوهاج ونور الهداية العامة ورفع الظلمة التامة، وقوله: أظلم منها كل شيء؛ أي لفقد النور والسراج منها فذهب ذالک النور بموته۔(۱)

’’آپ ﷺ کی برکت سے مدینہ کی ہر شے نورِ ظاہری اور نورِ باطنی سے روشن ہوگئی، کیوں کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام انوار کا سرچشمہ، روشن چراغ، تمام عالم کے لیے نورِ ہدایت اور تمام ظلمات کے رفع کرنے کا مرکز ہے۔ چونکہ آپ ﷺ کے وصال کی وجہ سے (کائنات کا) نور اور چراغ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا لہٰذا تمام روشنی تاریکی میں بدل گئی۔‘‘

...... ۵۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۵۱، ۱۱۰، رقم: ۳۲۹۶، ۳۳۷۸

۶۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۴: ۴۱۸، ۴۱۹، رقم: ۱۵۹۲، ۱۵۹۳

(۱) بیجوری، المواهب اللدنيه على الشمائل المحمدية: ۲۸۷

(۵) فراقِ محبوب ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ غم

مؤذنِ رسول و عاشق حضور ﷺ، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی فراقِ محبوب ﷺ کو برداشت نہ کر سکے اور مدینہ منورہ سے ہجرت کرکے شام کے شہر حلب کی طرف چلے گئے، کہ شہرِ رسول ﷺ میں رہتے ہوئے انہیں آقائے دوجہاں ﷺ کی معیت میں گزرے ہوئے شب و روز یاد آجاتے اور گلی کوچوں میں آقائے دوجہاں ﷺ کے خرامِ ناز کے مناظر بے اختیار آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے، جس کی وہ تاب نہ لا سکتے تھے۔

شارحِ صحیح البخاری اِمام کرمانی (۷۱۷۔۷۸۶ھ) نقل کرتے ہیں کہ جب آقائے دوجہاں ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے قلبِ مضطر کی وجہ سے شہرِ مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس ارادے کا علم ہوا تو آپ نے اُنہیں روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ پہلے کی طرح مسجد نبوی ﷺ میں اذان دیتے رہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا:

إنی لا أرید المدینة بدون رسول الله ﷺ ولا أتحمل مقام رسول الله ﷺ خالیاً عنه۔(۱)

’’رسول اللہ ﷺ کے بغیر اب مدینہ میں جی نہیں لگتا اور نہ ہی مجھ میں ان خالی وافسردہ مقامات کو دیکھنے کی قوت ہے جن میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے۔‘‘

صحیح البخاری میں آپ رضی اللہ عنہ کا جواب ان الفاظ میں منقول ہے:

یا أبا بکر! إن کنت إنما اشتریتنی لنفسک فأمسکنی، وإن کنت إنما اشتریتنی لله فدعنی۔(۲)

---

(۱) کرمانی، الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری، ۱۵: ۲۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، باب مناقب بلال ←

’’اے ابوبکر! اگر آپ نے مجھے اپنے لیے خریدا تھا تو مجھے روک لیں، اور اگر اللہ کی رضا کی خاطر خریدا تھا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔‘‘

موسیٰ بن محمد بن حارث تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

لمّا توفي رسول اللہ ﷺ أذن بلال ورسول اللہ ﷺ لم يقبر، فكان إذا قال: أشهد أن محمداً رسول اللہ انتحب الناس في المسجد۔ قال: لما دفن رسول اللہ ﷺ قال له أبوبكر: أذن، فقال: إن كنت إنما أعتقتني لأن أكون معک فسبيل ذلک، وإن كنت اعتقتني للہ فخلني ومن أعتقتني له، فقال: ما أعتقتک إلا للہ. قال فإني لا أؤذن لأحد بعد رسول اللہ ﷺ۔[1]

...... بن رباح رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۷۱، رقم: ۳۵۴۵

۲۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۶: ۳۹۶، رقم: ۳۲۳۳۶

۳۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۱: ۳۳۷، رقم: ۱۰۱۰

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۲۳۸

۵۔ مقريزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۱۰: ۱۳۲، ۱۳۳

۶۔ محب طبری، الرياض النضرة فی مناقب العشرة، ۲: ۲۴

۷۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المامون، ۱: ۴۸۱

(۱) ۱۔ بيہقی، السنن الکبری، ۱: ۴۱۹، رقم: ۱۸۲۸

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۲۳۶، ۲۳۷

۳۔ أزدی، الجامع، ۱۱: ۲۳۴

۴۔ أبونعيم، حلية الأوليا وطبقات الأصفياء، ۱: ۱۵۰، ۱۵۱

۵۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۱: ۴۳۹

۶۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، ۱۰: ۳۶۱

''جب رسولِ خدا ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُس وقت اذان کہی کہ جب رسول خدا ﷺ دفن بھی نہ ہوئے تھے۔ جب انہوں نے أشهد أن محمدا رسول الله کہا تو لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ رسولِ خدا ﷺ دفن کر دیے گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: اذان کہیں۔ اُنہوں نے کہا: اگر آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں تو اس کا راستہ یہی ہے، اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے اور اُسے چھوڑ دیجیے جس کے لئے آپ نے مجھے آزاد کیا ہے۔ تو اُنہوں نے کہا: میں نے تمہیں محض اللہ کے لئے آزاد کیا ہے۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر میں رسولِ خدا ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہوں گا۔''

اِس رِوایت کو عربی زبان کی معروف لغت ''القاموس المحیط'' کے مؤلف یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ھ) کامل سند کے ساتھ ذِکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

كذا ذكره ابن عساكر في ترجمة بلال رضی اللہ عنہ، وذكره أيضاً في ترجمة إبراهيم بن محمد بن سليمان بسند آخر إلى محمد بن الفيض، فذكره سواء، وابن الفيض روى عن خلائق، وروى عنه جماعة، منهم: أبو أحمد بن عدي وأبو أحمد الحاكم، وأبوبكر ابن المقري في معجمه وآخرون۔[1]

''جیسا کہ یہ روایت ابن عساکر نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں ذکر کی ہے اور اسے ابراہیم بن محمد بن سلیمان کے حالات میں ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا اور وہ سند مشہور محدث محمد بن فیض تک جا پہنچتی ہے۔ ابن فیض نے یہ

(۱) فیروز آبادی، الصلات و البشر فی الصلاة علیٰ خیر البشر: ۱۸۷، ۱۸۸

روایت کثیر محدثین سے نقل کی اور آگے ابن الفیض سے روایت کرنے والے بھی کثیر محدثین ہیں؛ جیسے: ابو احمد بن عدی، ابو احمد الحاکم، ابو بکر بن المقری اور دیگر محدثین۔''

چنانچہ یہ کہہ کر کہ اب مدینے میں میرا رہنا دشوار ہے، آپ شام کے شہر حلب میں چلے گئے۔ تقریباً چھ ماہ بعد خواب میں آپ ﷺ کی زِیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ فرما رہے تھے:

ما هذه الجفوة، يا بلال! أما آن لک أن تزورني؟

''اے بلال! یہ کیا بے وفائی ہے؟ (تو نے ہمیں ملنا کیوں چھوڑ دیا)، کیا ہماری ملاقات کا وقت نہیں آیا؟''

خواب سے بیدار ہوتے ہی اونٹنی پر سوار ہو کر ''**لبیک یا سیدي یا رسول اللہ**'' کہتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگاہوں نے عالمِ وارفتگی میں آپ ﷺ کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ کبھی مسجد میں تلاش کرتے اور کبھی حجروں میں، جب کہیں نہ پایا تو آپ ﷺ کی قبر انور پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ آ کر مل جاؤ، غلام حلب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہے۔ یہ کہا اور بے ہوش ہو کر مزارِ پُر اَنوار کے پاس گر پڑے، کافی دیر بعد ہوش آیا۔ اتنے میں سارے مدینے میں یہ خبر پھیل گئی کہ مؤذنِ رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ آ گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے اکٹھے ہو کر عرض کرنے لگے: بلال! ایک دفعہ وہ اذان سنا دو جو محبوبِ خدا ﷺ کے زمانے میں سناتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں معذرت خواہ ہوں کیوں کہ میں جب اذان پڑھتا تھا تو **أشهد أن محمداً رسول اللہ** کہتے وقت آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا اور آپ ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ اب یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے کسے دیکھوں گا؟ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے

سفارش کروائی جائے، جب وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے کہیں گے تو وہ انکار نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

یا بلال! نشتهی نسمع أذانک الذي کنت تؤذن به لرسول اللہ ﷺ في المسجد۔

’’اے بلال! آج ہم آپ سے وُہی اذان سننا چاہتے ہیں جو آپ (ہمارے نانا جان) اللہ کے رسول ﷺ کو اِس مسجد میں سناتے تھے۔‘‘

اب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انکار کا یارا نہ تھا، لہٰذا اُسی مقام پر کھڑے ہوکر اذان دی جہاں حضور ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں دیا کرتے تھے۔ بعد کی کیفیات کا حال کتبِ سیر میں یوں بیان ہوا ہے:

فلما أن قال: اللہ أکبر، اللہ أکبر، ارتجّت المدینة، فلما أن قال: أشهد أن لا إلٰه إلا اللہ، ازداد رجّتها، فلما قال: أشهد أنّ محمداً رسول اللہ، خرجت العواتق من خدورهن، و قالوا: بعث رسول اللہ ﷺ فما رُئي یوم أکثر باکیاً ولا باکیة بالمدینة بعد رسول اللہ ﷺ من ذالک الیوم۔(۱)

(۱) ۱۔ سبکی، شفاء السقام في زیارة خیر الأنام ﷺ: ۳۹، ۴۰

۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۷: ۹۷

۳۔ ذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام، ۳: ۲۰۴، ۲۰۵

۴۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱: ۳۵۸

۵۔ فیروز آبادی، الصلات و البشر في الصلاة علی خیر البشر ﷺ: ۱۸۷

۶۔ ہیتمی نے ’’الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم ←

’’جب آپ رضی اللہ عنہ نے (بہ آوازِ بلند) اَللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ کہا، مدینہ منورہ گونج اٹھا (آپ جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے جذبات میں اِضافہ ہوتا چلا گیا)، جب اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کے کلمات ادا کئے تو گونج میں مزید اضافہ ہو گیا، جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کے کلمات پر پہنچے تو تمام لوگ حتی کہ پردہ نشین خواتین بھی گھروں سے باہر نکل آئیں (رِقت و گریہ زاری کا عجیب منظر تھا)۔ لوگوں نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ منورہ میں اس دن سے زیادہ رونے والے مرد و زن نہیں دیکھے گئے۔‘‘

علامہ اقبالؒ اَذانِ بلال کو ترانۂ عشق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اُس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی(۱)

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کیفیتِ غم

کتب احادیث وسیر میں ان کے حوالے سے ایک روایت ہے:

------ المعظم (ص: ۲۷)‘‘ میں کہا ہے کہ یہ واقعہ جید سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

۷۔ سخاوی، التحفة اللطيفة فی تاريخ المدينة الشريفة: ۲۲۱

۸۔ شامی نے ’’سبل الهدىٰ و الرشاد فی سيرة خير العباد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱۲: ۳۵۹)‘‘ میں کہا ہے کہ یہ واقعہ ابن عساکر نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۹۔ حلبی، إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون، ۲: ۳۰۸، ۳۰۹

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، بانگِ درا: ۸۱

ما ذكر ابن عمر رسول اللهﷺ إلا بكى، و لا مرّ على ربعهم إلا غمض عينيه۔[1]

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے رو پڑتے، اور جب بھی آپ ﷺ کے ٹھکانوں پر گزرتے آنکھیں بند کر لیتے تھے۔‘‘

(۷) فراقِ رسول ﷺ میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب انہیں ان کے بیٹے نے حضور ﷺ کے وصال مبارک کی خبر دی تو اُس وقت وہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کی خبر سن کر غمزدہ ہوگئے اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر اُنہوں نے اُسی وقت یہ دعا مانگی:

اللهم! أذهب بصري حتى لا أدري بعد حبيبي محمداً أحداً۔[2]

’’اے اللہ! میری بینائی اُچک لے کیونکہ میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔‘‘

پس اُس صحابی کی دعا قبول ہوئی اور ان کی بینائی لے لی گئی۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بیہقی، المدخل إلی السنن الکبری، ۱: ۱۴۸، رقم: ۱۱۳
۲۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۴: ۱۸۷
۳۔ ذہبي، تذکرة الحفاظ، ۱: ۳۸

(۲) ۱۔ قسطلانی، المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۳: ۲۷۹
۲۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیة، ۹: ۸۴، ۸۵

إن رجلاً من أصحاب محمد ذهب بصره فعادوهٗ۔

’’حضور علیه الصلوة والسلام کے صحابہ میں سے ایک صحابی کی بینائی (فراقِ رسول ﷺ میں) جاتی رہی تو لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔‘‘

جب ان کی بینائی ختم ہونے پر افسوس کا اظہار کیا گیا تو وہ کہنے لگے:

كنتُ أريدهما لأنظر إلى النبي ﷺ، فأما إذا قُبض النبي، فوالله ما يسّرنی أن بهما بظبی من ظباء تبالة۔(۱)

’’میں ان آنکھوں کو فقط اس لئے پسند کرتا تھا کہ ان کے ذریعے مجھے نبی اکرم ﷺ کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چوں کہ آپ ﷺ کا وصال ہوگیا ہے اس لئے اگر مجھے چشمِ غزال (ہرن کی آنکھیں) بھی مل جائیں تو کوئی خوشی نہ ہوگی۔‘‘

(۸) وصالِ محبوب ﷺ پر اِظہارِ غم کے دیگر واقعات

۱۔ امام آلوسی نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب حضور ﷺ کی یاد تڑپاتی تو وہ آپ ﷺ کے دیدارِ فرحت آثار کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور آپ ﷺ کو مبارک حجروں میں تلاش کرتے۔

فجاء إلى ميمونة رضي الله عنها، **فأخرجت له مرآته، فنظر فيها، فرأى صورة رسول الله ﷺ ولم ير صورة نفسه۔**(۲)

’’پھر وہ حضرت میمونہ رضي الله عنها کے ہاں آ جاتے۔ پس وہ آپ ﷺ کا ذاتی آئینہ اُس صحابی رضی اللہ عنہ کو دے دیتیں (جو آپ ﷺ کی زیارت کرنا چاہتا)۔

(۱) بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۱۸۸، رقم: ۵۳۳

(۲) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۲۲: ۳۹

جب وہ صحابی رضی اللہ عنہ اُس آئینہ مبارک میں دیکھتا تو اسے اپنی صورت کی بجائے اپنے محبوب رسول ﷺ کی صورت نظر آتی۔''

۲۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے بارے منقول ہے:

أنه كان إذا سمع الحديث أخذه العويل والزويل۔(۱)

''جب حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث سنتے تو ان کی حالت غیر ہو جاتی اور چیخ چیخ کر روتے۔''

۳۔ ایک روایت میں ہے:

أن امرأة قالت لعائشة: اكشفي لي قبر رسول الله ﷺ، فكشفته لها، فبكت حتى ماتت۔(۲)

''ایک عورت نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: مجھے رسولِ خدا ﷺ کی قبرِ اَنور کا دروازہ کھول دیں، (میں مزارِ اَقدس کی زیارت کرنا چاہتی ہوں)۔ پس سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے کھول دیا، وہ عورت (ہجرِ رسول ﷺ کے صدمے سے) بہت روئی حتی کہ واصل بہ حق ہوگئی۔''

علامہ اقبالؒ اِسی سوز و گداز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوتِ قلب و جگر گردد نبی
اَز خدا محبوب تر گردد نبی(۳)

---

(۱) قاضي عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى ﷺ، ۲: ۵۹۸

(۲) ۱۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، ۲: ۵۷۰
۲۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۲: ۲۰۴، رقم: ۲۰۳
۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفا، ۲: ۴۴

(۳) اِقبال، کلیات (اَسرار و رموز): ۱۱۳

(حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی دل و جگر کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور شدت اختیار کر کے خدا سے بھی زیادہ محبوب بن جاتی ہے۔)

سوزِ صدیق و علی اَز حق طلب
ذرۂ عشق نبی اَز حق طلب[۱]

(تو حق تعالیٰ سے عشق کی وہ تڑپ مانگ جو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجھہ میں تھی۔ تو حق تعالیٰ سے آپ ﷺ کے عشق کا ذرّہ طلب کر۔)

۴۔ قاضی عیاض (۴۷۶۔۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

لقد كان عبد الرحمن بن القاسم يذكر النبي ﷺ فينظر إلى لونه كأنه نزف منه الدم، وقد جف لسانه في فمه هيبة لرسول الله ﷺ۔[۲]

''(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) عبد الرحمٰن بن قاسم جب حضور ﷺ کا ذِکر مبارک سنتے تو اُن کے جسم کا رنگ اِس طرح زرد پڑ جاتا جیسے اُس سے خون نچوڑ لیا گیا ہو اور آپ ﷺ کے ذِکر کی ہیبت کی وجہ سے اُن کی زبان ان کے منہ میں خشک ہو جاتی۔''

(۹) وصالِ محبوب ﷺ پر سواری کا غم

تاجدارِ کائنات ﷺ کے وصال مبارک پر اِنسان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایک طرف رہے، جانور بھی ہجر و فراق کا صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ اس کیفیت کا تذکرہ کرتے

(۱) اِقبال، کلیات (پیامِ مشرق): ۲۰۳

(۲) قاضي عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى ﷺ، ۲: ۳۶

ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وناقۂ آنحضرت علف نمیخورد وآب نمی نوشید تاآنکه مُرد۔ از جمله آیاتی که ظاهر شد بعد از موتِ آنحضرت آں حماری که آنحضرت گاهی براں سوار میشد چنداں حزن کرد که خود را در چاهی انداخت۔(۱)

”آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی اونٹنی نے مرتے دم تک کچھ کھایا نہ پیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جو عجیب کیفیات رونما ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس دراز گوش پر آپ ﷺ سواری فرماتے تھے وہ آپ ﷺ کے فراق میں اتنا مغموم ہوا کہ اس نے ایک کنویں میں چھلانگ لگا دی اور اپنی جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔“

۳۔ ماہِ ربیع الاوّل میں خوشی و غم باہم گلے مل جاتے

صحابہ کرام ﷺ کے دور میں جب بھی ولادت کا دن آتا تو جہاں اُنہیں حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی ہوتی، وہاں غم واندوہ کی کیفیات بھی زخمِ جدائی کو ہرا اور ماحول کو افسردہ کر دیتیں جس کے باعث ان کے لیے دھوم دھام سے جشنِ ولادت کا اہتمام کرنا ممکن نہ تھا۔ یہی کیفیات تابعین اور تبع تابعین کے اَدوار میں بھی رہیں، تابعین نے اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ کے شب و روز کا اَز خود مشاہدہ نہ کیا تھا مگر اس کا تذکرہ براہِ راست صحابہ کرام ﷺ سے سنا اور پھر ان سے تبع تابعین نے سنا۔

۴۔ ولادت کی خوشی غمِ وصال پر بعد اَزاں غالب آتی گئی

جب تبع تابعین کا دور گزر گیا تو بعد میں آنے والوں نے چوں کہ ولادت اور

(۱) ۱۔ عبد الحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، ۲: ۴۴۴

۲۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون، ۳: ۴۳۳

صحبتِ مصطفیٰ ﷺ کے اَحوال کو دیکھا تھا نہ وصال کے غم و ہجر کا مشاہدہ کیا تھا۔ اِمتدادِ زمانہ سے رفتہ رفتہ خوشی کا پہلو غم پر غالب آتا چلا گیا اور وقت کے ہاتھ نے جدائی کے زخم پر مرہم رکھ دیا۔ اَفرادِ اُمت اس نعمتِ عظمیٰ کی خوشی کے مقابلے میں غم بھول گئے اور انہیں یقین آ گیا کہ آپ ﷺ کی حیات اور وفات دونوں اُمت کے لیے سراپا خیر ہے۔ دوسرے حیات النبی ﷺ کا تصور ان کے لیے موجبِ راحت و طمانیت تھا۔

۵۔ حضور ﷺ کی ولادت اور رِحلت دونوں رحمت ہیں

اُمت کے حق میں حضور ﷺ کی ولادت اور رِحلتِ اَطہر دونوں باعثِ رحمت ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حياتي خير لكم تحدثون ونحدث لكم، ووفاتي خير لكم، تعرض علي أعمالكم، فما رأيت من خير حمدت الله عليه، وما رأيت من شر استغفرت الله لكم۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۵: ۳۰۸، ۳۰۹، رقم: ۱۹۲۵

۲۔ ابن أبی أسامة نے اِسے صحیح سند کے ساتھ ”مسند الحارث (۲: ۸۸۴، رقم: ۹۵۳)“ میں روایت کیا ہے۔

۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۴: ۱۷۶

۴۔ دیلمی نے ’’الفردوس بمأثور الخطاب (۱: ۱۸۳، رقم: ۶۸۶)‘‘ میں اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۵۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، ۱: ۱۹

۶۔ ہیثمی نے ”مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۹: ۲۴)“ میں کہا ہے کہ یہ حدیث بزار نے روایت کی ہے اور اِس کے تمام رجال صحیح ہیں۔

۷۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۴: ۲۵۷ ←

’’میری حیات تمہارے لیے باعثِ خیر ہے کہ تم دین میں نئی نئی چیزوں کو پاتے

...... ۸۔ زین الدین ابو الفضل عراقی نے ’’طرح التثریب فی شرح التقریب (۳: ۲۹۷)‘‘ میں اس روایت کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

قدرے اِختلافِ اَلفاظ کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت درج ذیل محدثین نے بھی نقل کی ہے:

۹۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲: ۱۳۷، ۱۳۸، رقم: ۲۷۰۱

۱۰۔ عجلونی، کشف الخفاء و مزیل الإلباس، ۱: ۴۴۲، رقم: ۱۱۷۸

بکر بن عبد اللہ مزنی سے مرسلاً اس روایت کو درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

۱۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۱۹۴

۱۲۔ ابن إسحاق، فضل الصلاة علی النبی ﷺ، ۱: ۳۸، ۳۹، رقم: ۲۵، ۲۶

۱۳۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۳۴

۱۴۔ أحمد بن عبد الهادی نے ’’الصارم المنکی فی الرد علی السبکی (ص: ۲۶۶، ۲۶۷)‘‘ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور بکر ثقہ تابعین میں سے ہے۔

۱۵۔ محدث ابن الجوزی نے بکر بن عبد اللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ’’الوفا بأحوال المصطفی (ص: ۸۲۶، رقم: ۱۵۶۴، ۱۵۶۵)‘‘ میں بیان کی ہے۔

۱۶۔ امام جلال الدین سیوطی نے ’’کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب (۲: ۴۹۱)‘‘ اور ’’مناہل الصفا فی تخریج أحادیث الشفا (ص: ۳)‘‘ میں لکھا ہے کہ ابن ابی اسامة نے اپنی ←

ہو اور ہم تمہارے لئے نئی نئی چیزوں کو پیدا کرتے ہیں۔ اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے، مجھے تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جب میں تمہاری طرف سے کسی اچھے عمل کو دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور جب کوئی بری چیز دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں۔‘‘

یہ حدیث مبارکہ واضح کرتی ہے کہ حضور ﷺ کا وصال مبارک بھی اسی طرح امت کے حق میں رحمت ہے جس طرح آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ سارے عالم کے لیے دائمی رحمت ہے۔

۶۔ حضور ﷺ کا وصال اُمت کے لیے باعثِ شفاعت ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے وصال کی حکمت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إن الله عزوجل إذا أراد رحمة أمة من عباده، قبض نبيها قبلها، فجعله لها فرطاً وسلفاً بين يديها، وإذا أراد هلكة أمة، عذبها، ونبيها حي، فأهلكها وهو ينظر، فأقر عينه بهلكتها حين كذّبوه وعصَوا

...... ’’مسند‘‘ میں بکر بن عبد اللہ المزنی اور بزار نے اپنی ’’مسند‘‘ میں عبد اللہ بن مسعود سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے۔

۱۷۔ اس بات کی تائید علامہ خفاجی اور ملا علی قاری نے ”الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ“ کی شروحات ”نسیم الریاض (۱: ۱۰۲)“ اور ’’شرح الشفا (۱: ۴۵)“ میں بالترتیب کی ہے۔

۱۸۔ عجلونی، کشف الخفاء ومزيل الإلباس، ۱: ۴۴۲، رقم: ۱۱۷۸

أمره۔(۱)

''جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر اپنا خاص کرم کرنے کا اِرادہ فرماتا ہے تو اس امت کے نبی کا وصال کر کے اس امت کی شفاعت کا سامان کر دیتا ہے۔ اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے اپنے نبی کو جھٹلانے اور اس کے حکم کی نافرمانی کے باعث اس کی ظاہری حیات میں ہی اُنہیں عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اس امت کی ہلاکت کے ذریعے اپنے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرماتا ہے۔''

مذکورہ حدیث میں لفظ فرط کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

أصل الفرط هو الذی يتقدم الواردين ليهيئ لهم ما يحتاجون إليه عند نزولهم فی منازلهم، ثم استعمل للشفيع فيمن خلفه۔(۲)

''فرط کسی مقام پر پہنچنے والوں کی ضروریات کو اُن کی آمد سے پہلے مہیا کرنے والے شخص کو کہا جاتا تھا، پھر یہ لفظ اپنے بعد آنے والے کی سفارش کرنے والے کے لیے اِستعمال ہونے لگا۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفضائل، باب إذا أراد اللہ رحمة أمة قبض نبيها قبلها، ۴: ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، رقم: ۲۲۸۸

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۲۲، رقم: ۶۶۴۷

۳۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۸: ۱۵۴، رقم: ۳۱۷۷

۴۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۳۱۵، رقم: ۴۳۰۶

۵۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، ۱۳: ۱۱، ۱۲

(۲) ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۱: ۴۵

اِس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہے کہ آخرت میں پیش ہونے سے پہلے ہی اپنے حبیب ﷺ کو اُمت کے لیے بہ طور شفیع اپنے پاس بلا لیا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا وصال بھی تمہارے لیے رحمت ہے۔ لہٰذا یہ بات طے پاگئی کہ امت کے حق میں آپ ﷺ کی حیات و وفات دونوں رحمت ونعمت ہیں۔ آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اُمت کے حق میں پہلی نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس کے ذریعے ہی دوسری نعمت حاصل ہوئی۔

۷۔ نعمت پر شکر بجا لانا حکمِ خداوندی ہے

اللہ کی نعمت کے حصول پر خوشی کا اِظہار اور شکر بجا لانا اللہ رب العزت کا حکم ہے جس کی تفصیل گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی سابقہ غم پر شکر بجا لاتے ہوئے غم واندوہ اور افسوس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ایسا کرنا تو نعمت کی ناقدری کے مترادف ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا:

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○[1]

''اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے○''

غم اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی نعمت ختم ہو جائے اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بھی ختم ہو جائیں اور اس کے اثرات ونتائج کا سلسلہ بھی بند ہو جائے مثلاً کسی کے ہاں بیٹا ہوا اور وہ فوت ہوگیا۔ اب اس کے مرنے پر تو اسے غم ہوسکتا ہے کہ بیٹے کی نعمت اس سے چھن گئی لیکن پھر بھی شکرگزار مومنین کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ مال و دولت اور اولاد کی محرومی پر خدا سے شکوہ کریں، کیوں کہ یہ آزمائشیں تو آتی رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایک نعمت چھن جانے پر اس کا نعم البدل عطا فرما دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے وصالِ مبارک کے موقع پر سوگ منانا اور غم کرنا اُمتِ مسلمہ کا وطیرہ اور شیوہ نہیں اس لیے کہ سوگ

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۷

نعمت کے خاتمے پر کیا جاتا ہے۔

۸۔ دستِ کرم ہے سر پہ تو غم کس لیے کریں

آقائے دو جہاں ﷺ ہر وقت امت کے سر پر سایہ فگن ہیں، غم تب منایا جائے جب حضور ﷺ کا سایہ رحمت اُمت کے سر سے اٹھ گیا ہو یا رابطہ اور تعلق منقطع ہو چکا ہو۔ حضور ﷺ تو آج بھی اُمت کے اَحوال سے با خبر ہیں اور قدم قدم پر دست گیری فرماتے ہیں۔ چودہ سو سال گزرنے کے باوُجود نہ تو حضور ﷺ کی عنایات میں کمی آئی، نہ آپ ﷺ کی شفقتوں اور مہربانیوں میں کوئی فرق آیا، نہ آپ ﷺ کی طرف سے ملنے والی ہدایات اور نہ آپ ﷺ کے تصرف وکمال میں کمی واقع ہوئی۔ جب آپ ﷺ کے حسن و جمال، مرتبہ نبوت و رسالت، ختم نبوت اور آپ ﷺ کی فیوضات وتوجہات سب کچھ اسی طرح موجود ہیں تو غم کس بات کا؟ بے شک حضور ﷺ نے بھی بہ تقاضائے حکم اِلٰہی - كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے)[1] - اَجل کا ذائقہ چکھا لیکن وہ موت تو آپ ﷺ کی حیاتِ اَبدی کا پیش خیمہ تھی۔ جب ایک عام مومن اور کافر کی موت میں زمین وآسمان کا فرق ہے تو چه نسبت خاك را با عالمِ پاك کے مصداق حضور ﷺ کی وفات اور عام انسانوں کی موت میں کیا نسبت ہوسکتی ہے؟

حضور ﷺ ظاہری دنیا سے پردہ فرما کر عام انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ خواص و صالحین تو آج بھی حضور ﷺ کو عالم بے داری میں دیکھتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) جیسے اہل اللہ بھی تھے جنہوں نے زندگی میں کم و بیش پچھتر (۷۵) بار عالمِ بے داری میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔[2]

---

(۱) ۱۔ القرآن، الأنبیاء، ۲۱: ۳۵

۲۔ القرآن، العنکبوت، ۲۹: ۵۷

(۲) شعرانی، المیزان الکبریٰ، ۱: ۴۴

قارئین کرام! آپ جب روضہ اقدس پر حاضری کے لیے جاتے ہیں تو کیا اسی طرح جاتے ہیں جس طرح ایک عام آدمی کی قبر پر جایا جاتا ہے؟ حضور ﷺ کا روضۂ اَقدس تو زیرِ فلک ایسی ادب گاہ ہے جہاں جنید و بایزید جیسی ہستیاں بھی دم بخود حاضری دیتی تھیں بلکہ وہاں وہی آداب ملحوظ رکھنا فرض ہیں جو آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں تھے۔ یہ ہماری کوتاہ اندیشی ہے کہ ہمیں حضور ﷺ کے بارے میں حقیقتِ حال کا علم نہیں، سچ تو یہ ہے کہ ہم چلتی پھرتی لاشیں ہیں جب کہ مردانِ حق وفات پا کر بھی زندہ ہیں۔ حضور ﷺ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ ہمارا سلام سن کر اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں[1] مگر ہم یہ جواب سننے سے قاصر ہیں کیوں کہ ہر کان سزاوارِ سماعت ہے نہ ہر آنکھ

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب المناسك، باب زيارة القبور، ۲: ۱۷۵، رقم: ۲۰۴۱

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۲۷

۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۸۴، رقم: ۳۱۱۶

۴۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۴۵

۵۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۳: ۲۱۷، رقم: ۱۵۸۱

۶۔ ابو نعیم، حلیة الأولیاء و طبقات الأصفیاء، ۶: ۳۴۹

۷۔ منذری، الترغیب و الترهیب من الحدیث الشریف، ۲: ۳۶۲، رقم: ۲۵۷۳

۸۔ هیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۰: ۱۶۲

۹۔ مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۱۱: ۵۹

۱۰۔ ابن قیم، جلاء الأفهام فی الصلاة والسلام علی خیر الأنام ﷺ: ۱۹، رقم: ۲۰

۱۱۔ سخاوی، القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ﷺ: ۱۵۶

قابلِ دیدار۔ لہٰذا اُمتِ مسلمہ پر خوشی و مسرت کا اِظہار لازم ہے، اِظہارِ غم و اَفسوس کا کوئی محل نہیں۔

۹۔ حضور ﷺ کی نبوت تا قیامت جاری ہے

اللہ تعالیٰ نے جو کلمہ مسلمانوں کو عطا فرمایا اس کے الفاظ - لَآ إِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) - ہی اس حقیقت پر پختہ شہادت ہیں کہ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک اُسی طرح جاری و ساری رہے گی جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں تھی۔

اب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے،'' وہ یہی کہے گا کہ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' اگر کوئی ایسا نہ کہے تو وہ بالاتفاق کافر کی موت مرے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا کہ آپ ﷺ کی رسالت کو ابدالآباد تک کے لیے مانا جائے۔ یہ بنیادی تقاضائے ایمان ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے ماضی میں رسول سمجھے جانے کے تصور کو سرے سے ختم کر دیا اور ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ ختمِ نبوت کی حقیقت سے یہ واضح کر دیا کہ نبی آئے اور چلے گئے، چوں کہ ان کی رسالت عارضی تھی اس لیے نئے نبی بھی آتے رہے مگر حضور ﷺ خاتم النبیین و خاتم الرسل ہیں لہٰذا اب قیامت تک کوئی نیا نبی و رسول نہیں آئے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت ہر زمانے میں جاری ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس لیے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ حضور ﷺ اب بھی اسی طرح اللہ کے رسول ہیں جس طرح صحابہ کے لیے تھے اور جس طرح ہمارے لیے ہیں اسی طرح تا قیامِ قیامت بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بھی ہوں گے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تریسٹھ (۶۳) برس تک آپ ﷺ کو ہر کوئی سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا مگر وصالِ مبارک کے بعد خال خال کسی خوش نصیب ہی کو آپ کی زیارت بہ حالتِ خواب نصیب ہوتی ہے۔ جس کا بخت یاوری کرے وہ نہ صرف

خواب میں بلکہ بے داری میں بھی حضور ﷺ کی زیارت کر لیتا ہے۔ الغرض حضور ﷺ اپنے مخلص غلاموں پر آج بھی شفیق ہیں، ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں، انہیں دل اور سر کی آنکھوں سے شرفِ دیدار بھی بخشتے ہیں اور جب وہ دنیا سے رخصت ہونے لگیں تو اُن کی روحوں کے استقبال کے لیے بھی تشریف لاتے ہیں۔

۱۰۔ اِظہارِ خوشی بدعت نہیں تقاضائے فطرت ہے

حصولِ نعمت پر خوشی منانا ایک فطری تقاضا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اس کی مثال اس شادی والے گھر کی سی ہے جہاں مرگ کے فوراً بعد شادی ہو تو غم تازہ ہونے کی وجہ سے شادی کا اِنعقاد سوگ وار ماحول میں کیا جاتا ہے۔ اور اگر اسی گھر میں اس سانحے کے چند سال بعد شادی ہو تو اس پر حسبِ روایت خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ غم ختم ہوگیا یا یہ کہ خوشی منانے والے کے دل میں اپنے پیاروں کی یاد نہیں رہی۔ بلکہ یہ حیاتِ انسانی کے مشاہدات میں سے ہے کہ ایک عرصہ تک ماحول افسردہ اور اِحساسِ غم زندہ رہتا ہے مگر رفتہ رفتہ جب عرصہ بیت جاتا ہے تو وقت اس صدمے کے زخم کو مندمل کر دیتا ہے اور دلِ زار کو قرار آ جاتا ہے۔

جلیل القدر ائمہ اسلام نے تصریح کی ہے کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ولادت و بعثت پر دھوم دھام سے خوشی کا اظہار عین شرعی اور فطری تقاضوں کی بجا آوری ہے، جب کہ آپ ﷺ کے وصال پر غم کا اِظہار خلافِ شریعت اور اِسلام کے اَبدی اصول کے منافی ہے۔ امام سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) اس حوالے سے اُصولِ شریعت بیان کرتے ہیں:

إن ولادته ﷺ أعظم النعم علينا، ووفاته أعظم المصائب لنا، والشريعة حثّت على إظهار شكر النعم والصبر والسكون والكتم عند المصائب، وقد أمر الشرع بالعقيقة عند الولادة وهي إظهار شكر وفرح بالمولود، ولم يأمر عند الموت بذبح ولا بغيره. بل

نهی عن النياحة وإظهار الجزع، فدلّت قواعد الشريعة على أنه يحسن في هذا الشهر إظهار الفرح بولادته ﷺ دون إظهار الحزن فيه بوفاته۔[1]

''بے شک آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہمارے لیے نعمتِ عظمی ہے اور آپ ﷺ کی وفات ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ تاہم شریعت نے نعمت پر اِظہارِ شکر کا حکم دیا ہے اور مصیب پر صبر و سکون کرنے اور اُسے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ اِسی لیے شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کا حکم دیا ہے اور یہ بچے کے پیدا ہونے پر اللہ کے شکر اور ولادت پر خوشی کے اِظہار کی ایک صورت ہے، لیکن موت کے وقت جانور ذبح کرنے جیسی کسی چیز کا حکم نہیں دیا بلکہ نوحہ اور جزع وغیرہ سے بھی منع کر دیا ہے۔ لہٰذا شریعت کے قواعد کا تقاضا ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا جائے نہ کہ وصال کی وجہ سے غم کا۔''

حضور ﷺ کا وصال مسلمانوں سے اس اَمر کا متقاضی نہیں کہ وہ کبھی نہ بھولیں کہ آپ ﷺ کا فیضانِ نبوت تا قیامت جاری ہے اور آپ ﷺ برزخی زندگی میں دنیاوی زندگی سے بڑھ کر حیات کے مالک ہیں۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

ليس هناک موت ولا فوت بل انتقال من حال إلى حال وارتحال من دار إلى دار۔[2]

---

(۱) ۱۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۳

۲۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۴، ۵۵

(۲) ملا علی قاری، شرح الشفا، ۱: ۴۵

''یہاں نہ موت ہے اور نہ وفات بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقلی ہے اور ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف سفر کرنا ہے۔''

میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے ہم نے اس بات کا تفصیلی ذکر کر دیا ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اس موقع پر اِظہارِ مسرت سے کیوں گریز کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی صحبت میں زندگی کا ایک حصہ گزارا تھا، حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب بھی ۱۲ ربیع الاول کا دن آتا تو خوشی کے ساتھ ساتھ انہیں حضور ﷺ کے ساتھ گزارے ہوئے تمام مناظر یاد آجاتے اور ان پر حزن و ملال کی کیفیت غالب آجاتی۔ صدیوں کے بعد وہ کیفیت باقی نہ رہی تو امت کے اندر خوشی کا پہلو فطری طور پر غالب آتا چلا گیا اور انہوں نے فطری تقاضوں کے مطابق جشن منانے کا آغاز کیا اور آج تک مناتے چلے آرہے ہیں۔ اِس بابت مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''میلاد خوانی بشرطیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں شریف میں جلوس نکالنا بشرطیکہ اس میں کسی فعل ممنوع کا ارتکاب نہ ہو، یہ دونوں جائز ہیں۔ ان کو ناجائز کہنے کے لیے دلیل شرعی ہونی چاہیے۔ مانعین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے؟ یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے نہ کبھی اس طور سے میلاد خوانی کی نہ جلوس نکالا ممانعت کی دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز اَمر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کر سکتا۔''(۱)

اُردو زبان میں سیرتِ طیبہ پر لکھی جانے والی پہلی کتاب کے مصنف مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸۔۱۲۷۹ھ) کا قول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد پر منعقد ہونے والی محفل اِظہارِ مسرت کے لیے ہوتی ہے، اس میں غم کا اِظہار کرنا مناسب نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

---

(۱) مظہر اللہ دہلوی، فتاویٰ مظہری: ۴۳۵، ۴۳۶

''مسلمانوں کو چاہیے کہ بہ مقتضائے محبتِ آنحضرت ﷺ محفل شریف کیا کریں اور اس میں شریک ہوا کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ بہ نیت خالص کیا کریں، ریا اور نمائش کو دخل نہ دیں۔ اور بھی اَحوالِ صحیح اور معجزات کا حسبِ روایاتِ معتبرہ بیان ہو کہ اکثر لوگ جو محفل میں فقط شعر خوانی پر اِکتفاء کرتے ہیں یا روایاتِ واہیہ نامعتبر سناتے ہیں خوب نہیں۔ اور بھی علماء نے لکھا ہے کہ اِس محفل میں ذکر وفات شریف کا نہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ محفل واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی ہے۔ ذکرِ غم جانکاہ اِس محفل میں نازیبا ہے۔ حرمین شریفین میں ہرگز عادتِ ذکرِ قصۂ وفات کی نہیں ہے۔''(۱)

لہٰذا یومِ میلاد پر جشن منانا بدعت نہیں بلکہ عین تقاضائے فطرت ہے۔ اس سے بڑھ کر اگر یہ کہا جائے تو چنداں غلط نہ ہوگا کہ محافلِ میلاد کا انعقاد اسلامی ثقافت کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔

۱۱۔ قرونِ اُولیٰ میں جشنِ مسرت منانے کا کلچر عام نہ تھا

میلاد شریف کو بطور جشن منانا حضور نبی اکرم ﷺ سے قلبی تعلق کا ایک ثقافتی اِظہار ہے۔ تاریخ اسلام کی روشنی میں جائزہ لیں تو قرونِ اُولیٰ سے لے کر آج تک ہر دور میں حیات انسانی کے مختلف شعبوں میں کئی اعتبار سے طرزِ بود و باش، معاشرتی میل جول، خوشی و غمی، جذبات و احساسات کے اظہار کے طور طریقے ہر دور میں بدلتے رہے ہیں۔ اس حوالے سے وقت کے ساتھ ساتھ رُونما ہونے والی تبدیلیوں کی چند مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں:

(۱) ہجرتِ مدینہ

کتب تواریخ و سیر میں مذکور ہے کہ جب اہلِ مدینہ کو آپ ﷺ کے عازمِ

(۱) کاکوروی، تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین ﷺ: ۱۵

ہجرت ہونے کی اطلاع ملی تو وہ سب سخت گرمی کے موسم میں روزانہ نمازِ فجر کے بعد آپ ﷺ کے استقبال کے لیے مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر باہر مقام 'حرۃ' پر جمع ہو کر آپ ﷺ کا انتظار کرتے، تیز دھوپ میں جب سایہ بھی ختم ہو جاتا تو بجھے دلوں کے ساتھ گھروں کو لوٹتے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عویم بن ساعدہ اَنصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

لما سمعنا بمخرج رسول الله ﷺ من مكة، وتوكفنا قدومه، كنا نخرج إذا صلينا الصبح، إلى ظاهر حَرّتنا، ننتظر رسول الله ﷺ، فوالله! ما نبرح حتى تغلبنا الشمس على الظلال، فإذا لم نجد ظلاً دخلنا، و ذلک فی أيام حارة۔(۱)

''جب ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے مکہ سے باہر نکلنے اور مدینہ کی طرف تشریف لانے کی خبر سنی تو ہم صبح نماز پڑھ کر باہر نکل آتے اور دن چڑھے تک کھلے میدان میں آپ ﷺ کا انتظار کرتے۔ اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک انتظار کرتے رہتے جب تک کہ سورج ہمارے سایوں پر غالب نہ آ جاتا۔ جب ہم سورج کی تپش سے بچنے کے لیے سایہ نہ پاتے تو اپنے گھروں میں آ جاتے، اور یہ سخت گرمیوں کے دنوں کی بات ہے۔''

---

(۱) ۱۔ ابن ہشام، السيرة النبويه: ۴۲۳

۲۔ طبری، تاريخ الامم والملوك، ۱: ۵۷۱

۳۔ ذہبی، تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام (السيرة النبوية)، ۱: ۳۳۱

۴۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۳: ۱۹۶

۵۔ خزاعی، تخريج الدلالات السمعية على ما کان فی عهد رسول الله ﷺ من الحرف: ۴۴۶

جب آقائے دوجہاں ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ساکنانِ مدینہ خوشی سے جھوم اٹھے، انہوں نے اس قدر دھوم دھام سے خوشی و مسرت کا اظہار کیا کہ سارا شہر استقبالِ نبی ﷺ کے لیے مدینہ کی حدود سے باہر امڈ آیا۔ معصوم بچیوں نے دف پر خوشی کے گیت گا کر محبوبِ خدا ﷺ کا استقبال کیا۔ خیر مقدمی نعرے لگائے گئے اور لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ جلوس کی شکل میں گلی کوچوں سے ہوتے ہوئے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جہاں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔

ہجرت، تاریخِ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ یہی ہجرت اسلامی ریاست کے قیام کی بنیاد بنی اور اسلام ایک غالب قوت بن کر ابھرا۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کون سا موقع ہوسکتا تھا مگر آنے والے سالوں میں اہل مدینہ نے حضور ﷺ کے اس یوم ہجرت پر خوشی کا اہتمام نہ کیا اس لیے کہ اُس دور کے کلچر اور مزاج میں یہ چیز شامل نہ تھی۔ لیکن آقائے دوجہاں ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ ﷺ کا شاندار اور والہانہ استقبال اور اظہارِ مسرت عین فطرتِ انسانی کے مطابق تھا، جس سے کم از کم اس بات کا جواز ضرور ملتا ہے کہ اسلام میں کسی عظیم خوشی کے موقع پر جشن کا اہتمام کرنا اور دھوم دھام سے اظہارِ مسرت کرنا اَمرِ جائز اور فطری تقاضا ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق انسان کی فطرت اور دلی جذبات سے ہے، اس میں کوئی بات شریعت کے منافی نہیں۔ لہٰذا بدعت کہہ کر اس کا انکار ایک مخصوص قلبی کیفیت کا غماز ہے جو محض ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۲) میثاقِ مدینہ

مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار و مہاجرین کی مشاورت سے یہود کے ساتھ باقاعدہ تحریری معاہدہ کیا، تاریخِ اسلام میں یہ عظیم معاہدہ 'میثاقِ مدینہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دن پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور حضور ﷺ ریاست مدینہ کے آئینی حکمران بنے۔ مسلمانوں کے لیے یہ موقع عظیم خوشی کا تھا، مگر مسلمانوں نے یوم میثاقِ مدینہ منانے کا کوئی اہتمام اس لیے نہ کیا کہ ایسا کرنا

اُس زمانے کے کلچر میں شامل نہ تھا۔

(۳) یومِ بدر

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی خوشی کا دن یومِ بدر تھا جب حق و باطل کے درمیان معرکہ میں باطل کو شکست ہوئی اور مٹھی بھر مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح و کامرانی سے ہم کنار کیا۔ اِس سے مسلمانوں کو حوصلہ اور ولولۂ تازہ ملا۔ قرآن حکیم نے اس دن کو ''یوم الفرقان'' قرار دیا ہے۔(۱) یہ دن بھی دورِ صحابہ میں سال بہ سال بار بار آتا رہا مگر اس دن کو منانے کا ان کے ہاں کوئی رواج نہیں تھا۔

(۴) یومِ فتحِ مکہ

اِسی طرح ہجرتِ مدینہ کے بعد فتحِ مکہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم واقعہ تھا جس سے اسلام جزیرہ نمائے عرب میں ایک غالب قوت بن کر اُبھرا۔ یہ وہ دن تھا جب آپ ﷺ ایک فاتح کی حیثیت سے دس ہزار سربکف جاں نثار صحابہ کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے دوبارہ شہر مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ وہی شہرِ مکہ تھا جہاں سے کفار کے ظلم وستم اور معاندانہ سلوک کی وجہ سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس دن کو قرآن مجید نے ''فتح مبین'' قرار دیا ہے۔(۲) اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی تھی۔ مگر قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے فتحِ مکہ کا دن نہیں منایا کیوں کہ اُس دور کی ثقافت میں یہ چیز شامل نہ تھی۔

(۵) شبِ قدر - شبِ نزولِ قرآن

ستائیس (۲۷) رمضان المبارک کی شب وہ مبارک رات ہے جس میں نزولِ

---

(۱) الأنفال، ۸: ۴۱

(۲) الفتح، ۴۸: ۱

قرآن ہوا، آپ ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا۔ اللہ رب العزت نے اس عظیم الشان رات احسانِ عظیم فرمایا اور قیامت تک رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ قرآن مجید عطا فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے شبِ قدر منانے کا کبھی اِہتمام نہیں کیا کیوں کہ اُس دور کی ثقافت میں یہ عنصر نہ تھا۔

نئے دور کے نئے تقاضے

ہم اگر موجودہ دور کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر پر عمیق نظر ڈالیں تو نہ صرف یہ کہ ہم مذکورہ بالا مہتم بالشان ایام مناتے ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور دن بھی دور جدید کے تقاضوں کے مطابق اور بہت سے قومی تہواروں کو ایام مسرت کے طور پر مناتے ہیں۔

اِس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں اہم ملّی اور مذہبی اہمیت کے دن بطور تہوار منانے کا کوئی رواج نہیں تھا، اور اس وقت کی ثقافت میں ایسی کوئی روایت کارفرما نہ تھی جس کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یومِ نزولِ قرآن، یومِ بدر اور یومِ فتحِ مکہ مناتے۔ قطع نظر اس سے کہ ان ایام کی اَہمیت تاریخِ اسلام میں کسی اعتبار سے کم نہیں۔ آج اہلِ پاکستان دیگر اسلامی ممالک کی طرح اپنا یومِ آزادی اور دیگر قومی اَیام بڑے تزک و احتشام سے مناتے ہیں کیوں کہ ایسا کرنا آج کی ثقافتی زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔ اِسی طرح سعودی عرب سمیت دیگر عرب ممالک میں اُن کے حکمران اپنی تخت نشینی کا دن بہ طور عید مناتے ہیں، اور یہ دن اُن کے ہاں ''**العيد الوطنى**'' کہلاتا ہے۔ اِس طرح ہر ملک و قوم اپنے قومی تہواروں کے اِنعقاد کے ذریعے اپنے نظریات و قومی تشخص اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے ہیں۔ پس بدلتے ہوئے ان حالات کے تقاضوں کی روشنی میں آج محافلِ میلاد کا انعقاد بھی ہماری ثقافتی اور مذہبی ضرورت بن چکا ہے جس سے کوئی صاحبِ فکر و نظر اِنکار نہیں کر سکتا۔ محافلِ میلاد کے اِنعقاد کے ذریعے ہم اپنے اور اپنی اگلی نسلوں کے قلوب و اَذہان میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع بہ آسانی روشن کر سکتے ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر مسلمان اپنے نبی ﷺ سے ٹوٹا ہوا تعلق بحال کر سکتے ہیں۔

بابِ ہشتم

جشنِ میلاد النبی ﷺ
کے
اَجزائے تشکیلی

یوں تو سارا سال حضور نبی اکرم ﷺ کے تذکارِ جمیل کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں لیکن جونہی ماہِ ربیع الاول کی آمد ہوتی ہے مسرتوں اور خوشیوں کا ایک سیلِ رواں شہر شہر، قریہ قریہ امڈ آتا ہے اور اہلِ ایمان وارفتگی کے عالم میں محافلِ میلاد اور جلسہ و جلوس کی صورت میں اپنے محبوب نبی ﷺ سے اپنی قلبی محبت و عقیدت کا اِظہار کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تھمتا نہیں بلکہ ایک دیدنی جوش و خروش کا رنگ اِختیار کر لیتا ہے۔ اس موقع پر گھر گھر چراغاں کیا جاتا ہے۔ مجالس و محافلِ میلاد کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ میلاد النبی ﷺ کی خوشی اور احترام میں بپا کی جانے والی محافل میں عشقِ رسول ﷺ کے ترانے الاپے جاتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے اور نعت گو شاعر، نعت خواں اور خطباء حضرات تحریر و تقریر اور نعت و بیان کے ذریعے حضور رحمت عالم ﷺ کے حضور اپنے اپنے گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔ الغرض ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق نظم و نثر کے پیرائے میں تخلیق و ولادت اور عظمت و شانِ مصطفیٰ ﷺ میں رطب اللسان ہوتا ہے۔

میلاد النبی ﷺ کے موقع پر خوشی و مسرت کا اِظہار کس کس طریقے سے کیا جاتا ہے؟ جشنِ مسرت مناتے وقت غلامانِ رسول ﷺ کے معمولات کیا ہوتے ہیں؟ وہ کون کون سے اَفعال و اَعمال سرانجام دیتے ہیں؟ بہ اَلفاظِ دیگر جشن میلاد النبی ﷺ کے اَجزائے تشکیلی کون سے ہیں؟ زیرِ نظر باب میں ہم اسی حوالہ سے بحث کریں گے اور بنیادی اَجزائے تشکیلی یا عناصرِ ترکیبی قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کریں گے اور ان کا تحقیقی جائزہ پیش کریں گے کیوں کہ کسی بھی عمل کی حلت وحرمت اور اُس پر اَجر وثواب یا عذاب وعتاب کا اندازہ اس اَمر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اِس عمل کے اَجزاء کون کون سے

ہیں۔

میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے اَجزائے تشکیلی اور اِس کے اندر ہونے والی ایمان افروز اور روح پرور سرگرمیوں کو درجِ ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ مجالس و اِجتماعات کا اِہتمام

۲۔ بیانِ سیرت و فضائلِ رسول ﷺ

۳۔ مدحت و نعتِ رسول ﷺ

۴۔ صلوٰۃ و سلام

۵۔ قیام

۶۔ اِہتمامِ چراغاں

۷۔ اِطعام الطعام (کھانا کھلانا)

۸۔ جلوسِ میلاد

آئندہ صفحات میں اِن تمام اَجزاء کو علیحدہ علیحدہ فصل میں بالتفصیل بیان کیا جائے گا۔

فصل اَوّل

مجالس و اِجتماعات کا اِہتمام

عید میلاد النبی ﷺ کے پُر مسرت موقع پر محافلِ نعت، مجالسِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام پیش کرنے کے لیے خصوصی اِجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں۔ لوگ اِن محافل میں اِنتہائی عقیدت و اِحترام اور جوش و خروش سے شریک ہوتے ہیں اور اپنے قلوب و اَذہان کو محبوبِ خدا ﷺ کے ذکرِ جمیل سے معطر کرتے ہیں۔ اپنے میلاد کے بیان کے لیے خود تاجدارِ کائنات ﷺ نے بھی اِجتماعات کا اہتمام فرمایا۔ اِس ضمن میں متعدد اَحادیث موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کا اپنی ولادت سے قبل اپنی تخلیق کا تذکرہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! متی وجبت لک النبوۃ؟

’’یا رسول اللہ! آپ کو شرفِ نبوت سے کب نوازا گیا؟‘‘

یہ ایک معمول سے ہٹا ہوا سوال تھا کیوں کہ صحابہ میں سے کون نہیں جانتا تھا کہ آپ ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر مبارک میں ہوئی۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اِس سوال سے واضح ہے کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں نہیں پوچھ رہے تھے بلکہ وہ عالم بالا میں حضور ﷺ کی اُس روحانی زندگی کی اِبتداء کی بات کر رہے تھے جب اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جواب عطا کرتے ہوئے فرمایا:

و آدم بين الروح والجسد۔[1]

"(میں اُس وقت بھی نبی تھا) جب آدم کی تخلیق ابھی رُوح اور جسم کے مرحلے میں تھی۔"

اِس حدیث سے مراد ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب روح اور جسم سے مرکب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مکمل طور پر تیار نہیں ہوا تھا۔ اِس طرح حبیبِ خدا ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی ولادت سے بھی پہلے اپنی تخلیق اور نبوت کے بارے میں آگاہ فرمایا۔

۲۔ حضور ﷺ کا اپنے میلاد کے بیان کے لیے اِہتمامِ اِجتماع

حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجتماع سے خطبہ جمعہ کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً دینی و ایمانی، اَخلاقی و روحانی، علمی وفکری،

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۵، رقم: ۳۶۰۹
۲۔ ابن مستفاض نے "کتاب القدر (ص: ۲۷، رقم: ۱۴)" میں کہا ہے کہ اِس کے رِجال ثقہ ہیں۔
۳۔ تمام رازی، کتاب الفوائد، ۱: ۲۴۱، رقم: ۵۸۱
۴۔ ابن حبان، کتاب الثقات، ۱: ۴۷
۵۔ لالکائی، اعتقاد أهل السنة، ۱: ۴۲۲، رقم: ۱۴۰۳
۶۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۶۶۵، رقم: ۴۲۱۰
۷۔ بیہقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشریعة، ۲: ۱۳۰
۸۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۶: ۵۶۹
۹۔ ناصر الدین البانی نے اِس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے "صحیح السیرة النبویة (ص: ۵۴، رقم: ۵۳)" میں بیان کیا ہے۔

سیاسی و سماجی، معاشی و معاشرتی، قانونی و پارلیمانی، اِنتظامی و اِنصرامی اور تنظیمی و تربیتی موضوعات پر خطبات اِرشاد فرماتے۔ اس کے علاوہ کبھی آپ ﷺ اپنی حسبی و نسبی فضیلت اور بے مثل ولادت پر بھی گفتگو فرماتے۔ درج ذیل اَحادیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے خود اپنی تخلیق و ولادت کی خصوصیت و فضیلت کے بیان کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجتماع کا اہتمام فرمایا۔

۱۔ حضرت مطلب بن ابی وداعہ سے مروی ہے:

جاء العباس إلی رسول الله ﷺ فکأنه سمع شيئاً، فقام النّبیّ ﷺ علی المنبر، فقال: من أنا؟ فقالوا: أنت رسول الله، علیک السّلام. قال: أنا محمد بن عبد الله بن عبد المطّلب، إن الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم فرقة، ثم جعلهم فرقتین، فجعلنی فی خیرهم فرقة، ثم جعلهم قبائل، فجعلنی فی خیرهم قبیلة، ثم جعلهم بیوتاً، فجعلنی فی خیرهم بیتاً و خیرهم نسباً۔[۱]

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، ۵: ۵۴۳، رقم: ۳۵۳۲

۲۔ ترمذی نے ''الجامع الصحیح (کتاب المناقب، باب فی فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۴، رقم: ۳۶۰۸)" میں وخیرهم نسبا کی جگہ وخیرهم نفسا کے الفاظ بھی بیان کیے ہیں۔

۳۔ احمدبن حنبل نے "المسند (۱: ۲۱۰، رقم: ۱۷۸۸)" میں آخر حدیث میں "فأنا خیرکم بیتا وخیرکم نفسا" کا اضافہ کیا ہے۔

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۶۵

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۱۶

۶۔ بیہقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشریعة، ۱: ۱۶۹

’’حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، (اس وقت ان کی کیفیت ایسی تھی) گویا انہوں نے (حضور نبی اکرم ﷺ کے متعلق کفار سے) کچھ (نازیبا الفاظ) سن رکھے تھے (اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بتانا چاہتے تھے)۔ (حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات حضور ﷺ کو بتائے یا آپ ﷺ علمِ نبوت سے جان گئے) تو حضور ﷺ منبر پر جلوہ اَفروز ہوئے اور فرمایا: میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا: آپ پر سلام ہو، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں عبد اللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس مخلوق میں سے بہترین گروہ (انسان) کے اندر مجھے پیدا فرمایا اور پھر اس کو دو گروہوں (عرب و عجم) میں تقسیم کیا اور ان میں سے بہترین گروہ (عرب) میں مجھے پیدا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حصے کے قبائل بنائے اور ان میں سے بہترین قبیلہ (قریش) کے اندر مجھے پیدا کیا اور پھر اس بہترین قبیلہ کے گھر بنائے تو مجھے بہترین گھر اور نسب (بنو ہاشم) میں پیدا کیا۔‘‘

اس حدیث مبارکہ میں درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

(۱) حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی موضوع پر کوئی اہم اور قابلِ توجہ بات تمام صحابہ کو بتانا مقصود ہوتی تو آپ ﷺ اپنا خطبہ یا تقریر منبر پر کھڑے ہو کر اِرشاد فرماتے۔ اگر معمول کی کوئی بات ہوتی تو آپ ﷺ موقع پر موجود صحابہ کے گوش گزار کر دیتے لیکن منبر پر کھڑے ہو کر خاص نشست کا اہتمام عامۃ المسلمین تک کوئی خاص بات پہنچانے کے لیے ہوتا تھا۔ حدیثِ مذکورہ میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر اِرشاد فرما رہے ہیں، اور یہ اِہتمام اِس اَمر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ صحابہ سے کوئی اہم بات کرنے والے ہیں۔

(۲) حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷡ سے سوال کیا: ''میں کون ہوں؟'' سب نے عرض کیا: ''آپ پر سلام ہو، آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' صحابہ کرام ﷡ کا یہ جواب اگرچہ حق و صداقت پر مبنی تھا لیکن مقتضائے حال کے مطابق نہ تھا۔ اس دن اس سوال کا مقصد کچھ اور تھا اور آپ ﷺ اس کا جواب بھی مختلف سننا چاہتے تھے۔ جب صحابہ کرام ﷡ کی طرف سے متعلقہ جواب موصول نہ ہوا تو آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا: ''میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں۔'' معلوم ہوا کہ آپ ﷺ انہیں اپنی ولادت اور نسبی فضیلت کے باب میں کچھ ارشاد فرمانا چاہتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا وہ گوشہ ہے جس کا تعلق براہِ راست آپ ﷺ کے میلاد سے ہے۔ اگرچہ یہ وہ معلومات تھیں جو صحابہ کرام ﷡ بہ خوبی جانتے تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کا اِس قدر اِہتمام کے ساتھ اس مضمون کو بیان فرمانے کا مقصد جشنِ میلاد کو اپنی سنت بنانا تھا۔

(۳) مذکورہ حدیث میں اَحکامِ اِلٰہی بیان ہوئے ہیں نہ اَعمال و اَخلاق سے متعلق کوئی مضمون بیان ہوا ہے بلکہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنی ولادت اور نسبی فضیلت کے بارے آگاہ فرمایا ہے جو موضوعاتِ میلاد میں سے ہے۔

(۴) حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ بیان انفرادی سطح پر نہیں بلکہ صحابہ کرام ﷡ کے اجتماع سے تھا جو خصوصی اِنتظام و اِنصرام کی طرف واضح اِشارہ ہے۔

کتبِ حدیث اور سیرت و فضائل میں سے امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ)، امام مسلم (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ)، امام ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ)، قاضی عیاض (۴۷۶۔۵۴۴ھ)، علامہ قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ)، علامہ نبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ) جیسے نام وَر اَئمہ و محدثین اور شارحین کی تصانیف میں ایسی بے شمار احادیث موجود ہیں جن کا تعلق کسی شرعی مسئلہ سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کی ولادت، حسب ونسب، خاندانی شرافت ونجابت اور ذاتی عظمت وفضیلت سے ہے۔

۲۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

قلت: يارسول الله! إن قريشاً جلسوا فتذاكروا أحسابهم بينهم، فجعلوا مثلک کمثل نخلة في کبوة من الأرض، فقال النّبيّ ﷺ: إن الله خلق الخلق فجعلني من خيرهم من خير فرقهم وخير الفريقين، ثم تخيّر القبائل فجعلني من خير قبيلة، ثم تخيّر البيوت فجعلني من خير بيوتهم، فأنا خيرهم نفساً وخيرهم بيتا۔[1]

’’میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قریش نے ایک مجلس میں اپنے حسب ونسب کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی مثال کھجور کے اُس درخت سے دی جو کسی ٹیلہ پر ہو۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی بہترین جماعت میں رکھا اور ان کے بہترین گروہ میں رکھا اور دونوں گروہوں میں سے بہترین گروہ میں بنایا، پھر قبائل کو منتخب فرمایا اور مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، پھر اُس نے گھرانے منتخب فرمائے تو مجھے اُن میں سے بہتر گھرانے میں رکھا، پس میں اُن میں سے بہترین فرد اور بہترین خاندان والا ہوں۔‘‘

۳۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

إن الله اصطفى من ولد إبراهيم إسماعيل، واصطفى من ولد

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ابواب المناقب، باب في فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۴، رقم: ۳۶۰۷

۲۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابة، ۲: ۹۳۷، رقم: ۱۸۰۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۴: ۱۴۰، رقم: ۱۳۱۶

إسماعيل بني كنانة، واصطفى من بني كنانة قريشاً، واصطفى من قريش بني هاشم، واصطفاني من بني هاشم۔[(۱)]

”بے شک ربِ کائنات نے اِبراہیم (علیہ السلام) کی اَولاد میں سے اِسماعیل (علیہ السلام) کو منتخب فرمایا، اور اِسماعیل (علیہ السلام) کی اَولاد میں سے بنی کنانہ کو، اور اَولادِ کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے شرفِ اِنتخاب سے نوازا اور پسند فرمایا۔“

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنا پورا سلسلۂ نسب بیان فرما دیا ہے۔ آپ ﷺ نے **إصطفی** کا لفظ اس لیے بیان کیا کہ صاحبِ نسب، مصطفیٰ ﷺ (چُنے ہوئے) ہیں اور پورے نسبی سلسلہ کو یہ صفاتی لقب دیا گیا ہے۔

۳۔ بیانِ شرف وفضیلت کے لیے اِہتمامِ اِجتماع

حضور نبی اکرم ﷺ نے بیانِ میلاد کے علاوہ اپنی شرف وفضیلت بیان کرنے

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب في فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۳، رقم: ۳۶۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ وتسليم الحجر عليه قبل النبوة، ۴: ۱۷۸۲، رقم: ۲۲۷۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۰۷

۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۱۷، رقم: ۳۱۷۳۱

۵۔ أبو يعلی، المسند، ۱۳: ۴۶۹، ۴۷۲، رقم: ۷۴۸۵، ۷۴۸۷

۶۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۶۶، رقم: ۱۶۱

۷۔ بيهقي، السنن الكبری، ۶: ۳۶۵، رقم: ۱۲۸۵۲

۸۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۳۹، رقم: ۱۳۹۱

کے لیے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجتماع کا اہتمام فرمایا:

۱۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جلس ناس من أصحاب رسول الله ﷺ ينتظرونه، قال: فخرج حتى إذا دنا منهم سمعهم يتذاكرون فسمع حديثهم، فقال بعضهم عجباً: إنَ الله عزوجل اتّخذ من خلقه خليلاً، اتّخذ إبراهيم خليلاً، وقال آخر: ماذا بأعجب من كلام موسى كلّمه تكليماً، وقال آخر: فعيسى كلمة الله وروحه، وقال آخر: آدم اصُطفاه الله. فخرج عليهم فسلّم، وقال ﷺ: قد سمعت كلامكم وعجبكم أن إبراهيم خليل الله وهو كذلک، وموسٰى نجي الله وهو كذالک، وعيسى روح الله وكلمته وهو كذلک، وآدم اصُطفاه الله وهو كذلک، ألا! وأنا حبيب الله ولا فخر، أنا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر، وأنا أول شافعٍ وأول مشفعٍ يوم القيامة ولا فخر، وأنا أول من يحرک حلق الجنة فيفتح الله لی فيدخلنيها، ومعي فقراء المومنين ولا فخر، وأنا أكرم الأوّلين والآخرين ولا فخر۔[1]

(۱) ۱۔ ترمذی،الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی ﷺ، ۲: ۲۰۲، رقم: ۳۶۱۶
۲۔ دارمی، السنن ۱: ۳۹، رقم: ۴۷
۳۔ بغوی، شرح السنة، ۱۳: ۱۹۸، ۲۰۴، رقم: ۳۶۱۷، ۳۶۲۵
۴۔ رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، ۶: ۱۶۷
۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۶۰
۶۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۲: ۷۰۵

’’رسول اکرم ﷺ کے کئی صحابہ آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے، جب ان کے قریب ہوئے تو سنا کہ وہ آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: بڑے تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے (ابراہیم علیہ السلام کو اپنا) خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ اس سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ تیسرے نے کہا: عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ چوتھے نے کہا: آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے حلقے میں تشریف لے آئے، سلام کیا اور فرمایا: میں نے تم لوگوں کا کلام اور اِظہارِ تعجب سن لیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں، بے شک وہ ایسے ہی ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرنے والے ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں۔ اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا اور وہ ایسے ہی ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! میں اللہ کا حبیب ہوں لیکن میں فخر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن لواءِ حمد (حمد کا جھنڈا) اٹھانے والا ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، اور میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفیع اور سب سے پہلا مشفع ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں گا جو بہشت کے دروازے کی زنجیر ہلائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ وہ مومنین ہوں گے جو فقیر (غریب و مسکین) تھے لیکن مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں، اور اَوّلین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرّم و محترم میں ہی ہوں اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں۔‘‘

۲۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن النّبيّ ﷺ خرج يوماً فصلی علی أهل أحد صلاته علی

الميت، ثم انصرف إلى المنبر، فقال: إنى فرط لكم وأنا شهيد عليكم، وإنى والله! لأنظر إلى حوضى الآن، وإنى أعطيت مفاتيح خزائن الأرض أو مفاتيح الأرض، وإنى والله! ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدى، ولكن أخاف عليكم أن تنافسوا فيها۔[1]

”ایک روز حضور ﷺ باہر (میدانِ اُحد کی طرف) تشریف لے گئے، پس آپ ﷺ نے شہدائے اُحد پر نمازِ جنازہ کی طرح نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ منبر پر جلوہ اَفروز ہوئے اور فرمایا: بے شک میں تمہارا پیش رَو ہوں اور میں تم پر گواہ (یعنی تمہارے اَحوال سے باخبر) ہوں۔ اﷲ کی قسم! میں اِس وقت حوضِ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الشهيد، ۱: ۴۵۱، رقم: ۱۲۷۹

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب،باب علامات النبوة، ۳: ۱۳۱۷، رقم: ۳۴۰۱

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی،باب أحد یحبنا، ۴: ۱۴۹۸، رقم: ۳۸۵۷

۴۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب ما یحذرمن زهرة الدنیا والتنافس فیها، ۵: ۲۳۶۱، رقم: ۶۰۶۲

۵۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحوض ، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۸، رقم: ۶۲۱۸

۶۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات الحوض، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۲۲۹۶

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۹، ۱۵۳

۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۴۷۳، رقم: ۳۱۶۸

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۸، رقم: ۳۲۲۴

کوثر دیکھ رہا ہوں اور مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، البتہ یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا پرستی میں باہم فخر ومباہات کرنے لگو گے۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ کے الفاظ - **ثم انصرف إلی المنبر** (پھر آپ ﷺ منبر پر جلوہ اَفروز ہوئے) - سے ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ کیا قبرستان میں بھی منبر ہوتا ہے؟ منبر تو خطبہ دینے کے لیے مساجد میں بنائے جاتے ہیں، وہاں کوئی مسجد نہ تھی، صرف شہدائے اُحد کے مزارات تھے۔ اُس وقت صرف مسجد نبوی ﷺ ہی میں منبر ہوتا تھا۔ اس لیے شہدائے احد کی قبور پر منبر کا ہونا بظاہر ایک ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔ مگر درحقیقت حضور ﷺ کے حکم پر شہدائے اُحد کے قبرستان میں منبر نصب کرنے کا اِہتمام کیا گیا، جس کا مطلب ہے کہ منبر شہر مدینہ سے منگوایا گیا یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ ہی لے کر گئے تھے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اتنا اہتمام کس لیے کیا گیا؟ یہ سارا اِہتمام و اِنتظام حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل ومناقب کے بیان کے لیے منعقد ہونے والے اُس اِجتماع کے لیے تھا جسے آقا ﷺ خود منعقد فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اجتماع میں حضور ﷺ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنا شرف اور فضیلت بیان فرمائی جس کے بیان پر پوری حدیث مشتمل ہے۔ اِس طرح یہ حدیث جلسۂ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی واضح دلیل ہے۔

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے شرف و فضیلت کو بیان کرنے کے لیے اِجتماع کا اہتمام کرنا خود سنتِ رسول ﷺ ہے۔ لہٰذا میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی محافل سجانا اور جلسوں کا اِہتمام کرنا مقتضائے سنتِ رسول ﷺ ہے۔ آج کے پُرفتن دور میں ایسی محافل و اِجتماعات کے اِنعقاد کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ کر ہے تاکہ اُمت کے دلوں میں تاجدارِ کائنات ﷺ کی عشق و محبت نقش ہو اور لوگوں کو آپ ﷺ کی تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے۔

فصل دُوُم

بیانِ سیرت و فضائلِ رسول ﷺ

میلاد النبی ﷺ کی خوشی میں منعقد ہونے والے اِجتماعات میں آپ ﷺ کی سیرت و فضائل کا ذکر ہوتا ہے۔ محفلِ میلاد النبی ﷺ میں تذکارِ رسالت درج ذیل پانچ جہتوں میں ہوتا ہے:

ا۔ اَحکامِ شریعت کا بیان

محافلِ میلاد النبی ﷺ میں اِسلامی اَحکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اَحکامِ شریعت کے بیان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اُن ارشادات وتعلیمات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اِسلامی شریعت کی بنیاد ہیں اور جن پر اَرکانِ اِیمان و اِسلام کی عمارت قائم ہے۔ فقہی اور فروعی مسائل کو موضوع بنانے کے بجائے اِس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ فرض عبادات کی ادائیگی درجۂ قبولیت تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول کیسے ممکن ہے؟ رسول اکرم ﷺ کی اِتباع اور محبت کس طرح ہم پر فوز و فلاح کے دروازے وَا کرتی ہے اور ہم ایمان کے تقاضوں کو کس طرح بطریقِ اَحسن پورا کر سکتے ہیں؟ اِس طرح کی دیگر اَبحاث محفلِ میلاد میں بیان کی جاتی ہیں تاکہ اُسوۂ کامل کی روشنی میں عبادات کی روح کو اپنے اندر سمو کر اپنے اعمال اور شخصیت کی عمارت کو اَحکامِ شریعت کی بنیادوں پر استوار کرنے کے عہد کی تجدید کی جا سکے۔

۲۔ تذکارِ خصائلِ مصطفیٰ ﷺ

محافلِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر اپنایا جانے والا دوسرا طریقہ ’’تذکارِ خصائلِ مصطفیٰ ﷺ‘‘ ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

یہ وہ آئینہ ہے جس میں آپ ﷺ کی سنت، سیرت اور خُلقِ عظیم کا پرتَو جھلکتا دکھائی رہتا ہے۔ اس تذکار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے ذریعے اپنی زندگی کو اِنفرادی اور اِجتماعی سطح پر آپ ﷺ کی تعلیمات اور متعین کردہ اَقدار سے سنواریں اور اپنے شب و روز آپ ﷺ کی سنت کے مطابق بسر کریں۔ یہ دوسرا موضوع ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کے حوالے سے علمائے کرام محافلِ میلاد میں زیرِ بحث لاتے ہیں۔ اگرچہ محافلِ میلاد کا اَوّلین مقصد آمدِ مصطفیٰ ﷺ کی یاد میں جشنِ مسرت منانا ہے لیکن ان تقریباتِ سعیدہ میں قرآنی تعلیمات اور سیرتِ مبارکہ کے تعلیمی، تربیتی، اَخلاقی اور روحانی پہلوؤں کا ذکر بھی علمائے کرام اپنی تقاریر و خطابات میں خصوصی طور پر کرتے ہیں۔

۳۔ تذکارِ شمائلِ مصطفیٰ ﷺ

تذکارِ رسالت ﷺ کے سلسلے میں آپ ﷺ کے شمائل بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کے حسن و جمال اور خوبصورتی و رعنائی کا حسین تذکرہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے حسنِ سراپا کا ذکرِ جمیل قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں نہایت ہی خوبصورت اور دلکش انداز میں کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے **وَالضُّحیٰ** چہرے، **وَاللَّیل** زلفوں، **مَا زَاغَ الْبَصَر** کا دل آویز بیان سماعتوں میں رَس گھولنے لگتا ہے۔ آپ ﷺ سر تا قدم حسنِ مجسم تھے اور یہ فیصلہ کرنا محال تھا کہ صوری حسن جسدِ اَطہر کے کس کس مقام پر کمالِ حسن کی کن کن بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے سراپائے حسن کو دیکھ کر مست و بے خود ہو کر رہ جاتے اور آپ ﷺ کے حسنِ سراپا کے بیان میں اپنے عجز اور کم مائیگی کا اِعتراف کرتے۔ حق تو یہ ہے کہ ذاتِ مصطفوی ﷺ کا حسنِ سرمدی اِظہار و بیان سے ماوراء تھا اور اہلِ عرب زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت کے اپنے تمام تر دعووں کے باوجود بھی اُسے کما حقہ بیان کرنے سے عاجز تھے۔

ماہِ میلاد میں نورِ مجسم حضور نبی اکرم ﷺ کے اُسی حسنِ بے مثال کا تذکرہ ہوتا ہے، کوئی آپ ﷺ کے مبارک زلف و رخسار کا ذکر کرتا ہے تو کوئی چشمانِ مقدسہ کی تاثیرِ

کرم کی مدح سناتا ہے، کوئی گوش مبارک کی دلکشی اور ان کی بے مثل سماعت پر سلام بھیجتا ہے تو کوئی گل قدس کی پتیوں جیسے نازک ہونٹوں پر درود پڑھتا ہے۔ کوئی آپ ﷺ کے دستِ اقدس سے صادر ہونے والے معجزات کا ذکر چھیڑتا ہے تو کوئی حسن و جمال سے معمور دہنِ اقدس اور اس سے نکلے ہوئے لعاب مبارک کی برکات کے نغمات الاپتا ہے۔ اس تذکارِ شمائل سے وجود میں کیفیاتِ وجد کا نزول ہونے لگتا ہے اور بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں حضوری کی خیرات ملنے لگتی ہے۔ یہی وہ کیفیات ہیں جو ان محافل کا حاصل ہیں اور جن سے قلب و روح میں تجلیّاتِ ایمان کا ورود ہونے لگتا ہے۔ یہ وہ توشۂ آخرت ہے جو سفرِ حشر میں مومن کے بہت کام آئے گا۔

۴۔ تذکارِ خصائص و فضائلِ مصطفیٰ ﷺ

محفلِ میلاد النبی ﷺ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص و فضائل کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے خصائص و فضائل اور اَوصاف و کمالات ہی ہیں جو آپ ﷺ کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام انسانوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ آپ ﷺ جامع کمالاتِ انبیاء ہیں، آپ ﷺ کی ذاتِ اَقدس میں تمام اَنبیاء و رُسل کے محامد و محاسن اور معجزات و کمالات بہ درجۂ اَتم جمع فرما دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو تمام اہلِ جہان پر شرف و فضیلت عطا فرمائی اور تمام اَوّلین و آخرین کا سید اور سردار بنایا۔ آپ ﷺ کو اپنے قربِ خاص سے نوازا اور شبِ معراج عرش پر بلا کر اپنا دیدار عطا فرمایا۔ اُس نے قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی اِطاعت کو اپنی اطاعت،(۱) آپ ﷺ کی رضا کو اپنی رضا،(۲) آپ ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت،(۳) آپ ﷺ کے فعل کو اپنا فعل،(۴) نطقِ رسول کو اپنی وحی،(۵) آپ ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی،(۶)

(۱) النساء، ۴: ۸۰ (۲) التوبۃ، ۹: ۶۲ (۳) الفتح، ۴۸: ۱۰

(۴) الأنفال، ۸: ۱۷ (۵) النجم، ۵۳: ۳، ۴ (۶) النساء، ۴: ۱۴

آپ ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت[1] اور آپ ﷺ کی عطا کو اپنی عطا قرار دیا۔[2] اِس پر مستزاد حضور سرورِ کائنات ﷺ کو ایسے دُنیوی، برزخی اور اُخروی خصائص و فضائل سے نوازا جو بے مثال ہونے کے علاوہ حدِ شمار سے بھی باہر ہیں۔

میلاد النبی ﷺ کی مبارک تقریبات میں حسنِ صورت و سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے تذکرے تو ہوتے ہی ہیں، اِس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی کثیر الجہت شانوں کا بیان اہلِ ایمان کے دلوں میں عشق و محبت کی وہ شمعیں فروزاں کر دیتا ہے جن کی ضوء شبستان زندگی کو منور کر دیتی ہے۔ آپ ﷺ کے فضائل و خصائص پر مشتمل چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا أوّلهم خروجاً، وأنا قائدهم إذا وفدوا وأنا خطيبهم إذا أنصتوا، وأنا مشفعهم إذا حبسوا، وأنا مبشّرهم إذا أيسوا. الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدی، وأنا أكرم ولد آدم علی ربی، يطوف عليّ ألف خادم كأنهم بيض مكنون أو لؤلؤ منثور۔[3]

---

(۱) التوبة، ۹: ۶۳

(۲) التوبة، ۹: ۵۹، ۷۴

(۳) ۱۔ دارمی، السنن ۱: ۳۹، رقم: ۴۸

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة بنی إسرائيل، ۵: ۳۰۸، رقم: ۳۱۴۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب المناقب، باب فی فضل النبی ﷺ، ۵: ۵۸۵، رقم: ۳۶۱۰

۴۔ أبو يعلی، المعجم: ۱۴۷، رقم: ۱۶۰

۵۔ قزوينی، التدوين فی أخبار قزوين، ۱: ۲۳۴، ۲۳۵

←

’’(روزِ قیامت) سب سے پہلے میں (اپنی قبرِ انور سے) نکلوں گا اور جب لوگ وفد بن کر جائیں گے تو میں ہی ان کا قائد ہوں گا۔ اور جب وہ خاموش ہوں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا۔ میں ہی ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا جب وہ روک دیے جائیں گے، اور میں ہی انہیں خوش خبری دینے والا ہوں جب وہ مایوس ہو جائیں گے۔ بزرگی اور جنت کی چابیاں اُس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ میں اپنے رب کے ہاں اَولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں میرے اِرد گرد اُس روز ہزار خادم پھریں گے گویا وہ (گرد و غبار سے محفوظ) سفید (خوبصورت) انڈے (یعنی پوشیدہ حسن) ہیں یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ میں روزِ قیامت آپ ﷺ کو عطا ہونے والے مراتب و درجات کا ذکر ہے اور یہ بھی موضوعاتِ میلاد میں سے ہیں۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا سيّد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر، وبيدي لواء الحمد ولا فخر، وما من نبيّ يومئذ آدم فمن سواه إلا تحت لوائي، وأنا أوّل

۶۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۴۷، رقم: ۱۱۷

۷۔ بغوی، شرح السنة، ۱۳: ۲۰۳، رقم: ۳۶۲۴

۸۔ ابن أبی حاتم رازی، تفسير القرآن العظيم، ۱۰: ۳۲۱۲، رقم: ۱۸۱۸۹

۹۔ بيهقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، ۵: ۴۸۴

۱۰۔ أبو نعيم، دلائل النبوة، ۱: ۶۴، ۶۵، رقم: ۲۴

۱۱۔ بغوی، معالم التنزيل، ۳: ۱۳۱

۱۲۔ سيوطی، الدر المنثور فی التفسير بالمأثور، ۸: ۳۷۶

من تنشقّ عنه الأرض ولا فخر۔[1]

’’روزِ قیامت میں تمام اَولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اِس پر کوئی فخر نہیں۔ اور اُس روز لواءِ حمد (حمدِ اِلٰہی کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور اُس روز آدم سمیت تمام نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے، اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کے (باہر نکلنے کے) لیے زمین کا سینہ کھولا جائے گا اور اس (اَوّلیت) پر مجھے فخر نہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

أنا أوّل من تنشقّ عنه الأرض، فأُكسَى الحُلة من حُلل الجنة، ثم أقوم عن يمين العرش ليس أحد من الخلائق يقوم ذالک المقام غيري۔[2]

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی ﷺ، ۵: ۵۸۷، رقم: ۳۶۱۵
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبیّنا علی جمیع الخلائق، ۴: ۱۷۸۲، رقم: ۲۲۷۸
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۳۹۸، رقم: ۶۴۷۸
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۸۱
۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲
۶۔ أبو یعلی، المسند، ۱۳: ۴۸۰، رقم: ۷۴۹۳
۷۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۹: ۴۵۵، رقم: ۴۲۸

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی ﷺ، ۵: ۵۸۵، رقم: ۳۶۱۱
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۱۰: ۲۶۳

''(روزِ قیامت) میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کے (باہر نکلنے کے) لیے زمین کا سینہ کھولا جائے گا، مجھے جنت کی پوشاکوں میں سے ایک پوشاک پہنائی جائے گی، پھر میں عرشِ الٰہی کے دائیں جانب اُس مقام پر کھڑا ہوں گا جہاں میرے علاوہ مخلوقات میں سے کوئی ایک (فرد) بھی کھڑا نہیں ہوگا۔''

ہم اِن اَحادیث کو بہ طور حوالہ اس لیے لا رہے ہیں تاکہ یہ اَمر واضح ہو جائے کہ ان میں کسی قسم کے اَحکامِ شریعت یا حلال و حرام اور تبلیغ و دعوت یا سیرت وغیرہ کے کوئی پہلو بیان ہوئے ہیں نہ آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کا کوئی ذکر ہوا ہے بلکہ ان میں تواتر کے ساتھ جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ حضور ﷺ کے فضائل و خصائص اور اَولادِ آدم علیہ السلام میں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ، بے مثال عظمت و رِفعت اور روحانی مدارج کا ذکر ہے۔ کتبِ اَحادیث میں فضائل و مناقب کے ذیل میں صرف یہی خاص مضمون بیان ہوئے ہیں اور اَصلاً یہ میلاد شریف کے مضامین ہیں۔

۵۔ ذکرِ وِلادت اور روحانی آثار و علائم کا تذکرہ

محفلِ میلاد کا پانچواں پہلو آپ ﷺ کی ولادت کے تذکار اور بہ وقتِ ولادت رونما ہونے والی روحانی علامات و آثار کے بیان پر مشتمل ہے۔ محافلِ میلاد میں ہم خصوصیت کے ساتھ آقائے دوجہاں ﷺ کی ولادت باسعادت اور ان خارق العادت روحانی آثار و علائم کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان ساعتوں یا عہد نبوی ﷺ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ کے عہد شباب اور عمر مبارک کے چالیس سال کو پہنچنے پر پیغمبرانہ منصب پر فائز ہونے کے واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تذکارِ میلاد میں ان فوق العادۃ روحانی واقعات اور آثار و علامات کے حوالے سے گفتگو ہوتی ہے۔ ان محیر العقول واقعات کو بیان کیا جاتا ہے جو ظہورِ قدسی کے وقت شہر مکہ اور دنیا کے دوسرے حصوں میں پیش آئے، جن کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضور خاتم النبیین ﷺ کی اس

دنیا میں تشریف آوری سے متعلق سابقہ الہامی کتب میں مذکور ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک نسل در نسل اور گروہ در گروہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی آمد کے تذکرے کرتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی صورت میں انجام پذیر ہوا۔ یہ سب بشارتیں جو کتبِ سابقہ اور صحائفِ آسمانی میں آپ ﷺ کے بارے میں مرقوم تھیں، میلاد کا موضوع بنتی ہیں۔ اِسی طرح حضور ﷺ کا حسب و نسب اور حضرت آدم علیہ السلام سے آگے جن پاک پشتوں میں آپ ﷺ کا نور منتقل ہوتا ہوا پہلوئے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا میں دُرِّ یتیم کی صورت میں ظاہر ہوا اور وہ نوعِ اِنسانی کے لیے اللہ کے فضل اور نعمت کے طور پر جلوہ گر ہوا، میلاد کا نفسِ مضمون ہیں جن کا ذکر مولد یا میلاد کے موضوع میں ڈھل جاتا ہے۔

الغرض آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے اَحوال اور رشکِ زمانہ سیدہ آمنہ اور سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہما کی آغوشِ عاطفت میں آپ ﷺ کے عہدِ طفلی کے حالات و واقعات کا تذکرہ ان پاکیزہ محافل و مجالس میں قلب و روح کے تار ہلا دیتا ہے۔ آپ ﷺ کے معجزات و کمالات بیان کیے جاتے ہیں تو وجد و مستی کے ایسے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں جنہیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، انہیں بیان کرنے کی سکت کسی قلم اور زبان میں نہیں۔

میلاد النبی ﷺ ایمان کو جلا بخشنے کا ایک انتہائی مؤثر و مجرب ذریعہ ہے۔ اس سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے جسے علامہ اِقبالؒ قوتِ عشق کا نام دیتے ہیں اور جس کی بدولت اسمِ محمد ﷺ کی ضیاء پاشیوں سے شبستانِ دہر میں اُجالا کیا جا سکتا ہے۔ یہی جشنِ میلاد منانے کا مدعا و مقصود ہے۔ بقول اقبالؔ:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اِسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے[1]

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، بانگِ درا: ۲۰۷/۲۰۷

فصل سوُم

مدحت و نعتِ رسول ﷺ

محافلِ میلاد النبی ﷺ کا ایک اہم ترین عنصر حضور ﷺ کی مدح سرائی اور نعت خوانی ہے۔ اہلِ اسلام محافلِ نعت منعقد کر کے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت اور جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ نعتِ مصطفیٰ ﷺ کوئی نیا عمل نہیں بلکہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ ذیل میں اِس ضمن میں چند حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں:

ا۔ قرآن میں نعتِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کا ذکرِ جمیل پیرایۂ نعت میں کیا ہے۔ خالقِ کائنات اپنے حبیب ﷺ سے جب بھی روئے خطاب ہوا تو نام لینے کی بجائے کبھی **یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ** کہا اور کبھی **یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ** اور کبھی یٰسین کے لقب سے پکارا۔ اِسی طرح کلامِ مجید میں کہیں **وَالضُّحٰی** کہہ کر آپ ﷺ کے رُخِ اَنور کی قسم کھائی اور کہیں **وَاللَّیْلِ** کہہ کر آپ ﷺ کی شبِ تاریک کی مانند سیاہ زلفوں کی قسم کھائی۔ همه قرآن دَر شانِ محمد ﷺ کے مصداق پورا قرآن حکیم حضور ﷺ کی مدح اور نعت ہی تو ہے۔ اِس کے پیرایۂ اِظہار میں نعت ہی کا رنگ صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ بہ طور حوالہ چند آیات درج ذیل ہیں:

ا۔ آپ ﷺ کے شرحِ صدر، رفعِ بارِ غم اور رِفعتِ ذکر کو قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ○ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ○ الَّذِیْٓ

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○[1]

’’کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (اَنوارِ علم و حکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا ○ اور ہم نے آپ کا (غمِ اُمت کا وہ) بار آپ سے اتار دیا ○ جو آپ کی پشتِ (مبارک) پر گراں ہو رہا تھا ○ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا ○‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے ہمہ وقت آپ ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔ اِرشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○[2]

’’بے شک اللہ اور اُس کے (سب) فرشتے نبیِّ (مکرمّ ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو ○‘‘

۳۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے بارے میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○[3]

(۱) الإنشراح، ۹۴: ۱۔۴

(۲) الأحزاب، ۳۳: ۵۶

(۳) النساء، ۴: ۶۴

’’اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اِس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اِطاعت کی جائے، اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےo‘‘

۴۔ آپ ﷺ کی اِطاعت کو اپنی اِطاعت قرار دیا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًاo[1]

’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا، اور جس نے رُوگردانی کی تو ہم نے آپ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجاo‘‘

۵۔ تورات و انجیل میں آپ ﷺ کے تذکرۂ اَوصاف کے ضمن میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo[2]

’’(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر مِن جانبِ اللہ لوگوں کو اَخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اَوصاف

(۱) النساء، ۴: ۸۰

(۲) الأعراف، ۷: ۱۵۷

وکمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور اِنجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو اُنہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے ساقط فرماتے (اور اُنہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اُس نورِ (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo‘‘

۶۔ آپ ﷺ کی رِسالتِ عامہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ࣙ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔[1]

’’آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا رسول (بن کرآیا) ہوں جس کے لیے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔‘‘

۷۔ معرکۂ بدر میں کفار پر آپ ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔[2]

’’اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔‘‘

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۸

(۲) الانفال، ۸: ۱۷

۸۔ آپ ﷺ کے اپنی اُمت پر رؤوف و رحیم ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo(۱)

’’بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیںo‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی عمر مبارک کی یوں قسم کھاتا ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَo(۲)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ کی عمر مبارک کی قسم! بے شک یہ لوگ (بھی قومِ لوط کی طرح) اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیںo‘‘

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کا مشقت میں پڑنا گراں گزرا تو فرمایا:

طٰهٰo مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰىo(۳)

’’طٰہٰ (اے محبوبِ مکرّم!)o ہم نے آپ پر قرآن (اِس لیے) نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیںo‘‘

۱۱۔ آپ ﷺ کی شانِ رحمۃً للعالمینی کو درج ذیل آیت میں بیان فرمایا:

(۱) التوبہ، ۹: ۱۲۸

(۲) الحجر، ۱۵: ۷۲

(۳) طٰہٰ، ۲۰: ۱، ۲

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○[۱]

''اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر○''

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ج فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○[۲]

''(اے مسلمانو!) تم رسول (ﷺ) کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسولِ اکرم ﷺ کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول ﷺ کی ذات گرامی تمہاری مثل کیسے ہوسکتی ہے)، بے شک اللہ ایسے لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں (دربارِ رسالت ﷺ سے) چپکے سے کھسک جاتے ہیں، پس وہ لوگ ڈریں جو رسول (ﷺ) کے اَمرِ (ادب) کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کہ (دنیا میں ہی) انہیں کوئی آفت آپہنچے گی یا (آخرت میں) ان پر دردناک عذاب آن پڑے گا○''

۱۳۔ آپ ﷺ کو تمام ایمان والوں کی جانوں سے زیادہ قریب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔[۳]

---

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۷

(۲) النور، ۲۴: ۶۳

(۳) الأحزاب، ۳۳: ۶

''یہ نبیٔ (مکرم ﷺ) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ (ﷺ) کی اَزواجِ (مطہرات) ان کی مائیں ہیں۔''

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا۔ اِرشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاo وَّدَاعِیًا اِلَی اللهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًاo[1]

''اے نبیٔ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوش خبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo اور اُس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)o''

۱۵۔ آپ ﷺ کی اِن بے مثال شانوں کو ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاo لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَتُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًاo[2]

''بے شک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لیے اَعمال و اَحوالِ اُمت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کروo''

۱۶۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان بہ طریقِ نعت یوں بیان فرمائی:

---

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۴۵، ۴۶

(۲) الفتح، ۴۸: ۸، ۹

یٰسٓO وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِO اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَO[1]

’’یاسین (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)O حکمت سے معمور قرآن کی قسمO بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیںO‘‘

۱۷۔ آپ ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللهَ ط یَدُ اللهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ج فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًاO[2]

’’اے (حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے، پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اُس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عن قریب اسے بہت بڑا اَجر عطا فرمائے گاO‘‘

۱۸۔ آپ ﷺ کی آواز سے اونچی آواز کرنے اور آپ ﷺ کو دوسروں کی مثل پکارنے پر اَعمال کے ضائع ہو جانے کی وعید سناتے ہوئے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَO[3]

(۱) یٰسین، ۳۶: ۱۔۳
(۲) الفتح، ۴۸: ۱۰
(۳) الحجرات، ۴۹: ۲

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیٔ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اَعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہوجائیں اور تمہیں (ایمان اور اَعمال کے برباد ہوجانے کا) شعور تک بھی نہ ہو ○''

۱۹۔ آپ ﷺ کی آواز سے پست آواز رکھنے کو تقویٰ کا معیار قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ○[1]

''بے شک جو لوگ رسول (ﷺ) کی بارگاہ میں (اَدب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے چُن کر خالص کرلیا ہے، ان ہی کے لیے بخشش ہے اور اَجرِ عظیم ہے ○''

۲۰۔ آپ ﷺ کا واقعۂ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○[2]

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اَقصیٰ تک

(۱) الحجرات، ۴۹: ۳

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱

لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

۲۱۔ سورۃ النجم میں آپ ﷺ کے واقعہ معراج کو تفصیلاً نہایت ہی حسین پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰیo مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰیo وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیo ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰیo وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیo ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیo فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰیo فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰیo مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰیo اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰیo وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰیo عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰیo عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰیo اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰیo مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیo لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰیo (۱)

’’قسم ہے روشن ستارے (محمد ﷺ) کی جب وہ (چشمِ زدن میں شبِ معراج اوپر جا کر) نیچے اُترےo تمہیں (اپنی) صحبت سے نوازنے والے (یعنی تمہیں اپنے فیضِ صحبت سے صحابی بنانے والے رسول ﷺ) نہ (کبھی) راہ بھولے اور نہ (کبھی) راہ سے بھٹکےo اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo اُن کا اِرشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو اُنہیں کی جاتی ہےo ان کو بڑی قوتوں والے (رب) نے (براہِ راست) علمِ (کامل) سے نوازاo جو حسنِ مُطلَق ہے، پھر اُس (جلوۂ حُسن) نے (اپنے) ظہور کا ارادہ فرمایاo اور وہ (محمد ﷺ شبِ معراج عالمِ مکاں کے) سب سے اونچے کنارے پر تھے (یعنی عالمِ خلق کی انتہاء پر

(۱) النجم، ۵۳: ۱۔۱۸

تھے)○ پھر وہ (ربّ العزّت اپنے حبیب محمد ﷺ سے) قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوگیا○ پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم ﷺ میں صِرف) دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا (اِنتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہوگیا)○ پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی○ (اُن کے) دل نے اُس کے خلاف نہیں جانا جو (اُن کی) آنکھوں نے دیکھا○ کیا تم ان سے اِس پر جھگڑتے ہو کہ جو انہوں نے دیکھا○ اور بے شک انہوں نے تو اُس (جلوۂ حق) کو دوسری مرتبہ (پھر) دیکھا (اور تم ایک بار دیکھنے پر ہی جھگڑ رہے ہو)○ سِدرۃ المنتہٰی کے قریب○ اسی کے پاس جنت المأویٰ ہے○ جب نورِ حق کی تجلّیات سِدرَۃ (المنتہٰی) کو (بھی) ڈھانپ رہی تھیں جو کہ (اس پر) سایہ فگن تھیں○ اور اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)○ بے شک انہوں نے (معراج کی شب) اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں○''

۲۲۔ آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کو یوں بیان فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ○[1]

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزیّن اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متصف ہیں)○''

۲۳۔ آپ ﷺ کے شہر کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ○[2]

''میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں○ (اے حبیبِ مکرم!) اس لیے کہ آپ

(۱) القلم، ۶۸: ۴

(۲) البلد، ۹۰: ۱۔۳

اس شہر میں تشریف فرما ہیں○ (اے حبیبِ مکرم! آپ کے) والد (آدم یا اِبراہیم علیہما السلام) کی قسم اور (اُن کی) قسم جن کی ولادت ہوئی○‘‘

۲۴۔ آپ ﷺ کے چہرۂ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسموں اور چند دیگر خصائل کا تذکرہ یوں فرمایا:

وَالضُّحٰیo وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰیo مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰیo وَلَـلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی o وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰیo اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰیo وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰیo وَوَجَدَکَ عَآئِـلًا فَاَغۡنٰیo فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَـلَا تَقۡهَرۡo وَاَمَّا السَّآئِلَ فَـلَا تَنۡهَرۡo وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡo[1]

’’(اے حبیبِ مکرم!) قسم ہے چاشت (کی طرح آپ کے چہرۂ اَنور) کی (جس کی تابانی نے تاریک روحوں کو روشن کر دیا)○ اور (اے حبیبِ مکرم!) قسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی) جب وہ (آپ کے رخِ زیبا یا شانوں پر) چھا جائے○ آپ کے رب نے (جب سے آپ کو منتخب فرمایا ہے) آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی (جب سے آپ کو محبوب بنایا ہے) ناراض ہوا ہے○ اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت و رفعت) ہے○ اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے○ (اے حبیب!) کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو معزز و مکرم) ٹھکانا دیا○ اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ و گم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا○ اور اس نے آپ کو (وصالِ حق کا) حاجت مند پایا تو اس نے (اپنی دید کی لذت سے نواز

(۱) الضحی، ۹۳: ۱۔۱۱

کر ہمیشہ کے لیے ہر طلب سے) بے نیاز کر دیا ○ سو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیں ○ اور (اپنے دَر کے) کسی منگتے کو نہ جھڑکیں ○ اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں ○''

۲۵۔ آپ ﷺ کو خیرِ کثیر عطا کیے جانے کا ذکر یوں فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (۱)

''بے شک ہم نے آپ کو (ہر خیر و فضیلت میں) بے انتہا کثرت بخشی ہے ○ پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں (یہ ہدیۂ تشکر ہے) ○ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور بے نام و نشاں ہوگا ○''

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات سے حضور نبی اکرم ﷺ کے شرف و فضیلت اور رِفعت و عظمت کا پہلو اُجاگر ہو رہا ہے جب کہ نعت کا موضوع بھی یہی قرار پاتا ہے۔ اگر کوئی اِعتراض کرے کہ حضور ﷺ کی نعت پڑھنا اور سننا (معاذ اللہ) ناجائز ہے تو یہ مندرجہ بالا آیات میں بیان کیے گئے مضمون کے اِنکار کے مترادف ہوگا۔

۲۔ حضور ﷺ نے خود اپنی نعت سنی

حضور نبی اکرم ﷺ خود محفلِ نعت منعقد فرماتے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرماتے کہ وہ آپ ﷺ کی مدح میں لکھے ہوئے قصائد پڑھ کر سنائیں۔ ان کے علاوہ بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حضور ﷺ کی مدح سرائی کا شرف حاصل ہوا۔ اِس ضمن میں وارِد چند روایات درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نعت سننا

۱۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

(۱) الکوثر، ۱۰۸: ۱۔۳

كان رسول الله ﷺ يضع لحسان منبراً فی المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله ﷺ أو قالت: ينافح عن رسول الله ﷺ۔

’’حضور نبی اکرم ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے، وہ اس پر کھڑے ہوکر رسول اللہ ﷺ کے متعلق (کفار و مشرکین کے مقابلہ میں) فخریہ شعر پڑھتے یا فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دفاع کرتے۔‘‘

حدیث شریف میں وارِد لفظ ’’کَانَ‘‘ اس امر کی خبر دیتا ہے کہ یہ واقعہ بار بار ہوا اور یہ آپ ﷺ کا معمول تھا۔ آپ ﷺ ہمیشہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر پر بلاتے اور وہ حضور ﷺ کی شان میں نعت پڑھتے اور کفار کی ہجو میں لکھا ہوا کلام سناتے۔ اس سے آپ ﷺ کی عظمت و شوکت اور علومرتبت کا پتہ چلتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آگے بیان کرتی ہیں کہ حضرت حسان آپ ﷺ کی نعت پڑھتے تو آپ ﷺ خوش ہوکر فرماتے:

إن الله تعالى يؤيّد حسان بروح القدس ما يفاخر أو ينافح عن رسول الله۔(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک وہ اللہ کے رسول کے متعلق فخریہ اَشعار بیان کرتا ہے یا (اَشعار کی صورت میں) ان کا دفاع کرتا ہے۔‘‘

۲۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہے کہ اُنہوں نے حضور

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الأدب، باب فی إنشاد الشعر، ۵: ۱۳۸، رقم: ۲۸۴۶

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۷۲، رقم: ۲۴۴۸۱

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۵۵۴، رقم: ۶۰۵۸

۴۔ ابو يعلى، المسند، ۸: ۱۸۹، رقم: ۴۷۴۶

نبی اکرم ﷺ کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا:

إن روح القدس لا يزال يؤيّدک ما نافحت عن الله ورسوله. ...... هجاهم حسان فشفى واشتفى.

’’بے شک روح القدس (جبرئیل امین) تمہاری مدد میں رہتے ہیں جب تک تم اللہ اور اُس کے رسول کا دفاع کرتے ہو۔ ...... حسان نے کافروں کی ہجو کی، (مسلمانوں کو) تشفی دی اور خود بھی تشفی پائی۔‘‘

اور سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اَشعار پڑھے:

هجوت محمداً فأجبت عنه
وعند الله في ذاک الجزاء

هجوت محمداً برًّا تقيا
رسول الله شِيُمَتُه الوفاء

فإن أبي ووالده وعرضي
لِعِرُض محمد منكم وِقَاءُ[1]

(تو نے محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اِس (جواب) پر اللہ کے پاس جزا ہے۔ تو نے اس محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے جو کہ نیک، پرہیز گار، اللہ کے رسول ہیں، وفا جن کی خصلت ہے۔ پس

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۶، رقم: ۲۴۹۰

۲۔ بيهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۲۳۸

۳۔ طبراني، المعجم الکبير، ۴: ۳۸، رقم: ۳۵۸۲

۴۔ حسان بن ثابت، ديوان: ۲۰، ۲۱

بے شک میرے والد، اور ان کے والد (یعنی میرے دادا) اور میری عزت و آبرو تمہارے مقابلے میں عزت و ناموسِ محمد ﷺ کے دفاع کا ذریعہ ہے۔)

۳۔ واقعۂ اِفک میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی منافقین کے پراپیگنڈے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ثناء خوانِ مصطفیٰ ﷺ سمجھ کر انہیں معاف کر دیا اور فرمایا: حسان تو وہ ہے کہ جس نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں یہ نعت پڑھی ہے:

فإن أبي ووالده وعرضي
لِعِرْض محمدٍ منكم وِقَاءُ[1]

''پس بے شک میرے والد، اوران کے والد (یعنی میرے دادا) اور میری عزت وآبرو (اے کفار!) تمہارے مقابلے میں عزت و ناموسِ محمد ﷺ کے دفاع کا ذریعہ ہیں۔''

۴۔ حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب حديث الإفك، ۴:۱۵۱۸، رقم: ۳۹۱۰

۲۔ مسلم ،الصحيح، كتاب التوبة، باب فی حديث الإفك وقبول توبة القاذف، ۴:۲۱۳۷، رقم: ۲۷۷۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۹۷

۴۔ نسائی، السنن الكبرى، ۵:۲۹۶، رقم: ۸۹۳۱

۵۔ أبو يعلى، المسند، ۸:۳۴۱، رقم: ۴۹۳۳

۶۔ حسان بن ثابت، ديوان: ۲۱

يا حسان! أجب عن رسول الله ﷺ، اللّٰهم أيّده بروح القدس۔

''اے حسان! اللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے (کفار کو) جواب دو، اے اللہ! اِس کی روح الامین کے ذریعے مدد فرما۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔(۱)

۵۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اهجهم أو قال: هاجهم وجبريل معک۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب هجاء المشرکین، ۵: ۲۲۷۹، رقم: ۵۸۰۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة، باب الشعر فی المسجد، ۱: ۱۷۳، رقم: ۴۴۲

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۳، رقم: ۲۴۸۵

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۵۱، رقم: ۱۰۰۰۰

۵۔ أبو يعلى، المسند، ۱۰: ۴۱۱، رقم: ۶۰۱۷

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۳۷

۷۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۰۸، رقم: ۶۶۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب هجاء المشرکین، ۵: ۲۲۷۹، رقم: ۵۸۰۱

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۳۰۴۱

←

’’(اے حسان! جولوگ میرے گستاخ اور بے ادب ہیں تم نعت میں) اُن کی ہجو اور گستاخانہ کلمات کا جواب دو۔ (اِس کام میں) جبرائیل بھی تمہارے مددگار ہیں۔‘‘

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت حسان ﷺ کتنی دیر اپنا حمدیہ اور نعتیہ کلام بارگاہِ رِسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوکر تاجدارِ کائنات ﷺ کو سناتے رہے اور آپ ﷺ کو راحت پہنچاتے رہے۔

(۲) حضرت اَسود بن سریع ﷺ سے نعت سننا

حضرت اسود بن سریع ﷺ روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بارگاہِ رِسالت مآب ﷺ میں عرض کیا:

یا رسول اللہ! إنی قد مدحت اللہ بمدحة و مدحتک بأخری.

’’یا رسول اللہ! بے شک میں نے ایک قصیدہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی ہے اور دوسرے قصیدہ میں آپ کی نعت بیان کی ہے۔‘‘

اِس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الأحزاب ومخرجه إلی بنی قریظة، ۴: ۱۵۱۲، رقم: ۳۸۹۷

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۳، رقم: ۲۴۸۶

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۰۲

۶۔ طیالسی، المسند، ۱: ۹۹، رقم: ۷۳۰

۷۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۳۷

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۴: ۴۱، رقم: ۳۵۸۸

هات وابدأ بمدحة الله ﷻ۔ (1)

''آؤ اور اللہ تعالیٰ کی حمد سے اِبتداء کرو۔''

(۳) حضرت عبد اللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ سے نعت سننا

۱۔ حضرت ہیثم بن ابی سنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وعظ میں رسول اکرم ﷺ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ تمہارا بھائی عبد اللہ بن رواحہ بالکل لغویات نہیں کہتا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے درج ذیل اَشعار بیان کیے:

وفينا رسول الله يتلو كتابه
إذا انشقّ معروف من الفجر ساطع

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا
به موقنات أن ما قال واقع

يبيت يجافي جنبه عن فراشه
إذا استثقلت بالمشركين المضاجع (2)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۴، رقم: ۱۶۳۰۰
۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۸۰
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۸۷، رقم: ۸۴۲
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۸۹، رقم: ۴۳۶۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجمعة، باب فضل من تعار من الليل فصلى، ۱: ۳۸۷، رقم: ۱۱۰۴
۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب هجاء المشركين، ۵: ۲۲۷۸، رقم: ۵۷۹۹

(اور ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، جب کہ فجر طلوع ہوتی ہے۔ انہوں نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا اس کے بعد کہ ہم جہالت کی تاریکی میں تھے، چنانچہ ہمارے دل یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے کہا وہ ہوکر رہے گا۔ آپ ﷺ اس حال میں رات گزارتے ہیں کہ بستر سے آپ ﷺ کا پہلو جدا ہوتا ہے، جب کہ مشرکین کے بستر ان کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں یعنی ان کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ عمرۂ قضاء کے موقع پر مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو عبد اللہ بن رواحہ آپ ﷺ کے آگے آگے چلتے ہوئے بلند آواز سے کہہ رہے تھے:

خلُّوا بنی الکفار عن سبیله
الیوم نضربکم علی تنزیله
ضربًا یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله

(اے اولادِ کفار! آپ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، آج ہم تمہیں حکمِ قرآن کی مار ماریں گے۔ ایسی مار جو کھوپڑی کو اپنی جگہ سے دور کردے گی، اور دوست کو دوست سے جدا کردے گی۔‘‘

.... ۳۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۸: ۲۱۲، رقم: ۲۷۵۴
۴۔ بخاری، التاریخ الصغیر: ۲۳، رقم: ۷۱
۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۱
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۳۹
۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۴۶۵

اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

يا ابن رواحة! بين يدى رسول الله ﷺ وفى حرم الله تقول الشّعر؟

''اے ابن رواحہ! تم حضور ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر کہہ رہے ہو؟''

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال سنا تو اُن سے فرمایا:

خل عنه يا عمر! فلهى أسرع فيهم من نضح النبل۔[1]

''اے عمر! اِسے کہنے دو، یہ اَشعار ان کفار (کے دلوں) پر تیر برسانے سے بھی زیادہ تیز ہیں۔''

(۴) حضرت عامر بن اَکوع رضی اللہ عنہ سے مجمع عام میں نعتیہ اَشعار سننا

حضرت سلمہ بن اَکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک رات ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف جا رہے تھے۔ قافلہ میں سے کسی شخص نے میرے بھائی عامر بن اَکوع سے کہا کہ آج آپ ہمیں اپنا کوئی کلام سنائیں۔ وہ اونٹ سے اُترے اور یہ شعر پڑھنے لگے:

---

(۱) ۱۔ ترمذی نے ''الجامع الصحيح (كتاب الأدب، باب ما جاء فی إنشاد الشعر، ۵: ۱۳۹، رقم: ۲۸۴۷)'' میں اِس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ نسائی، السنن، كتاب مناسك الحج، باب إنشاد الشعر فی الحرم، ۵: ۲۰۲، رقم: ۲۸۷۳

۳۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱۳: ۱۵۱

اللّهم! لو لا أنت ما اهتدينا
ولا تصدّقنا ولا صلّينا
فاغفر فداء لک ما اتّقينا
وثبّت الأقدام إن لاقينا

(اے ہمارے پروردگار! اگر تو (اپنا محبوب ہمارے درمیان بھیج کر) ہمارے شاملِ حال نہ ہوتا تو ہم ہرگز ہدایت پاسکتے نہ ہم صدقہ و خیرات کرتے اور نہ نماز قائم کرسکتے۔ میں تجھ پر فدا! تو ہماری خطائیں معاف فرما جب تک ہم تقوی اِختیار کیے ہوئے ہیں اور جب دشمن سے ہمارا سامنا ہو تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔‘‘

یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من هذا السائق؟

’’یہ اونٹنی چلانے والا (اور میری نعت کہنے والا) کون ہے؟‘‘

صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ عامر بن اَکوع ہیں۔ حضور ﷺ نے خوش ہوکر دعا دیتے ہوئے فرمایا:

يرحمه الله۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، ۴: ۱۵۳۷، رقم: ۳۹۶۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما يجوز من الشّعر، ۵: ۲۲۷۷، رقم: ۵۷۹۶

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب غزوة خيبر، ۳: ۱۴۲۸، رقم: ۱۸۰۲

’’اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت نازل فرمائے۔‘‘

یہ حضور ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ نعت سن کر اپنے ثناء خواں کے حق میں دعا کرتے اور انہیں اپنی توجہات اور فیوضات سے مالا مال کرتے۔

۵۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے نعت سننا

حضرت خریم بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی غزوۂ تبوک سے واپسی پر حاضر ہوکر اسلام قبول کیا تو میں نے عباس بن عبد المطلب کو یہ کہتے ہوئے سنا: یا رسول اللہ! میں آپ کی مدح کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کے اِظہارِ خواہش پر حضور ﷺ نے فرمایا:

قل، لا یفضض اللہ فاک.

’’کہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کی مہر نہ توڑے (یعنی آپ کے دانت سلامت رہیں)۔‘‘

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی شانِ اَقدس میں درج ذیل نعتیہ اَشعار کہے:

من قبلها طبت فی الظلال وفی
مستودع حیث یخصف الورق

(جب حضرت آدم علیہ السلام (اور حضرت حوا علیہا السلام) اپنے اپنے جسموں کو (جنت میں) پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ اُس وقت سے بھی بہت پہلے آپ صلی اللہ

۴۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۳۱۴، رقم: ۶۸۳۰

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۲۷

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۳۲، رقم: ۶۲۹۴

علیك وآلك وسلم جنت کے سایوں اور اپنی والدہ ماجدہ کے رحم میں بھی پاکیزہ تھے۔)

ثم هبطت البلاد لا بشر
أنت ولا مضغة ولا علق

(اُن کے جنت سے زمین پر اتارے جانے کے بعد) آپ صلی اللّٰہ علیك وآلك وسلم بھی اُن کے ہمراہ زمین پر تشریف لے آئے جب کہ آپ صلی اللّٰہ علیك وآلك وسلم نہ تو قبل ازیں بشری صورت میں تھے اور نہ ہی گوشت اور علق کی حالت میں۔)

بل نطفة تركب السفين وقد
ألجم نسرا وأهله الغرق

(بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی مبارک پشت میں ایک تولیدی قطرہ کی حالت میں کشتی میں سوار تھے جب (دریا کے) غرق نے نسر (بت) اور اس کی پرستش کرنے والوں کو لگام دی تھی (یعنی طوفان کے باعث منکرینِ نوح غرق ہوگئے تھے)۔)

تنقل من صالب إلى رحم
إذا مضى عالم بدا طبق

(آپ صلی اللّٰہ علیك وآلك وسلم مقدس اَصلاب سے پاکیزہ اَرحام کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہوجاتا۔)

حتى احتوى بيتك المهيمن من
خندف علياء تحتها النطق

(یہاں تک کہ آپ صلی اللّٰہ علیك وآلك وسلم کا مبارک شرف جو آپ کے فضل پر گواہ ہے قبیلہ خندف (قریش) کے نسب کے اَعلیٰ مقام پر فائز ہوا (جب کہ دوسرے

تمام لوگ آپ کے اِس مقام سے نیچے ہیں)۔

وأنت لما ولدت أشرقت الأ
رض وضاءت بنورک الأفق

(اور جب آپ (سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود میں) بزم آرائے جہاں ہوئے تو آپ کی تشریف آوری کے باعث زمین پُرنور ہوگئی اور فضائیں جگمگا اُٹھیں۔)

فنحن فی ذلک الضیاء وفی
النور وسبل الرشاد نخترق(۱)

(ہم آپ صلی اللہ علیک وآلک وسلم کی ضیاء پاشی اور نورانیت کے صدقے ہی تو راہِ ہدایت پر گام زَن ہیں۔)

(۲) حضرت کعب سے نعت سننا اور آپ ﷺ کا اُنہیں چادر عطا فرمانا

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں: کعب بن زہیر بن ابوسلمیٰ بھاگ کر مدینہ منورہ آئے تو قبیلہ جہینہ کے ایک شناسا شخص کے پاس رات ٹھہرے، نمازِ فجر کے وقت وہ انہیں

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۳۶۹، ۳۷۰، رقم: ۵۴۱۷
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۴: ۲۱۳، رقم: ۴۱۶۷
۳۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ۱: ۵۴
۴۔ ابن أثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۲: ۱۶۵، ۱۶۶
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۱۸
۶۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۱: ۴۶
۷۔ نبہانی، الأنوار المحمدیۃ من المواهب اللدنیۃ: ۲۵

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لے گئے تو انہوں نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ کسی نے انہیں بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس تو ان کے پاس جا کر اَمان طلب کر۔ وہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ کو آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آپ سے امان طلب کرنے آیا ہے، اگر میں اسے آپ کے حاضر خدمت کروں تو کیا آپ اس کی معافی قبول فرمائیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو اس نے عرض کیا کہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ یہ سنتے ہی ایک انصاری شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے حکم دیجیے کہ میں اس دشمنِ خدا کی گردن اتار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، بے شک وہ اپنی (گزشتہ) حالت سے تائب ہو کر اور چھٹکارا پا کر آیا ہے۔ پھر انہوں نے قصیدہ بانت سعاد پڑھا:

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول

متيم أثرها لم يفد مكبول

(معشوقہ کی جدائی میں میرا دل بیمار ہے، ذلیل و غلام بنا ہوا اس کے ساتھ ساتھ ہے جو فدیہ دے کر چھوٹ نہ سکا۔)

اس قصیدہ میں انہوں نے یہ شعر بھی پڑھا:

أنبئت أن رسول الله أوعدني

والعفو عند رسول الله مأمول

(مجھے خبر دی گئی کہ بے شک رسول اللہ نے میرے لیے وعید فرمائی ہے، حالاں کہ رسول اللہ سے عفو و درگزر کی امید کی جاتی ہے۔)

پھر انہوں نے یہ شعر بھی پڑھا:

إن الرسول لنور يستضاء به
وصارم من سيوف الله مسلول[۱]

(بے شک یہ رسول نور ہیں جن سے روشنی اَخذ کی جاتی ہے، اور اللہ کی شمشیروں میں سے برہنہ شمشیر ہیں۔)

ابن قانع بغدادی (م ۳۵۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ کعب نے یہ شعر پڑھا تو حضور ﷺ نے انہیں چادر عنایت فرمائی:

فكساه النبي ﷺ بردة له، فاشتراها معاوية من ولده بمال، فهي البردة التي تلبسها الخلفاء في الأعياد۔[۲]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں چادر مبارک عطا فرمائی جسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد سے مال کے بدلہ خرید لیا، یہی وہ چادر تھی جسے خلفاء عیدوں کے موقع پر پہنتے تھے۔''

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۶۷۰۔۶۷۳، رقم: ۶۴۷۷

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۱۵۷۔۱۵۹، رقم: ۴۰۳

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۴۳

۴۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۵۹۱۔۵۹۴

۵۔ ابن ہشام، السيرة النبوية: ۱۰۱۱۔۱۰۲۱

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹: ۳۹۳

۷۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۳: ۵۸۲۔۵۸۸

(۲) ۱۔ ابن قانع، معجم الصحابة، ۱۲: ۴۴۶۶، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴۶۳، رقم: ۸۱۳

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ نعت سن کر نعت خواں کو نذرانہ کے طور پر کچھ دینا حضور ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

(۷) حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ سے نعت سننا

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر دو سو (۲۰۰) اَشعار پر مشتمل طویل قصیدہ پڑھا۔ جب انہوں نے درج ذیل اَشعار پڑھے:

ولا خير فی حلم إذا لم يكن له

بوادر تحمي صفوه أن يكدرا

ولا خير فی جهل إذا لم يكن له

حليم إذا ما أورد الأمر أصدرا

(اس حلم میں کوئی خیر نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ غصہ کی گرمی نہ ہو جو اس کے صاف ہونے کو گدلا ہونے سے بچائے، اور اس جہالت میں کوئی خیر نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی حلم والا نہ ہو جو کوئی معاملہ (بد) پیش آنے پر (اس سے) روکے۔)

تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اُسے دعا دیتے ہوئے فرمایا:

لا يفضض الله فاک.

’’اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے (یعنی تمہارے دانت سلامت رہیں)۔‘‘

راوی بیان کرتے ہیں:

وکان من أحسن الناس ثغراً، وکان إذا سقطت له سن نبتت۔(1)

’’ان کے دانت سب لوگوں سے اچھے تھے اور جب اُن کا کوئی دانت گرتا تو اس کی جگہ دوسرا نکل آتا۔‘‘

اس حدیث شریف میں حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے کنایہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی نعت بیان کی ہے۔ پہلے مصرعہ میں آپ ﷺ کے ’’حلم اور جلالت‘‘ کو ملانے کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ سراپا حلم ہیں اور وہ ڈھال بن کر پیکرِ حلم و وقار ﷺ کے وفادار رہیں گے، جب کہ دوسرے مصرع میں ’’جہالت کو حلم والے کے ساتھ‘‘ ملا کر اپنی تواضع اور اِنکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے ساتھ ملایا ہے کہ آپ ﷺ ہی اسے ہر قسم کی آفات اور مصائب و آلام سے بچا سکتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے کنایتاً آپ ﷺ کی مدح سرائی کی ہے جس سے خوش ہو کر آپ ﷺ نے اسے دعا دی۔

(۸) اَنصار کی بچیوں کی دف پر نعت خوانی

حضور نبی اکرم ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو

(1) ۱۔ حارث، المسند، ۲: ۸۴۴، رقم: ۸۹۴
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۱۲۶
۳۔ ابن حیان، طبقات المحدثین بأصبهان، ۱: ۲۷۴، رقم: ۱۱
۴۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۴: ۱۵۱۶، رقم: ۲۶۴۸
۵۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۲۶۲، ۲۶۳، رقم: ۸۱۲
۶۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۵: ۲۷۶۔۲۷۸
۷۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۶: ۳۹۴، رقم: ۸۶۴۵

اِنصارِ مدینہ کی بچیوں نے آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر دف بجا کرایک قصیدہ گایا جس کے درج ذیل اَشعار شہرتِ دوام پا گئے ہیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا ِللهِ دَاعٍ

أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ[1]

(ہم پر وداع کی چوٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، جب تک لوگ اللہ کو پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث

(۱) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، الثقات، ۱: ۱۳۱
۲۔ ابن عبد البر، التمهيد لما فی الموطأ من المعانی والأسانيد، ۱۴: ۸۲
۳۔ أبو عبيد أندلسی، معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع، ۴: ۱۳۷۳
۴۔ محب طبری، الرياض النضرة فی مناقب العشرة، ۱: ۴۸۰
۵۔ بيهقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، ۲: ۵۰۷
۶۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۲: ۵۸۳
۷۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۳: ۶۲۰
۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۲۶۱
۹۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۲۹
۱۰۔ قسطلانی، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۶۳۴
۱۱۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۴: ۱۰۰، ۱۰۱
۱۲۔ أحمد بن زينی دحلان، السيرة النبوية، ۱: ۳۲۳

ہونے والے نبی! آپ ایسے اَمر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اِطاعت کی جائے گی۔)

(۹) امام بوصیریؒ کو نعتیہ قصیدہ لکھنے پر بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے چادر اور شفایابی کا تحفہ عطا ہوا

صاحبِ ''قصیدہ بردہ'' امام شرف الدین بوصیری (۶۰۸۔۶۹۶ھ) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے زمانے کے متبحر عالمِ دین، شاعر اور شہرۂ آفاق ادیب تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا جن کی بناء پر اُمراء و سلاطینِ وقت آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ ایک روز جا رہے تھے کہ سرِ راہ ایک نیک بندۂ خدا سے آپ کی ملاقات ہوگئی، انہوں نے آپ سے پوچھا: بوصیری! کیا تمہیں کبھی خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟ آپ نے اس کا جواب نفی میں دیا لیکن اس بات نے ان کی کایا پلٹ دی اور دل میں حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق و محبت کا جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ہر وقت آپ ﷺ کے خیال میں مستغرق رہنے لگے۔ اِسی دوران میں آپ نے چند نعتیہ اَشعار بھی کہے۔

پھر اچانک ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کا آدھا جسم بیکار ہوگیا، وہ عرصہ دراز تک اس عارضہ میں مبتلا رہے اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ اس مصیبت و پریشانی کے عالم میں امام بوصیریؒ کے دل میں خیال گزرا کہ اس سے پہلے تو دنیاوی حاکموں اور بادشاہوں کی قصیدہ گوئی کرتا رہا ہوں کیوں نہ آقائے دوجہاں ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر اپنی اس مرضِ لادوا کے لیے شفاء طلب کروں؟ چنانچہ اس بیماری کی حالت میں قصیدہ لکھا۔ رات کو سوئے تو مقدر بیدار ہوگیا اور خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ عالم خواب میں پورا قصیدہ آقائے کائنات ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ امام بوصیری کے اس کلام سے آپ ﷺ اس درجہ خوش ہوئے کہ اپنی چادر

مبارک ان پر ڈالی اور اپنا دستِ شفاء پھیرا جس سے دیرینہ بیماری کے اثرات جاتے رہے اور وہ فوراً تندرست ہوگئے۔ اگلی صبح جب آپ اپنے گھر سے نکلے تو سب سے پہلے جس شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی وہ اس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابو الرجاء تھے۔ انہوں نے امام بوصیریؒ کو روکا اور درخواست کی کہ وہ قصیدہ جو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح میں لکھا ہے اُنہیں بھی سنائیں۔ امام بوصیریؒ نے پوچھا کہ کون سا قصیدہ؟ انہوں نے کہا: وہی قصیدہ جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

أمن تذكر جيران بذى سلم

مزجت دمعا جرى من مقلة بدم

(کیا تو نے ذی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کرنے کی وجہ سے گوشۂ چشم سے بہنے والے آنسو کو خون سے ملا دیا ہے؟)

آپ کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ اس کا تذکرہ تو میں نے ابھی تک کسی سے نہیں کیا، پھر آپ کو کیسے پتہ چلا؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم جب آپ یہ قصیدہ آقائے دو جہاں ﷺ کو سنا رہے تھے اور آپ ﷺ خوشی کا اظہار فرما رہے تھے تو میں بھی اسی مجلس میں ہمہ تن گوش اسے سن رہا تھا۔ اس کے بعد یہ واقعہ مشہور ہوگیا اور اس قصیدہ کو وہ شہرتِ دوام ملی کہ آج تک اس کا تذکرہ زبان زدِ خاص و عام ہے اور اس سے حصولِ برکات کا سلسلہ جاری ہے۔

قصیدہ بردہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے امام بوصیریؒ سے خوش ہوکر اپنی چادر مبارک ان کے بیمار جسم پر ڈالی اور اپنا دست شفاء پھیرا جس کی برکت سے وہ فوراً شفاء یاب ہوگئے۔ لہٰذا اس چادرِ مصطفیٰ ﷺ کی نسبت سے اس قصیدہ کا نام ''**قصیدہ بردہ**'' مشہور ہوا۔[1]

(۱) خرپوتی، عصيدة الشهدة شرح قصيدة البردة: ۳-۵

حضور ﷺ کے ثناء خواں صحابہ کرام ﷺ کی فہرست

بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام ﷺ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی نعت گوئی اور نعت خوانی کا شرف حاصل ہوا۔ اِمام التابعین محمد ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) عہدِ نبوی کے نعت گو شعراء میں سے چند کا ذکر یوں کرتے ہیں:

كان شعراء النبى ﷺ: حسان بن ثابت، وكعب بن مالك، وعبد الله بن رواحة، فكان كعب بن مالك يخوّفهم الحرب، وكان حسان يقبل على الأنساب، وكان عبد الله بن رواحة يعيّرهم بالكفر۔(۱)

''حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبد اللہ بن رواحہ ﷺ کا شمار حضور نبی اکرم ﷺ کے شعراء میں ہوتا تھا۔ پس حضرت کعب بن مالک ﷺ دشمنانِ رسول کو جنگ سے ڈراتے، اور حضرت حسان ﷺ اُن کے نسب پر طعن زنی کرتے، اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ ﷺ انہیں کفر کا (طعنہ دے کر) شرم دلاتے تھے۔''

علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۹۷ھ) نے بھی شاعر صحابہ کرام ﷺ میں سے چند کا ذِکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وقد أنشده جماعة، منهم العباس وعبد الله بن رواحة، وحسّان، وضمار، وأسد بن زنيم، وعائشة، فى خَلْق كثير قد ذكرتهم فى كتاب الأشعار۔(۲)

---

(۱) ابن أثير، أسد الغابة فى معرفة الصحابة، ۴: ۲۶۱

(۲) ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفى ﷺ: ۲۶۳

’’بہت سے لوگوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو (نعتیہ) اَشعار سنائے، جن میں حضرت عباس، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت حسان، حضرت ضمار، حضرت اَسد بن زنیم، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بہت سے دیگر صحابہ شامل ہیں جو شاعری کے دیوان میں مذکور ہیں۔‘‘

ذیل میں ثناء خوانِ مصطفیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اَسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ (م۳۲ھ)(۱)

۲۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (م۳ھ)(۲)

۳۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب (م۱۰ نبوی)(۳)

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۳۶۹، ۳۷۰، رقم: ۵۴۱۷

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۴: ۲۱۳، رقم: ۴۱۶۷

۳۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴۶۳

۴۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ۱: ۵۴

۵۔ ابن أثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۲: ۱۶۵، ۱۶۶

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۱۸

۷۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۱: ۴۶

۸۔ نبہانی، الأنوار المحمدیۃ من المواہب اللدنیۃ: ۲۵

(۲) ۱۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ: ۲۱۲، ۲۱۳

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۵۰۳، ۵۰۴

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء إذا قحطوا، ۱: ۳۴۲، رقم: ۹۶۳

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب ما جاء فی الدعاء فی الاستسقاء، ۱: ۴۰۵، رقم: ۱۲۷۲

←

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م۱۳ھ)[(۱)]

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (م۲۳ھ)[(۲)]

۶۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (م۳۵ھ)[(۳)]

۷۔ حضرت علی کرم اللہ وجھہ (م۴۰ھ)[(۴)]

۸۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (م ۵۸ھ)[(۵)]

۹۔ سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا (م ۱۱ھ)[(۶)]

...... ۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۳

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۳۵۲

۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۴۶۔۲۵۳

۶۔ بیہقی، دلائل النبوۃ و معرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ، ۶: ۱۴۲، ۱۴۳

۷۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۴۷۱، ۴۷۲

(۱) أبو زید قرشی، جمہرۃ أشعار العرب: ۱۰

(۲) أبو زید قرشی، جمہرۃ أشعار العرب: ۱۰

(۳) أبو زید قرشی، جمہرۃ أشعار العرب: ۱۰

(۴) أبو زید قرشی، جمہرۃ أشعار العرب: ۱۰

(۵) ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴۶۳

(۶) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ، ۴: ۱۶۱۹، رقم: ۴۱۹۳

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ، ۲: ۱۰۳، رقم: ۱۶۳۰

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب فی البکاء علی المیت، ۴: ۱۲، رقم: ۱۸۴۴

۱۰۔ سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہما (م ۲۰ھ)[1]

۱۱۔ شیما بنت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا[2]

۱۲۔ حضرت ابو سفیان بن الحارث (ابن عم النبی ﷺ)[3]

۱۳۔ حضرت عبد اللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ (م ۸ھ)[4]

.... ۴۔ أحمد بن حنبل، ۳: ۱۹۷، رقم: ۱۳۰۵۴

۵۔ دارمی، السنن: ۵۶، رقم: ۸۸

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۵۹۱، ۵۹۲، رقم: ۶۶۲۲

۷۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۸

۸۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۶۱۱، رقم: ۴۳۹۶

۹۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۴۱۶، رقم: ۱۰۲۹

۱۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۳۱۱

۱۱۔ ذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام (السیرة النبویة)، ۱: ۵۶۲

۱۲۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۴: ۲۵۴

(۱) حافظ شمس الدین بن ناصر دمشقی، مورد الصادی فی مولد الهادی

(۲) عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۷: ۱۶۵، ۱۶۶، رقم: ۱۱۳۷۸

(۳) ۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۴: ۱۶۷۵

۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الأصحاب، ۶: ۱۴۲، ۱۴۳

(۴) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فضل من تعار من اللیل فصلی، ۱: ۳۸۷، رقم: ۱۱۰۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب هجاء المشرکین، ۵: ۲۲۷۸، رقم: ۵۷۹۹

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب ما جاء فی إنشاد الشعر، ۵: ۱۳۹، رقم: ۲۸۴۷

۱۴۔ حضرت کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ (م ۵۱ھ)(۱)

۱۵۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)(۲)

------ ۴۔ نسائی، السنن، کتاب مناسك الحج، باب إنشاد الشعر فی الحرم، ۵: ۲۰۲، رقم: ۲۸۷۳

۵۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۸: ۲۱۲، رقم: ۲۷۵۴

۶۔ بخاری، التاریخ الصغیر: ۲۳، رقم: ۷۱

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۱

۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۳۹

۹۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴۶۳

۱۰۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۴۶۵

۱۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۳: ۱۵۱

(۱) ابن أبی عاصم، الآحاد والمثانی: ۲۶۳، رقم: ۱۱۷۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب الشعر فی المسجد، ۱: ۱۷۳، رقم: ۴۴۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۳۰۴۱

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب من أحب أن لا یسب نسبہ، ۳: ۱۲۹۹، رقم: ۳۳۳۸

۴۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الأحزاب ومخرجه إلی بنی قریظة، ۴: ۱۵۱۲، رقم: ۳۸۹۷

۵۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب حدیث الإفك، ۴: ۱۵۱۸، رقم: ۳۹۱۰

۶۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ھجاء المشرکین، ۵: ۲۲۷۹، رقم: ۵۸۰۰، ۵۸۰۱

←

۱۶۔ حضرت زہیر بن صُرد الجُشمی رضی اللہ عنہ[1]

۱۷۔ حضرت عباس بن مرداس السلمی رضی اللہ عنہ[2]

۱۸۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ (صاحبِ قصیدہ بانت سعاد)[3]

...... ۷۔ مسلم ،الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۳ ، رقم: ۲۴۸۵، ۲۴۸۶

۸۔ مسلم ،الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۶ ، رقم: ۲۴۹۰

۹۔ مسلم ،الصحیح، کتاب التوبة، باب فی حدیث الإفك وقبول توبة القاذف، ۴: ۲۱۳۷، رقم: ۲۷۷۰

۱۰۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب فی إنشاد الشعر، ۵: ۱۳۸، رقم: ۲۸۴۶

(۱) ۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۲: ۹۷، ۹۸، رقم: ۷۲۳

۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الأصحاب، ۲: ۳۲۵، رقم: ۱۷۶۹

(۲) ۱۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۹۴۹، ۹۷۷

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۲: ۳۶۲۔۳۶۴، رقم: ۱۳۸۷

۳۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۳: ۵۴۷۔۵۵۳

(۳) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۶۷۰۔۶۷۳، رقم: ۶۴۷۷

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۱۵۷۔۱۵۹، رقم: ۴۰۳

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۴۳

۴۔ ابن إسحاق، السیرة النبویة: ۵۹۱۔۵۹۴

۱۹۔ حضرت عبد اللہ بن الزِبَعری رضی اللہ عنہ [1]

۲۰۔ حضرت ابوعزہ الجُمحی رضی اللہ عنہ [2]

۲۱۔ حضرت قتیلہ بنت الحارث القرشیہ رضی اللہ عنہا [3]

۲۲۔ حضرت مَالک بن نمط الہمدانی رضی اللہ عنہ [4]

۲۳۔ حضرت انس بن زنیم رضی اللہ عنہ (اناس بن زنیم) [5]

۲۴۔ حضرت اُسَید بن سلمۃ السلمی رضی اللہ عنہ [6]

...... ۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱۰۱۱۔۱۰۲۰

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹: ۳۹۳

۷۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴۶۳، رقم: ۸۱۳

۸۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۳: ۵۸۲۔۵۸۸

(۱) ۱۔ ابن إسحاق، السیرۃ النبویۃ: ۵۳۶

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۹۴۲، ۹۴۳

۳۔ ابن أثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۳: ۲۳۹، ۲۴۰، رقم: ۲۹۴۶

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۵۵۵

(۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۶۳۵، ۶۳۶

(۴) ۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱۰۸۹

۲۔ ابن أثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۵: ۴۶، ۴۷، رقم: ۴۶۵۱

(۵) ۱۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ: ۵۳۹، ۵۴۰

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۹۴۷

۳۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴۶۳

(۶) ۱۔ ابن أثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۱: ۲۵۳، ۲۵۴، رقم: ۱۹۱

۲۔ عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۱: ۸۵، ۸۶، رقم: ۲۱۱ ←

۲۵۔ رئیسِ ہوازن حضرت مالک بن عوف النصری رضی اللہ عنہ (۱)

۲٦۔ حضرت قَیس بن بحر الاشجعی رضی اللہ عنہ (۲)

۲۷۔ حضرت عمرو بن سُبَیع الرہاوی رضی اللہ عنہ (۳)

۲۸۔ حضرت نابغہ الجعدی رضی اللہ عنہ (م ۷۰ھ) (۴)

۲۹۔ حضرت مازن بن الغضوبہ الطائی رضی اللہ عنہ (۵)

۳۰۔ حضرت الأعشی المازِنی رضی اللہ عنہ (٦)

---

(۱) ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱۰۰۲، ۱۰۰۳

(۲) ۱۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۷٦۰، ۷٦۱

۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۴: ۳۹۴، رقم: ۴۳۲۷

(۳) ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۴: ۲۱۴، ۲۱۵، رقم: ۳۹۳۲

(۴) ۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۴: ۱۵۱٦، رقم: ۲٦۴۸

۲۔ ابن جوزی، الوفا بأحوال المصطفی ﷺ: ۴٦۲، ۴٦۳، رقم: ۸۱۲

۳۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۵: ۲۷٦۔۲۷۸، رقم: ۵۱٦۲

(۵) ۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۳: ۱۳۴۴

۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۵: ۴، رقم: ۴۵۵۳

۳۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۵: ۲۱، ۲۲، رقم: ۷۵۸۴

(٦) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۷: ۵۳

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۱: ۲۲۹، رقم: ۱۵۹

۳۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۱: ۲۵٦، ۲۵۷، رقم: ۱۹٦

۳۱۔ حضرت فضالہ اللّیثی رضی اللہ عنہ (۱)

۳۲۔ حضرت عمرو بن سالم الخزاعی رضی اللہ عنہ (۲)

۳۳۔ حضرت اَسید بن ابی اُناس الکنانی (۳)

۳۴۔ حضرت عمرو بن مُرّہ الجہنی رضی اللہ عنہ (۴)

۳۵۔ حضرت قیس بن بحر الاشجعی رضی اللہ عنہ (۵)

۳۶۔ حضرت عبد اللہ بن حارث بن قیس رضی اللہ عنہ (۶)

۳۷۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (۷)

۳۸۔ حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ (۸)

---

(۱) ۱۔ فاکہی، أخبار مکة فی قدیم الدھر وحدیثه، ۲: ۲۲۲، ۲۲۳
۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۴: ۳۴۷، رقم: ۴۲۳۳
۳۔ عسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابة، ۴: ۳۴۶، رقم: ۶۹۹۹

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۳۳
۲۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۹۲۳
۳۔ ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۴: ۲۱۲، ۲۱۳، رقم: ۳۹۲۹

(۳) ابن أثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۱: ۲۳۶، رقم: ۱۶۱

(۴) ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۲: ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۲۷

(۵) ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱۶۷

(۶) ۱۔ ابن اسحاق، السیرة النبویة: ۲۵۴
۲۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۲۹۳

(۷) حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۱: ۱۰۴

(۸) ۱۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۴۰۷، ۴۰۸
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۲: ۲۲۵

۳۹۔ حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ [(۱)]

۴۰۔ حضرت اَسود بن سریع رضی اللہ عنہ [(۲)]

۴۱۔ حضرت عامر بن اَکوع رضی اللہ عنہ [(۳)]

۴۲۔ حضرت اُم معبد عاتکہ بن خالد الخزاعی رضی اللہ عنہا [(۴)]

---

(۱) ۱۔ سہیلی، الروض الأنف فی تفسیر السیرة النبویة لابن ہشام، ۲: ۳۲۲

۲۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۲: ۵۷۰

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۴، رقم: ۱۶۳۰۰

۲۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۱۸۰

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۸۷، رقم: ۸۴۲

۴۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۸۹، رقم: ۴۳۶۵

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، ۴: ۱۵۳۷، رقم: ۳۹۶۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما یجوز من الشّعر، ۵: ۲۲۷۷، رقم: ۵۷۹۶

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب غزوة خیبر، ۳: ۱۴۲۸، رقم: ۱۸۰۲

۴۔ أبو عوانہ، المسند، ۴: ۳۱۴، رقم: ۶۸۳۰

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۲۷

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۳۲، رقم: ۶۲۹۴

(۴) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۲۳۰، ۲۳۱

۴۳۔ دخترانِ مدینہ[1]

۴۴۔ حبشی وفد[2]

۴۵۔ حضرت عمرو جنّی (جن صحابی)[3]

---

(۱) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، الثقات، ۱: ۱۳۱

۲۔ ابن عبد البر، التمهيد لما فی الموطأ من المعانی والأسانيد، ۱۴: ۸۲

۳۔ أبو عبيد أندلسی، معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع، ۴: ۱۳۷۳

۴۔ محب طبری، الرياض النضرة فی مناقب العشرة، ۱: ۴۸۰

۵۔ بيهقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، ۲: ۵۰۷

۶۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۲: ۵۸۳

۷۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۳: ۶۲۰

۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۲۶۱

۹۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۲۹

۱۰۔ قسطلانی، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۱: ۶۳۴

۱۱۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ۴: ۱۰۰، ۱۰۱

۱۲۔ أحمد بن زينی دحلان، السيرة النبوية، ۱: ۳۲۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۵۲

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۱۷۹، رقم: ۵۸۷۰

۳۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۵: ۶۰، رقم: ۱۶۸۱

۴۔ هيثمی، موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان: ۴۹۳، رقم: ۲۰۱۲

(۳) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۱۹

۲۔ سهيلی، الروض الأنف فی تفسير السيرة النبوية لابن هشام، ۲: ۳۲۴

یہ تمام ہستیاں حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح سرائی نہ صرف شعر گوئی کی صورت میں کرتی تھیں بلکہ مجلس کی صورت میں نعت خوانی بھی کرتی تھیں۔ آج دنیا میں جہاں بھی محافلِ نعت منعقد ہوتی ہیں وہاں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر نعت خواں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کلام بھی بہ طور تبرک پڑھا جاتا ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ممدوحِ خالقِ کائنات رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح خوانی کرنا، آپ ﷺ کی نعت پڑھنا، سننا اور محافلِ نعت منعقد کرنا قرآن وسنت کے عین مطابق جائز اور مطلوب اَمر ہے۔ شعراء صحابہ کی کثیر تعداد سے واضح ہے کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ان کے معمولات میں شامل تھی۔ اسی طرح ہم جب محفلِ میلاد منعقد کرتے ہیں تو اِنہی جلیل القدر صحابہ و اَکابرینِ اُمت کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ یہ عمل قرونِ اُولیٰ سے لے کر آج تک جاری ہے جو ایک سچے اور کامل مومن کی نشانی ہے۔

فصل چہارُم

صلوٰۃ وسلام

محافلِ میلاد النبی ﷺ کا ایک اَہم جزو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا ہے۔ صلوٰۃ وسلام ایک منفرد عمل ہے جو مقبولِ بارگاہِ اِلٰہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے قرب و رضا کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ فوری اَثرات و نتائج کے حامل اَعمال میں اِسے خاص اَہمیت حاصل ہے کیوں کہ یہ عمل اللہ رب العزت اور ملائکہ کی سنت ہے۔ وہ ہمہ وقت محبوبِ رب العالمین ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ جملہ اہلِ ایمان کو بھی صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکمِ خداوندی ہے۔ اِس حکم کے تحت محبوبِ کائنات ﷺ پر ہمہ وقت درود و سلام بھیجنا اہلِ ایمان کا وظیفۂ حیات ہے۔ جب آمدِ مصطفیٰ ﷺ کا دن آتا ہے تو اہلِ محبت کے درود و سلام پر مشتمل اِس عملِ خیر میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور ہر طرف صَلِّ علٰی کے نغمے گونجتے سنائی دیتے ہیں۔

۱۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا اللہ تعالیٰ کی سنت اور حکم ہے

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo (۱)

’’بے شک اللہ اور اُس کے (سب) فرشتے نبیِّ (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کروo‘‘

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۵۶

صلوٰۃ وسلام کا قرآنی حکم مطلق ہے، عملِ درود و سلام ایک ایسی عبادت ہے جس میں وقت، جگہ یا کیفیت کی کوئی پابندی نہیں۔ آپ کسی بھی حالت میں، بیٹھ کر، لیٹ کر یا کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھ سکتے ہیں۔ جس طرح آپ اِسے محفلِ میلاد سے باہر پڑھ سکتے ہیں اُسی طرح محفلِ میلاد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ حالتِ قیام میں سلام پڑھنا زیادہ فضیلت کا حامل ہے کیوں کہ یہ کمالِ اَدب و اِحترام پر دلالت کرتا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی مذکورہ آیت کے لفظ تسلیمًا کے ذریعے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں سلام پیش کرنے کے آداب ہی سکھائے جا رہے ہیں۔ صلوٰۃ بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ انسانی ماحول، ضرورت اور زمانے کے تغیرات سے اَحکام میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے مگر سنتِ الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کی اس سنت کو اَبدی، دائمی اور آفاقی قانون کا درجہ حاصل رہتا ہے جو ہر دور میں بعینہٖ ایک ہی شکل میں قائم و برقرار رہتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا ۝[۱]

''سو آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ۝''

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم و توقیر کا بڑی تاکید سے حکم فرمایا ہے:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔[۲]

''تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو ۝''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں اپنی آوازیں پست رکھنے کا حکم دیا گیا،

---

(۱) فاطر، ۳۵: ۴۳

(۲) الفتح، ۴۸: ۹

اِرشاد فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ⭘[1]

’’اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی (مکرّم ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اَعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہوجائیں اور تمہیں (ایمان اور اَعمال کے برباد ہوجانے کا) شعور تک بھی نہ ہو⭘‘‘

پس جس طرح تعظیم و توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کا حکم ہے اسی طرح آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہوئے ادب و احترام ضروری اَمر ہے۔

۲۔ سلام کی اَہمیت

قرآن حکیم کی رُو سے سلام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے ان واقعات اور مواقع کا ذکر کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء اور صلحاء پر سلام بھیجا۔ ایسی آیات کریمہ سے سلام کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے:

۱۔ میلادِ یحییٰ علیہ السلام پر سلام کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا⭘[2]

’’اور یحییٰ پر سلام ہو اُن کے میلاد کے دن اور اُن کی وفات کے دن اور جس

(۱) الحجرات، ۴۹: ۲

(۲) مریم، ۱۹: ۱۵

دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گےo‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے کلام کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّاo(۱)

’’اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن اور میری وفات کے دن اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گاo‘‘

ان آیاتِ کریمہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے اَیامِ ولادت و بعثت اور وفات پر سلام کے تناظر میں حضور نبی اکرم ﷺ کے یومِ ولادت کے موقع پر سلام پڑھنے کی اَہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ تمام انبیاء اور رُسل علیہم السلام پر **من حیث المجموع** سلام بھیجتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo(۲)

’’اور سلام ہو پیغمبروں پرo‘‘

۴۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنی حمد اور اپنے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجنے کا حکم فرمایا:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔(۳)

’’فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کے منتخب (برگزیدہ) بندوں پر سلامتی ہو۔‘‘

(۱) مریم، ۱۹: ۳۳

(۲) الصافات، ۳۷: ۱۸۱

(۳) النحل، ۲۷: ۵۹

قرآن حکیم نے انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ طریقہ اور سنت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے پاس بہرِ ملاقات آنے والے ہرفرد کو سلام کہتے۔ ذیل میں چند آیات بطورنمونہ دی جاتی ہیں:

۵۔ وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ۔ (۱)

’’اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ (ان سے شفقتًا) فرمائیں کہ تم پر سلام ہو۔‘‘

۶۔ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ سَلٰمٌ۔ (۲)

’’اور بے شک ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوش خبری لے کر آئے انہوں نے سلام کیا (ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً) سلام کیا۔‘‘

۷۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ اِنَّا مِنْکُمْ وَجِلُوْنَo (۳)

’’جب وہ ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہوں نے (آپ کو) سلام کہا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ ہم آپ سے کچھ ڈر محسوس کر رہے ہیںo‘‘

۸۔ ایمان والوں کو گھر میں داخل ہونے پر سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَo (۴)

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو

(۱) الأنعام، ۶: ۵۴

(۲) ہود، ۱۱: ۶۹

(۳) الحجر، ۱۵: ۵۲

(۴) النور، ۲۴: ۲۷

یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور وفکر کروo‘‘

۹۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً۔(۱)

’’پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) پر سلام کہا کرو (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے۔‘‘

۱۰۔ لیلۃ القدر میں جب جبرائیل امین علیہ السلام لاکھوں فرشتوں کے جلو میں سطحِ زمین پر نزول کرتے ہیں تو طلوعِ فجر تک ان کا سلسلۂ سلام جاری رہتا ہے۔ سورۃ القدر میں ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍo سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِo(۲)

’’اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے (خیر و برکت کے) ہر اَمر کے ساتھ اترتے ہیںo یہ (رات) طلوعِ فجر تک (سراسر) سلامتی ہےo‘‘

اس رات سپیدۂ سحر نمودار ہونے تک ہر طرف سے سلام کی صدائیں آتی رہتی ہیں۔

۱۱۔ جب اہلِ ایمان کی میدانِ حشر میں آمد ہوگی تو حضور نبی اکرم ﷺ کے صدقے ان کی آپس میں ملاقات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا استقبال سلام سے ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) النور، ۲۴: ۶۱

(۲) القدر، ۹۷: ۴، ۵

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍo[۱]

’’(تم پر) سلام ہو، (یہ) ربِ رحیم کی طرف سے فرمایا جائے گاo‘‘

۱۲۔ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ۔[۲]

’’جس دن وہ اس سے ملیں گے ان (کی ملاقات) کا تحفہ سلام ہوگا۔‘‘

جب اللہ سے ملاقات اور دیدارِ الٰہی کے لیے انہیں بلایا جائے گا تو اس دن سلام کا خاص تحفہ ان کی نذر کیا جائے گا، یہ سلام لمحاتِ وصل کا خصوصی تحفہ اور اَرمغانِ خاص ہوگا۔

۱۳۔ اللہ بزرگ و برتر نے اپنے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجنے کو بہت اہمیت دی ہے۔ قیامت کے دن جب وہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا تو وہاں پر ان کا استقبال اللہ رب العزت کی طرف سے کلماتِ سلام سے کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کا ذکر ہے:

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔[۳]

’’اور وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔‘‘

۱۴۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍo سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِo[۴]

’’(جہاں) سدا بہار باغات ہیں ان میں وہ لوگ داخل ہوں گے اور ان کے

(۱) یٰسں، ۳۶: ۵۸
(۲) الأحزاب، ۳۳: ۴۴
(۳) الأعراف، ۷: ۴۶
(۴) الرعد، ۱۳: ۲۳، ۲۴

آباء و اَجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی نیکوکار ہوگا اور فرشتے ان کے پاس (جنت کے) ہر دروازے سے آئیں گے (انہیں خوش آمدید کہتے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے)o تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں، پس (اب دیکھو) آخرت کا گھر کیا خوب ہےo‘‘

۱۵۔ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَo[1]

’’جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (نیکی و اِطاعت کے باعث) پاکیزہ اور خوش وخرم ہوں (ان سے فرشتے قبضِ روح کے وقت ہی کہہ دیتے ہیں:) تم پر سلامی ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اُن (اَعمالِ صالحہ) کے باعث جو تم کیا کرتے تھےo‘‘

۱۶۔ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِo[2]

’’تو (اس سے کہا جائے گا:) تمہارے لئے دائیں جانب والوں کی طرف سے سلام ہے (یا اے نبی! آپ پر اَصحابِ یمین کی جانب سے سلام ہے)o‘‘

اس مضمون سے جس چیز کی وضاحت مقصود ہے اور جس نکتے پر زور دینا مطلوب ہے وہ سلام کی اَہمیت وخصوصیت سے متعلق ہے۔ سلام کو عام کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ، جبرائیل علیہ السلام اور تمام ملائکہ کی سنت ہے۔ شبِ قدر میں آسمانوں کی بلندیوں سے فرشتوں کا روئے زمین پر نزولِ اِجلال ساکنانِ عالمِ بالا کا معمول ہے۔ مومنین اور مقبولانِ الٰہی کا جنت میں داخلہ سلام سے ہوگا اور لقائے الٰہی کے وقت صالح اور نیکوکار بندوں کا اِستقبال بھی سلام کے تحفے سے کیا جائے گا۔ اَنبیاء کرام علیہم السلام کا معمول رہا ہے کہ اپنی ولادت کے دن کے حوالے سے ان کی زبانوں پر قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق

(۱) النحل، ۱۶: ۳۲

(۲) الواقعة، ۵۶: ۹۱

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ کے کلمات تھے۔ یہ اِرشادِ خداوندی سلام کی خصوصی اَہمیت و معنویت پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ سلام کی مستقل حیثیت

قرآن حکیم کے درجِ ذیل اِرشاد پر عمل کے اعتبار سے بعض ذہنوں میں مغالطہ پایا جاتا ہے:

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo(۱)

’’بے شک اللہ اور اُس کے (سب) فرشتے نبیِّ (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کروo‘‘

اللہ رب العزت کا یہ فرمان اہلِ ایمان کے نام پیغام ہے۔ اللہ رب العزت نے صلوٰۃ اور سلام میں فرق اور امتیاز کیا ہے، بعض لوگ سلام کے تصور یا سلام کے جداگانہ تشخص پر اعتراض کرتے ہیں اور تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سلام پہلے ہی صلوٰۃ (درودِ ابراہیمی) میں شامل کر دیا گیا ہے، جیسا کہ مذکور ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ان کے نزدیک سلام، صلوٰۃ ہی کا حصہ ہے۔ اس لیے اس کی علیحدہ سے کوئی ضرورت نہیں۔ یہ نقطۂ نظر درست نہیں کیوں کہ سلام، صلوٰۃ کا حصہ ہونے کے باوجود ایک

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۵۶

جداگانہ تشخص رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں دو باتوں کا حکم دیا ہے:

۱۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ (تم ان پر درود بھیجا کرو)۔

۲۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (اور خوب سلام بھیجا کرو)۔

یہاں باری تعالیٰ نے صلوۃ وسلام دونوں کا الگ الگ بیان فرمایا ہے لہٰذا جس طرح دو الگ الگ حکم ہیں ان کی تعمیل کے تقاضے بھی الگ الگ ہیں، اور آپ ﷺ کی بارگاہِ میں صلوٰۃ وسلام دونوں کے نذرانے پیش کیے جائیں گے۔

درج ذیل پہلوؤں سے سلام کی اہمیت مزید اجاگر ہوتی ہے:

(۱) حمد کی قبولیت بہ واسطۂ سلام

سلام کی اہمیت اِس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی قبولیت کا انحصار سلام پر ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۱)

’’آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے اُن (باتوں) سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ○ اور (تمام) رسولوں پر سلام ہو ○ اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ○‘‘

اِن آیات میں اللہ رب العزت اپنی تعریف وتحمید میں مشغول بندوں سے فرما رہا ہے کہ میری ذات تمہاری تعریفوں کی حد اور گنجائش سے کہیں بلند و برتر ہے۔ تم میری تعریف اور مدح وستائش کا حق ادا ہی نہیں کرسکتے۔ میری عظمت اور بزرگی کا ادراک تمہارے بس کی بات نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری تعریفیں مجھ تک رسائی پا سکیں اور

(۱) الصافات، ۳۷: ۱۸۰۔۱۸۲

تمہاری حمدیں میری بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازی جائیں تو اس کے لیے تمہیں میرے پیغمبروں پر سلام بھیجنا ہوگا۔ سلام ہی ذریعۂ مدح و ستائش ہے۔ جب تک انبیاء و رسل کے واسطہ سلام کو درمیان میں نہ لایا جائے گا تب تک تمہاری تعریفوں اور حمدوں کی رسائی مجھ تک نہ ہو سکے گی۔ سو مجھ تک رسائی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ''**سلام علی المرسلین**'' یعنی انبیاء و مرسلین پر سلام بھیجنے سے مشروط ہے۔ تمہارا پیغمبروں پر سلام بھیجنا رافعِ حمد بن جائے گا اس لیے کہ ان پر بھیجا ہوا سلام ہمیشہ قابلِ قبول ہوتا ہے۔ صلوۃ اور سلام کی معیت میں آئی ہوئی حمد کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں اور وہ ہمیشہ میری بارگاہ تک رسائی حاصل کر لیتی ہے۔

(۲) تشہد میں سلام

نماز میں تشہد کا آغاز کلماتِ حمد سے کیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ بعد ازاں شہادت ہے جس میں توحید اور رِسالت کی گواہی دی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ پر درود اور آخر میں دعا ہے۔ اِس طرح حالتِ تشہد میں دعا کے ساتھ نماز کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو پورے تشہد میں کل چار چیزیں ہوتی ہیں:

۱۔ **حمد:** تشہد کا حصۂ اوّل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی تعریف کے لیے وقف ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ

۲۔ **سلام:** دوسرا حصہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اَقدس پر سلام کے لیے مختص ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ

اِس طرح ایک حصہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اور ایک حصہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے خاص ہے۔

۳۔ **شہادت:** تیسرا حصہ شہادت ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے لیے مشترک ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اِس میں نصف حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور نصف حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔

۴۔ **صلوٰۃ:** چوتھا حصہ صلوٰۃ ہے جو خالصتاً رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

چنانچہ تشہد کے اَجزائے ترکیبی کا تناسب جو اللہ تعالیٰ کو مقبول ہے یہ ہے کہ عبادت کا اڑھائی حصہ رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کے لیے خاص ہے جبکہ ڈیڑھ حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے لیے خاص ہے ۔اِس کے ساتھ جب دعا کو ملایا جائے تو ہماری نماز اور دعا قبول ہوتی ہے۔ تکمیلِ صلوٰۃ کے بعد خروج عن الصلوٰۃ کے لیے بھی سلام ہی کفایت کرتا ہے، اِس لیے کہ نماز کو عملِ سلام پر ہی ختم کیا جائے گا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

اور یہ سلام حضور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ آپ ﷺ کی اُمت کے اَولیاء و صالحین، مومنین اور تمام اَفرادِ اُمت کے لیے ہے۔ گویا ہر طرف سلام ہی سلام ہے۔

اس بحث سے سلام کی اہمیت اور اس کے بارے میں تاکید کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم سلام سے کیسے گریز کر سکتے ہیں؟

(۳) صلوٰۃ کے بعد سلام بھیجنے کا حکمِ نبوی ﷺ

حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اَز راہِ ہدایت تلقین فرمائی ہے کہ وہ جہاں

کہیں بھی ہوں صلوٰۃ کے بعد آپ ﷺ پر سلام بھیجتے رہیں۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

وصلّوا عليّ وسلّموا حيثما كنتم، فَسَيَبْلُغُنِی سلامكم وصلاتكم۔[1]

''اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود و سلام بھیجتے رہا کرو، تمہارے درود وسلام مجھ تک (خود) پہنچتے ہیں۔''

اِس حدیث شریف میں دو باتوں کی تلقین کی گئی ہے: ایک صلوٰۃ اور دوسرا سلام۔ لہٰذا جب حضور ﷺ کا واضح اِرشاد ہے کہ ''مجھ پر درود پڑھو اور سلام بھیجو'' تو پھر ہم اِنہیں کیسے ایک تصور کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے نام لیواؤں کو یہی تلقین فرمائی کہ مجھ پر صلوٰۃ اور سلام بھیجا کرو۔

۴۔ درود وسلام کی بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں رسائی

اُمتی کا یہ نذرانہ بارگاہِ سرورِ کونین ﷺ میں مختلف طریقوں سے پہنچتا ہے جس

---

(۱) ۱۔ ابن اسحاق أزدی، فضل الصلاة علی النبی ﷺ: ۳۵، رقم: ۲۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۷، رقم: ۸۷۹۰
۳۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۲: ۱۵۰، رقم: ۷۵۴۲
۴۔ ابن کثیر کی 'تفسیر القرآن العظیم (۳: ۵۱۵)' میں بیان کردہ روایت میں فَسَیَبْلُغُنِی کی بجائے فَتَبْلُغُنِی کا لفظ بیان کیا گیا ہے۔
۵۔ عسقلانی نے بھی ''لسان المیزان (۲: ۱۰۶)'' میں فَتَبْلُغُنِی کا لفظ ذکر کیا ہے۔
۶۔ ہندی نے 'کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال (۱: ۴۹۸، رقم: ۲۱۹۹)'' میں لکھا ہے کہ اِسے حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔

کا ثبوت متعدد احادیث سے ملتا ہے۔ ذیل میں ہم اُن اَحادیث مبارکہ کو متعلقہ عنوانات کے تحت بیان کر رہے ہیں:

(۱) درود و سلام کا بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں براہِ راست پہنچنا

یہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اُمتی جہاں کہیں بھی ہوں اُن کی طرف سے پیش کیا جانے والا درود و سلام بلاواسطہ خود بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں پہنچتا ہے۔ اس کے لیے احادیث میں تَبْلُغُنِي، فَتَبْلُغُنِي، يَبْلُغُنِي، فَسَيَبْلُغُنِي وغیرہ جیسے اَلفاظ وارد ہوئے ہیں، جو لغوی اعتبار سے معروف کے صیغے ہیں مجہول کے نہیں، اور اِن صیغوں کا فاعل خود صلاتکم اور سلامکم ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے ظاہر ہے:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلّوا عليّ، فإنّ صلاتكم تَبلُغُنِي حيث كنتم۔(۱)

(۱) ۱۔ أبوداؤد، السنن، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ۲: ۱۷۶، رقم: ۲۰۴۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۷

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۱۵۰، رقم: ۷۵۴۲

۴۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۸۲، ۸۳، رقم: ۸۰۳۰

۵۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۳: ۴۹۱، رقم: ۴۱۶۲

۶۔ مقريزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۱۱: ۵۹، ۷۱

۷۔ ابن قيم، جلاء الأفهام فی الصلاة والسلام علی خير الأنام ﷺ: ۴۲، رقم: ۶۱

۸۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۳: ۵۱۴

۹۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۴۸۸

''مجھ پر درود بھیجتے رہو، بے شک تمہاری طرف سے بھیجے گئے درود (خود) مجھ تک پہنچتے ہیں خواہ تم کہیں بھی ہو۔''

۲۔ حضرت علی بن حسین اپنے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

فإن تسليمكم يَبْلُغُنِي أين ما كنتم۔[1]

''پس تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارے سلام مجھ تک (خود) پہنچتے ہیں۔''

۳۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

صلّوا عليّ وسلّموا، فإن صلاتكم وسلامكم يَبْلُغُنِي أين ما كنتم۔[2]

''مجھ پر درود وسلام بھیجتے رہا کرو، بے شک تمہارے درود وسلام (خود) مجھ تک پہنچتے ہیں اگرچہ تم جہاں بھی ہو۔''

۴۔ سیدنا حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۱: ۳۶۱، رقم: ۴۶۹
۲۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۲: ۴۹، رقم: ۴۲۸
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۴: ۳
۴۔ عسقلانی، لسان الميزان، ۲: ۱۰۶

(۲) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۱۲: ۱۳۱، رقم: ۶۷۶۱
۲۔ ابن قيم، جلاء الأفهام فی الصّلاة والسّلام علی خير الأنام ﷺ: ۴۲، رقم: ۶۰

حيثما كنتم فصلّوا عليّ، فإن صلاتكم تَبْلُغُنِي۔[1]

’’تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجتے رہا کرو، بے شک تمہارے درود مجھ تک پہنچتے ہیں۔‘‘

۵۔ سیدنا حسن بن حسین رضی اللہ عنہما ہی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

وصلّوا عليّ، فإن صلاتكم تَبْلُغُنِي حيثما كنتم۔[2]

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۸۲، رقم: ۲۷۲۹
۲۔ أحمد بن حنبل نے ’’المسند (۲: ۳۶۷)‘‘ میں ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے۔
۳۔ طبرانی نے ’’المعجم الأوسط (۱: ۲۳۸، رقم: ۳۶۷)‘‘ میں راوی کا نام حسین بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم لکھا ہے۔
۴۔ عبد الرزاق نے ’’المصنف (۳: ۵۷۷، رقم: ۶۷۲۶)‘‘ میں اسے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔
۵۔ دولابی، الذریة الطاہرة: ۷۳، رقم: ۱۹۹
۶۔ منذری نے ’’الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف (۲: ۳۶۲)‘‘ میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے ’’المعجم الکبیر‘‘ میں حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔
۷۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۰: ۱۶۲
۸۔ ابن قیم، جلاء الأفہام فی الصّلاة والسّلام علی خیر الأنام ﷺ: ۴۲، رقم: ۶۱

(۲) ۱۔ ابن إسحاق أزدی، فضل الصّلاة علی النبی ﷺ: ۴۵، رقم: ۳۰
۲۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۲: ۱۵۰، رقم: ۷۵۴۳
۳۔ عبد الرزاق نے ’المصنف (۳: ۷۱، رقم: ۴۸۳۹)‘ میں یہ روایت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔

’’اور مجھ پر درود بھیجتے رہا کرو، بے شک تمہارے درود (خود) مجھ تک پہنچتے ہیں اگرچہ تم جہاں بھی ہو۔‘‘

(۲) درود و سلام براہِ راست حضور ﷺ سماعت کرتے ہیں

درود شریف وہ مقبول ترین اور پاکیزہ عمل ہے جس میں ربِ کائنات بھی اپنے ملائکہ اور بندوں کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب گرامی ﷺ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ اپنے اُمتیوں کا درود و سلام سُنتے ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

أکثروا الصّلاة عليّ يوم الجمعة، فإنه يوم مشهود تشهده الملائكة، ليس من عبد يصلي عليّ إلا بلغني صوته حيث كان۔

’’جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، بے شک جمعہ کا دن یومِ مشہود ہے (کیوں کہ) اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ جو آدمی مجھ پر درود پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کسی بھی جگہ پڑھے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ کی وفات کے بعد بھی ہم یہ عمل جاری رکھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

وبعد وفاتي، إن الله عزوجل حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء۔[1]

(۱) ۱۔ ابن قیم نے ”جلاء الأفهام فی الصّلاة والسّلام علی خیر الأنام ﷺ (ص: ۶۳، رقم: ۱۰۸)‘‘ میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔
۲۔ ہیتمی، الدرّ المنضود فی الصّلاة والسّلام علی صاحب المقام المحمود ﷺ: ۱۵۵، ۱۵۶

’’(ہاں) میری وفات کے بعد بھی (تم یہ عمل جاری رکھو)، بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔‘‘

اِس حدیث مبارکہ میں بَلَغَنِي صَوتُهُ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی فرشتہ صلوٰۃ وسلام حضور ﷺ کی بارگاہ تک نہیں پہنچاتا بلکہ آپ ﷺ خود بلاواسطہ درود وسلام پڑھنے والے کی آواز سماعت فرماتے ہیں۔ اس میں دور و نزدیک کی قید ہے نہ کسی کا پہنچانا شرط ہے بلکہ خود حضور ﷺ کا سننا ثابت ہے۔ اَعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ) نے کیا خوب کہا ہے:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام(۱)

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جو آپ ﷺ پر نزدیک سے درود بھیجتے ہیں، دور سے درود بھیجتے ہیں اور بعد میں آنے والے بھی بھیجیں گے، کیا یہ سب درود آپ ﷺ کو پیش کیے جاتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

أسمع صلاة أهلِ محبتي وأعرفهم۔(۲)

...... ۳۔ سخاوی نے ’’القول البديع في الصّلاة على الحبيب الشفيع (ص: ۱۵۸، ۱۵۹)‘‘ میں کہا ہے کہ اِسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔
۴۔ نبہانی، حجّة الله على العالمين في معجزات سيّد المرسلين ﷺ: ۷۱۳

(۱) احمد رضا خان، حدائقِ بخشش، ۲: ۲۰۶

(۲) ۱۔ جزولی، دلائل الخيرات وشوارق الأنوار في ذكر الصّلاة على النّبي المختار ﷺ: ۱۸
۲۔ فاسی، مطالع المسرّات بجلاء دلائل الخيرات وشوارق الأنوار في ذكر الصلاة على النبي المختار ﷺ: ۸۱

’’میں اہلِ محبت کا درود خود سنتا ہوں اور اُنہیں پہچانتا (بھی) ہوں۔‘‘

اِس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اہلِ محبت کا درود نہ صرف خود سُنتے ہیں بلکہ بھیجنے والوں کو پہچانتے بھی ہیں، اگرچہ وہ دور کسی مقام پر اور بعد کے کسی زمانے میں ہی کیوں نہ ہوں۔

(۳) حضور ﷺ سلام کا جواب بھی عطا فرماتے ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ نہ صرف اُمت کی طرف سے بھیجا جانے والا درود و سلام سُنتے ہیں بلکہ اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من أحد يسلّم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحی، حتی أردّ عليه السّلام۔(۱)

’’جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح واپس لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروِی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ۲: ۱۷۵، رقم: ۲۰۴۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۲۷

۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۸۴، رقم: ۳۱۱۶

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۲۴۵

۵۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۲۱۷، رقم: ۱۵۸۱

۶۔ منذری، الترغیب و الترهیب من الحدیث الشریف، ۲: ۳۶۲، رقم: ۲۵۷۳

۷۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۰: ۱۶۲

ما من مسلم سلّم عليّ فی شرق ولا غرب، إلا أنا وملائکة ربّی نردّ علیه السّلام۔[1]

''مشرق و مغرب میں جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے میں اور میرے رب کے فرشتے اُس کے (بھیجے ہوئے) سلام کا جواب دیتے ہیں۔''

(۴) ملائکہ کا بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں سلام پیش کرنا

حضور نبی اکرم ﷺ کی شان ہے کہ خود بھی اپنے غلاموں کا درود وسلام سنتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے اَدباً حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں آپ ﷺ کی اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

من صلی علیّ فی یوم الجمعة و لیلة الجمعة مائة مرة، قضی الله له مائة حاجة: سبعین من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنیا، ثم یوکّل الله بذالک ملکًا یدخله فی قبری کما یدخل علیکم الهدایا، یخبرنی من صلی علیّ باسمه و نسبه إلی عشیرته،

---

(۱) ۱۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۶: ۳۴۹
۲۔ مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۱۱: ۵۹
۳۔ ابن قیم، جلاء الأفهام فی الصلاة والسلام علی خیر الأنام ﷺ: ۱۹، رقم: ۲۰
۴۔ سخاوی، القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ﷺ: ۱۵۶

فأثبته عندی فی صحیفة بیضاء۔[1]

’’جوشخص مجھ پر جمعہ کے روز اور جمعہ کی رات درود پڑھے اللہ اُس کی سو حاجتیں پوری کرتا ہے، ستر آخرت کی اور تیس دُنیا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو (اُس کی طرف سے) میری قبر میں اِس طرح درود پیش کرتا ہے جس طرح تمہیں ہدیے پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ مجھے اُس آدمی کے نام و نسب کی اُس کے خاندان سمیت خبر دیتا ہے، پس میں اُسے اپنے پاس سفید صحیفے میں ثبت (ریکارڈ) کر لیتا ہوں۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن ﷲ ملائکة سیّاحین فی الأرض، یبلّغونی من أمتی السلام۔[2]

---

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۱۱، رقم: ۳۰۳۵

۲۔ فیروز آبادی، الصلات والبشر فی الصلاة علی خیر البشر ﷺ: ۷۷

۳۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۵: ۲۱۹

۴۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۷: ۳۷۲

۵۔ سخاوی، القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ﷺ: ۱۵۶

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب السہو، باب السلام علی النبي، ۳: ۴۱، رقم: ۱۲۸۲

۲۔ نسائی، عمل الیوم واللیلة: ۱۶۷، رقم: ۶۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۸۷، ۴۴۱، ۴۵۲

۴۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۰۹، رقم: ۲۷۷۴

’’اللہ ﷻ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر پھرتے رہتے ہیں، اور میری اُمت کی طرف سے جو سلام بھیجا جاتا ہے مجھے پہنچاتے ہیں۔‘‘

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أكثروا عليّ من الصلاة فی كل يوم جمعة، فإنّ صلاة أمّتی تُعرَض عليّ فی كلِّ يوم جمعة، فمن كان أكثرهم عليّ صلاة كان أقربهم منّی منزلة۔ [1]

...... ۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۱۹۵، رقم: ۹۱۴

۶۔ بزار، البحر الزخار، ۵: ۳۰۷، ۳۰۸، رقم: ۱۹۲۴، ۱۹۲۵

۷۔ أبویعلی، المسند، ۹: ۱۳۷، رقم: ۵۲۱۳

۸۔ عبد الرزاق، المصنف، ۲: ۲۱۵، رقم: ۳۱۱۶

ابن حبان کی بیان کردہ روایت کی اسناد امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں اور اس کے رِجال ثقہ ہیں۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جبکہ ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ ابن قیم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۱۰، رقم: ۳۰۳۲

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۲۴۹، رقم: ۵۷۹۱

۳۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۸۱، رقم: ۲۵۰

۴۔ منذری، الترغیب والترهیب من الحدیث الشریف، ۲: ۳۲۸، رقم: ۲۵۸۳

۵۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۱۳۶

۶۔ مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۱۱: ۶۲

۷۔ ابن قیم، جلاء الأفهام فی الصلاة والسلام علی خیر الأنام ﷺ: ۴۰، رقم: ۵۶

←

’’ہر جمعہ کے روز مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھو، بے شک میری اُمت کا درود ہر جمعہ کے دن مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ پس جس نے مجھ پر کثرت سے درود بھیجا وہ مرتبہ کے اِعتبار سے سب سے بڑھ کر میرے قریب ہوگا۔‘‘

اِن اَحادیثِ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ دور و نزدیک ہر جگہ سے اپنے اُمتیوں کی طرف سے پیش کیا جانے والا درود وسلام سنتے ہیں۔ فرشتہ صرف اَز رُوئے اَدب آپ ﷺ کی بارگاہ میں اُمتیوں کی طرف سے پیش کیا جانے والا درود و سلام پہنچاتا ہے، ورنہ آپ ﷺ تک تمام اُمتیوں کے درود و سلام کی نہ صرف آواز پہنچتی ہے بلکہ آپ ﷺ جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ اتنے واضح اَحکامات اور کثیر فضائل کے باوُجود بھی اگر کوئی صلاۃ وسلام پر اِعتراض کرے اور اِس کے لیے منعقدہ محافلِ میلاد پر طعن و تشنیع کرے تو اسے صرف بدبختی پر محمول کیا جائے گا۔ انہیں چاہیے کہ قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں حقائق کی معرفت حاصل کریں۔

ہم نے اِس فصل میں درود وسلام کی فضیلت و اَہمیت بارے صرف چند احادیث بیان کی ہیں، ورنہ اِس موضوع پر احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، ائمہ نے اِس موضوع پر الگ کتب تالیف کی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب **البدر التمام فی الصلوٰۃ علیٰ صاحبِ الدُّنُوّ والمقام** ﷺ کا مطالعہ کریں۔

۸۔ عظیم آبادی، عون المعبود علی سنن أبی داؤد، ۴: ۲۷۲

فصل پنجم

قیام

محفلِ میلاد النبی ﷺ میں بہ حالتِ قیام حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر سلام عرض کرنا محبانِ مصطفیٰ ﷺ کا خاصہ ہے اور یہ نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اہلِ اسلام پر واجب تھی اور صحابہ کرام نہایت محتاط رہتے کہ آپ ﷺ کے ادب و احترام میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے، اسی طرح آج بھی آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اُمت پر واجب ہے۔ محفلِ میلاد یا محفلِ نعت کے دوران میں آپ ﷺ پر سلام پڑھتے وقت اِحتراماً کھڑے ہونا اسی ادب و تعظیم کا تسلسل ہے۔ جس محفل میں تعظیمِ رسول ﷺ سے سرشار ہو کر قیام کیا جائے اس پر یقیناً اَنوار و برکاتِ اِلٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے تاجدارِ کائنات ﷺ کے ادب و اِحترام میں قیام کرنے کو بھی باعثِ نزاع اَمر بنا دیا ہے اور اُن کے نزدیک یہ غیر شرعی اَمر ہے۔ ذیل میں ہم اِس حوالہ سے چند ضروری اُمور زیرِ بحث لائیں گے:

۱۔ کیا قیام صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے خاص ہے؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قیام ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ان کے نزدیک قیام عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ لٰہذا کسی اور کے لیے قیام شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کی محفل میں قیام ناجائز ہے۔ یہ اِعتراض لغو اور بیہودہ ہے۔ اس لیے کہ اگر قیام عبادت کا حصہ ہے اور صرف خدا کے لیے ہے تو پھر قعود (بیٹھنا) اور لیٹنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا چاہیے کیوں کہ یہ بھی تو قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حصہ ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔[1]

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اﷲ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں عبادت اور ذکرِ الٰہی کرنے کی تین حالتیں بیان ہوئی ہیں: اٹھنا، بیٹھنا اور لیٹنا۔ اگر قیام اﷲ تعالیٰ کے لیے ہے تو پھر بیٹھنا اور لیٹنا کس کے لیے ہے؟ آیت کی رُو سے بیٹھنا بھی اﷲ تعالیٰ کے لیے خاص ہوگیا اور لیٹنا بھی اﷲ تعالیٰ کے لیے خاص ہوگیا، اگر قیام کو شرک مان لیا جائے تو قعود اور لیٹنے کی حالتیں بھی شرک قرار پائیں گی کیوں کہ یہ بھی ذکرِ الٰہی اور عبادتِ الٰہی کا جزو ہیں، پھر باقی کیا بچا؟ اس طرح تو سارا نظامِ حیات درہم برہم ہوکر رہ جائے گا اور انسان کا اﷲ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے اٹھنا، بیٹھنا اور لیٹنا سب شرک ہو جائے گا۔ لہٰذا اِن حرکات و سکنات کو صرف عبادت اور ذکرِ الٰہی کے لیے خاص کر دینا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

عبادت اور تعظیم کے درمیان فرق کی مزید وضاحت درج ذیل ہے:

(۱) عبادت کی مختلف حالتیں فی نفسہٖ عبادت نہیں

یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حالتیں فی نفسہٖ عبادت ہیں نہ ان کا شرک سے کوئی تعلق ہے کیوں کہ عبادت میں اصل چیز نیت ہے اور نیت کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إنما الأعمال بالنیات۔[2]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول الله ﷺ، ۱: ۳، رقم: ۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإمارة، باب قوله إنما الأعمال بالنیة وأنه یدخل فیه الغزو وغیره من الأعمال، ۳: ۱۵۱۵، رقم: ۱۹۰۷

''اَعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''

کوئی عمل نیت کے بغیر مقبول نہیں، لہٰذا دورانِ قیام ہاتھ باندھنے کا بھی عبادت سے کوئی تعلق نہیں جب تک کہ اس میں نیت کو شامل نہ کرلیا جائے۔ اَز رُوئے فقہ و شرع قیام کے فرائض و واجبات میں یہ شامل نہیں کہ قیام محض کھڑے ہونے کی حالت کو کہتے ہے۔ یہ ایک جداگانہ عمل ہے جس کا ہاتھ باندھنے یا نہ باندھنے سے کوئی تعلق نہیں۔ حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی طریقوں میں وہ جس طرح بھی قیام کریں سب حالتیں فقہ کی رُو سے جائز ہیں۔ ایک کے نزدیک ہاتھ باندھنا اللہ کے لیے عبادت ہے اور دوسرے کے نزدیک ہاتھ کھلے چھوڑے رکھنا، بشرطیکہ اس میں نیت کا عنصر شامل ہو۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا قیام عملِ عبادت ہے اور تمہارا ''قیام برائے تعظیم'' شرک ہے، کیوں کہ تعظیم میں عبادت کی نیت ہی شامل نہیں تو وہ شرک کیوں کر ہوگا۔ کون سی حالت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور کون سی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں، اس کے تعین کا دار و مدار نیت پر ہے، اگر قیام عبادت کی نیت سے کیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے کرنا شرک ہوگا، اگر تعظیم کے لیے ہو تو پھر شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبادت اور تعظیم میں یہ فرق بہر حال ملحوظ رکھنا لازمی ہے کہ یہ حالت عبادت کے لیے ہے اور یہ تعظیم کے لیے۔ اِس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ عبادت کا تعلق نیت سے ہے قیام سے نہیں، قیام مطلق کھڑے ہونا ہے، اس کا ہاتھوں کے ساتھ تعلق نہیں، کھولے جائیں یا باندھے جائیں برابر ہے۔

(۲) قیام عبادت ہے تو نماز کی باقی حالتیں کیا ہیں؟

اگر ہم اَرکانِ نماز پر غور کریں تو نماز کی حالتوں میں قیام کے بعد رکوع و سجود، قومہ اور قعدہ اس کا حصہ ہیں۔ قیام نماز کا حصہ ہے تو قعود بھی نماز کا حصہ ہے، قیام عبادت ہے تو قعود (بیٹھنا) بھی عبادت ہے، قیام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو قعود بھی اُسی کے لیے ہے۔ یہ سب حالتیں نماز کے فرائض و واجبات میں شامل ہیں اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ تشہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر سلام بھیجنا بھی شامل کر دیا ہے اور اسے نماز کا

جز وِلاینفک بنا دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ حالتیں غیر خدا کے لیے شرک ہوتیں تو آپ نماز میں شرک کے مرتکب ہو رہے ہوتے مگر ایسا نہیں کیوں کہ یہ حالتِ قعود و قیام اللہ تعالیٰ کے لیے عبادتاً ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لیے تعظیماً ہیں، اگر دورانِ نماز حالتِ قعود میں حضور نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام عبادتِ اِلٰہی شمار نہیں ہوا تو نماز سے باہر قیام کو عبادتِ الٰہی کیسے تصور کر لیا جائے؟

(۳) کس طرح کا قیام عبادت ہے؟

نماز میں دورانِ قیام ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جاتے ہیں، اگر کوئی نماز کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ایسا کرے گا، جیسا کہ مغربی دنیا میں کسی کی خاطر ادب بجالانے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، تو کچھ لوگ کہیں گے: **اَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيْم**، یہ عمل تو عبادت ہے لہٰذا شرک ہے۔ لیکن وہ فقہ مالکی اور جعفری کے لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو قیام کی حالت میں اپنے ہاتھ کھلے چھوڑ دیتے ہیں۔ ان مذاہب میں ارسال الیدین یعنی ہاتھوں کو کھلا چھوڑ کر قیام کرنا ہی عبادت ہے۔ تو کیا ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ ان مذاہب میں اگر وہ نماز کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسا کرتے ہیں تو شرک کے مرتکب ہوتے ہیں؟ بالکل نہیں، کیوں کہ ایسا کہنا فقدانِ علم کا نتیجہ ہوگا۔

۲۔ قیام اَز رُوئے سنت جائز ہے

گزشتہ بحث سے واضح ہوگیا ہے کہ قیام فی نفسہٖ عبادت نہیں، اِس کے عبادت قرار پانے کا دار و مدار نیت پر ہے۔ قیام ایک جائز عمل ہے خواہ وہ تعظیم کے لیے ہو یا نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا قیام ایک مسنون عمل ہے یا صرف جائز ہے؟ ذیل میں درج کی گئی تفصیلات میں اِس کا اِثبات براہِ راست اَحادیث سے کیا گیا ہے کہ قیام اَز رُوئے سنت جائز ہے:

۳۔ اَقسامِ قیام

اَحادیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ دوسروں کے لیے قیام کرنا سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے اور قیام کرنے کی مختلف وجوہ اور اَسباب ہیں۔ اِس مضمون کے پیشِ نظر متعدد اَحادیث کے بالاستیعاب مطالعہ سے قیام کی درج ذیل سات صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ قیامِ اِستقبال

۲۔ قیامِ محبت

۳۔ قیامِ فرحت

۴۔ قیامِ تعظیم

۵۔ قیامِ اِکرامِ اِنسانی

۶۔ قیامِ ذکر

۷۔ قیامِ سلام

یہ درجہ بندی اِس مضمون کی تفہیم کو زیادہ آسان اور باضابطہ بنانے کے لیے کی گئی ہے۔

(۱) قیامِ اِستقبال

کسی معزز و محترم شخصیت یا رہنمائے ملت کی آمد پر کھڑے ہو کر استقبال کرنا قیامِ استقبال کہلاتا ہے اور اس کے جواز کی اَصل سنتِ رسول ﷺ سے ماخوذ ہے۔

۱۔ غزوۂ اَحزاب کے موقع پر یہود کے قبیلہ بنو قریظہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین کی مدد کی۔ غزوہ کے بعد ان کو سزا دینے

کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ان کے حسبِ منشا فیصلہ کے لیے ان کے حلیف قبیلہ اَوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

فأرسل النّبی ﷺ إلی سعد فأتی علی حمار، فلمّا دنی من المسجد قال للأنصار: قوموا إلی سیّدکم، أو خیرکم۔[1]

’’جب حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد کو بلا بھیجا، تو وہ دراز گوش پر سوار ہو کر آئے۔ پس جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اَنصار سے فرمایا: (اے قبیلے والو!) تم اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جاؤ۔‘‘

روایت کے الفاظ – خیر کم – اِس اَمر کے براہ راست مظہر ہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں جس قیام کا حکم دیا وہ قیامِ استقبال تھا۔ اسے قیامِ تعظیم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طبیعت ناساز تھی اور حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو نیچے اترنے میں مدد دیں؟ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کتنے لوگوں کو حکم دیا

---

(۱) ۱ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب، ۴: ۱۵۱۱، رقم: ۳۸۹۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستئذان، باب قول النبي ﷺ: قوموا إلی سیدکم، ۵: ۲۳۱۰، رقم: ۵۹۰۷

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب جواز قتال من نقض العہد، ۳: ۱۳۸۸، رقم: ۱۷۶۸

۴۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب ماجاء فی القیام، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۵

ہو گا؟ ایک دو یا تین کو۔ کسی کی ناسازئ طبع کے باعث اُسے بلانے کے لیے صرف ایک یا دو آدمیوں کا بھیجا جانا ہی کافی ہوتا ہے، جب کہ یہاں حدیث کے الفاظ ہیں: **قال للأنصار: قوموا إلٰی سيدكم** (حضور نبی اکرم ﷺ نے اَنصار سے فرمایا: (اے قبیلے والو!) تم اپنے سردار کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جاؤ)۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ لہٰذا یہ گمان کرنا کہ یہ قیام تعظیم اور اِستقبال کے لیے نہیں بلکہ ایک بیمار شخص کی اِعانت کے لیے تھا، متنِ حدیث کے خلاف ہے۔ یہ ارشاد تو اس معنیٰ میں ہے کہ سیادت کی وجہ سے ان کا استقبال کرو۔ اگر ان کو اتارنا مقصود ہوتا - جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے - تو ایک یا دو اَفراد کو مامور کر دیا جاتا، تمام لوگوں کو کھڑا ہونے کا حکم نہ دیا جاتا۔ حدیث کے آخری اَلفاظ - **أو خيركم** - بھی قیامِ اِستقبال پر ہی دلالت کر رہے ہیں۔

امام ابو داؤد (۲۰۲۔۲۷۵ھ) نے یہ حدیث اپنی السنن میں ''**كتاب الأدب**'' کے باب ''**ما جاء في القيام**'' کے تحت بیان کی ہے جس میں انہوں نے دوسرے لوگوں کے لیے کھڑے ہونے کے آداب پر اَحادیث بیان کی ہیں ۔ لہٰذا یہ اِعتراض بالکل بے بنیاد ہے کیوں کہ اگر مذکورہ بالا قیام علالت کی بناء پر تھا تو محدثین اِس حدیث کو آدابِ قیام کے باب کے ذیل میں بیان نہ کرتے۔

(۲) قیامِ محبت

قیامِ محبت کے اِظہار کے لیے بھی ہوتا ہے، اسے **قيام في المحبة** یا **قيام في الحب** کہتے ہیں۔ والدین کا قیام اپنی اولاد کے لیے، استاد کا شاگرد کے لیے، شیخ کا اپنے خاص مرید کے لیے، یا کسی بڑے کا قیام چھوٹے کے لیے اس قسم کے ذیل میں آتا ہے۔ یہ قیام تین چار یا پانچ چھ سال کی عمر کے معصوم بچے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ قیام کی یہ صورت خود سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے ثابت ہے۔ اِس حوالہ سے چند اَحادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما رأيت أحداً أشبه سمتاً ودلاً وهدياً برسول الله ﷺ فی قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله ﷺ. وكانت إذا دخلت على النّبیّ ﷺ قام إليها فقبّلها وأجلسها فی مجلسه، وكان النّبیّ ﷺ إذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبّلته وأجلسته فی مجلسها۔(۱)

’’میں نے فاطمہ سلام اللہ علیہا سے زیادہ کسی کو طور طریقہ، روش اور نیک خصلتی میں حضور نبی اکرم ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا، (حضرت فاطمہؓ ان امور میں حضور نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں)۔ جس وقت وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اَقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ اُن کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے، حضور ﷺ جب ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لیے اپنی نشست سے کھڑی ہو جاتیں، دستِ اَقدس کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔‘‘

اس حدیث میں سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا اِظہارِ محبت و تعظیم میں اپنے ابا

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب المناقب، باب فضل فاطمة، ۶: ۱۷۵، رقم: ۳۸۷۲

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب ما جاء فی القيام، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۷

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۹۶، رقم: ۸۳۶۹

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۴۰۳، رقم: ۶۹۵۳

۵۔ حاکم، المستدرك علی الصحيحين، ۳: ۱۷۴، رقم: ۴۷۵۳

۶۔ ابن راهويه، المسند، ۱: ۸، رقم: ۶

جان حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کا اظہارِ محبت و فرحت میں اپنی لختِ جگر کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ اس ایک حدیث میں قیام للفرحة والمحبة اور قیام للتعظیم دونوں کا ذکر موجود ہے۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رأى النبي ﷺ النساء والصبيان مقبلين. قال: حسبت أنه قال. من عرس، فقام النبي ﷺ ممثلاً، فقال: اللّهم! أنتم من أحبّ الناس إليّ، قالها ثلاث مرار۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ راوی بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''شادی سے آتے ہوئے (دیکھا)۔'' پس آپ ﷺ خوشی سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: بخدا! تم (اَنصار) مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔ یہ کلمات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے۔''

(۳) قیامِ فرحت

یہ قیام فرطِ مسرت کے اِظہار کے لیے ہے۔ اِنسان کو جب کسی کے آنے کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب قول النبی ﷺ للأنصار: أنتم أحبّ الناس إليّ، ۳: ۱۳۷۹، رقم: ۳۵۷۴
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب ذهاب النساء والصبيان إلى العرس، ۵: ۱۹۸۵، رقم: ۴۸۸۵
۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الأنصار، ۴: ۱۹۴۸، رقم: ۲۵۰۸
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۵، رقم: ۱۲۸۲۰
۵۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۳۹۸، رقم: ۳۲۳۵۰

خوشی ہوتی ہے تو اس خوشی کا بے ساختہ اِظہار کھڑے ہو کر کرتا ہے۔ قیام کی اِس قسم کے حوالہ سے چند اَحادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ عون بن جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

لما قدم جعفر من هجرة الحبشة، تلقاه النّبيّ ﷺ، فعانقه وقبّل ما بين عينيه، وقال: ما أدري بأيّهما أنا أسرّ: بفتح خيبر أو بقدوم جعفر؟(۱)

''جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہجرتِ حبشہ سے مدینہ آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر اُن سے معانقہ کیا، اُن کی پیشانی کو چوما اور فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں سے زیادہ خوشی مجھے کس بات پر ہوئی ہے؛ فتح خیبر پر یا جعفر کے آنے پر؟''

۲۔ فتح مکہ کے روز عکرمہ یمن کی طرف بھاگ گئے تھے، ان کی اہلیہ نے اُنہیں واپس لانے میں بنیادی کردار ادا کیا اور اُن ہی کی ترغیب سے عکرمہ مسلمان ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

فلما بلغ باب رسول الله ﷺ، استبشر ووثب له رسول الله ﷺ قائماً على رجليه فرحاً بقدومه۔(۲)

''پس جب وہ رسول اکرم ﷺ کے درِ اَقدس پر پہنچے تو آپ ﷺ نہایت خوش ہوئے اور ان کے آنے کی خوشی میں کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کیا۔''

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲: ۱۰۸، رقم: ۱۴۷۰
۲۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۴: ۹۲، رقم: ۶۷۶۴

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۲۶۹، رقم: ۵۰۵۵
۲۔ بیہقی، المدخل إلى السنن الكبرى: ۳۹۸، رقم: ۷۱۰

آپ ﷺ کا یہ قیام قیام الفرحۃ تھا اس لیے کہ عکرمہ بن ابو جہل کا قبولِ اِسلام آپ ﷺ کے لیے اِنتہائی مسرت انگیز اور راحت افزاء تھا۔ آپ ﷺ ان کی آمد پر اس قدر خوش ہوئے کہ بے ساختہ اُن کے اِستقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

٣۔ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے دروازے پر دستک دی۔ آپ ﷺ جان گئے کہ کون آیا ہے، لہٰذا آپ ﷺ اُسی وقت کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ کا اس طرح کھڑے ہونا قیام الفرحۃ اور قیام الإستقبال کے ذیل میں تھا۔ محدثین نے یہ روایت اِسلامی آداب کے ذیل میں بیان کی ہے جو اِس طرح کے قیام کے جواز پر دلیل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ میری قیام گاہ میں تشریف فرما تھے۔ اُنہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا:

فقام إليه رسول الله ﷺ عرياناً يجر ثوبه، والله! ما رأيته عرياناً قبله ولا بعده فأعتنقه و قبّله۔(١)

''رسول اکرم ﷺ اپنے کپڑے سنبھالتے ہوئے فوری اُن کے اِستقبال کے لیے کھڑے ہوگئے، اللہ کی قسم! میں نے اِس سے قبل اور بعد، کبھی آپ ﷺ کو

(١) ١۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الاستئذان والآداب، باب ما جاء فی المعانقة والقبلة، ٤: ٤٥٠، رقم: ٢٧٣٢
٢۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ٤: ٩٢، رقم: ٦٧٦٥
٣۔ زیلعی، نصب الراية لأحاديث الهداية، ٤: ٢٥٦
٤۔ عسقلانی، فتح الباری، ١١: ٥٢
٥۔ عسقلانی، الإصابة فی تمييز الصحابة، ٢: ٦٠١

مکمل لباس کے بغیر (لباسِ اِستراحت میں) کسی سے ملتے نہ دیکھا۔ پس آپ ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کا بوسہ لیا۔‘‘

آقا علیہ السلام فوری طور پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر صرف اِظہارِ محبت و فرحت کے طور پر ان کی پذیرائی کے لیے آگے بڑھے تھے۔ اِس طرح آپ ﷺ نے اُمت کو آداب سکھا دیے کہ کسی پیارے کی آمد پر اس کا اِستقبال کس پر تپاک انداز سے کرنا چاہیے۔ پس چاہت اور خوشی کے عالم میں کسی کو چومنا قیامِ استقبال اور قیامِ فرحت کا اگلا قدم ہے۔

(۴) قیامِ تعظیم

یہ قیامِ تعظیم کے لیے ہے جس سے اِظہارِ اِحترام مقصود ہوتا ہے، جیسے اُمتی کا قیام نبی کے لیے، اولاد کا والدین کے لیے، مریدین کا شیخ کے لیے، شاگردوں کا استاد کے لیے اور چھوٹوں کا بڑوں کے لیے۔ یہ قیام کسی کی عزت و کرامت اور شرف و بزرگی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے اور کسی کے تقدس و اِحترام کے پیشِ نظر بھی۔

قیامِ اِستقبال اور قیامِ تعظیم میں فرق

قیامِ اِستقبال کسی کی پذیرائی کے لیے ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ اِس کا محرک تعظیم کرنے کا داعیہ ہو۔ اس کی مثال بارات میں آئے ہوئے مہمانوں کی پذیرائی ہے جن میں سے اکثر کو آپ جانتے بھی نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ملنے والا کوئی نو وارِد مہمان بھی ہوسکتا ہے جس کے اِستقبال کے لیے آپ محض رسماً کھڑے ہوجاتے ہیں جب کہ اس کے برعکس آپ اپنے استاد اور شیخ کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ قرآن حکیم کے ذکر، حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکر اور مشائخ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ کا حضور ﷺ کے لیے تعظیماً قیام کا معمول

صحابہ کرام ﷺ کا معمول تھا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے تھے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يجلس معنا في مسجد يحدّثنا، فإذا قام قمنا قيامًا حتى نراه قد دخل بعض بيوت أزواجه۔(۱)

”رسول اکرم ﷺ ہماری مجلس میں تشریف فرما ہو کر ہمارے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے تھے، پھر جب قیام فرماتے تو ہم سب بھی ساتھ ہی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ ہم آپ ﷺ کو اپنی اَزواجِ مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہوتا نہ دیکھ لیتے۔“

اِس حدیث سے واضح ہے کہ حضور ﷺ جب گھر جانے کے اِرادہ سے اپنی جائے نشست سے اُٹھتے تو صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے لیے قیام کرتے۔ حدیث کے الفاظ - فإذا قام قمنا قيامًا (پھر جب قیام فرماتے تو ہم سب بھی ساتھ ہی کھڑے ہو جاتے) - اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں کہ صحابہ کا قیام صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کی خاطر ہوتا تھا اور وہ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ آپ ﷺ اپنے حجروں میں سے کسی ایک میں داخل نہ ہو جاتے۔ یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا، ایک یا دو

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الأدب، باب في الحلم وأخلاق النبي ﷺ، ۴: ۲۴۷، رقم: ۴۷۷۵

۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۴۶۷، رقم: ۸۹۳۰

۳۔ بیہقی، المدخل إلی السنن الکبری: ۴۰۱، رقم: ۷۱۷

۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۵۲

دن کا معاملہ نہ تھا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لے جاتے تو مجلس آپ ﷺ کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی جاری رہتی تھی۔ اِس میں یہ بات خارج اَز اِمکان نہیں کہ جب آپ ﷺ مجلسِ صحابہ سے اپنے حجرۂ مبارک کی طرف جا رہے ہوتے تو کوئی راستے میں آپ ﷺ سے سوال پوچھتا یا کسی کام کے بارے میں آپ ﷺ سے اِجازت یا ہدایات طلب کرتا اور اس طرح کچھ وقت راہ میں بھی صرف ہو جاتا۔ اس کا دار و مدار موقع و محل اور صورتِ حال کی نوعیت پر ہوتا کہ راستے میں آپ ﷺ کتنا توقف فرماتے۔ بہرحال اس دوران جتنا بھی وقت صرف ہوتا، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم آپ ﷺ کو اپنے حجرۂ مبارک میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیتے۔ یہ سارا وقت صحابہ کرام مسلسل قیام کی حالت میں گزارتے، وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر اپنے گھروں کو رخصت نہیں ہوتے تھے۔ ان کا یہ قیام صرف تعظیمِ رسول ﷺ میں ہوتا تھا۔

۲۔ سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے تعظیماً کھڑی ہوتیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وكان النّبيّ ﷺ إذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبّلته وأجلسته في مجلسها۔[1]

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فضل فاطمة، ۶: ۱۷۵، رقم: ۳۸۷۲

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب ما جاء فی القیام، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۷

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۹۶، رقم: ۸۳۶۹

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۰۳، رقم: ۶۹۵۳

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۱۷۴، رقم: ۴۷۵۳

۶۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۸، رقم: ۶

''حضور ﷺ جب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لیے اپنی نشست سے کھڑی ہو جاتیں، دستِ اَقدس کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔''

۳۔ عمرو بن سائب بیان کرتے ہیں کہ اُنہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ

إن رسول اللہ ﷺ کان جالساً یوماً، فأقبل أبوہ من الرضاعة، فوضع له بعض ثوبه فقعد علیه، ثم أقبلت أمه فوضع لها شق ثوبه من جانبه الآخر، فجلست علیه، ثم أقبل أخوہ من الرّضاعة، فقام له رسول اللہ ﷺ فأجلسه بین یدیه۔(۱)

''ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھائی، پھر رضاعی والدہ آئیں تو آپ ﷺ نے چادر مبارک کی دوسری جانب ان کے لیے بچھا دی، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ ﷺ نے قیام فرما ہو کر ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔''

اِس حدیث شریف سے حضور نبی اکرم ﷺ کا رضاعی والدین کے لیے تعظیماً کھڑے ہونے کا اِثبات ہے۔

۴۔ حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أتی النّبيّ ﷺ فلما رآہ، قام إلیه وقبّل ما بین عینیه، ثم أقعدہ عن

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب فی برّ الوالدین، ۴: ۳۳۷، رقم: ۵۱۴۵

۲۔ قزوینی، التدوین فی أخبار قزوین، ۲: ۴۵۵

۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۵۲

یمینہ۔[1]

”بے شک حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی پیشانی چوم کر اپنی دائیں طرف بٹھا لیا۔“

نماز اللہ کے لیے اور اِقامت مصطفیٰ ﷺ کے لیے

جمہور اہلِ اِسلام کا اِقامتِ نماز کے وقت مسنون اور مستحب طریقہ کے مطابق حي علی الصلوة اور قد قامت الصلوٰة پر کھڑے ہونے کا معمول ہے، لیکن اس بات کو شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ اس کا آغاز کب اور کیسے ہوا اور کس نے کیا؟ اِقامت کے وقت یہ قیام فی الحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کے اِکرام و تعظیم کے لیے تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ جب وہ آقا ﷺ کو اِقامتِ نماز کے لیے آتا دیکھتے تو اَدباً و اِحتراماً کھڑے ہوجاتے۔ اس طرح یہ قیام اقامت کے لیے نہیں بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اِکرام کے لیے ہوتا تھا جس سے درحقیقت یہ اِطلاع دینا مقصود ہوتا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ اِس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز اللہ کے لیے اور اِقامت ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہوتی تھی۔ یہ انتہائی اہم نکتہ ہے جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

آج کے دور میں ہر نماز کا وقت گھنٹوں اور منٹوں کے حساب سے مقرر ہے۔ مقررہ وقت پر اذان کہی جاتی اور بعد ازاں مقررہ وقت پر اقامت کہہ کر نماز ادا کی جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دورِ نبوی ﷺ میں جب وقت کا موجودہ نظام متعارف نہیں ہوا

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱۰: ۱۱۶، رقم: ۹۲۴۶

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۲۳۵، رقم: ۱۰۵۸۰

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹: ۲۷۵

۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۶۳

تھا نماز کے لیے قیام کا طریقہ کار کیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرض نمازوں کی اذان سننے کے بعد مسجد میں آ کر سنتیں ادا کرتے اور صف بہ صف بیٹھ کر نماز کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کے منتظر رہتے۔ ان کے فرض نماز ادا کرنے کا وقت فقط آپ ﷺ کی مسجد میں تشریف آوری کا وقت ہوتا۔ ہر کوئی اس وقت تک بیٹھا رہتا جب تک آپ ﷺ تشریف نہ لاتے۔ جس وقت آپ ﷺ تشریف لاتے وہی نماز کا وقت ہوتا۔ فرض نمازوں کی ادائیگی کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اِسی فارمولا پر عمل کرتے تھے۔

مؤذنِ رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کے بعد ایک جگہ اوٹ میں کھڑے ہوکر آقا علیہ السلام کے حجرۂ مبارک کی طرف نظریں مرکوز کیے رہتے اور حضور ﷺ کے گھر سے باہر تشریف آوری کے منتظر رہتے۔ ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صفیں آراستہ کیے انتظار کی حالت میں ہوتے کہ کب آپ ﷺ امامت کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے حجرۂ مبارک سے باہر نکلنے سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک کونے میں گوش بر آواز رہتے اور حجرے کے دروازے کا پردہ سرکنے کی آواز سنتے ہی اگلی صف میں آ کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے لگتے۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جان لیتے کہ آقا علیہ السلام اپنے حجرۂ مبارک سے مسجد میں تشریف لے آئے ہیں اور وہ اپنی اپنی صفوں میں سراپا ادب وتعظیم بنے کھڑے ہو جاتے۔ یہ قیامِ تعظیم تھا جو ایک شعار اور سنت بن گیا۔

۱۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كان بلال يؤذّن إذا دحضت فلا يقيم حتى يخرج النّبيّ ﷺ، فإذا خرج أقام الصلاة حين يراه۔[1]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۳، رقم: ۶۰۶

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإمامة، ۱: ۳۹۱، رقم: ۲۰۲

''جب نماز کا وقت ہوجاتا تو بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے لیکن اُس وقت تک اِقامت نہ کہتے جب تک حضور نبی اکرم ﷺ تشریف نہ لے آتے، اور جب بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھتے تو نماز کے لیے اِقامت کہتے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اِقامت کے لیے نہیں بلاتے تھے کہ حضور! نماز کا وقت ہو گیا ہے، باہر تشریف لے آئیں۔ اِقامت سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کو اِطلاع دینا ہوتی تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نماز کے لیے تشریف لے آئے ہیں، تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ! آج بھی اِقامت کے دوران میں کھڑے ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قیامِ اِستقبال و تعظیم کی سنت کی پیروی ہے۔

ایک قیام حضرت بلال رضی اللہ عنہ آغازِ اِقامت میں کرتے اور دوسرا صحابہ رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ کر کرتے۔ قاضی عیاض (۴۷۶-۵۴۴ھ) اِس حدیث کی شرح میں قیام کی یہی دو قسمیں زیرِ بحث لائے ہیں۔ اُنہوں نے دونوں کے درمیان تقابل کرتے ہوئے خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

بأن بلالاً رضی اللہ عنہ كان يراقب خروج رسول الله ﷺ من حيث لا يراه غيره أو إلا القليل، فلأوّل خروجه أقام هو: ثم لا يقوم الناس حتى يظهر للناس ويروه، ثم لا يقوم مقامه حتى يعدلوا صفوفهم۔(۱)

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کے تشریف لانے کا انتظار کرتے رہتے تھے جہاں انہیں کوئی اور نہ دیکھ سکتا یا چند لوگ دیکھ سکتے۔ پس آپ ﷺ کی حجرے سے باہر تشریف آوری کے ساتھ ہی حضرت بلال

...... ۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۰۴، رقم: ۲۱۰۳۹

۴۔ أبوعوانة، المسند، ۱: ۳۷۲، رقم: ۱۳۵۰

(۱) قاضی عياض، إكمال المعلم بفوائد مسلم، ۲: ۵۵۶، ۵۵۷

رضی اللہ عنہ اقامت کہتے اور لوگ اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہوجاتے اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہ لیتے۔ پھر حضور ﷺ اپنی جگہ پر کھڑے نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی صفوں کو سیدھا کر لیتے۔‘‘

قاضی عیاض مزید لکھتے ہیں:

وفيه أن القيام للصّلاة لا يلتزم بالإقامة أو قوله: قد قامت الصّلاة أو حيّ على الفلاح، على ما نذكره من اختلاف العلماء، وإنما يلزم بخروج الإمام۔(۱)

’’اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لیے کھڑا ہونا اِقامت کے ساتھ خاص نہیں ہے یا یہ کہنا کہ یہ ’’قد قامت الصلوٰۃ‘‘ یا ’’حی علی الفلاح‘‘ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مصنف نے اِس بارے میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے بلکہ یہ امام کے نماز کے لیے نکلنے کے ساتھ خاص ہے۔‘‘

امام بدر الدین عینی اس حوالے سے فرماتے ہیں:

وجه الجمع بينهما أن بلالاً كان يراقب خروج النبی ﷺ من حيث لا يراه غيره أو إلا القليل، فعند أول خروجه يقيم ولا يقوم الناس حتى يروه، ثم لا يقوم مقامه حتى يعدل الصفوف۔(۲)

’’میں کہتا ہوں کہ ان دو باتوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے کا اِنتظار کرتے تھے جہاں ان کو کوئی نہ دیکھ سکے یا چند لوگ دیکھ سکیں۔ پس آپ

---

(۱) قاضی عیاض، إکمال المعلم بفوائد مسلم، ۲: ۵۵۶

(۲) عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ۵: ۱۵۴

ﷺ کے باہر تشریف آوری کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہوجاتے اور لوگ اُس وقت تک (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوتے جب تک کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ نہ لیتے۔ پھر آپ ﷺ اپنے مصلیٰ پر اُس وقت تک کھڑے نہ ہوتے جب تک (صحابہ کی) صفیں نہ سیدھی کروا لیتے۔‘‘

یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایک عاشقانہ خواہش کی تکمیل کا ذریعہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سب سے پہلے وہ زیارت کریں اور آپ ﷺ کے دیدار کرنے والے لوگوں میں ان کی آنکھیں سب سے پہلے جلوۂ یار پر مرکوز ہوں اور چہرۂ محبوب ﷺ کے تکنے والوں میں وہ سب سے بازی لے جائیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کے کلمات گویا اعلان ہوتے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہو جاتے۔ ایسا بار بار تسلسل کے ساتھ ہوتا رہا، کبھی ایسا ہوتا کہ حضور نبی اکرم ﷺ حجرۂ مبارک سے مسجد میں داخل ہونے کے بعد کسی کام کے باعث واپس چلے جاتے۔ جب متعدد بار ایسا ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ وہ اقامت کی اِبتدا میں نہ کھڑا ہوا کریں اور صرف اسی وقت کھڑے ہوں جب وہ مجھے جائے نماز پر کھڑا ہوتے دیکھیں۔ اس طرح یہ ارشادِ رسول ﷺ دوسرے حکم کی بنیاد بن گیا جس میں حي علی الصلوٰۃ اور قد قامت الصلوٰۃ کے کلمات کی ادائیگی کے وقت کھڑا ہونا مقصود تھا۔

۲۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

أقیمت الصلاة فقمنا فعدّلنا الصفوف قبل أن یخرج إلینا رسول الله ﷺ، فأتی رسول الله ﷺ حتی إذا قام فی مصلاه قبل أن یکبّر ذکر فانصرف، وقال لنا مکانکم فلم نزل قیاماً ننتظره حتی خرج إلینا۔ (۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب متی یقوم الناس للصّلاة، ۱: ۴۲۲، رقم: ۶۰۵

۲۔ بیهقی، السنن الکبری، ۲: ۳۹۸، رقم: ۳۸۷۴

''نماز کے لیے اِقامت کہہ دی گئی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے نماز کے لیے تشریف لانے سے قبل ہی کھڑے ہو کر اپنی صفیں سیدھی کر لیں۔ پس آپ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنی نماز کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہنے سے پہلے آپ ﷺ کو کوئی بات یاد آئی تو آپ ﷺ واپس مڑے اور ہمیں فرمایا: اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور ہم قیام کی حالت میں ہی آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے۔''

پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول بن گیا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ کر ہی کھڑے ہوتے تھے قطع نظر اس سے کہ آپ ﷺ حجرے سے باہر آ رہے ہیں یا کہیں اور سے، ان کا کھڑا ہونا آپ ﷺ کی تعظیم کے لیے ہوتا۔ یہ موقف درج ذیل احادیث سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے:

۳۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني۔(۱)

''جب نماز کے لیے اِقامت کہی جائے تو تم اس وقت تک نہ کھڑے ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو (صرف میری آمد پر کھڑے ہوا کرو)۔''

یہ حدیث ''صحیح بخاری''، ''صحیح مسلم'' اور ''جامع ترمذی'' کی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اِقامتِ صلوٰۃ کے حوالہ سے اُمت کو دوسرا حکم دیا جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأذان، باب متی يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة، ۱: ۲۲۸، رقم: ۶۱۱

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متی يقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۲، رقم: ۶۰۴

۳۔ ترمذي، الجامع الصحيح، کتاب الجمعة، باب کراهية أن ينتظر الناس الإمام وهم قيام عند افتتاح الصلاة، ۲: ۴۸۷، رقم: ۵۹۲

کے پہلے معمول کو تبدیل کر دیا جس کی رُو سے ائمہ حدیث کے مطابق وہ تکبیر کی صدا سن کر کھڑے ہوتے تھے۔

اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) اِس حدیث کو **کتاب الأذان** کے **باب متی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامۃ** (لوگ اِقامت کے وقت جب امام کو دیکھیں تو کب کھڑے ہوں؟)، امام مسلم (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ) **کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ** کے **باب متی یقوم الناس للصلاۃ** (لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں؟) اور امام ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ) اسے **کتاب الجمعۃ** کے **باب کراھیۃ أن ینتظر الناس الإمام وھم قیام عند إفتتاح الصلاۃ** (آغازِ نماز کے وقت لوگوں کے کھڑے ہوکر امام کے اِنتظار کرنے کی ناپسندیدگی) کے تحت لائے ہیں۔ اِن اَبواب میں موضوع کی تشریح و توضیح کے لیے اَئمہ کرام جو احادیث لائے ہیں وہ قیام ہی کے حوالے سے ہیں، اس سے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقتدی حضرات نماز کے لیے اِمام کی موجودگی یا غیر موجودگی میں کب کھڑے ہوں؟ اُنہوں نے تصریح کردی ہے کہ دورانِ اِقامت وقتِ قیام کا اِنحصار امام کو دیکھنے پر ہے اور اُس وقت صحابہ کرام ﷺ کے امام، اِمام الانبیاء حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا حکم یہ تھا کہ ''جب اِقامت پڑھی جائے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔'' حدیث کے یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ اگر ادب کرانا ملحوظ نہ ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں کو اقامت کی تکبیر کے ساتھ ہی کھڑے ہونے کا حکم دے دیتے جب کہ اس کے برعکس انہیں کہا گیا کہ جب تم دیکھ لو کہ میں امامت کے لیے آ گیا ہوں تو بلاتاخیر میرے لیے کھڑے ہوجایا کرو۔ پس ثابت ہوا کہ صحابہ ﷺ کا قیام رسول اکرم ﷺ کے لیے تھا نہ کہ نماز کے لیے اور یہ قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم تھا۔

۴۔ یہی روایت امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) نے دوسرے طریق سے حضرت ابوقتادہ ﷺ سے یوں بیان کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أقيمت الصلاة، فلا تقوموا حتى ترونى، وعليكم بالسكينة۔[1]

''جب نماز کے لیے اِقامت کہی جائے تو تم اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ اور تم اپنے اوپر سکون کو لازم رکھو (یعنی نماز کے قیام میں عجلت سے کام نہ لو)۔''

اِس حدیث سے واضح ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم تھا کہ جب تک کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو نہ دیکھ لیں دورانِ اِقامت کھڑے نہ ہوں۔ اس حکم سے یہ ثابت ہوا کہ تکبیرِ تحریمہ پر نماز کا قیام تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جب کہ اقامت پر قیام حضور نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے ہے۔ اللہ رب العزت نے نماز اپنے لیے اور اقامت اپنے محبوب ﷺ کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ لہٰذا آغازِ نماز میں پہلا قیامِ اِقامت حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے جب کہ دوسرا قیام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے۔

۵۔ اسحاق نے اپنی روایت میں معمر اور شیبان سے حدیث بیان کرتے ہوئے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

حتى ترونى قد خرجت۔[2]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب لا یسعی إلی الصلاة مستعجلاً ولیقم بالسّکینة والوقار، ۱: ۲۲۸، رقم: ۶۱۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۵: ۱۵، رقم: ۱۷۵۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأذان، باب متی یقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۲، رقم: ۶۰۴

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الجمعة، باب کراهیة أن ینتظر الناس الامام وهم قیام عند افتتاح الصلاة، ۲: ۴۸۷، رقم: ۵۹۲

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب فی الصلاة تقام ولم یأت الإمام ینتظرونه قعودا، ۱: ۱۴۸، رقم: ۵۴۰

⟵

''یہاں تک کہ تم مجھے (نماز کے لیے) نکلتا ہوا دیکھ لو۔''

۱۰۔ لوگ ''صحیح مسلم'' کا مطالعہ تو کرتے ہیں لیکن وہ اس نکتہ کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جو امام مسلم (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ) نے درجِ ذیل حدیث میں بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث کے منتخب الفاظ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے کلام سے بالخصوص متذکرہ بالا نکتہ اَلم نشرح ہوجاتا ہے۔ یہ اہم حدیث جسے ہم حدیثِ عشق بھی کہہ سکتے ہیں اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اَدب و توقیر کی تعلیم مضمر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الصّلاة کانت تقام لرسول الله ﷺ۔

''بے شک نماز رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے کھڑی کی جاتی تھی۔''

آگے بیان کرتے ہیں کہ یہ ہماری اِقامتِ نماز صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کے لیے ہوتی تھی۔ اس کی توجیہہ انہوں نے یہ بیان کی ہے:

فیأخذ الناس مصافهم قبل أن یقوم النبی ﷺ مقامه۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے (مصلی پر) اپنی جگہ پر کھڑے ہونے سے پہلے ہی لوگ اپنی ''جگہوں'' پر کھڑے ہو جاتے۔''

اِس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز کی اِقامت اس لیے کہی جاتی تھی تاکہ

.... ۴۔ أبو عوانة، المسند، ۲: ۲۸

۵۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۹۵، رقم: ۱۸۹

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۲: ۲۰، رقم: ۲۱۲۰

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب متی یقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۳، رقم: ۶۰۵

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب فی الصلاة تقام ولم یأت الإمام ینتظرونه قعوداً، ۱: ۱۴۸، رقم: ۵۴۱

لوگوں کو مطلع کیا جائے کہ وہ آپ ﷺ کی مصلیٰ پر آمد سے پیشتر ہی اپنی صفیں باندھ لیں اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوجائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ لوگ نماز کے لیے صفیں بنا لیتے بلکہ یہ کہا کہ وہ آپ ﷺ کی امامت کے لیے تشریف لانے اور مصلیٰ کو زینت بخشنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے اِستقبال و پذیرائی کے لیے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قیام قیامِ اِستقبال اور قیامِ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ تھا، قیامِ نماز کے لیے نہ تھا۔

(۵) قیامِ اِکرامِ اِنسانی

میت کا اِحترام اِکرام للاِنسان کے زمرے میں آتا ہے جو کہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے ثابت ہے۔ اس حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جنازے کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے خواہ وہ کسی غیر مسلم کا بھی ہوتا اور آپ ﷺ کا یہ قیام جسد اِنسانی کے اکرام کی وجہ سے ہوتا۔

۱۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا رأيتم الجنازة فقوموا حتى تخلفكم۔(۱)

’’جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اِحتراماً کھڑے ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے پاس سے گزر جائے۔‘‘

۲۔ دوسری روایت حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ حضور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، ۱: ۴۴۰، رقم: ۱۲۴۵

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۱: ۶۲۵، رقم: ۲۰۴۲

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۳۲۳، رقم: ۳۰۵۱

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۲۵، رقم: ۶۶۶۰

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا رأيتم الجنازة فقوموا لها، حتى تخلفكم أو توضع۔[1]

''جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اِحتراماً کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ تمہارے پاس سے گزر جائے یا کندھوں سے رکھ دیا جائے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ حکمِ قیام جسدِ اِنسانی کے احترام میں ہے۔

۳۔ اِسی اِکرامِ انسانی کے باب میں امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) نے **الصحيح** کی **كتاب الجنائز** میں **باب من قام لجنازة يهودي** قائم کیا ہے جو ایک یہودی کے جنازے سے متعلق ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مرّت بنا جنازة، فقام لها النّبيّ ﷺ وقمنا له.

''ایک جنازہ ہمارے سامنے سے گزرا تو حضور نبی اکرم ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے اور ہم سب بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوئے۔''

یہاں صحابہ کا مقامِ ادب ملاحظہ کریں کہ وہ جنازہ دیکھ کر بیٹھے نہیں رہے بلکہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، ۲: ۶۵۹، رقم: ۹۵۸

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی القيام للجنازة، ۳: ۳۶۰، رقم: ۱۰۴۲

۳۔ أبوداود، السنن، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، ۳: ۲۰۳، رقم: ۳۱۷۲

۴۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی القيام للجنازة، ۱: ۴۹۲، رقم: ۱۵۴۲

۵۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۴۰۴، رقم: ۵۵۳۷

حضور نبی اکرم ﷺ کو کھڑا ہوتے دیکھ کر فی الفور کھڑے ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے دل کی بات بتا دی۔ اُنہوں نے عرض کیا:

يارسول الله! إنها جنازة يهودي؟

’’یا رسول اللہ! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات سن لی اور فرمایا:

إذا رأيتم الجنازة فقوموا۔[۱]

’’جب تم جنازہ دیکھو تو (اِحتراماً) کھڑے ہوا کرو۔‘‘

قطع نظر اس بات کے کہ یہودی ہے یا مسلمان جب کوئی جنازہ دیکھیں تو اس کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے اور یہ قیام انسان کے مردہ جسم کا اِحترام ہے۔ جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے یہودی اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں، دونوں اِنسان ہیں اور اِحترامِ آدمیت کے اعتبار سے دونوں کا مردہ جسم اِکرام کا مستحق ہے۔

امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ)،[۲] امام مسلم (۲۰۶۔۲۶۱ھ)،[۳] امام احمد بن

---

(۱) **بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودي، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۲۴۹**

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۴

۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الجنائز، باب الجنازة تمر بالقوم أيقومون لها أم لا، ۲: ۱۴، رقم: ۲۷۱۷

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۲۶

(۲) **بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودی، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۲۵۰**

(۳) **مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، ۲: ۶۶۱، رقم: ۹۶۱**

حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ)،[1] امام نسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ)[2] اور امام طحاوی (۲۲۹۔۳۲۱ھ)[3] اسی ضمن میں مزید احادیث لائے ہیں۔

اِن اَحادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے اُمت کو تعلیم دی ہے کہ لوگ جنازے کے اِکرام کے لیے کھڑے ہو جایا کریں۔ پس وہ لوگ جو قیام کے مطلقاً قائل نہیں اُنہیں سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے کوئی ربط نہیں کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آقا علیہ السلام نے نماز کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر قیام فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے اس حد تک اَخلاقیات کا درس دیا کہ کسی انسان کا جنازہ دیکھ کر۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم۔ ہمیشہ کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ یہ قیام اِکرامِ جسدِ انسانی یعنی آدمیت کے احترام کے لیے قیام کرنا تعلیماتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

اگر کسی جنازے یا مردہ لاش کا احترام کرنا اس کا استحقاق ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اسے دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیتی ہے تو پھر میلاد پر آقائے دو جہاں ﷺ پر سلام بھیجنے کے لیے کھڑا ہونا اور نعت کی شکل میں گلہائے عقیدت پیش کرنا اور آپ ﷺ سے محبت کے اظہار کے لیے خوشی منانا اور ماہِ میلاد کے استقبال کے لیے خصوصی تقریب کا اہتمام اور قیام کیوں کر غیر شرعی فعل ہوسکتا ہے؟

(۶) قیامِ ذکر

قیام کی صورتوں میں سے ایک قیامِ ذکر ہے۔ اِس سے مراد کسی بھی دینی، تبلیغی یا

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۶

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب القیام لجنازة أهل شرك، ۴: ۴۵، رقم: ۱۹۲۱

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۱: ۶۲۶، رقم: ۲۰۴۸

(۳) طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الجنائز، باب الجنازة تمرّ بالقوم أیقومون لها أم لا، ۲: ۱۳، رقم: ۲۷۱۴

روحانی و تربیتی مقصد کے لیے کھڑا ہونا ہے جیسے درس و تدریس کے لیے معلم کا کھڑا ہونا، خطبہ کے لیے عالم کا کھڑا ہونا اور قاری کا تلاوت قرآن کے لیے کھڑا ہونا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔[1]

”یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔“

سلام محبوبِ خدا ﷺ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا ہے[2] جیسا کہ محبوب ﷺ کی اِطاعت کو اپنی اِطاعت،[3] محبوب ﷺ کی معصیت کو اپنی معصیت،[4] محبوب ﷺ کی رضا کو اپنی رضا،[5] محبوب ﷺ کی ادا کو اپنی ادا،[6] محبوب ﷺ کی ایذا کو اپنی ایذا[7] اور محبوب ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا۔[8]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۲) ۱۔ الانشراح، ۹۴: ۴

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۷۵، رقم: ۳۳۸۲

(۳) النساء، ۴: ۸۰

(۴) ۱۔ النساء، ۴: ۱۴

۲۔ الأحزاب، ۳۳: ۳۶

۳۔ الجن، ۷۲: ۲۳

(۵) التوبة، ۹: ۶۲

(۶) الأنفال، ۸: ۱۷

(۷) الأحزاب، ۳۳: ۵۷

(۸) النساء، ۴: ۱۴

ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ذکرِ خدا ہے

خالقِ کائنات نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلق عظیم، عجز و اِنکسار اور مقامِ عبدیت میں درجۂ کمال پر پہنچنے کے باعث آپ ﷺ کے ذکر کو دنیا کی ہر چیز پر بلندی و رفعت کا موردِ ٹھہرایا۔ اِرشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ○[1]

’’اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذِکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند کر دیا ○‘‘

اِس اِرشادِ خداوندی کی تفسیر ایک حدیث مبارکہ کے مضمون سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ﷺ روایت کرتے ہیں:

أنَّ رسول اللہ ﷺ قال: أتانی جبریل، فقال: إن ربّی وربّکَ یقولُ لک: کیف رفعتُ ذکرکَ؟ قال: اللہ أعلمُ. قال: إذا ذُکِرتُ ذُکِرتَ معی۔[2]

---

(۱) الانشراح، ۹۴: ۴

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۷۵، رقم: ۳۳۸۲

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۵۲۲، رقم: ۱۳۸۰

۳۔ خلال نے ’’السنۃ (۱: ۲۶۲، رقم: ۳۱۸)‘‘ میں اِس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔

۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۴: ۴۰۵، رقم: ۷۱۷۶

۵۔ ہیثمی، موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان: ۴۳۹، رقم: ۱۷۷۲

۶۔ ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، ۱۰: ۳۴۴۵، رقم: ۱۹۳۹۳

←

”رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے کہا: بے شک آپ کا اور میرا رب آپ سے اِستفسار فرماتا ہے: میں نے آپ کا ذکر کیسے بلند کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے حبیب!) جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔“

اِس حدیثِ قدسی کی رُو سے ذکرِ الٰہی اور ذکرِ رسول ﷺ ایک ساتھ کرنا ضروری ہے۔ حبیبِ خدا ﷺ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے الگ نہ کیا جائے۔ بصورتِ دیگر وہ عمل بارگاہِ صمدیت میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکے گا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے، اِس لیے یہ دونوں ذکر ایک ساتھ ایک ہی حالت میں کرنا جائز ہے۔ ذکرِ خدا بہ حالتِ قیام جائز ہے تو ذکرِ مصطفیٰ ﷺ بہ صورتِ درود و سلام بھی جائز ہے۔

(۷) قیامِ صلوٰۃ و سلام

قیام کی متعدد صورتوں میں سے ایک قیامِ سلام ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر صلوٰۃ و سلام اَدب و تعظیم سے سرشار کیفیت میں کھڑے ہو کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ قیام متعدد درجاتِ قیام کا مجموعہ ہے، مثلاً قیامِ محبت، قیامِ فرحت، قیامِ تعظیم، قیامِ ذکر اور قیامِ صلوۃ و سلام۔ جب ہم محفلِ میلاد میں قیامِ سلام کو لیتے ہیں جس میں آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں سلام پڑھا جاتا ہے تو پھر قیام اور عدمِ قیام کی تمیز پر مبنی ساری بحث محض سعی لاحاصل ہے۔ اس کا میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قیام قیامِ استقبال ہے ہی نہیں۔ اس لیے ہم سرے سے اس بحث ہی کو لغو سمجھتے ہیں کہ استقبال کے

۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۷۱۲

۸۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۲۴

۹۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۸: ۵۴۹

لیے قیام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ درحقیقت یہ قیامِ تعظیم ہوتا ہے بلکہ اس پر مستزاد قیامِ فرحت اور قیامِ محبت اس کا محرک ہے۔ قیام کی یہ تمام صورتیں بلاخوفِ تردید حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت پر مبنی ہیں اور اس پر کسی قسم کی اختلاف رائے یا تکرار کرنے کا کوئی محل نہیں۔

حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں ادب و نیاز سے کھڑے ہوکر سلام پیش کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مررتُ علٰی موسیٰ وھو یُصلّی فی قبرہ۔(۱)

’’میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں صلاۃ پڑھ رہے تھے۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضائل موسی علیہ السلام، ۴: ۱۸۴۵، رقم: ۲۳۷۵

۲۔ نسائی، السنن، کتاب قیام الیل وتطوع النھار، باب ذکر صلاۃ نبی اللہ موسی علیہ السلام، ۳: ۱۵۱، رقم: ۱۶۳۷

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۱: ۴۱۹، رقم: ۱۳۲۹

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۰

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۴۱، رقم: ۴۹

۶۔ أبو یعلی، المسند، ۷: ۱۲۷، رقم: ۴۰۸۵

مررتُ علٰی موسیٰ لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر، وهو قائم یصلّی فی قبره۔(۱)

''میں معراج کی رات سرخ ٹیلہ کے مقام پر موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو (میں نے دیکھا کہ) وہ اپنی قبر میں کھڑے صلاۃ پڑھ رہے تھے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیج رہے تھے، اس کی وضاحت لفظ صلوٰۃ کی ذیل میں دی گئی بحث سے ہوجائے گی:

(۱) صلوٰۃ کا معنی - درود وسلام

عام طور پر کتابوں میں ان احادیث مبارکہ کا یہ ترجمہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کررہے تھے۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفرِ معراج کے اس مرحلہ میں مترجمین نے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضائل موسی علیہ السلام، ۴: ۱۸۴۵، رقم: ۲۳۷۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۸

۳۔ بیهقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشریعة، ۲: ۳۸۷

۴۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۱۳۷

۵۔ مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۸: ۲۵۰

۶۔ مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، ۱۰: ۳۰۴

۷۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۶۲۸

۸۔ سخاوی، القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ﷺ: ۱۶۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے:

هو قائم يصلّي في قبره.

”(موسیٰ علیہ السلام) اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے یا وہ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو رہے تھے۔“

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالتِ قیام میں صلوٰۃ ادا کرنے سے راقم نے صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا جو نتیجہ اَخذ و مستنبط کیا ہے وہ حدیث سے متعارض نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت دیگر تمام انبیاء بیت المقدس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے استقبال کے لیے جمع تھے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی اس بات کا علم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اس رات سفرِ معراج شروع ہو چکا ہے اور آپ ﷺ وہاں ان کی امامت فرمائیں گے اور یہ امامت لیلۃ المعراج کے اگلے مرحلے پر روانہ ہونے سے پہلے ہوگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آسمانوں پر بھی ملاقات ہونا تھی اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام مقامِ قدس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے بھی تھے۔ پھر یہ کہ حضور ﷺ کا سفر کسی دنیاوی سواری پر نہیں بلکہ برّاق پر تھا جس کی رفتار کا اِنسانی عقل اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ وہ برّاق آن واحد میں اتنی مسافت طے کر لیتا تھا جو روشنی کی رفتار سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔ یہ سب جانتے ہوئے کیوں کر ممکن تھا کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو وہ محض نمازِ نفل ادا کر رہے ہوں، اگر کوئی فرض نماز ہوتی تو یہ بات قرین فہم ہوتی لیکن وصال کے بعد کوئی فرض نماز نہیں ہوتی جو قبر میں ادا کی جائے۔ دنیاوی زندگی گزارنے کے بعد برزخی زندگی میں کوئی فرائض و واجبات نہیں رہتے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام قبور میں جو اعمال بجا لاتے ہیں ان کی حیثیت نفلی عبادت کی ہوتی ہے جو ایک اضافی معاملہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجدِ حرام سے سفر معراج پر روانہ ہو رہے ہیں اور ان کا گزر اس طرف سے ہوگا۔ اس لیے یہ بات قابل فہم نہیں کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ سفر معراج کے مرحلہ میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر رہے ہوں اور وہ اس وقت نفل نماز ادا کرنے میں مصروف ہوں۔ چنانچہ مذکورہ بالا احادیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے حضور ﷺ پر درود وسلام بھیج رہے تھے۔ یہ مفہوم متنِ حدیث کے خلاف نہیں کیوں کہ تمام انبیاء جانتے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں امامت فرمانی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بحیثیت مقتدی شریکِ نماز ہونا تھا اس لیے اس وقت یہاں قبر میں نماز پڑھنے کا معاملہ سمجھ سے بالاتر ہے۔

(ب) صلوٰۃ کے لغوی معانی

وھو قائم یصلی فی قبرہ کے صحیح مفہوم کی روشنی میں لفظ صلوٰۃ کا معنی نماز نہیں بلکہ درود وسلام پڑھنا ہے کیونکہ صلوٰۃ کا لفظ صرف نماز کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتا بلکہ رحمت بھیجنا، تعریف کرنا اور درود وسلام پڑھنا جیسے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

امام مرتضیٰ الزبیدی صلوٰۃ کا معنی لکھتے ہیں:

> **وقال ابن الأعرابی: الصلاۃ من اللہ الرحمۃ، ومنہ ﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ﴾(۱) أی یرحم۔(۲)**
>
> ''ابن اعرابی کہتے ہیں: اللہ کی طرف سے صلاۃ کا معنی ''رحمت ہے۔'' یہی اس آیت کا معنی ہے: ﴿وہی ہے جو تم پر صلاۃ بھیجتا ہے﴾ یعنی جو تم پر رحمت بھیجتا ہے۔''

ابن منظور (۶۳۰۔۷۱۱ھ) اِرشادِ باری تعالیٰ - اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ(۳) - کے تحت لکھتے ہیں:

---

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۴۳

(۲) زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۱۹: ۶۰۷

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۵۷

فمعنی الصلوات ھھنا الثناء علیھم من اللہ تعالیٰ۔[1]

''یہاں صلوات سے مراد ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف کا ہونا ہے۔''

(ج) لغوی معانی کا اِطلاق

لفظِ صلوۃ کے انہی معانی کا اطلاق درج ذیل آیات کریمہ اور حدیث مبارکہ میں کیا گیا ہے:

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo[2]

''بے شک اللہ اور اُس کے (سب) فرشتے نبیِّ (مکرّم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کروo''

۲۔ دوسرے مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔[3]

''وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔''

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۴۶۵

(۲) الأحزاب، ۳۳: ۵۶

(۳) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۴۳

۳۔ حدیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ کثرت کے ساتھ درود کے معنیٰ میں آیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من صلی عليّ صلاة، صلی الله عليه بها عشراً و کتب له بها عشر حسنات۔(1)

''جس نے مجھ پر درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اُس پر دس رحمتیں بھیجے گا اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دے گا۔''

اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا اَحادیث مبارکہ میں صلوٰۃ کا مفہوم حضور رسالت مآب ﷺ پر رحمت اور سلام بھیجنا ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھتے ہوئے کر رہے تھے۔

امام شعرانی (۸۹۸۔۹۷۳ھ) **الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الأکابر** میں شبِ معراج کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''جب صاحبِ معراج ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے اپنی سواری براق کو چھوڑ کر رفرف پر اس مرحلہ تک عروج کر گئے جو **ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی** سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ مقامِ **دَنٰی فَتَدَلّٰی** پر اللہ رب العزت کے حضور باریابی سے مشرف ہوئے تو اس جگہ جہاں محبّ و محبوب کے سوا اور کوئی نہ تھا باری تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہوئے اور یہ آواز آئی:

یا محمد! قف، إن ربک یصلی۔(2)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی فضل الصلاۃ علی النبي ﷺ، ۲: ۳۵۴، رقم: ۴۸۴

(۲) شعرانی، الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الأکابر، ۲: ۳۶۷

’’اے پیارے محمد! ٹھہر جایئے، آپ کا رب آپ پر درود بھیج رہا ہے۔‘‘

قرائن بتا رہے ہیں کہ وہ صلوٰۃ جو شبِ اسریٰ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ پر بھیج رہا تھا وہی صلوٰۃ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پڑھ رہے تھے۔ اُس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبرِ انور میں کوئی نفل نماز نہیں بلکہ صلوٰۃ وسلام کا وظیفہ کر رہے تھے۔ یہ صلوٰۃ صلوٰۃِ مبارک باد، صلوٰۃِ تعظیم وتوقیر اور صلوٰۃِ اِحترام تھا۔

اِس تفصیل سے واضح ہوا کہ صلوٰۃ کے مفہوم کو صرف نماز تک محدود نہ کیا جائے بلکہ یہ رسولِ محتشم ﷺ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کا عمل تھا اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام تھا جس کے آئینہ دار قائم یصلي کے اَلفاظِ حدیث ہیں۔ اِسی واقعہ کی اطلاع ہمیں مخبرِ صادق رسولِ برحق ﷺ نے دی اور بتایا کہ سفرِ معراج کے ابتدائی مرحلہ میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہ حالتِ صلوٰۃ دیکھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ کھڑے تھے اور صلوٰۃ وسلام پڑھ رہے تھے۔

آپ دونوں میں سے کسی بات کو تسلیم کر لیں اور اِس اَمر پر اپنی توجہ مرکوز کریں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے امت کو یہ اطلاع کیوں فراہم کی؟ اگر یہ محض نماز کا معاملہ ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تھا۔ ہر پیغمبر اپنی قبرِ انور میں نفل ادا کرتا ہے، یہ کوئی خلافِ معمول بات نہیں۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ سفرِ معراج کے مرحلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں امت کو یہ بتانے میں کیا نکتہ اور حکمت کارفرما تھی؟ دراصل بتانا یہ مقصود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ میں سے ہیں اور جب حضور ﷺ سفرِ معراج کے دوران میں اُن کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ (درود) پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کا اس موضوع پر امت کو آگاہی دینے کا مقصد انہیں قیامِ سلام کے آداب سمجھانا تھا۔

۳۔ صحیح مسلم کی کتاب الإیمان کے باب ذکر المسیح بن مریم والمسیح الدجال میں اس مضمون کی ایک اور حدیث وارد ہوئی ہے۔ امام سخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ھ)

نے القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ﷺ میں یہ حدیث سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے باب میں صلوٰۃ وسلام کے حوالے سے بیان کی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قد رأیتنی فی جماعة من الأنبیاء، فإذا موسی قائم یصلی، فإذا رجل ضرب جعد کأنه من رجال شنوءة.

’’تحقیق میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیھم السلام کی جماعت میں دیکھا تو موسیٰ کھڑے صلوٰۃ پڑھ رہے تھے، وہ شنوءہ قبیلے (کے لوگوں) کی طرح درمیانے قد کے اور گھنگریالے بالوں والے تھے۔‘‘

وإذا عیسی ابن مریم علیہ السلام قائم یصلّی، أقرب الناس به شبهاً عروة بن مسعود الثقفی.

’’اور عیسٰی بن مریم کھڑے صلوٰۃ پڑھ رہے تھے، ان سے قریباً ہم شکل عروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔‘‘

وإذا إبراهیم قائم یصلی، أشبه الناس به صاحبکم (یعنی نفسه)، فحانت الصلاة فأممتهم۔(1)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح بن مریم والمسیح الدجال، ۱:۱۵۷، رقم:۱۷۲
۲۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب أحوال القیامة وبدء الخلق، ۳: ۳۷۹، رقم: ۵۸۶۶
۳۔ بیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفة أحوال صاحب الشریعة، ۲:۳۸۷
۴۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام: ۱۳۵، ۱۳۸
۵۔ مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدۃ والمتاع، ۸: ۲۴۹
۶۔ سخاوی، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ﷺ: ۱۶۸

''اور ابراہیم بھی کھڑے صلوٰۃ پڑھ رہے تھے، سب سے زیادہ اُن کے ہم شکل تمہارے صاحب (یعنی میں) ہوں، اِس کے بعد نماز کھڑی ہوگئی اور میں نے اُن کی اِمامت کروائی۔''

اس روایت سے مترشح ہو رہا ہے کہ شبِ اسریٰ ہر پیغمبر حالتِ قیام میں حضور ﷺ پر درود پڑھ رہا تھا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے تمام اَنبیاء کی اِمامت کرائی۔

قیامِ میلاد لمحہ موجود میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے لیے نہیں ہوتا

قیام کے موضوع پر یہ حوالہ جات بالصراحت اِس اَمر پر دلالت کرتے ہیں کہ ہم قیام کیوں اور کس لیے کرتے ہیں؟ یہاں ایک شبہ کا اِزالہ اَز حد ضروری ہے کہ معاذ اللہ ہم ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت لمحۂ موجود میں ہوئی ہے، لہٰذا ہمیں قیام کرنا ہے یا یہ کہ حضور ﷺ اس مجلس میں تشریف لا رہے ہیں اور ہم آپ ﷺ کی آمد پر قیام کر رہے ہیں۔ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ ہے نہ ہمارا قیامِ اِستقبال کا مظہر ہے۔ یہ بھی نہیں کہ جو محفلِ میلاد میں شرکت کے لیے آئے ہیں ان کے لیے قیام کرنا چاہیے۔ تاہم یہ بات ممکنات میں سے ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ روحانی طور پر محفل میلاد میں تشریف لائیں۔ روحانی اعتبار سے آپ ﷺ کے لیے ایسا کرنا ناممکن نہیں، آپ ﷺ جہاں چاہیں روحانی طور پر تشریف لے جا سکتے ہیں۔ جسمانی طور پر اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ کا جسم اقدس آپ ﷺ کے روضۂ پاک میں قبر انور کے اندر استراحت فرما رہا ہے، لیکن ملائکہ اور عالمِ اَرواح کے کسی فرد کی طرح آپ ﷺ کسی جگہ اور کسی مقام پر روحانی طور پر آ جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی خواب میں یا حالتِ بیداری میں آپ ﷺ کا دیدار کرتا ہے جیسا کہ متعدد اولیاء کرام کے بارے میں مذکور ہے تو وہ بلاشبہ آپ ﷺ ہی کی زیارت سے شادکام ہو رہا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ جسمانی طور پر نظر آتے ہیں لیکن وہ الروح التمثیل یا الروح المتمثلة کی ایک صورت گری ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے جبرئیل امین یا ملک الموت کسی کو بشری شکل میں دکھائی دے۔ اس حوالے سے کئی مثالیں

قرآن و حدیث سے دی جاسکتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جسمانی صورت میں حاضر ہوئے:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ [1]

”تو ہم نے ان کی طرف اپنی روح (یعنی فرشتہ جبرئیل) کو بھیجا سو جبرئیل ان کے سامنے مکمل بشری صورت میں ظاہر ہوا ۝“

بَشَرًا سَوِيًّا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک مکمل جیتے جاگتے انسان کی شکل میں سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور یہ اس پیکرِ نوری کا اصل جسم نہیں بلکہ متمثل صورت تھی۔ روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں بشری صورت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ [2]

پس صحیح عقیدہ یہی ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا جسم اَطہر اُن کے روضہ پاک میں آرام فرما ہے لیکن آپ ﷺ کی روح پاک متمثل ہو کر کہیں بھی جلوہ گر ہوسکتی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا بے ادبی اور گستاخی کے ذیل میں آئے گا کہ حضور ﷺ اپنی قبر اَطہر سے باہر روحانی طور پر متمثل ہو کر جہاں چاہیں تشریف نہیں لے جا سکتے بلکہ آپ ﷺ کو یہ قدرتِ تام حاصل ہے کہ فرشتوں کی طرح جہاں چاہیں اپنی روح پاک کے

(۱) مریم، ۱۹: ۱۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سؤال جبریل النبي ﷺ عن الإیمان والإسلام والإحسان، ۱: ۲۷، رقم: ۵۰
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله إن الله عنده علم الساعة، ۴: ۱۷۹۳، رقم: ۴۴۹۹
۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان، ۱: ۳۷، ۳۹، رقم: ۸، ۹

ساتھ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ روح کے اس طرح جسمانی وجود میں نظر آنے کو **تمثل الروح** یا **تجسد الروح** سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ **سورۃ مریم** میں **جبرئیل امین** علیہ السلام کے باب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اگرچہ حضور ﷺ روحانی طور پر جسمانی صورت میں متمثل ہو کر کہیں بھی تشریف لے جا سکتے ہیں لیکن یہ جمہور مسلمین اور اہلِ سنت و جماعت کا کبھی عقیدہ نہیں رہا کہ آپ ﷺ اپنے جسمانی وجود کے ساتھ محفل میلاد میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور اس بنا پر اہلِ محفل آپ ﷺ کے استقبال کے لیے قیام کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ غلط الزام ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ شرکائے محفلِ میلاد صرف علامتی طور پر آپ ﷺ کے ذکر کے احترام میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ قیام اس لیے بھی نہیں کیا جاتا کہ معاذ اللہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ لمحۂ موجود میں متولد ہو رہے ہیں۔ کوئی اَحمق اور فاتر العقل شخص ہی ایسی سوچ رکھ سکتا ہے۔ محفلِ میلاد میں قیام ذکرِ حبیب ﷺ کے ادب اور ولادت پاک کو یاد کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت اس قدر شانِ جمال اور عظمتِ بے مثال کی حامل ہے کہ اس کا ذکر بھی بہت فضیلت کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی تعظیم اِس اَمر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر سلام پیش کریں، آپ ﷺ کے اَوصافِ حمیدہ کی تحسین کریں اور ذکرِ حبیب ﷺ میں نہایت درجہ اَدب و تعظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے محبت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جائیں۔

قیامِ میلاد دراصل قیامِ فرحت و مسرت ہے

تذکارِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ ہماری محبت، چاہت اور الفت کے متقاضی ہیں۔ جب بھی آپ ﷺ کا ماہِ ولادت (ربیع الاول) آئے تو لازم ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے حضور شکرانہ بجا لائیں کہ اس نے نوعِ انسانیت کو اتنی بڑی نعمت اور احسانِ عظیم سے نوازا۔ آپ ﷺ کے ظہور سے حق و صداقت اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا اور کفر و

شرک کے اندھیرے چھٹ گئے۔ اللہ ﷻ نے اپنے حبیب ﷺ کی وساطت سے دنیا کی ان تاریکیوں کو دور کرنے کا سامان کیا جو پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھیں۔ گمراہی و ضلالت کے اندھیروں میں وہ نورِ سرمدی چمکا جس کی ضوء پاشیوں سے ہدایت ربانی کی صبح طلوع ہوئی۔ میلاد النبی ﷺ کے ایام میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کی خوشی منانا اور محبت اور اپنائیت سے اس کا ذکر کرنا ہم پر لازم ہے۔ یہ مہینہ اور ولادتِ مبارکہ کا دن اللہ ﷻ کی خصوصی برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ اور دن ہے۔

وہ ساعتیں جب اِس دنیائے آب وگل میں آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اپنے دامن میں بے اِنتہاء خوشی و مسرت اور فرحت کی دولت لے کر منصۂ عالم پر ظہور پذیر ہوئیں۔ اس متاعِ عظیم کی یاد میں قیام کرنا اور آپ ﷺ کی محبت میں سرشار جھوم جھوم کر میلاد پڑھنا سرورِ ایمان کا اِظہار ہے۔ جتنی احادیثِ مقدسہ کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ قیام کا جواز فراہم کرتی ہیں، مدحت و نعت کے گجرے بہ حضور سید خیر الانام ﷺ پیش کرنے کی سند ہمیں متعدد روایات سے ملتی ہے۔ یہ سارا عمل سنت قرار پاتا ہے جس کی تائید تمام ائمۂ حدیث کی روایات اور اَقوال سے ہوتی ہے۔

قیام کی اِس ساری بحث کا خلاصہ ہے کہ ہر ذات کے لیے قیام اُس کے مرتبہ کے لحاظ سے جائز ہے۔ شاگرد اپنے استاد کے لیے اَدباً اور تعظیماً کھڑا ہوتا ہے، میزبان مہمان کے اِستقبال کے لیے کھڑا ہوتا ہے، شیخ مرید کے لیے محبت رکھتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے اور بیٹا باپ کے لیے ادباً کھڑا ہوتا ہے۔ قیام کی یہ تمام صورتیں جائز ہی نہیں حباً واجب ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اگر ان تمام ذاتوں کے لیے ادباً، تعظیماً، اِکراماً اور فرحت محسوس کرتے ہوئے کھڑا ہونا جائز ہے تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے بہ درجہ اَولیٰ جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ جب ہم آپ ﷺ کے میلاد پر قیام کرتے ہیں تو یہ محبت، فرحت اور خوشی کے اِظہار میں کرتے ہیں، ہم اِس گھڑی کو اپنے تصور و تخیل میں رکھتے ہوئے محبت اور فرحت کا اظہار کرتے

ہوئے کھڑے ہوتے ہیں جس میں حضور نبی اکرم ﷺ اِس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے۔

ممانعتِ قیام کے اَسباب

جہاں تک قیام کرنے سے منع کرنے کا تعلق ہے وہ اُس شخص کے لیے ہے جو دوسروں سے اِس اَمر کی خواہش اور توقع کرے کہ اُس کے آنے پر لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔ حدیث مبارکہ میں اِسی خواہش اور توقع کی مذمت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ ﷡ کو اس انداز کے قیام سے منع فرمایا۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ)، اِمام ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ) اور اِمام ابو داؤد (۲۰۲۔۲۷۵ھ) نے اس مضمون کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اِمتناعِ قیام کا ذکر کیا گیا ہے اور کسی مجلس میں آنے والے کی ایسی خواہش کی مذمت کی گئی ہے۔[1] اس کے لیے عاجزی اور تواضع

(۱) عن معاویة ﷛ قال: قال رسول الله ﷺ: من سرّه أن يتمثّل له الرّجال قياما فليتبوّأ مقعده من النّار۔ ☆

’’حضرت معاویہ ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جسے یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے بُت کی طرح کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار رکھے۔‘‘

☆ ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الآداب، باب ما جاء فی کراھیة قیام الرجل للرجل، ۵: ۹۰، رقم: ۲۷۵۵

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی قیام الرجل للرجل، ۴: ۳۵۸، رقم: ۵۲۲۹

۳۔ بخاری، الأدب المفرد: ۳۳۹، رقم: ۹۷۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۹۳، ۱۰۰

۵۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۲۸۲، رقم: ۴۲۰۸

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۳۵۱، رقم: ۸۱۹

اختیار کرنے کا حکم ہے، البتہ جو لوگ کسی کی آمد کے منتظر ہوں ان کے لیے حکم ہے کہ وہ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جائیں کہ یہ ادب و تعظیم کا تقاضا ہے۔ اگر اس شخص کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگے کہ دوسرے اس کی آمد پر کھڑے ہو جائیں تو یہ قابلِ مذمت ہے۔ اِس رویہ سے تکبر و رعونت کا اظہار ہوتا ہے۔ اِس اِمتناعِ قیام کو اَخلاقی تربیت اور اِسلامی تعلیم کے ایک حصے کے طور پر لیا جائے تاکہ لوگوں کے اندر تواضع و انکساری پیدا ہو۔ اگر کوئی شخص مجلس میں آتا ہے اور اُس کی آمد پر لوگ کھڑے نہیں ہوتے تو اُسے ناراض اور غضب ناک نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ ایسی خواہش اور توقع اِسلامی آداب و اَخلاق کے منافی ہے۔

فصل ششم

اِہتمامِ چراغاں

جشنِ میلاد النبی ﷺ کی تقریبات میں اِجتماعاتِ ذکر اور محافلِ نعت کا اِنعقاد اَدب و اِحترام اور جوش و جذبے سے کیا جاتا ہے۔ شبِ ولادت چراغاں کا اِہتمام جشنِ میلاد کا ایک اور ایمان اَفروز پہلو ہے۔ عمارتوں اور شاہراہوں کو رنگا رنگ روشنیوں سے سجایا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اِنسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر علم و آگہی کے اُجالوں میں لے آئے۔ آپ ﷺ کی ذات نورِ اِلٰہی کا مظہر اَتم ہے۔ لہٰذا دنیا میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشیاں منانے کے لیے بساطِ زندگی کو رنگ و نور سے سجایا جاتا ہے۔ ذہن میں سوال آ سکتا ہے کہ کیا اَوائل دورِ اسلام میں بھی اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟ دِقتِ نظر سے دیکھا جائے تو یہ عمل ثقہ روایات کے مطابق خود ربِ ذوالجلال کی سنت ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالہ سے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کی ولادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں۔ آپ شبِ ولادت کی بابت فرماتی ہیں:

فما ولدته خرج منها نور أضاء له البيت الذی نحن فيه والدّار، فما شیء أنظر إليه إلا نور۔(۱)

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۲۵: ۱۴۷، ۱۸۶، رقم: ۳۵۵، ۴۵۷

۲۔ شيبانی، الآحاد والمثانی: ۶۳۱، رقم: ۱۰۹۴

۳۔ ماوردی، أعلام النبوة: ۲۴۷

۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۴۵۴

←

''پس جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو سیدہ آمنہ کے جسمِ اَطہر سے ایسا نور نکلا جس سے پورا گھر اور حویلی جگمگ کرنے لگی اور مجھے ہر ایک شے میں نور ہی نور نظر آیا۔''

۲۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یوں مروی ہے:

إنی رأیت حین ولدته أنه خرج منی نور أضاءت منه قصور بصری من أرض الشام۔(۱)

...... ۵۔ بیہقی، دلائل النبوۃ و معرفة أحوال صاحب الشریعة، ۱: ۱۱۱

۶۔ أبو نعیم، دلائل النبوۃ: ۱۳۵، رقم: ۷۶

۷۔ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۴۷

۸۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۳: ۷۹

۹۔ ابن عساکر، السیرۃ النبویة، ۳: ۴۶

۱۰۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۲: ۲۶۴

۱۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۲۰

۱۲۔ ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف: ۱۷۳

۱۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۵۸۳

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۲۱۴، رقم: ۵۴۵

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۳۱۳، رقم: ۶۴۰۴

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۳۱۸

۴۔ دارمی، السنن، ۱: ۲۰، رقم: ۱۳

۵۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۳: ۵۶، رقم: ۱۳۶۹

۶۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۴: ۳۹۷، رقم: ۲۴۴۶

۷۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۶۷۳، رقم: ۴۲۳۰ ←

’’جب میں نے آپ ﷺ کو جنم دیا تو میں نے دیکھا کہ بے شک مجھ سے ایسا نور نکلا جس کی ضیاء پاشیوں سے سرزمینِ شام میں بصرہ کے محلات روشن ہوگئے۔‘‘

اُتر آئے ستارے قمقمے بن کر

اِنسان جب جشن مناتے ہیں تو اپنی بساط کے مطابق روشنیوں کا اہتمام کرتے ہیں، قمقمے جلاتے ہیں، اپنے گھروں، محلوں اور بازاروں کو ان روشن قمقموں اور چراغوں سے مزین و منور کرتے ہیں، لیکن وہ خالقِ کائنات جس کی بساط میں شرق وغرب ہے اُس نے

.... ۸۔ ہیثمی نے ”مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۸: ۲۲۲)“ میں کہا ہے کہ اِسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے، اور احمد کی بیان کردہ روایت کی اسناد حسن ہیں۔

۹۔ ہیثمی، موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان: ۵۱۲، رقم: ۲۰۹۳

۱۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۱۰۲

۱۱۔ ابن إسحاق، السیرة النبویة، ۱: ۹۷، ۱۰۳

۱۲۔ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱۶۰

۱۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱: ۴۵۵

۱۴۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۱: ۱۷۱، ۱۷۲

۱۵۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۳: ۴۶۶

۱۶۔ ابن عساکر، السیرة النبویة، ۳: ۴۶

۱۷۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۲: ۲۷۵

۱۸۔ سیوطي، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، ۱: ۷۸

۱۹۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، ۱: ۸۳

۲۰۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرة النبویة، ۱: ۴۶

جب چاہا کہ اپنے حبیب ﷺ کے میلاد پر چراغاں کروں تو نہ صرف شرق تا غرب زمین کو منور کر دیا بلکہ آسمانی کائنات کو بھی اِس خوشی میں شامل کرتے ہوئے ستاروں کو قمقمے بنا کر زمین کے قریب کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

حضرت ولادة رسول الله ﷺ فرأيت البيت حين وضع قد امتلأ نوراً، ورأيت النجوم تدنو حتى ظننت أنها ستقع عليّ۔(۱)

’’جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو (میں خانہ کعبہ کے پاس تھی) میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے منور ہو گیا ہے اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں مجھ پر نہ گر پڑیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ سہیلی، الروض الأنف فی تفسیر السیرة النبویة لابن ہشام، ۱: ۲۷۸، ۲۷۹

۲۔ ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۱: ۴۵۹

۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱: ۴۵۴

۴۔ أبو نعیم، دلائل النبوة: ۱۳۵، رقم: ۷۶

۵۔ بیہقی، دلائل النبوة، ۱: ۱۱۱

۶۔ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوك والأمم، ۲: ۲۴۷

۷۔ ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف: ۱۷۳

۸۔ سیوطی، کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، ۱: ۴۰

۹۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، ۱: ۹۴

۱۰۔ نبہانی، الأنوار المحمدیة من المواهب اللدنیة: ۲۵

جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر مکہ مکرّمہ میں چراغاں

مکہ مکرمہ نہایت برکتوں والا شہر ہے۔ وہاں بیت اللہ بھی ہے اور مولد رسول اللہ ﷺ بھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسمیں کھاتا ہے۔ اہلِ مکہ کے لیے مکی ہونا ایک اعزاز ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر اہلِ مکہ ہمیشہ جشن مناتے اور چراغاں کا خاص اہتمام کرتے۔ اَئمہ نے اس کا تذکرہ اپنی کتب میں کیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند روایات درج ذیل ہیں:

اِمام محمد جار اللہ بن ظہیرہ حنفی (م ۹۸۶ھ) اہلِ مکہ کے جشنِ میلاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وجرت العادة بمكة ليلة الثانی عشر من ربيع الأول فی كل عام أن قاضی مكة الشافعی يتهيّأ لزيارة هذا المحل الشريف بعد صلاة المغرب فی جمع عظيم، منهم الثلاثة القضاة وأكثر الأعيان من الفقهاء والفضلاء، وذوی البيوت بفوانيس كثيرة وشموع عظيمة وزحام عظيم. ويدعی فيه للسلطان ولأمير مكة، وللقاضی الشافعی بعد تقدم خطبة مناسبة للمقام، ثم يعود منه إلی المسجد الحرام قبيل العشاء، ويجلس خلف مقام الخليل عليه السلام بأزاء قبة الفراشين، ويدعو الداعی لمن ذكر آنفاً بحضور القضاة وأكثر الفقهاء. ثم يصلّون العشاء وينصرفون، ولم أقف علی أول من سن ذالک، سألت مؤرخی العصر فلم أجد عندهم علماً بذلک۔[1]

(۱) ابن ظهيرة، الجامع اللطيف فی فضل مكة وأهلها وبناء البيت الشريف: ۲۰۱، ۲۰۲

''ہر سال مکہ مکرمہ میں بارہ ربیع الاول کی رات اہلِ مکہ کا یہ معمول ہے کہ قاضی مکہ - جو کہ شافعی ہیں - مغرب کی نماز کے بعد لوگوں کے ایک جمِ غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں تینوں مذاہبِ فقہ کے قاضی، اکثر فقہاء، فضلاء اور اہل شہر ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں فانوس اور بڑی بڑی شمعیں ہوتی ہیں۔ وہاں جا کر مولد شریف کے موضوع پر خطبہ دینے کے بعد بادشاہِ وقت، امیرِ مکہ اور شافعی قاضی کے لیے (منتظم ہونے کی وجہ سے) دعا کی جاتی ہے۔ پھر وہ وہاں سے عشاء سے تھوڑا پہلے مسجد حرام میں آجاتے ہیں اور صفائی کرنے والوں کے قبہ کے مقابل مقامِ ابراہیم کے پیچھے بیٹھتے ہیں۔ بعد ازاں دعا کرنے والا کثیر فقہاء اور قضاۃ کی موجودگی میں دعا کا کہنے والوں کے لیے خصوصی دعا کرتا ہے اور پھر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سارے الوداع ہو جاتے ہیں۔ (مصنف فرماتے ہیں کہ) مجھے علم نہیں کہ یہ سلسلہ کس نے شروع کیا تھا اور بہت سے ہم عصر مؤرّخین سے پوچھنے کے باوُجود اس کا پتہ نہیں چل سکا۔''

علامہ قطب الدین حنفی (م ۹۸۸ھ) نے **کتاب الإعلام بأعلام بيت الله الحرام فی تاريخ مكة المشرفة** میں اہلِ مکہ کی محافلِ میلاد کی بابت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

يزار مولد النبی ﷺ المكانی فی الليلة الثانية عشر من شهر ربيع الأول فی كل عام، فيجتمع الفقهاء والأعيان علی نظام المسجد الحرام والقضاة الأربعة بمكة المشرفة بعد صلاة المغرب بالشموع الكثيرة والمفرغات والفوانيس والمشاغل وجميع المشائخ مع طوائفهم بالأعلام الكثيرة ويخرجون من المسجد إلی سوق الليل ويمشون فيه إلی محل المولد الشريف

بازدحام ويخطب فيه شخص ويدعو للسلطنة الشريفة، ثم يعودون إلى المسجد الحرام ويجلسون صفوفاً فى وسط المسجد من جهة الباب الشريف خلف مقام الشافعية ويقف رئيس زمزم بين يدى ناظر الحرم الشريف والقضاة ويدعو للسلطان ويلبسه الناظر خلعة ويلبس شيخ الفراشين خلعة. ثم يؤذّن للعشاء ويصلى الناس على عادتهم، ثم يمشى الفقهاء مع ناظر الحرم إلى الباب الذى يخرج منه من المسجد، ثم يتفرّقون. وهذه من أعظم مواكب ناظر الحرم الشريف بمكة المشرفة ويأتى الناس من البدو والحضر وأهل جدة، وسكان الأودية فى تلك الليلة ويفرحون بها۔(۱)

''ہر سال باقاعدگی سے بارہ ربیع الاول کی رات حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کی جاتی ہے۔ (تمام علاقوں سے) فقہاء، گورنر اور چاروں مذاہب کے قاضی مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں، فانوس اور مشعلیں ہوتیں ہیں۔ یہ (مشعل بردار) جلوس کی شکل میں مسجد سے نکل کر سوق اللیل سے گزرتے ہوئے حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتا ہے اور اس سلطنتِ شریفہ کے لیے دعا کرتا ہے۔ پھر تمام لوگ دوبارہ مسجد حرام میں آنے کے بعد باب شریف کی طرف رُخ کرکے مقامِ شافعیہ کے پیچھے مسجد کے وسط میں بیٹھ جاتے ہیں اور رئیسِ زَم زَم حرم شریف کے نگران کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ بعد ازاں قاضی بادشاہِ وقت کو

(۱) قطب الدين، كتاب الإعلام بأعلام بيت الله الحرام فى تاريخ مكة المشرفة: ۳۵۵، ۳۵۶

بلاتے ہیں، حرم شریف کا نگران اس کی دستار بندی کرتا ہے اور صفائی کرنے والوں کے شیخ کو بھی خلعت سے نوازتا ہے۔ پھر عشاء کی اذان ہوتی اور لوگ اپنے طریقہ کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر حرم پاک کے نگران کی معیت میں مسجد سے باہر جانے والے دروازے کی طرف فقہاء آتے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا اجتماع ہوتا کہ دور دراز دیہاتوں، شہروں حتیٰ کہ جدہ کے لوگ بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور آپ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اِظہار کرتے تھے۔‘‘

اِس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ خوشی کے موقع پر چراغاں کرنا سنتِ اِلٰہیہ ہے۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے یومِ میلاد سے بڑھ کر خوشی کا موقع کون سا ہوسکتا ہے! لہٰذا ہمیں چاہیے کہ بحث ونزاع میں پڑنے کی بجائے سنتِ اِلٰہیہ پر عمل کرتے ہوئے اہالیانِ مکہ کے طریق پر جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر حسبِ اِستطاعت چراغاں کا اِہتمام کریں۔

فصل ہفتم

اِطعام الطعام (کھانا کھلانا)

محافلِ میلاد النبی ﷺ میں ہر خاص و عام کے لیے ماکولات و مشروبات کا اِنتظام کیا جاتا ہے، اَنواع و اَقسام کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں، مٹھائی اور شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ کھانا کھلانا شرعاً مقبول عمل ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پسند فرمایا ہے، اور قرآن و حدیث میں اِس کی بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔

ا۔ قرآن حکیم میں کھانا کھلانے کی فضیلت

ا۔ کھانا کھلانے کے باب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْماً وَّاَسِيْراً○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا○[1]

''اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اُس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کے لیے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواست گار ہیں اور نہ شکرگزاری کے (خواہش مند) ہیں○''

۲۔ مناسکِ حج میں سے ایک قربانی کے جانور ذبح کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے ذبیحہ کے گوشت کو خود کھانے اور باقی ضرورت مندوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَــآئِسَ الْفَقِيْرَ○[2]

---

(۱) الدہر، ۷۶: ۸، ۹

(۲) الحج، ۲۲: ۲۸

''پس تم اس میں سے خود (بھی) کھاؤ اور خستہ حال محتاج کو (بھی) کھلاؤo''

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ (1)

''تو تم خود (بھی) اس میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھے رہنے والوں کو اور سوال کرنے والے (محتاجوں) کو بھی کھلاؤ۔''

حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھانے کی دعوت پر بلایا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰـهُ وَلٰـكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ۔ (2)

''اے ایمان والو! نبیٔ (مکرّم ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو، ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اُس وقت) اندر آیا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو (وہاں سے اُٹھ کر) فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔''

اِن آیاتِ مبارکہ سے واضح ہے کہ کھانے کی دعوت دینا اور اپنے دوست اَحباب، ضرورت مندوں، محتاجوں اور بے کسوں کو کھانا کھلانا عین سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور حکم خداوندی ہے۔

---

(1) الحج، ٢٢: ٣٦

(2) الأحزاب، ٣٣: ٥٣

۲۔ اَحادیثِ مبارکہ میں کھانا کھلانے کی ترغیب

حضور نبی اکرم ﷺ نے کئی مواقع پر غرباء و مساکین اور رشتہ داروں اور مستحقین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی ہے۔ اس حوالے سے چند اَحادیث مبارکہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی شخص نے سوال کیا: بہترین اسلام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

تطعم الطعام وتقرأ السّلام علی من عرفت و من لم تعرف۔[1]

''تو کھانا کھلائے یا سلام کرے اُس شخص کو جسے تو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، ۱: ۱۳، رقم: ۱۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إفشاء السّلام، ۱: ۱۹، رقم: ۲۸

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإستئذان، باب السّلام للمعرفة وغیرالمعرفة، ۵: ۲۳۰۲، رقم: ۵۸۸۲

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب تفاضل الإیمان، ۱: ۶۵، رقم: ۳۹

۵۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی إفشاء السّلام، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۴

۶۔ نسائی، السنن، کتاب الإیمان، باب أیّ الإسلام خیر، ۸: ۱۰۷، رقم: ۵۰۰۰

۷۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۳

۲۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جس وقت مدینہ تشریف لائے تو اَوّل کلام جو میں نے ان سے سنا وہ یہ تھا:

يا أيها الناس! أفشوا السّلام، وأطعموا الطّعام، وصلّوا والنّاس نيام تدخلون الجنّة بسلام۔(۱)

''اے لوگو! سلام عام کرو اور کھانا کھلاؤ، اور نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أعبدوا الرحمن، وأطعموا الطّعام، وأفشوا السّلام، تدخلوا الجنّة بسلام۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، ۴: ٦۵۲، رقم: ۲۴۸۵

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب فی قیام اللیل، ۱: ۴۲۳، رقم: ۱۳۳۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۵۱، رقم: ۲۳۸۳۵

۵۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۰۵، رقم: ۱۴٦۰

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الأطعمة، باب ما جاء فی فضل إطعام الطعام، ۴: ۲۸۷۰، رقم: ۱۸۵۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۰، رقم: ٦۵۸۷

۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۱۴۸، رقم: ۲۰۸۱

۴۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ٦: ۳۸۳، رقم: ۲۴۰۲

۵۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۸۱

’’تم رحمان کی عبادت کرو اور کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کثرت کے ساتھ کھانا کھلانے کا شکوہ کیا اور اسے اِسراف قرار دیا، تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا حوالہ دیا:

خيارکم من أطعم الطّعام، وردّ السّلام۔ (۱)

’’تم میں سے بہترین وہ ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔‘‘

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أطعم أخاه خبزاً حتی يشبعه، وسقاه ماء حتی يرويه، بعّده الله عن النار سبع خنادق بُعد ما بين خندقين مسيرة خمسمائة سنة۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۶، رقم: ۲۳۹۷۱، ۲۳۹۷۴
۲۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۴: ۱۶۶، ۱۶۷، رقم: ۷۱۰۵
۳۔ حاکم، المستدرك علی الصحيحين، ۴: ۳۱۰، رقم: ۷۷۳۹
۴۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۶: ۴۷۸، رقم: ۸۹۷۳

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرك علی الصحيحين، ۴: ۱۴۴، رقم: ۷۱۷۲
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۳۲۰، رقم: ۶۵۱۸
۳۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۳: ۲۱۸، رقم: ۳۳۶۸
۴۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۶، رقم: ۵۸۰۷ ←

''جو شخص اپنے کسی بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ کی) آگ سے سات خندق جتنے فاصلے کی دوری پر کر دے گا، اور دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔''

اِن تمام اَحادیث سے یہ نتیجہ اَخذ ہوا کہ اپنے بیگانے کی تمیز کے بغیر کسی کو بھی کھانا کھلانا بہترین عمل ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ کھانا کھلانے سے دوزخ سے رہائی ملتی ہے اور جنت میں ٹھکانہ ملتا ہے۔ لہٰذا اگر عام دنوں میں کسی بھوکے اور محتاج کو کھانا کھلانے کا اتنا زیادہ ثواب ہے تو جس دن بے کسوں کے والی، بے آسروں کے آسرا اور بے سہاروں کے سہارا سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اِس عالم آب و گل میں تشریف آوری ہوئی اُس موقع پر لوگوں کو کھانا کھلانا کتنے اَجر کا باعث ہوگا۔

٥۔ منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، ۲: ۳٦، رقم: ۱۴۰۳

٦۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۱۳۰

فصل ہشتم

جلوسِ میلاد

عید میلاد النبی ﷺ کے دن درود و سلام سے مہکی ہوئی فضا میں جلوس نکالنا بھی تقریباتِ میلاد کا ضروری حصہ بن چکا ہے۔ رسولِ عربی ﷺ کے غلاموں کا یہ عمل بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں بھی جلوس نکالے جاتے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہوتے۔ درج ذیل احادیث سے جلوس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے:

کتب سیر و اَحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آمد کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''اُن دنوں جب حضور ﷺ کی آمد کسی روز بھی متوقع تھی مدینہ منورہ کے مرد و زن، بچے اور بوڑھے ہر روز جلوس کی شکل میں دیدہ و دل فرشِ راہ کیے آپ ﷺ کے اِستقبال کے لیے مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر قباء کے مقام پر جمع ہو جاتے۔ جب ایک روز سرورِ کونین ﷺ نے ہجرت کی مسافتیں طے کرتے ہوئے نزولِ اِجلال فرمایا تو اس دن اہلِ مدینہ کی خوشی دیدنی تھی۔ اس دن ہر فرد فرطِ مسرت میں گھر سے باہر نکل آیا اور شہرِ مدینہ کے گلی کوچوں میں ایک جلوس کا سا سماں نظر آنے لگا۔''

حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

فصعد الرجال و النساء فوق البيوت، وتفرق الغلمان والخدم في الطرق، ينادون: يا محمد! يا رسول الله! يا محمد!

یا رسول اللہ![1]

''مرد و زن گھروں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب بہ آواز بلند کہہ رہے تھے: یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!''

اپنے آقا ﷺ کی سواری دیکھ کر جاں نثاروں پر کیف و مستی کا ایک عجیب سماں طاری ہوگیا۔ اِمام رویانی کے مطابق اہالیانِ مدینہ جلوس کی شکل میں یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جاء محمد رسول اللہ ﷺ۔[2]

''اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔''

معصوم بچیاں اور اَوس و خزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دف بجا کر دل و جان سے محبوب ترین اور عزیز ترین مہمان کو اِن اَشعار سے خوش آمدید کہہ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ[3]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب في حديث الهجرة، ۴: ۲۳۱۱، رقم: ۲۰۰۹

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۲۸۹، رقم: ۶۸۹۷۰

۳۔ أبويعلى، المسند، ۱: ۱۰۷، رقم: ۱۱۶

۴۔ مروزى، مسند أبى بكر: ۱۲۹، رقم: ۶۵

(۲) رويانى، مسند الصحابة، ۱: ۱۳۸، رقم: ۳۲۹

(۳) ۱۔ ابن ابى حاتم رازى، الثقات، ۱: ۱۳۱

۲۔ ابن عبد البر، التمهيد لما فى الموطا من المعانى والأسانيد، ۱۴: ۸۲ ←

(ہم پر وداع کی چوٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا، جب تک لوگ اللہ کو پکارتے رہیں گے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی! آپ ایسے اَمر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اِطاعت کی جائے گی۔)

گزشتہ صفحات میں بیان کردہ محفلِ میلاد النبی ﷺ کے اَجزائے تشکیلی سے واضح ہوگیا ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ منانے کے یہی طریقے جائز اور مسلمہ ہیں۔ دنیا بھر میں اِسلامی معاشرے اِنہی طریقوں سے میلادِ مصطفیٰ ﷺ مناتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک عمل بھی ایسا نہیں جس کی اَصل عہد نبوی ﷺ اور دورِ صحابہ میں موجود نہ ہو یا قرآن و سنت سے متصادم ہو۔ جس طرح یہ اَجزاء الگ الگ طور پر جائز بلکہ مسلمہ ہیں اُسی طرح مجموعی طور بھی محفلِ میلاد النبی ﷺ کی صورت میں اِن کو شرعی جواز حاصل ہے۔

۳۔ أبو عبید اندلسی، معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع، ۴: ۱۳۷۳

۴۔ محب طبری، الریاض النضرة فی مناقب العشرة، ۱: ۴۸۰

۵۔ بیہقی، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشریعة، ۲: ۵۰۷

۶۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۲: ۵۸۳

۷۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۳: ۶۲۰

۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۲۶۱

۹۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۲۹

۱۰۔ قسطلانی، المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۱: ۶۳۴

۱۱۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۴: ۱۰۰، ۱۰۱

۱۲۔ أحمد بن زینی دحلان، السیرة النبویة، ۱: ۳۲۳

میلاد کی تقریبات کے سلسلے میں انتظام و انصرام اور ہر وہ کام انجام دینا جو خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے ہو شرعی طور پر مطلقاً جائز ہے۔ اس طرح محفلِ میلاد روحانی طور پر ایک قابلِ تحسین، قابلِ قبول اور پسندیدہ عمل ہے۔ ایسی مستحسن اور مبارک محافل کے بارے میں جواز / عدمِ جواز کا سوال اٹھانا یقیناً حقائق سے لاعلمی، ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔

باب نہم

جشنِ میلاد النبی ﷺ کے نمایاں پہلوؤں پر اِجمالی نظر

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی جسمانی اور روحانی ضروریات کے مطابق جہاں ایک طرف اُس کے مادّی اور جسمانی حوائج کی تکمیل کا اہتمام کیا وہیں بقائے حیات کی خاطر اُسے ایسی ہدایت و رہنمائی سے بھی بہرہ ورفرمایا جس سے وہ اپنی اَخلاقی و رُوحانی زندگی کے تقاضوں سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہو سکے۔ قافلۂ رُشد و ہدایت کا وہ نورانی و رُوحانی سفر جس کی اِبتداء بنی نوع انسان کے جد اَمجد حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش سے ہوئی، یکے بعد دیگرے مختلف انبیاءِ کرام علیہم السلام کے زمانوں سے گزرتا ہوا بھٹکی ہوئی نسلِ انسانی کو راہِ ہدایت سے ہم کنار کرتا رہا۔ لیکن گمراہی و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں تاریخِ انسانی پر ایک ایسا وقت بھی آیا جب تہذیب و تمدن کا نام بھی باقی نہ رہا اور ظلم و بربریت کے شکنجوں میں جکڑی اِنسانیت شہنشاہیت اور جابرانہ آمریت کے دو پاٹوں کے درمیان بری طرح پسنے لگی۔ جب تاریخِ انسانی کی طویل ترین رات اپنی ہیبت کی انتہا کو پہنچ گئی تو قانونِ قدرت کے مطابق ظلمتِ شب کے دامن سے ایک ایسی صبحِ درخشاں طلوع ہوئی جو قیامت تک کے لیے غیر فانی اور سرمدی اُجالوں کی نقیب بن گئی۔ بلادِ حجاز کی مقدس فضائیں نعرۂ توحید کی صداؤں سے گونجنے لگیں، وادئ مکہ میں اس نادرِ روزگار ہستی کا ظہور ہوا جس کے لیے چشمِ فلک ابتدائے آفرینش سے منتظر تھی اور روحِ عصر جس کے نظارے کے لیے بے قرار تھی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات نے اِس خاک دان کا مقدر بدل ڈالا، انسانی تہذیب و تمدن کے بے جان جسم میں وہ روح پھونک دی جس سے تاریخ انسانی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ محسنِ اِنسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ اَقدس میں حسن وجمالِ ایزدی کے جملہ مظاہر اپنی تمام تر دل آویزیوں اور رعنائیوں کے ساتھ یوں جلوہ گر ہوئے

کہ تمام حسینانِ عالم کے سراپے ماند پڑ گئے اور شاعر کو بے اختیار کہنا پڑا:

ز فرق تا بہ قدم هر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

(سر سے پاؤں تک جہاں بھی میں دیکھتا ہوں حسنِ سراپا کی تجلی دل کے دامن کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔)

میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی اِس صبحِ اَوّلیں سے اب تک چودہ صدیوں سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن آج بھی جب اس عظیم ترین ہستی کے پردۂ عالم پر ظہور کا دن آتا ہے تو مسلمانانِ عالم میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ماہِ ربیع الاول کا یہ مقدس دن اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی نویدِ جشن لے کر طلوع ہوتا ہے اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس روزِ سعید کو بڑھ چڑھ کر مناتا ہے۔

ذیل میں ہم جشنِ میلاد النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر ایک اِجمالی نظر ڈالیں گے تاکہ عمرانی تناظر میں اس کا کوئی گوشہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ رہے:

۱۔ شرعی پہلو (Shariah aspect)
۲۔ تاریخی پہلو (Historical aspect)
۳۔ ثقافتی پہلو (Cultural aspect)
۴۔ تربیتی پہلو (Instructional aspect)
۵۔ دعوتی و تبلیغی پہلو (Dawah aspect)
۶۔ ذوقی وجبی پہلو (Motivational aspect)
۷۔ رُوحانی وتوسّلی پہلو (Spriritual aspect)

ا۔ شرعی پہلو (Shariah aspect)

جشنِ میلاد النبی ﷺ منانے کے شرعی پہلو کو ہم نے شرح و بسط کے ساتھ گزشتہ اَبواب میں اُجاگر کردیا ہے۔ یہاں باب کی مناسبت سے صرف چند حوالہ جات پر اِکتفا کیا جائے گا:

(۱) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکیر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَـآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَکِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللهِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَاٰيٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍo(۱)

’’اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ (اے موسیٰ!) تم اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاؤ اور انہیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ (جو ان پر اور پہلی اُمتوں پر آ چکے تھے)، بے شک اس میں ہر زیادہ صبر کرنے والے (اور) خوب شکر بجا لانے والے کے لیے نشانیاں ہیںo‘‘

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

بينا موسی علیہ السلام فی قومه يذکرهم بأيام الله، وأيام الله بلاؤه ونعماؤه۔(۲)

---

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۵

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۹: ۳۴۲

’’جب کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاتے تھے۔ اور اللہ کے دنوں سے مراد (اس کی طرف سے) مصائب اور نعمتوں کے اترنے کے دن ہیں۔‘‘

مفسرین کرام نے **وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ** کی تفسیر کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ اِس سے مراد ہے:

بنعم اللہ علیھم۔(۱)

’’اُن پر اللہ کی نعمتوں کا اُترنا۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نام وَر تابعی شاگرد مجاہد اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

بالنعم التی أنعم بھا علیھم: أنجاھم من آل فرعون وفلق لھم البحر وظلّل علیھم الغمام وأنزل علیھم المن والسلوی۔(۲)

’’اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرنا جو اس نے ان پر نازل کیں: اس نے ان کو آلِ فرعون سے نجات دی، ان کے لیے سمندر کو پھاڑا، ان کے اوپر بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من وسلوی اتارا۔‘‘

یہ آیت اتارنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اللہ کے دنوں کی یاد منائیں تاکہ ان کی آئندہ نسلیں بھی ان دنوں کی یاد مناتی رہیں اور انہیں معلوم ہو کہ ان اَیام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا تھا: انہیں فرعون کی سختیوں سے نجات دی گئی،

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۹: ۳۴۱
۲۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۵: ۶
۳۔ شوکانی، فتح القدیر، ۳: ۹۵
(۲) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۳: ۱۸۴
۲۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۵: ۶

فرعون کو غرقِ نیل کرکے انہیں اس میں سے صحیح سلامت نکالا گیا، اُن پر سخت دھوپ میں بادلوں کا سایہ کیا گیا حتی کہ ان کی خوراک کا بھی آسمانی بندوبست کیا گیا اور وہ من وسلویٰ سے نوازے گئے۔ اتنی کثیر نعمتوں سے مالا مال کرنے کے بعد ان کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ مرورِ اَیام سے وہ دن جب بھی لوٹ کر آئے تو ان پر لازم ہے کہ اُس دن ملنے والی نعمتیں یاد کرکے اپنے رب کا شکر بجا لائیں اور خوب عبادت کریں۔

(۲) یومِ نزولِ مائدہ کو بہ طورِ عید منانا

قرآن حکیم فرماتا ہے:

قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡکَ‌ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ○ (۱)

’’عیسیٰ بن مریم نے عرض کیا: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہو جائے، ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی)، اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو، اور ہمیں رزق عطا کر اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے○‘‘

ابن جریر طبریؒ نے جامع البیان فی تفسیر القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں قولِ صحیح نقل کرتے ہوئے کہا کہ اِس دعا کا معنی یہ ہے کہ نزولِ خواں کا دن ہمارے لیے عید ہو جائے، اس دن ہم اسی طرح نماز پڑھیں گے جیسے لوگ عید کے دن نمازِ شکرانہ ادا کرتے ہیں۔ (۲)

(۱) المائدۃ، ۵: ۱۱۴

(۲) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۷: ۱۷۷

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ وہ نزولِ مائدہ کا دن بہ طورِ عید منائیں، اس کی تعظیم و تکریم کریں، اللہ کی عبادت کریں اور شکر بجا لائیں۔ اِس سے یہ اَمر بھی مترشح ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص رحمت نازل ہوتی ہے، اس دن شکرِ الٰہی کے ساتھ اِظہارِ مسرت کرنا، عبادت بجا لانا اور اس دن کو عید کی طرح منانا طریقہ صالحین اور اہل اللہ کا شیوہ رہا ہے۔ امام الانبیاء، محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس دنیائے آب و گل میں تشریف آوری کا دن خدائے بزرگ و برتر کی عظیم ترین نعمت اور رحمت کے نزول کا دن ہے، کیوں کہ اسے خود اللہ نے نعمت قرار دیا ہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا، شکرِ اِلٰہی بجا لانا اور اظہارِ مسرت و شادمانی کرنا انتہائی مستحسن و محمود عمل ہے، اور یہ ہمیشہ سے مقبولانِ الٰہی کا طریقہ رہا ہے۔

۲۔ تاریخی پہلو (Historical aspect)

سلاطینِ اسلام بھی سرکاری سطح پر جشنِ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد کرتے رہے ہیں۔ اس میں سب سے نمایاں نام ابو سعید المظفر (م ۶۳۰ھ) کا ہے جو سلطان صلاح الدین ایوبی (۵۳۲۔۵۸۹ھ) کے بہنوئی تھے۔ ان کے تفصیلی اَحوال شیخ ابو الخطاب ابن دحیہ کلبی (۵۴۴۔۶۳۳ھ) نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' میں رقم کیے ہیں۔ مزید برآں شیخ ابو مظفر یوسف (م ۶۵۴ھ) - جو سبطِ ابن جوزی کے نام سے معروف ہیں- نے اپنی کتاب ''مرآۃ الزمان فی تاریخ الأعیان'' میں سلطان کے حوالہ سے جشنِ میلاد النبی ﷺ کے شاہی اِہتمام کی تفصیلات و جزئیات نقل کی ہیں۔ (اس پر مزید تفصیلات کتاب ہٰذا کے باب- جشنِ میلاد النبی ﷺ: اَئمہ و محدثین کی نظر میں - میں ملاحظہ کریں۔)

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو نعمتوں پر شکر بجا لانے کا حکم صرف اُمتِ محمدیہ

ﷺ ہی کو نہیں بلکہ سابقہ اُمتوں کو بھی دیا جاتا رہا۔ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کی طرف رُوئے خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا:

یَا بَنِیٓ اِسۡرَآئِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَo(۱)

’’اے اولادِ یعقوب! میرے وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیے اور یہ کہ میں نے تمہیں (اس زمانے میں) سب لوگوں پر فضیلت دیo‘‘

اس امر کی مزید تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے ہوتی ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

۲۔ قرآن حکیم میں حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

یٰـزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِاسۡمُهٗ یَحۡیٰی لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّاo(۲)

’’(ارشاد ہوا:) اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوش خبری سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ (علیہ السلام) ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایاo‘‘

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللهَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنۡهُ اسۡمُهُ الۡمَسِیۡحُ

---

(۱) البقرة، ۲: ۴۷

(۲) مریم، ۱۹: ۷

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَo[1]

''جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تمہیں اپنے پاس سے ایک کلمہ (خاص) کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہوگا، وہ دنیا اور آخرت (دونوں) میں قدر و منزلت والا ہوگا اور اللہ کے خاص قربت یافتہ بندوں میں سے ہوگاo''

تاریخ کے آئینے میں سابقہ اور موجودہ اَقوام کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات ایک ناقابلِ تردید حقیقت نظر آتی ہے کہ ہر دور کے لوگ اپنے مشاہیر کے اَیام بڑی دھوم دھام سے ایک جشن کی صورت میں مناتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی اقوامِ عالم اپنے قومی و روحانی پیشواؤں اور بانیانِ مملکت کا یومِ ولادت سرکاری سطح پر مناتی ہیں۔ پاکستان میں بھی ہر سال ۲۳ مارچ، ۱۴ اگست، ۹ نومبر اور ۲۵ دسمبر کے دن بالترتیب یومِ جمہوریہ پاکستان، یومِ آزادی، یومِ اِقبال اور یوم قائداعظم کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس عرب اور دیگر اَقوامِ عالم اپنے بادشاہوں اور قومی سطح کے رہنماؤں کی یاد ہر سال باقاعدگی سے مناتی ہیں، بلکہ عرب ممالک میں تو حکمرانوں کی تاج پوشی کا دن العید الوطنی کے نام سے معروف ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا یوم ولادت باسعادت بھی ایک ایسا ہی عظیم دن ہے جس پر اِظہارِ تشکر اور اِظہارِ مسرت ہوتا آرہا ہے اور اسے یوم عید کے طور پر منانے کی روایت قائم ہے، اور اس کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اس پر اعتراض کی وجوہات کا تعلق حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اَقدس کے حوالہ سے بعض لوگوں کی مخصوص قلبی کیفیت سے ہے، ورنہ ان خوشیوں کی تقریبات پر کوئی اِعتراض سراسر بلاجواز ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پوری دنیائے انسانیت کے لیے ایک ایسا انقلاب لے کر آئے جس کی عالم گیریت اور آفاقیت پر کبھی دو آراء نہیں ہوسکتیں۔ آپ ﷺ کے پیروکاروں نے

(۱) آل عمران، ۳: ۴۵

اپنے عظیم ہادی ﷺ کی غیر فانی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انسانی تہذیب و تمدن کے ایسے مینار روشن کیے اور ہمہ گیر معاشی و معاشرتی ترقی کی وہ مثالیں قائم کیں جس کی نظیر پوری تاریخِ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ اِس لیے اُمتِ مسلمہ پر بہ درجۂ اَولیٰ لازم ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد مبارک منانے میں اَقوامِ عالم میں کسی سے پیچھے نہ رہیں بلکہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا عظیم ترین دن اس طرح منائیں کہ اقبالؔ کے اس شعر کی تفسیر عملی طور پر نظر آنے لگے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اِسمِ محمد سے اُجالا کر دے[1]

۳۔ ثقافتی پہلو (Cultural aspect)

زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں میں طرزِ بود و باش، معاشرتی میل جول اور خوشی وغم کے جذبات و اِحساسات کے پیرایۂ اِظہار کے اَطوار بدلتے چلے آرہے ہیں۔ ہر قوم کی اپنی ثقافت ہوتی ہے جو اس قوم کی پہچان ہوتی ہے۔ ہر قوم خوشی کا اظہار زمانے کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنی ثقافت کے مطابق کرتی چلی آئی ہے اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ہر قوم کے رسوم و رواج اور ثقافت میں تغیر آتا رہا ہے۔ یہی صورتِ حال فرزندانِ اِسلام کی رہی ہے۔ قرونِ اُولیٰ میں اس دور کے تقاضوں کے مطابق رسوم و رواج مزاجاً سادہ تھے، لہٰذا ان کے خوشی منانے کے طریقے بھی سادہ ہوتے تھے۔ مگر جیسے جیسے زمانے میں تبدیلیاں رُونما ہوتی چلی گئیں اسی طرح ان کی ثقافت بھی تبدیل ہوتی رہی۔ پہلے سادگی کا عنصر نمایاں تھا اور ثقافتی اظہار خاموشی سے کیا جاتا تھا مگر موجودہ دور میں اِظہارِ ثقافت کی شکلیں زیادہ سے زیادہ نمود و نمائش کا رُخ اختیار کر گئی ہیں۔ اگر ہم اس تغیر کی وجوہات کا تجزیہ کریں تو شہری آبادیوں میں بے پناہ اِضافہ، تفریحی

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، بالِ جبریل: ۲۰۷

تقریبات کی اَشد ضرورت، انسانی زندگی میں الیکٹرانک میڈیا کا مرکزی کردار، جدید ایجادات، وسائل اور زندگی کی ہر طرح کی تقریبات کے عمومی حجم میں بے پناہ اضافہ کا رُجحان عید میلاد النبی ﷺ جیسی بھرپور تقریبات کی magnificence اور large scale celebrations کے نمایاں اَسباب ہیں۔

اِن حقائق کے ہماری عملی زندگی پر بھرپور اِطلاق کی ایک مثال ہر سال منائی جانے والی ''بسنت'' ہے جسے حکومتی سطح پر منعقد ہونے والے ''جشنِ بہاراں'' کی تقریبات کا حصہ بنا دیا گیا ہے، اور اِس بابت عدالتِ عالیہ و عدالتِ عظمیٰ کے اَحکامات بھی نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ اس کی تیاریاں ہفتوں پہلے شروع ہو جاتی ہیں، اربوں روپے کی پتنگیں اور ڈور بکتی ہے۔ کروڑوں روپے روشنیوں اور طرح طرح کے کھانوں کے انتظامات پر صرف کیے جاتے ہیں۔ صرف بسنت منانے کے لیے دنیا کے ہر کونے سے لوگ ہر سال لاہور آتے ہیں؛ کسی ایئر لائن پر سیٹ ملتی ہے، نہ ٹرین یا فلائنگ کوچز پر بکنگ ہوتی ہے۔ ''بسنت'' کی تقریبات کا جتنا پھیلاؤ ہے اتنے ہی اس کے اندر عیوب و خبائث پنہاں ہیں۔ سب سے نمایاں معصوم جانوں کا وہ نقصان ہے جو دھاتی ڈور یا چھتوں سے گر کر مرنے سے ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ اَربوں روپے کا ضیاع ہوتا ہے اور مرد و زن کی مخلوط محافل میں بے حیائی، فحاشی اور لچر پن کا طوفانِ بدتمیزی الگ بپا کیا جاتا ہے۔ اور اِن تمام خرافات ولغویات کو کلچر و ثقافت کا نام دیا جاتا ہے۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

اِسی کلچر کی دوسری مثال کی تفصیلات ہر سال یکم جنوری کے موقع پر اَخبارات میں چھپنے والی باتصویر رپورٹس سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ نیا عیسوی سال آنے پر Happy New Year کا تہوار قہرِ اِلٰہی کو دعوت دیتے ہوئے منایا جاتا ہے۔ تیسری مثال ۱۴ فروری کو منایا جانے والا Valentine Day ہے، جسے پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ''یومِ عشق'' کا نام دے کر نسلِ نو کو مغربی تہذیب کی پیروی کی طرف راغب کرتے ہوئے ہماری اِسلامی ومشرقی اَقدار کی پامالی کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے، اُنہیں بے

حیائی کی تعلیم دی جاتی ہے اور مخلوط محافل کا اِہتمام کیا جاتا ہے۔ **مملکتِ خداداد پاکستان کی حکومت، قانون نافذ کرنے والے اِدارے اِس سیلِ بلا کا کیا سدباب کرتے ہیں؟**

اِن دگرگوں حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ کی میلاد کے موقع پر رُوحانی محافل کا اہتمام ایک ایسا عمل ہے جو ہمارے قومی دھارے کو فروغِ ہدایت کی راہ پر ڈھالنے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے، اور ان تقریبات کی تعلیمات اور برکات کی وجہ سے ہم ''بسنت کلچر،'' ''Happy New Year کلچر'' اور ''Valentine Day کلچر،'' جیسی لعنتوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اَفسوس اِس بات کا ہے کہ اگر حق پر مبنی ایک عقیدے کو مذہبی علوم سے بے خبر عوام کے سامنے مطعون کر کے پیش کیا جائے گا تو عامۃ الناس دین کے بارے میں واضح نظریات کے سرمائے سے محروم ہو جائیں گے، جس کا نتیجہ بے راہ روی اور بسنت کلچر ہی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہر پہلو سے اِسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے حکمت و ضرورت کے پیشِ نظر اُس کی تعلیمات کا اِطلاق و اِنطباق درست سمت میں کریں۔ تاریخِ اِسلام کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ ہجرتِ مدینہ، میثاقِ مدینہ، یومِ غزوۂ بدر، یومِ فتحِ مکہ اور یومِ نزولِ قرآن اپنی جگہ بڑی اَہمیت کے حامل ہیں۔ ان اَیام نے تاریخ کے دھاروں کا رخ بدل ڈالا لیکن اس کے باوجود قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے ان مہتم بالشان واقعات اور عظیم ایام کو منانے کا کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ اُس دور کا یہ رواج اور کلچر نہیں تھا مگر موجودہ دور اپنے جلو میں نئے ثقافتی اور تہذیبی تقاضے لے کر آیا ہے۔ موجودہ عصری تہذیبی و ثقافتی پس منظر میں ہم نہ صرف ان ایام کو شان و شوکت سے مناتے ہیں بلکہ ان کے علاوہ دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق اور بہت سے تہواروں کو منانے کا اہتمام بھی پُرمسرت اَنداز سے کیا جاتا ہے، جیسے یومِ پاکستان، یومِ آزادی، یومِ دفاع، یومِ بانئ پاکستان، مزدوروں کا عالمی دن، خواتین کا عالمی دن وغیرہ۔

خلافتِ عثمانیہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے دن اِکیس (۲۱) توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ اِسی طرح مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بلادِ یمن و شام میں میلاد النبی

ﷺ انتہائی تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا، جیسا کہ ہم نے گزشتہ اَبواب میں بالصراحت بیان کیا ہے۔ آج بھی عرب دنیا میں جب کوئی تخت نشین ہوتا ہے تو بڑی گرم جوشی سے اس کی تاج پوشی کا دن منایا جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ ہر سال تخت نشینی کی رسم کے ساتھ بادشاہ کو تحائف سے نوازا جاتا ہے، توپوں کی سلامی دی جاتی ہے، مٹھائیاں تقسیم کی جاتیں ہیں اور ملک بھر میں عید کا سا سماں ہوتا ہے۔ پوری مغربی دنیا ۲۵ دسمبر کو بطور عید (کرسمس ڈے) مناتی ہے لیکن وہ اس کی تیاریاں کئی ماہ قبل شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی دکانیں، گھر، بازار اور درخت کرسمس کی آمد کی نشان دہی کر رہے ہوتے ہیں۔ ان چار مہینوں (ستمبر تا دسمبر) میں امریکہ اور یورپ کی دنیا کا جوش و خروش دیدنی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشیاں عیسائی دنیا بڑے کرّ و فر سے مناتی ہے، تو جس ہستی کی وساطت اور رِسالت کے تصدق سے سے عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کو نبوت و رِسالت ملی، اور جن کی بعثت کے لیے جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی، اُن کا یومِ وِلادت اُمت مسلمہ کیوں نہ منائے!

آج حالات کے تقاضے یکسر بدل چکے ہیں، یوم آزادی اور دیگر اہم ایام کا منایا جانا ہماری ثقافتی زندگی کا جزو لاینفک بن چکا ہے؛ لہٰذا اسلامی ثقافت کی سب سے بڑی علامت (symbol) یعنی یومِ میلاد النبی ﷺ کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے! حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت اصلِ ایمان ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات و اُسوہ پر عمل کے ساتھ ساتھ اِس محبت کا مؤثر ترین اِظہار جشنِ میلاد منا کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ بڑی ستم ظریفی اور ناانصافی ہوگی کہ آج کے مسلمان حکمران اپنی تخت نشینی کا دن پورے جوش و خروش سے منائیں اور اس پر کسی حلقے کی طرف سے بدعت و شرک کا فتویٰ نہ لگے اور اسے ثقافت کے نام پر جائز سمجھا جائے، لیکن جب تاجدارِ کائنات ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کا دن منایا جائے تو فتویٰ فروشوں کی زبانیں اور قلم حرکت میں آ کر بدعت و شرک کے فتوے اگلنا شروع کر دیں۔

۴۔ تربیتی پہلو (Instructional aspect)

آج کے دور میں اِس اَمر کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو حُبِ رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم دیں اور ان کی تربیت اس نہج پر کریں کہ ان میں آقائے دوجہاں ﷺ سے یک گونہ جبی وقلبی تعلق پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے۔ ان کے اندر یہ تعلق پیدا کرنے کے لیے میلاد النبی ﷺ منانے کی ترغیب مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اس ضمن میں ہماری رہنمائی ایک حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جس میں اولاد کو حُبِ رسول ﷺ کی تعلیم دینے کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے:

أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حبّ نبيكم، وحبّ أهل بيته، وقراءة القرآن۔[1]

''اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ: اپنے نبی کی محبت، نبی کے اہلِ بیت کی محبت اور (کثرت کے ساتھ) تلاوتِ قرآن۔''

فی زمانہ اولاد کو حضور ﷺ کی محبت سکھانے کا اس سے مؤثر اور نتیجہ خیز طریقہ اور کوئی نہیں کہ جب وہ شعور و آگہی کی عمر کو پہنچیں تو انہیں حضور ﷺ کا میلاد منانے کی ترغیب دی جائے۔ زیادہ سے زیادہ ایسی محافل کا انعقاد کیا جائے جن میں تذکارِ سیرت و رِسالت ہوں، نعتیں پڑھی جائیں اور ایک خاص اہتمام کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر کی مجالس بپا کی جائیں تاکہ بچوں میں اَوائلِ عمری ہی سے حضور ﷺ کے ساتھ یک گونہ ذہنی و جذباتی وابستگی پختہ تر ہوتی چلی جائے۔ چین میں جب کمیونسٹ انقلاب آیا تو ماؤزے تنگ

---

(۱) ۱۔ سیوطی، الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير، ۱: ۲۵، رقم: ۳۱۱

۲۔ ہندی، کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، ۱۶: ۴۵۶، رقم: ۴۵۴۰۹

(۱۸۹۳۔۱۹۷۶ء) کی تقریروں کے کیسٹ بچوں کے پیدا ہوتے ہی ان کے کانوں میں سنائے جاتے تھے، یہ عمل سال ہا سال جاری رکھا جاتا۔ اِنقلابِ روس کے دور میں بھی مدتوں نوجوان نسل کو لینن (۱۸۷۰۔۱۹۲۴ء) کے نام اور کام سے آشنا کیا جاتا رہا۔ انقلابِ ایران کی جد و جہد میں خمینی (۱۹۰۲۔۱۹۸۹ء) کی انقلابی تقریروں کی کیسٹیں بچوں کے کانوں میں سنائی جاتی رہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بچے اس ماحول میں پرورش پائیں اور باشعور ہونے تک ایک خاص پیغام ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔

والدین کی بنیادی ذمہ داری

مسلمان ہونے کے ناطے اور بہ حیثیت والدین ہماری یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ ایمان کی دولت اپنی اگلی نسلوں کو منتقل کرتے رہیں۔ اگر ہم ایک لمحہ کے لیے پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ہم پر آشکار ہوگا کہ ہمارے ماں باپ نے ایمان کی عظیم دولت نہایت امانت و دیانت سے ہمیں منتقل کی۔ اب یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ایمان اور حُبِ رسول ﷺ کی یہ وراثت اپنی اولاد میں منتقل کر دیں تاکہ محبت کا یہ پیغام اگلی نسلوں تک پہنچتا رہے اور اس طرح چراغ سے چراغ جلنے کا عمل جاری رہے۔ اگر ہم اس فریضہ سے سبک دوش نہ ہو سکے تو روزِ حساب اس کوتاہی اور غفلت شعاری کے بارے میں ہم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

لمحۂ فکریہ

اگر ہم اپنے احوال پر نظر دوڑائیں تو یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ ہم میں سے اکثر نے مال و دولت، مکانات، کاروبار، تجارت، سرمایہ اپنے ماں باپ سے پایا اور اب اِس کوشش میں ہیں کہ اپنی اولادوں کو اس سے کئی گنا زیادہ منتقل کر کے دنیا سے جائیں۔ کتنے دکھ کی بات ہوگی کہ ایمان اور محبتِ رسول ﷺ کی وہ دولت جو ہم نے اپنے آباء و اَجداد سے زیادہ لی اور اولاد کو کم منتقل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوں۔ اور

جب ہماری اولاد اپنی اگلی نسل کے لیے مؤخر الذکر ورثہ میں اور بھی کمی کردے گی تو ان کا کیا حشر ہوگا؟ کیا ان کے پاس ایمان کی کوئی دولت رہے گی؟

حفاظتِ ایمان کا طریقہ

آج مسلم دنیا کی دگرگوں صورت حال انتہائی پریشان کن ہے۔ عالمِ کفر و اِلحاد اور باطل کی یلغار مسلم نسلوں کو ایمان کی دولت سے محروم کرنے کی اِنتہائی کوشش کر رہی ہیں۔ اِس صورتِ حال سے نکلنے اور ایمان کی دولت محفوظ کرنے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا اور آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی پیروی کرنا اَز بس ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم شعوری طور پر یہ کوشش کریں کہ سینوں میں حضور ﷺ کی محبت کی شمع روشن رہے، اور ہم اگلی نسلوں کو محبتِ رسول ﷺ کی لازوال دولت منتقل کرسکیں۔ منتقلی کا یہ عمل کسی نہ کسی شکل میں سال بھر جاری رہتا ہے اور حضور ﷺ کی تعلیمات کا ذکر ہوتا رہتا ہے، قرآن مجید کے دروس ہوتے ہیں، حدیث شریف کا بیان بھی ہوتا ہے۔ مگر سال کے بارہ مہینوں میں ربیع الاول ایک خاص مہینہ ہے جس میں سب سے بڑھ کر حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت و عشق کا پیغام دینے کی ضرورت ہے۔ اِس مہینے میں کوئی خوش الحانی سے حسنِ سراپا رسول ﷺ کی بات کرتا ہے، کوئی آقا ﷺ کے پُر پیچ گیسوؤں کی، کوئی شہر مدینہ کے گلی کوچوں کا ذکر چھیڑ رہا ہوتا ہے، کوئی گنبد خضریٰ کی سنہری جالیوں اور شہر مدینہ کی فضاؤں کے دل نشین تذکروں سے قلب و روح کے تار چھیڑتا ہے، کوئی حضرت آمنہ اور حضرت حلیمہ کے حوالے سے لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم کے مصداق حضور ﷺ کے بچپن کے احوال بیان کرتا ہے، اور کوئی چودہ سو سال پہلے شہر مکہ کی تاریخ کے اَوراق پلٹ رہا ہے۔ الغرض اس مہینے میں حضور ﷺ کی محبت کے ترانے الاپے جاتے ہیں، آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی بات ہوتی ہے، آپ ﷺ کا بچپن یاد کیا جاتا ہے اور سیرت الرسول ﷺ کی ترویج کے لیے خصوصی خطابات ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگلی نسلوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت کی تعلیم دینے کا اس سے مؤثر اور سنہری موقع کوئی

نہیں کہ انہیں آقائے دوجہاں ﷺ کا میلاد منانے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی جائے۔ ماہِ ربیع الاول میں بالخصوص اور سال کے دیگر مہینوں میں بالعموم ایسی محافلِ منعقد کی جائیں جن میں تذکارِ سیرت اور نعت خوانی کا خاص اِہتمام ہو، تاکہ نئی نسل کے قلب و روح میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ذہنی و قلبی وابستگی اور جذباتی تعلق کو فروغ ملے۔

۵۔ دعوتی و تبلیغی پہلو (Dawah aspect)

جشنِ میلاد کے مختلف پہلوؤں میں دعوتی و تبلیغی پہلو بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جب ماہ ربیع الاول آتا ہے تو کثرت سے ایسی تقریبات منعقد ہوتی ہیں جن میں مختلف مشرب و مسلک رکھنے والے لوگوں کو شرکت کی دعوتِ عام دی جاتی ہے۔ مساجد میں محافلِ میلاد ایک اجتماع کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر مختلف تقریبات منعقد ہوتی ہیں جن میں کثرت سے حضور نبی اکرم ﷺ کے واقعاتِ سیرت اور آپ ﷺ کے اَوصافِ حمیدہ کے تعلیماتی پہلو بیان کیے جاتے ہیں، درود و سلام کے نذرانے اور گلہائے نعت آقائے دوجہاں ﷺ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ سیرت کے بیان میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اَخلاقِ حسنہ کے مختلف گوشے اُجاگر کیے جاتے ہیں اور اِطاعت و اِتباعِ رسول ﷺ پر زور دیا جاتا ہے جس سے لوگوں میں محبت و اخوت اور یگانگت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔

یہ بدیہی حقیقت ہے کہ میلاد النبی ﷺ کے اجتماعات دعوت اِلی اللہ اور کلمہ حق کی سربلندی کے لیے ایک بہت بڑا وسیلہ اور انتہائی مؤثر ذریعہ ہیں۔ حکمت و دانش کا تقاضا ہے کہ یہ سنہری موقع ہرگز ضائع نہ کیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مبلغین اور علمائے کرام محافلِ میلاد کے پلیٹ فارم سے مصطفوی اخلاق و آداب اور سیرت طیبہ کی روشنی میں معاملات و عبادات کا درس دیں۔ میلاد کے اس مقدس مہینے میں ایسی محافل کا انعقاد جن کے ذریعے لوگوں کو سیرتِ رسول ﷺ کی طرف راغب کیا جائے اور ان کے شعور کو بیدار

کیا جائے دوسرے مہینوں کے مقابلے میں یقینا بہتر اور زیادہ نتیجہ خیز ہے۔ محافلِ میلاد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے باب میں آپ ﷺ کے شمائل و فضائل اور ان پہلوؤں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جن سے حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت اور اتباع کے جذبات فروغ پائیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائیں۔ مکہ مکرمہ میں یہ دستور تھا کہ لوگ ہر سال مولد النبی ﷺ کی زیارت کرتے، جہاں بالاہتمام محافلِ میلاد کا انعقاد کیا جاتا جن میں خطباء سیرت مطہرہ کے مختلف پہلو بیان کرتے۔ شیخ قطب الدین حنفیؒ اس ضمن میں آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:

ويخرجون من المسجد إلی سوق الليل ويمشون فيه إلی محل المولد الشريف بازدحام ويخطب فيه شخص۔[1]

''اور وہ جوق در جوق جلوس کی شکل میں مسجد سے نکل کر سوق اللیل سے گزرتے ہوئے حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتا ہے۔''

۶۔ ذوقی وحِسّی پہلو (Motivati onal aspect)

ہر شے کی دو جہات ہوتی ہیں:

۱۔ ظاہری جہت

۲۔ باطنی جہت

کسی چیز کا نظر آنے والا پہلو اُس کی ظاہری جہت کہلاتا ہے جب کہ باطنی جہت کسی چیز کا وہ پہلو ہے جو ہر کس و ناکس کو نظر نہیں آتا بلکہ مخفی ہونے کی بنا پر ہمارے

(۱) قطب الدين، كتاب الإعلام بأعلام بيت الله الحرام فی تاريخ مكة المشرفة: ۳۵۵، ۳۵۶

حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ مجرب اَمر ہے کہ جو چیز جس قدر مخفی، غیر مرئی اور غیر محسوس ہوگی وہ اُسی قدر لطیف اور زیادہ قدر و قیمت کی حامل ہوگی۔ روز مرہ زندگی میں سے اس کی مثال یوں سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ دوقسم کے سیب لیں: ایک عام ضخیم سیب اور دوسرا سرخ پتلا سیب۔ پہلی قسم میں سوائے نفسِ سیب کے کوئی ذائقہ ملے گا نہ خوشبو، جب کہ دوسری قسم کا سیب جسے عرف عام میں ''گولڈن سیب'' کہا جاتا ہے اس میں حلاوت، ذائقہ اور خوشبو اس درجہ ہوگی کہ آپ دیر تک اُس کا ذائقہ اور حلاوت محسوس کرتے رہیں گے۔ آپ نے موازنہ کیا کہ دونوں میں کیا فرق ہے؟ بظاہر دونوں اپنی ہیئت اور شکل میں یکساں نظر آتے ہیں لیکن دونوں کے اندر موجود گودے میں مخفی حلاوت اور خوشبو- جو نظروں سے اوجھل ہے- نے ان کی قدر و قیمت میں بہت فرق پیدا کر دیا۔ بقول سعدی شیرازیؒ:

ہرچہ بقامت کہتر بقیمت بہتر

کے مصداق جو چیز نظر آتی ہے وہ اس کی ضخامت ہے اور وہ اتنی قیمتی نہیں ہوتی جتنی کہ وہ چیز جو نگاہوں سے مخفی ہو یعنی لذت، حلاوت اور خوشبو۔ گویا اس کا خول اس دکھائی نہ دینے والی چیز پر پڑا ہے، جس کی اَہمیت اُس کے حجم اور ضخامت کے مقابلے میں بہ درجہا زیادہ ہے۔

اَعمال کی ظاہری اور باطنی جہت

دینِ اسلام کے اَحکامات کے مطابق عبادات اور اَعمالِ صالحہ بجا لانے کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إنما الأعمال بالنيات۔ (1)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی، ۱: ۳، رقم: ۱
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب قوله: إنما الأعمال بالنية، ۳: ۱۵۱۵، رقم: ۱۹۰۷
۳۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء فی من يقاتل رياء والدنيا، ۴: ۱۷۹، رقم: ۱۶۴۷
←

''بے شک اَعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بہ طور عبادت نماز کا حکم دیا جو تسبیح، تکبیر، رکوع، قیام و سجود اور جلسہ وقعدہ پر مشتمل ہے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے، تسبیحات بھی ہیں، لیکن قبولیت کا دار و مدار نیت پر ہے جو کہ قلب و باطن کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ اگر نیت درست ہوئی تو عبادت کا عمل قبول ہو جائے گا اور اگر نیت ہی خراب رہی تو یہ نماز دکھلاوے کی نماز ہوگی اور اس میں چاہے ہزار سجدے بھی ادا کر لیے جائیں یہ قبول نہ ہوگی۔ بقول علامہ اِقبالؔ:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو، زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں[۱]

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا[۲]

اس سے معلوم ہوا کہ ریا کاری کی وجہ سے اَعمال اپنے وجود کے باوجود قبولیت نہیں پا سکتے کیوں کہ انہیں قبولیت تک پہنچانے والی چیز نیت ہے جو مخفی ہونے کی بنا پر نظر نہیں آتی۔ نہ اس کا کوئی ظاہری وجود ہے۔ اگر نیت کا قبلہ درست ہو تو ایک لمحے میں دو نفلوں کو اٹھا کر اجر میں ایک لاکھ نوافل سے زیادہ کر دے۔ یہاں غور طلب نکتہ وہ حقیقت ہے جو عبادت

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الطلاق، باب فیما عنی به الطلاق والنیات، ۲: ۲۶۲، رقم: ۲۲۰۱

۵۔ نسائی، السنن، کتاب الطھارة، باب النیة فی الوضوء، ۱: ۵۸، رقم: ۷۵

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزھد، باب النیة، ۲: ۱۴۱۳، رقم: ۴۲۲۷

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، بانگِ درا: ۲۸۱

(۲) اِقبال، کلیات (اُردو)، بانگِ درا: ۲۹۱

کو قابل قبول بناتی ہے اور اَعمالِ صالحہ کو مقبولیت کے درجے تک پہنچاتی ہے۔ یہ حقیقت اُس وقت عیاں ہوتی ہے جب ہم حصارِ دین میں داخل ہو کر ایمان کی طرف بڑھتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے ہماری نسبت اور ہمارا تعلق متحقق ہو جاتا ہے۔ اس تعلق اور نسبت کی بھی دو جہات ہیں: اس میں بھی ایک جہت ظاہری ہے اور دوسری باطنی ہے۔

اَعمال کی روح محبتِ رسول ﷺ ہے

وہ تمام اَعمالِ صالحہ اور اِطاعات وعبادات جو ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی اِتباع اور آپ ﷺ کی نسبتِ مبارکہ کی پیروی میں ادا کرتے ہیں اَعمال کی ظاہری شکل ہے۔ یہ سب کچھ جو بادی النظر میں دکھائی دیتا ہے دراَصل وجودِ اَعمال ہے جس میں ایک حقیقی رُوح کارفرما ہے جو ان کو درجۂ قبولیت تک پہنچاتی ہے، اور وہ نظر نہ آنے والی لطیف حقیقت محبتِ رسول ﷺ ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين۔(۱)

”تم میں سے کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۵
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإيمان، باب وجوب محبة الرسول ﷺ، ۱: ۶۷، رقم: ۴۴
۳۔ نسائی، السنن، کتاب الإيمان، باب علامة الإيمان، ۸: ۱۱۴، ۱۱۵، رقم: ۵۰۱۳، ۵۰۱۴
۴۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فی الإيمان، ۱: ۲۶، رقم: ۶۷

ماں باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فو الذی نفسی بیده! لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده۔(۱)

’’اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین اور اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔‘‘

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ہمارے اَعمال میں محبتِ رسول ﷺ روح کا درجہ رکھتی ہے، اگر یہ مفقود ہو تو روح سے عاری اَعمال بے اَجر، بے ثمر اور بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے نزدیک ان کی حیثیت پرِکاہ کے برابر بھی نہیں رہتی۔ اِس لحاظ سے محافلِ میلاد محبتِ رسول ﷺ کے اِحیاء کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ ان محافل و مجالس میں نعت اور صلوٰۃ و سلام کا جو اہتمام کیا جاتا ہے اس کے پیچھے کار فرما محرک یہی جذبہ ہوتا ہے کہ اصلِ ایماں محبتِ رسول ﷺ ماند پڑ جانے والی حرارت کو پھر سے شعلہ بنایا جائے اور حضور ﷺ کی محبت کا چراغ پھر سے مومنوں کے دلوں میں روشن کیا جائے۔ اِسی طرح فرمودۂ اقبالؔ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروی ما ز نامِ مصطفیٰ است(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حب الرسول ﷺ من الإیمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۴

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الإیمان، باب علامة الإیمان، ۸: ۱۱۴، رقم: ۵۰۱۵

(۲) اِقبال، کلیات (فارسی)، أسرار و رُموز: ۳۸

(مسلمان کے دِل میں مقامِ مصطفیٰ ﷺ نے گھر کر رکھا ہے، ہماری عزت و آبرو آپ ﷺ کے نام سے ہی ہے۔)

کا منشاء پورا ہوسکتا ہے ورنہ ہماری دین داری تو محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ جب کہ عہدِ صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں ایسی کوئی صورتِ حال کارفرما نہ تھی۔ انہیں اپنی کشتِ ایمان کو حوادثِ زمانہ کی دست برد سے بچانے کی ایسی ضرورت نہ تھی جس طرح آج ہمیں درپیش ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کے اَحوالِ محبت جو کتبِ حدیث میں محفوظ ہیں وہ ان عاشقانِ زار کی وارفتگئ محبت پر شاہد عادل ہیں۔ اَربابِ سیرت نے لکھا ہے کہ ان عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کی محبتِ رسول ﷺ ایسی متاعِ گراں بہا تھی کہ اگر اسے ساری کائنات میں تقسیم کر دیا جائے تو پھر بھی قیامت تک کم نہ پڑے۔ لہٰذا آج کے دورِ فتن میں ہمارے ایمان کو ہر جہت سے خطرات لاحق ہیں اور طاغوتی یلغار کئی محاذوں پر سرگرم عمل ہے۔ آج ایمان کی حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم شعوری کوشش کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اپنی اولادوں کو منتقل کریں۔ منتقلی کا یہ عمل جو سال کے گیارہ مہینے تعلیماتِ نبوی ﷺ اور دروسِ قرآن کی شکل میں جاری رہتا ہے اس سلسلے کو ربیع الاول کے ماہِ مبارک میں خصوصی توجہ سے مہمیز کر کے آگے بڑھائیں تاکہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا نقش ہمارے قلوب پر ''کالنقش فی الحجر'' کی طرح ثبت ہو جائے۔

۷۔ رُوحانی و توسّلی پہلو (Spiritual aspect)

واقعاتِ میلاد النبی ﷺ کی سماعت سے روحانیت کو فروغ ملتا ہے۔ محافل و مجالسِ میلاد سے اِنسان کی روحانی اَقدار تقویت پاتی ہیں۔ اس لیے ان تقریبات میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ پیشِ نظر رہے کہ ماہِ ربیع الاول کی سعید ساعتوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کے زیادہ سے زیادہ روحانی فیوضات سے بہرہ ور ہونے کی شعوری کوشش کی جائے اور مشکل مہماتی اُمور میں حضور نبی رحمت ﷺ کا وسیلہ اختیار کیا جائے، تاہم اگر

اس موقع پر میلاد منانے کے قابلِ اعتراض پہلوؤں پر سخت گرفت نہ کی جائے اور انہیں برقرار رہنے دیا جائے تو ہم یقیناً میلاد کے فیوض و برکات سے محروم رہیں گے۔ لہٰذا ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ جشنِ میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے طہارت و نفاست اور پاکیزگی کا کماحقہٗ خیال رکھا جائے۔ اِس حوالہ سے یہ اَمر دل و دماغ میں مستحضر رہنا چاہیے کہ جشنِ میلاد کے موقع پر محافل کے اِنعقاد، صدقہ و خیرات اور قربانی و ایثار کے پیچھے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا و خوش نودی کے حصول کا جذبہ کارفرما ہو۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں درود و سلام اور اُمتیوں کے نیک و بد اَعمال بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ صالح اَعمال پر سرکارِ دو جہاں ﷺ خوشی کا اظہار فرماتے ہیں اور بدی و گناہ کی باتوں پر ناراضگی اور اَفسوس کا اِظہار کرتے ہیں۔[1] ہم جو میلاد کی خوشیاں مناتے ہیں وہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اگر محافلِ میلاد کی تقریبات صدق و اخلاص پر مبنی ہوں تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پذیرائی اور مسرت کا باعث بنتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب ﷺ کی محبت کی خاطر کی جانے والی کوششوں کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۵: ۳۰۸، ۳۰۹، رقم: ۱۹۲۵

۲۔ ابن أبی أسامۃ نے اِسے صحیح سند کے ساتھ ''مسند الحارث (۲: ۸۸۴، رقم: ۹۵۳)'' میں روایت کیا ہے۔

۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۴: ۱۷۶

۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۱۸۳، رقم: ۶۸۶

۵۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، ۱: ۱۹

۶۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۹: ۲۴)'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث بزار نے روایت کی ہے اور اِس کے تمام رجال صحیح ہیں۔

←

اخلاصِ عمل کے باب میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ) نے اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم (۱۰۵۴۔۱۱۳۱ھ) کے معمول کے بارے میں جو لکھا ہے وہ ہمارے لیے چشم کشا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اُن کے والد ہر سال حضور ﷺ کے میلاد کے موقع پر کھانے کا اہتمام کرتے تھے، لیکن ایک سال (بوجہ عسرت شاندار) کھانے کا اہتمام نہ کر سکے، تو کچھ بھنے ہوئے چنے لے کر میلاد کی خوشی میں لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ رات کو اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کے سامنے وہی چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ خوش وخرم تشریف فرما ہیں۔[1]

لہٰذا ہمیں جشنِ میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے اخلاص وللّٰہیت کو مدنظر رکھنا چاہیے اور ہر اُس عمل سے بچنا چاہیے جو آقائے دو جہاں ﷺ کی دل آزاری کا باعث بنے۔

...... ۷۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۴: ۲۵۷

۸۔ أبو الفضل عراقی نے اپنی کتاب ''طرح التثریب فی شرح التقریب (۳: ۲۹۷)'' میں اس روایت کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) شاہ ولی اللہ، در الثمین فی مبشرات النبی الأمین ﷺ: ۴۰

باب دہم

کیا میلاد النبی ﷺ منانا بدعت ہے؟

جشنِ میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت اور اُس کے فضائل و ثمرات کے بیان کے بعد اب ہم زیرِنظر موضوع کی مناسبت سے تصورِ بدعت کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں گے۔ بہ طورِ خاص اس بے بنیاد تصور کا اِزالہ کریں گے کہ ہر وہ کام جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھا اور نہ خلفائے راشدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس کا ثبوت ملتا ہے، اسے اگر بعد میں کیا جائے تو -قطعِ نظر اچھائی یا برائی کے- وہ بدعت (یعنی نیا کام) ہونے کی بناء پر کلیتًا ناجائز اور حرام تصور ہوگا۔ ذیل میں اِس خود ساختہ تصور کو قرآن و حدیث کے واضح دلائل کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ نیز یہ حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے گی کہ جشنِ میلاد ایک مشروع، مباح اور جائز عمل ہے۔

بدعت کا لغوی مفہوم

''بدعت'' کا لفظ بَدَعَ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے:

''کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بنانا۔''

۱۔ ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) لفظِ بدعت کے تحت لکھتے ہیں:

أبدعت الشيء: اخترعته لا علی مثال۔[۱]

''میں نے فلاں شے کو پیدا کیا یعنی اُسے بغیر کسی مثال کے ایجاد کیا۔''

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) بدعت کا لُغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۸: ۶

البدعة أصلها ما أحدث علی غیر مثال سابق۔[1]

’’اَصلِ بدعت یہ ہے کہ اُسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہو۔‘‘

معنیٔ بدعت کی قرآن حکیم سے توثیق

قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر لفظِ بدعت کے مشتقات بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ معنی کی توثیق ہوتی ہے۔ صرف دو مقامات درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بغیر کسی مثالِ سابق کے پیدا فرمائے، اس لیے خود کو بدیع کہا۔ فرمایا:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡراً فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ○[2]

’’وہی آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، اور جب وہ کسی چیز (کے ایجاد) کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے: تو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے ○‘‘

۲۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔[3]

’’وہی آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے۔‘‘

درج بالا آیات سے ثابت ہوا کہ کائناتِ اَرضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ

---

(۱) ۱۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳

۲۔ شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، ۳: ۶۳

(۲) البقرہ، ۲: ۱۱۷

(۳) الأنعام، ۶: ۱۰۱

بدعت ہے اور اِسے عدم سے وجود میں لانی والی ذاتِ باری تعالیٰ ''بدیع'' ہے۔

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

اہلِ علم کے نزدیک بدعت کی اِصطلاحی تعریف درج ذیل ہے:

۱۔ اِمام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) بدعت کی تعریف اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

البدعة هي إحداث مالم يكن في عهد رسول الله ﷺ۔(۱)

''بدعت سے مراد ایسے نئے کام کی ایجاد ہے جو عہد رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔''

۲۔ شیخ ابن رجب حنبلیؒ (۷۳۶۔۷۹۵ھ) بدعت کی اِصطلاحی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه، وأما ما كان له أصل من الشّرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً، وإن كان بدعة لغة۔(۲)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔''

---

(۱) نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ۳: ۲۲

(۲) ۱۔ ابن رجب، جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثاً من جوامع الكلم: ۲۵۲

۲۔ عظيم آبادی، عون المعبود شرح سنن أبي داود، ۱۲: ۲۳۵

۳۔ مبارك پوری، تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، ۷: ۳۶۶

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والتحقيق أنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشّرع فهی حسنة، وإن كانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشّرع فهی مستقبحة۔(۱)

''تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت کوئی ایسا کام ہو جو شریعت میں مستحسن اُمور میں شمار ہو تو وہ حسنہ ہے اور اگر وہ شریعت میں ناپسندیدہ اُمور میں شمار ہو تو وہ قبیحہ ہوگی۔''

اِن تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نئے کام یعنی بدعت کو محض نیا کام ہونے کی وجہ سے مطلقاً حرام یا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اُس کے جواز یا عدمِ جواز کو پرکھنے کا پیمانہ یہ ہے کہ اگر وہ نیا کام شریعت میں مستحسن و مباح ہے تو اُسے بدعتِ حسنہ کہیں گے اور اگر وہ نیا کام شریعت میں غیر مقبول و ناپسندیدہ ہو تو اُسے بدعتِ سیئہ یا بدعتِ قبیحہ کہیں گے۔

اِس اُصولی بحث کے بعد یہ اَمر واضح ہو گیا کہ جشنِ میلاد النبی ﷺ اگرچہ قرونِ اُولیٰ میں اِس شکل میں موجود نہیں تھا جس ہیئت میں آج موجود ہے، لیکن چوں کہ قرآن حکیم کی تلاوت، ذِکرِ اِلٰہی، تذکارِ رسالت، ثنا خوانئ مصطفیٰ ﷺ، صدقہ و خیرات کرنا، فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا جیسے اَعمال اِس جشن کے مشتملات ہیں، اور اِن میں سے کوئی اَمر بھی شریعت میں ممنوع نہیں، لہٰذا یہ ایک جائز، مشروع اور مستحسن عمل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ سابقہ اَدوار کے لوگ اپنے رسوم و رواج اور ثقافت کے مطابق نعمتِ

---

(۱) ۱۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳

۲۔ شوکانی، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، ۳: ۶۳

عظمیٰ ﷺ ملنے کے دن شکرِ اِلٰہی بجا لاتے تھے، جب کہ موجودہ دور میں جس طرح زندگی کے ہر گوشہ میں تبدیلی رُونما ہوئی ہے اُسی طرح جشن میلاد النبی ﷺ منانے کے اَطوار بھی تبدیل ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اِس اَمر کی وضاحت کرتے ہیں:

کیا علاقائی ثقافت کا ہر پہلو بدعت ہے؟

ہم اپنی روز مرّہ زندگی میں جو کچھ کرتے ہیں اُسے قرآن وسنت کی روشنی میں شرعاً ثابت کرنے پر زور دینا ہمارا مزاج بن چکا ہے۔ ہم ہر چیز کو بدعت اور ناجائز کہہ دیتے ہیں۔ اس میں میلاد النبی ﷺ کے جلوس اور بہت سے مستحسن اُمور جو ہمارے ہاں رواج پا چکے ہیں ان کو معترضین بدعت سے تعبیر کرتے نہیں تھکتے۔ کچھ چیزیں اصلاً دینی ہوتی ہیں ان کی اصل توضیح اور استدلال کو کتاب وسنت میں تلاش کرنا چاہیے کہ وہ احکامِ دین کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس کے ثبوت یا عدمِ ثبوت پر تو حکم شرعی ہونا چاہیے کہ ثابت ہے تو حکم ہے اور اگر غیر ثابت ہے تو حکم نہیں اور باقی چیزوں کی تقسیم کر سکتے ہیں:

اَوّلاً: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں علاقائی اور سماجی رواج شامل ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک اہم اور نئی جہت ہے کہ علاقائی رواج دینی اُمور نہیں بن جاتے اور وہ چیزیں کلچر یعنی تہذیب وثقافت کا رُخ اختیار کر لیتی ہیں۔

ثانیاً: کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وقتی مصالح، بدلتے ہوئے حالات، لوگوں کے رُجحانات اور اجتماعی میلانات کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔

ثالثاً: بعض علاقائی، سماجی اور کلچرل ضرورتیں اور تقاضے بعض چیزوں کو ناگزیر بنا دیتے ہیں۔

۱۔ ثقافتی اِعتبار سے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ثقافتی اِعتبار سے سادہ تھا۔ اس دور کا ثقافتی اور تاریخی نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو اس دور میں مسجدیں سادگی سے بنائی جاتی تھیں، گھر بھی بالعموم سادہ اور کچے بنائے جاتے تھے، کھجور کے پتوں اور شاخوں کو استعمال میں لایا جاتا، جب کہ خانہ کعبہ پتھروں سے بنا ہوا موجود تھا۔ وہ چاہتے تو مسجد نبوی ﷺ بھی پختہ بنا سکتے تھے مگر اس دور کے معاشرے کی ثقافت اور رسم رواج سادہ اور فطرت سے انتہائی قریب تھے۔ ابتدائی تہذیب کا زمانہ تھا۔ کپڑے بھی ایسے ہی تھے جیسے انہیں میسر تھے۔ کھانا پینا بھی ایسا ہی تھا۔ یعنی ہر ایک عمل سادگی کا انداز لیے ہوئے تھا۔ ان کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، رہن سہن الغرض ہر چیز میں سادگی نمایاں طور پر جھلکتی نظر آتی تھی۔ تو جب ہر چیز میں یہ انداز واضح طور پر جھلکتا تھا تو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی منانے میں بھی اُن کا اپنا انداز اس دور کے کلچر کی انفرادیت کا آئینہ دار تھا۔

۲۔ میلاد النبی ﷺ کے ثقافتی مظاہر

ہم یومِ پاکستان اور یومِ قائدِ اعظم مناتے ہیں، اس موقع پر جلوس نکالتے ہیں۔ یہ ہمارے علاقائی رسم و رواج کا حصہ ہے، اسے شرعی نہیں بلکہ ثقافتی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف پر خوشی منانا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ مومن کا دل خوشی و انبساط سے لبریز ہو جائے، البتہ اس کے اظہار کے مختلف ثقافتی طریقے ہیں جن کا وقت کے ساتھ ساتھ بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔

(۱) میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلوس نکالنا ثقافت کا حصہ ہے

اگر یومِ پاکستان منانا ثقافتی نقطۂ نظر سے درست ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کا دن جو انسانی تاریخ کا اہم ترین دن ہے کیوں نہ منایا جائے؟ اگر یومِ آزادی

پر توپوں کی سلامی دی جاتی ہے تو میلاد کے دن کیوں نہ دی جائے؟ اس طرح اور موقعوں پر چراغاں ہوتا ہے تو یومِ میلاد پر چراغاں کیوں نہ کیا جائے؟ اگر قومی تہوار پر قوم اپنی عزت و افتخار کو نمایاں کرتی ہے تو حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ولادت کے دن وہ بہ طور اُمت اپنا جذبہ افتخار کیوں نمایاں نہ کرے؟ جس طرح ان ثقافتی مظاہر پر کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں اُسی طرح میلاد النبی ﷺ کے جلوس کے جواز پر بھی کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں۔ خوشی اور احتجاج دونوں موقعوں پر جلوس نکالنا بھی ہمارے کلچر کا حصہ بن گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد پر اگر ہم جلسہ وجلوس اور صلوٰۃ و سلام کا اہتمام کرتے ہیں تو اس کا شرعی جواز دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ پوچھا جاتا ہے کہ عرب کیوں جلوس نہیں نکالتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے کلچر میں جلوس نہیں، جب کہ عجم کے کلچر میں ایسا ہے۔ متحدہ عرب امارات اور مصر وغیرہ میں لوگ میلاد مناتے ہیں لیکن جلوس نکالنا ان کے کلچر میں بھی نہیں، جب کہ ہمارے ہاں تو ہاکی کے میچ میں کامیابی پر بھی جلوس نکالنا خوشی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جیتنے والی ٹیموں اور الیکشن جیتنے والے امیدواران کا استقبال جلوس کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو عمل شریعت میں منع نہیں بلکہ مباح ہے اور ثقافتی ضرورت بن گیا ہے اور اس کا اصل مقصد حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی منانا ہے تو اس پر اعتراض کرنے کی کیا گنجائش اور ضرورت ہے؟

(۲) محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنا ثقافت کا حصہ ہے

برصغیر پاک و ہند میں لوگ محافل کے دوران میں کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پڑھتے ہیں جب کہ اہلِ عرب کے ہاں اکثر بیٹھ کر صلوۃ و سلام پڑھا جاتا ہے، لیکن مکہ مکرمہ میں اکثر لوگ قیام بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا اِس پر بلا جواز اعتراض کرنا اور اسے باعثِ نزاع بنانا کوئی مستحسن اقدام نہیں۔ بحالتِ قیام صلوۃ و سلام کا اگرچہ شرعی جواز موجود ہے مگر اس

کا دوسرا پہلو علاقائی اور ثقافتی ہے۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے، کوئی کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہے، کوئی بیٹھ کر سلام پڑھتا ہے۔ (محافل میلاد میں قیام کے موضوع پر مفصل گفتگو ہم باب نمبر ۸۔جشنِ میلاد النبی ﷺ کے اَجزائے تشکیلی۔ میں کر چکے ہیں۔)

(۳) میلاد النبی ﷺ پر آرائش و زیبائش ثقافت کا حصہ ہے

قرونِ اُولیٰ میں لوگوں کی طبیعت کے اندر نیکی اور خیر کے پہلو اتنے غالب ہوتے تھے کہ انہیں کسی اِہتمام کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ حکم ہی کافی تھا۔ لیکن آج صورت حال بدل چکی ہے۔ حکم کے وہ اَثرات نہیں رہے اس لیے جامد طبیعتوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے کے لیے مسجدیں خوبصورت بنانے کا رُجحان زور پکڑ گیا ہے، جب کہ مساجد کی زیب و زینت کا قرآن و حدیث میں کہیں حکم نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے ہے کہ ظاہری اَسباب رغبت کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ (۱)

''اے اَولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو۔''

اس پہلو کا تعلق اَحکامِ شریعت سے نہیں ثقافت سے ہے۔ داڑھی کے بال سنوارنا، سرمہ ڈالنا، سر میں تیل لگانا، اچھے کپڑے زیبِ تن کرنا اَعمالِ سنت ہیں، اور ظاہری رغبت دلانے والی چیزیں ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِن اَفعال کی ترغیب دلائی ہے۔ اِسی لیے فرمایا:

من أكل من هذه البقلة فلا يقربن مساجدنا، حتى يذهب ريحها يعنى الثوم۔ (۲)

---

(۱) الأعراف، ۷: ۳۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهى من أكل ثوماً أو بصلاً أو كراثاً أو نحوهما، ۱: ۳۹۴، رقم: ۵۶۱

←

’’جو شخص اِس ترکاری (یعنی لہسن، پیاز) کو کھائے وہ ہماری مساجد میں نہ آئے یہاں تک کہ اِس کی بو (اُس کے منہ سے) ختم ہو جائے۔‘‘

کیا لہسن، پیاز کھانے والا کسی قبیح جرم کا مرتکب ہوگیا ہے کہ اسے مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ظاہری اَسباب کی بناء پر ہی فرمایا کہ اگر کوئی لہسن، پیاز کھا کر مسجد میں آئے گا تو مسجد میں بیٹھے لوگوں کی طبیعت میں اِنقباض پیدا ہوگا۔ جسمانی آرائش و زینت سے متعلقہ یہ اور اِس موضوع کی حامل دیگر احادیث ثابت کرتی ہیں کہ اسلام میں ظاہری اَسباب پیدا کیے جانے کو قرینِ حکمت اور قرینِ مصلحت سمجھا جاتا ہے۔

بدعت کی مبادیات اور جشنِ میلاد کے ثقافتی پہلوؤں کے بیان کے بعد اب ہم بدعت کا حقیقی تصور بیان کرتے ہیں:

بدعت کا حقیقی تصور

ذیل میں اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ’’مضمونِ بدعت کی احادیث‘‘ کا حقیقی اِطلاق کن کن بدعات پر ہوتا ہے:

۱۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ۔(۱)

...... ۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأطعمة، باب في أكل الثوم، ۳: ۱۶۰، ۱۶۱، رقم: ۳۸۲۴، ۳۸۲۵

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

←

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اِس میں سے نہ ہوتو وہ مردود ہے۔''

۲۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اِس میں اَصلاً نہ ہوتو وہ مردود ہے۔''

۳۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ۔(۲)

...... ۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ، ۱: ۷، رقم: ۱۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داؤد، السنن، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضيه، باب نقض الأحكام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، ۲۵۶، رقم: ۲۵۵۱۱، ۲۶۲۳۴

۳۔ دارقطنی، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی اَمر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔''

مغالطہ کا اِزالہ اور فَھُوَ رَدٌّ کا درست مفہوم

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں اَحْدَثَ، مَا لَيْسَ مِنْهُ اور مَا لَيْسَ فِيْهِ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ عرف عام میں اَحْدَثَ کا معنی ''دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا'' ہے، اور مَا لَيْسَ مِنْهُ کے الفاظ اَحْدَثَ کا مفہوم واضح کر رہے ہیں کہ اس سے مراد وہ چیز ایجاد کرنا ہے جو دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ اگر اَحْدَثَ سے مراد ''دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا'' ہے تو پھر مَا لَيْسَ مِنْهُ (جو اس میں سے نہ ہو) یا مَا لَيْسَ فِيْهِ (جو اس میں اَصلاً نہ ہو) کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیوں کہ اگر وہ چیز دین میں سے تھی یعنی اس دین کا حصہ تھی تو اسے نئی نہیں کہا جاسکتا کہ **محدثة** (نئی چیز) تو کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔

اس سوال کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا جو دین کا حصہ نہ ہو، جو نیا کام دین کے دائرے میں داخل ہو وہ مردود نہیں مقبول ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں ہوگی کہ **من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه / فيه فهو ردّ** میں **فهو ردّ** کا اطلاق نہ صرف مَا لَيْسَ مِنْهُ پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط اَحْدَثَ پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اس صورت پر ہوگا جہاں دونوں چیزیں (اَحْدَثَ اور مَا لَيْسَ مِنْهُ / فِيْهِ) جمع ہو جائیں یعنی مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور نہ دین کی کسی جہت کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی **محدثة** کے بدعت وضلالت قرار پانے کے لیے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ دین میں اس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ یہ **محدثة** نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور اَحکامِ

سنت کو توڑے۔

مذکورہ بالا تیسری حدیث شریف میں لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو (مثلاً ایصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اَخلاقی اُمور) اگر اس پر قرآن و سنت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور مردود ہے۔ یہ مفہوم غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیوں کہ اگر یہ معنی مراد لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے پر اَمرِ قرآن و سنت نہ ہو وہ مردود اور حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات بھی قابلِ ردّ ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا اَحادیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہر نیا کام مردود کے زمرہ نہیں آتا بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا جس کی کوئی اَصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ - بالواسطہ یا بلا واسطہ - قرآن و سنت میں موجود نہ ہو اور اسے ضروریاتِ دین،[1] واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شریعت میں اِس طرح شمار کر لیا جائے کہ اسے ''اَساسیاتِ دین میں اِضافہ'' سمجھا جانے لگے یا اُس سے دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں اَصلاً کمی بیشی واقع ہو جائے۔ فرمانِ رسول ﷺ - كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ - سے بھی یہی بدعت مراد ہے، نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالة'' کہا جائے گا۔ یہی اِحداث فی الدین، اسلام کی مخالفت اور دین میں فتنہ تصور ہوگا۔

مذکورہ بالا بحث واضح کرتی ہے کہ جشن میلاد النبی ﷺ ہرگز کوئی ایسا اَمر نہیں ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو بلکہ یہ ایک ایسا مبنی بر خیر اور مستحسن عمل ہے جو سراسر شریعت کے منشاء و مقصود کے عین مطابق ہے۔

(۱) ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

عہدِ نبوی میں اِحداث فی الدین سے مراد

گزشتہ صفحات میں ’’بدعت‘‘ اور ’’اِحداث فی الدین‘‘ (دین میں نئے کاموں کے آغاز) پر علمی و قیاسی گفتگو کی گئی کہ ہر وہ نیا کام جس پر دلیل شرعی موجود ہو شرعاً بدعت نہیں اگرچہ لغوی اعتبار سے وہ بدعت ہوگا۔ اب ان کی عملی و اِطلاقی صورت بیان کی جاتی ہے کہ وہ کون سے اُمور یا معاملات ہیں جن پر بدعات و محدثات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک قاعدہ اور ضابطہ متعین ہونا چاہیے کہ قیامت تک کے لیے اِسی قاعدہ اور کلیہ کی کسوٹی پر کسی بھی معاملہ کو رکھ کر ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ بدعت ضلالہ اور اِحداث فی الدین ہے۔ ذیل میں ہم اِس حوالہ سے چند روایات نقل کریں گے:

۱۔ اِحداث فی الدین یعنی کفر و اِرتداد کے فتنوں کا آغاز حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوری بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم، ثم لیختلجن دونی. فأقول: یا رب! أصحابی؟ فیقال: إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک۔[1]

’’میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رَو ہوں گا اور تم میں سے کچھ آدمی مجھ پر پیش کیے جائیں گے، پھر وہ مجھ سے جدا کر دیے جائیں گے، تو میں کہوں گا: اے میرے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ، ۴: ۱۷۹۶، رقم: ۲۲۹۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

رب! کیا یہ میرے لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ اُنہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالیں (یعنی نئے فتنے بپا کیے)؟‘‘

۲۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ: لا أُلْفِيَنَّ ما نوزِعْتُ أحداً منكم على الحوض. فأقول: هذا من أصحابي. فيقال: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك. قال أبو الدرداء: يا نبي الله! ادع الله أن لا يجعلني منهم. قال: لست منهم۔(۱)

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی ایک کو نہ پاؤں جس کو میرے پاس حوض پر آنے سے روک دیا جائے تو میں کہوں: یہ میرے لوگوں میں سے ہیں۔ تو کہا جائے: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے فتنے پیدا کیے؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔‘‘

اِس حدیث مبارکہ میں الفاظ - **لست منهم** (تم ان میں سے نہیں ہو) - سے پتہ چلا کہ حضور نبی اکرم ﷺ فتنہ پروروں کو جانتے تھے، اِس لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۱۲۵، رقم: ۳۹۷

۲۔ طبراني، مسند الشاميين، ۲: ۳۱۱، رقم: ۱۴۰۵

۳۔ ابن أبي عاصم، السنة، ۲: ۳۵۷، رقم: ۷۶۷

۴۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۵۰، رقم: ۱۲۹

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۹: ۳۶۷، ۱۰: ۳۶۵

سے فرما دیا کہ وہ ان میں سے نہیں ہیں، دین میں بدعات کا آغاز کرنے والے اور لوگ ہیں۔

۳۔ حضرت عمر بن خطاب ﷺ روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: إني ممسک بحجزکم هلمّ عن النار، وأنتم تهافتون فيها أو تقاحمون تقاحم الفراش في النار والجنادب يعني في النار، وأنا ممسک بحجزکم، وأنا فرط لکم علی الحوض، فتردون علي معاً وأشتاتاً، فأعرفکم بسيماکم، وأسمائکم کما يعرف الرجل الفرس. وقال غيره: کما يعرف الرجل الغريبة من الإبل في إبله - فيؤخذ بکم ذات الشمال، فأقول: إلیّ يا رب! أمتي أمتي. فيقول أو يقال: يا محمد! إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک، کانوا يمشون بعدک القهقری۔(۱)

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے روکنے والا ہوں اور تم اس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر گرتے ہو۔ یا (فرمایا:) تم پروانوں اور ٹڈیوں کی طرح آگ میں گرتے ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑنے والا ہوں اور میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رَو ہوں گا، پس تم میرے پاس اکیلے اور گروہ در گروہ آؤ گے تو میں تمہاری نشانیوں اور ناموں سے تمہیں ایسے

---

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۱: ۳۱۴، ۳۱۵، رقم: ۲۰۴
۲۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۱۷۵، رقم: ۱۱۳۰
۳۔ سدوسی، مسند عمر بن الخطاب ﷺ، ۱: ۸۴
۴۔ منذری، الترغيب و الترهيب من الحديث الشريف، ۱: ۳۱۸، رقم: ۱۱۶۹
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۳: ۸۵

پہچانتا ہوں گا جیسے آدمی اپنے گھوڑے کو پہچانتا ہے۔ (اور اس راوی کے علاوہ نے کہا:) جیسے ایک آدمی اجنبی اونٹ کو اپنے اونٹوں میں پہچان لیتا ہے۔ پس تمہیں بائیں طرف سے لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت! میری امت! تو وہ فرمائے گا یا کہا جائے گا: اے محمد! آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے فتنے پیدا کیے؟ وہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پھر گئے تھے یعنی مرتد ہوگئے تھے۔‘‘

اِسی مضمون کی اور بھی بہت سی اَحادیث وارد ہوئی ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد قریبی زمانہ میں ’’اِحداث‘‘ کا ذکر ہے اور اِحداث سے مراد دین میں ایسے بڑے فتنوں کا اِجراء لیا گیا ہے جو دین کو ہی بدل دیں۔ علاوہ ازیں احادیث مبارکہ سے اس امر کی نشان دہی بھی ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں **محدثات الأمور** اِرتداد کے فتنوں کی شکل میں ظاہر ہوئے، ان کا ارتکاب کرنے والے وہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اِسلام قبول کر لیا اور بعد میں مرتدین، منکرینِ زکوٰۃ، جھوٹے مدعیانِ نبوت اور خوارج میں شامل ہوگئے۔ ہمارے اس موقف کی تائید حضور نبی ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: تحشرون حفاة عراة غرلاً، ثم قرأ ﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾[1] فأول من يُكسى إبراهيم، ثم يؤخذ برجال من أصحابي ذات اليمين وذات الشمال. فأقول: أصحابي. فيقال: إنهم لم يزالوا مرتدّين على أعقابهم منذ فارقتهم. فأقول: كما قال العبد الصالح عيسى بن

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۴

مریم: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌo اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo﴾۔[1]

قال محمد بن يوسف: ذُكر عن أبي عبد الله، عن قبيصة، قال: هم المرتدون الذين ارتدّوا على عهد أبي بكر، فقاتلهم أبوبكر رضی اللہ عنہ۔[2]

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، غیر مختون حالت میں جمع کیے جاؤ گے۔ پھر آیت مبارکہ تلاوت کی: ﴿جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا، ہم (اس کے ختم ہو جانے کے بعد) اُسی عمل تخلیق کو دہرائیں گے۔ یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے۔ ہم (یہ اِعادہ) ضرور کرنے والے ہیںo﴾ پس سب سے پہلے اِبراہیم کو (خلعت) پہنائی جائے گی، پھر میرے لوگوں کو دائیں اور بائیں سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا: کیا یہ میرے لوگ ہیں؟ تو کہا جائے گا: جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں، بے شک وہ الٹے پاؤں دین سے پھر کر مرتد ہوگئے ہیں۔ تو میں کہوں گا: جیسا اللہ کے صالح بندہ عیسیٰ بن مریم نے کہا: ﴿اور میں اُن (کے عقائد و اَعمال) پر

---

(۱) المائدة، ۵: ۱۱۷، ۱۱۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبياء، باب قول الله: واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها، ۳: ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، رقم: ۳۲۶۳

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبياء، باب قول الله: واتخذ الله إبراهيم خليلا، ۳: ۱۲۲۲، رقم: ۳۱۷۱

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب صفة القيامة، باب ما جاء فی شأن الحشر، ۴: ۶۱۵، رقم: ۲۴۲۳

(اُس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے○ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے○﴾

’’محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ سے ذکر کیا گیا، وہ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: یہ وہی مرتدین ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔‘‘

۵۔ حضرت اَسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما روایت کرتی ہیں:

قال النّبيّ ﷺ: إني على الحوض حتى أنظر من يرد علي منكم، وسيؤخذ ناس دوني. فأقول: يارب! مني ومن أمتي؟ فيقال: هل شعرت ما عملوا بعدك؟ واللّٰه! ما برحوا يرجعون على أعقابهم۔

فكان بن أبي مليكة يقول: اللّهم! إنا نعوذ بك أن نرجع على أعقابنا أو نفتن عن ديننا۔[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں حوض پر ہوں گا یہاں تک کہ تم میں سے اپنے پاس آنے والوں کو دیکھوں گا، اور عنقریب کچھ لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! کیا یہ مجھ سے اور میری امت سے ہیں؟ تو کہا جائے گا: آپ یقیناً جانتے تو ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب في الحوض، ۵: ۲۴۰۹، رقم: ۶۲۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، ۴: ۱۷۹۴، رقم: ۲۲۹۳

کیا کیا؟ اللہ کی قسم! وہ (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔

''ابن ابی ملیکہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! بے شک ہم (دین سے) الٹے پاؤں پھرنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں یا اس سے کہ ہم اپنے دین کے بارے آزمائش میں ڈالے جائیں۔''

۶۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: أنا علی الحوض أنظر من یرد علي، فیؤخذ ناس دوني. فأقول: یارب! مني ومن أمتي؟ فیقال: وما یدریک ما عملوا بعدک؟ ما برحوا بعدک یرجعون علی أعقابهم۔[1]

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں حوضِ کوثر پر اپنے پاس آنے والوں کو دیکھوں گا، تو کچھ لوگوں کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! کیا یہ مجھ سے ہیں اور میرے امتی ہیں؟ تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ وہ آپ کے بعد (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔''

مذکورہ بالا اَحادیث مبارکہ سے ہمارا موقف - کہ محدثات الامور سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد نمودار ہونے والے فتنے ہیں جو کہ ارتداد کی شکل میں ظاہر ہوئے - درج ذیل نکات سے مزید واضح ہوتا ہے:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ کے اگلے حصہ میں ہمارے موقف پر مرفوع متصل روایت موجود ہے کہ ''**إنهم لم یزالوا مرتدین علی أعقابهم منذ فارقتهم** (جونہی آپ ان سے جدا ہوئے وہ اپنی ایڑیوں کے بل دین سے

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۴، رقم: ۱۵۱۲۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۰: ۳۶۴

پھر رہے ہیں)۔'' پس اِحداث کے مرتکب لوگوں کو حدیث میں صراحتًا مرتدین کہا گیا ہے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے آخر میں امام بخاری نے محدث قَبِیصہ بن عقبہ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے جو ہمارے موقف کا مؤید ہے:

هم المرتدّون الذين ارتدّوا على عهد أبي بكر، فقاتلهم أبو بكر رضی اللہ عنہ۔

''(ان سے مراد) وہ مرتدین ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔''

۳۔ امام بخاری نے ہی حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی روایت بیان کرنے کے بعد ابن ابی ملیکہ تابعی کا قول نقل کیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ فرمایا کرتے تھے:

اللّهم! إنا نعوذ بک أن نرجع على أعقابنا أو نفتن عن ديننا۔

''اے اللہ! بے شک ہم (دین سے) الٹے پاؤں پھرنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں یا اس سے کہ ہم اپنے دین کے بارے آزمائش میں ڈالے جائیں۔''

۴۔ مذکورہ حدیث مبارکہ میں **ما برحوا يرجعون على أعقابهم** (وہ (دین سے) اُلٹے پاؤں پھر گئے تھے)، یا **ما برحوا بعدک يرجعون على أعقابهم** (وہ آپ کے بعد (دین سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے) سے بھی ہمارے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے۔

۵۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔''

امام طبرانی اپنی کتاب ''**مسند الشاميين** (۲: ۳۱۱، رقم: ۱۴۰۵)'' میں اس

حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فمات قبل عثمان بسنتين.

''وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال سے دو سال قبل وفات پاگئے۔''

اِس سے معلوم ہوا کہ اِحداث فی الدین سے مراد خلفائے راشدین کے دور میں وقوع پذیر ہونے والا فتنۂ اِرتداد تھا۔

۶۔ زیرِنظر موقف کی وضاحت کرنے کے لیے ایک اور روایت نہایت ہی اہم ہے جسے امام حاکم نے ''**المستدرک علی الصحیحین**'' میں کبیر تابعین میں سے ایک تابعی حسین بن خارجہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فتنہ اولی کے بعد اپنا ایک خواب بیان کیا ہے جس میں وہ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے ان سے اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کے لیے کہا تو انہوں نے فرمایا:

إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک، أراقوا دماءهم وقتلوا إمامهم۔[1]

''کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا محدثات (یعنی فتنے) بپا کیے؟ انہوں نے اپنوں کا خون بہایا ہے اور اپنے امام کو قتل کیا ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''**الإصابة فی تمییز الصحابة** (۲: ۱۷۲، رقم: ۱۹۷۹)'' اور ابن عبد البر نے ''**التمهيد لما فی الموطا من المعانی والأسانيد** (۱۹: ۲۲۲)'' میں اِمام حاکم کی بیان کردہ روایت میں مذکور ''**الفتنة الأولی**'' کے الفاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اُمتِ مسلمہ میں پیدا ہونے والا فتنہ مراد لیا ہے۔

---

(۱) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۴۹۹، رقم: ۸۳۹۴

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے فتنہ پرور لوگ ہی دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ بدعتی کہلائے۔ یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور انتہاء پسند لوگ تھے جو جنگِ صفین کے بعد خارجی گروہ پیدا کرنے کی بنیاد بنے۔

عہدِ خلفائے راشدین میں رُونما ہونے والے محدثات الامور

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد عہدِ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو بڑے بڑے "محدثات" (دین میں نئے فتنے) پیدا ہوئے - جن کو بدعات کہا گیا اور جن کے خلاف جہاد بالسیف کیا گیا - درج ذیل ہیں:

۱۔ فتنہ دعویٰ نبوت کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوری بعد جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ ظاہر ہوا اور ان کا یہ دعویٰ نبوت "احداث فی الدین" تھا۔ اَسود بن عنزہ عنسی، طلیحہ اَسدی اور مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لشکر روانہ کیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف جہاد کیا۔

۲۔ فتنہ اِرتداد کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

لشکرِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سرزمین عرب میں اِحداث کی شکل میں ایک اور فتنہ رُونما ہوا جسے فتنۂ اِرتداد کہا جاتا ہے۔ عرب کے نومسلم قبائل اسلام سے پھر گئے اور دوبارہ اپنی پرانی روش پر چل نکلے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔[۱]

۳۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد عرب میں فتنہ اِرتداد پھیل جانے کے

(۱) طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۵۴

ساتھ ساتھ بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کا اِرادہ کرتے ہوئے فرمایا:

واللہ! لأقاتلن من فرّق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، واللہ! لو منعوني عناقاً كانوا يؤدّونها إلى رسول اللہ ﷺ، لقاتلتهم على منعها۔[1]

''اللہ کی قسم! میں اس کے خلاف ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا، کیوں کہ زکوٰۃ بیت المال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ادا کرتے تھے تو اس انکار پر بھی میں ان سے ضرور قتال کروں گا۔''

لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان عرب قبائل کی طرف روانہ کیا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔

۴۔ فتنۂ خوارج کو اِحداث فی الدین قرار دیا گیا

خوارج کی اِبتداء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ جب صفین کے مقام پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی روز تک لڑائی جاری رہی، جس کے نتیجے میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین شہید ہوئے۔ بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین میں

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، ۲: ۵۰۷، رقم: ۱۳۳۵

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين، باب قتل من أبى قبول الفرائض، ۶: ۲۵۳۸، رقم: ۶۵۲۶

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا اللہ محمد رسول اللہ، ۱: ۵۱، رقم: ۲۰

سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔

پھر اشعث بن قیس نے اس کاغذ کو لے کر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروہ بن اُدَیہ بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروہ نے کہا:

تحكّمون في أمر الله عزوجل الرجال؟ لاحكم إلا لله۔(۱)

''تم اللہ کے اَمر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔''

اس نے یہ کہہ کر اشعث بن قیس کی سواری کے جانور کو تلوار ماری جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر پڑے۔ اس پر آپ کے قبیلہ والے اور ان کے لوگ جمع ہو گئے اور جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

الله أكبر! كلمة حق يراد بها باطل، إن سكتوا عممناهم، وإن تكلموا حَجَجْناهم، وإن خرجوا علينا قاتلناهم۔(۲)

''اللہ ہی بڑا ہے۔ بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش

(۱) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۰۴
۲۔ ابن أثير، الكامل في التاريخ، ۳: ۱۹۶
۳۔ ابن جوزی، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ۵: ۱۲۳
(۲) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۱۴
۲۔ ابن أثير، الكامل في التاريخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳

رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔‘‘

خوارج نے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اور لوگوں کو پہاڑوں پر چلے جانے یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو بدعت ضلالۃ تک کہا گیا۔ آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ’’**الحُکمُ للّٰہ**‘‘ کے اِجراء کے لیے نہروان کا مقام چنا اور سب وہاں جمع ہوگئے۔ نہروان کے مقام پر ان خارجیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے درمیان لڑائی کا آغاز اُس وقت ہوا جب اُنہوں نے صحابی حضرت عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دونکم القوم.

’’اس قوم کو لو (یعنی قتل کرو)۔‘‘

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فقتلت بكفي هذه بعد ما دخلني ما كان دخلني ثمانية قبل أن أصلي الظهر، وما قتل منا عشرة ولا نجا منهم عشرة۔[1]

’’میں نے نمازِ ظہر ادا کرنے سے قبل اپنے ہاتھوں سے آٹھ خوارج کو قتل کیا اور ہم میں سے دس شہید نہ ہوئے اور ان میں سے دس زندہ نہ بچے۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں یوں فتنہ خوارج اپنے انجام کو پہنچا۔

یہی وہ فتنے تھے جن کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۲۲۷، رقم: ۴۰۵۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۴: ۲۲۷

اِجماع میں اِشارہ فرمایا، جو آپ ﷺ کے وصال فرما جانے کے بعد نمودار ہوئے اور جنہیں محدثات الامور کا نام دیا گیا۔ لہٰذا صحیح روایات کے مطابق یہ چار طبقات (مدعیانِ نبوت، مرتدینِ اِسلام، منکرینِ زکوۃ، خوارج) محدثات کے مرتکب تھے اور احادیث نے ''اِحداث'' کے معنی کو ''اِرتداد'' کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ پس اِحداث کا معنی اِرتداد ہوگا اور یہی بدعتِ ضلالت و بدعتِ سیءہ اور داخلِ دوزخ شمار ہوگی۔

آج 'محدثات الامور' کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

حضور نبی اکرم ﷺ نے بدعت کو ''محدثات الامور'' سے تعبیر کیا اور اس کا معنی خود اپنے ارشاد سے متعین فرمایا۔ وہ ایسے فتنے ہیں جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کر دیں یا ان کا انکار کر دیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعاتِ ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الإسلام'' اور ''اِرتداد'' کا باعث بنے، آپ ﷺ کی سنت اور اَمرِ دین کو کاٹے اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت میں ظاہر ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور حیات بعد اَز موت) میں سے کسی کا انکار کرے، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا انکار کرے، اَرکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختم نبوت کے انکار، تحریفِ قرآن (متنِ قرآن میں کمی یا زیادتی) کا مرتکب ہو، سنت کا انکار کرے، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد رکھے، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز وغیرھم کا عقیدہ گھڑ لے تو ان فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ لہٰذا بدعت سے مراد فقط فتنہ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فورًا بعد پیدا ہوئیں یا بعد کے مختلف اَدوار میں پیدا ہوں گی۔ اگر ایسی صورت نہیں ہے تو اس پر بدعتِ ضلالۃ کا اِطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور

کلیہ ہے جس پر کسی بھی اَمر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعتِ ضلالۃ میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ لہٰذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصالِ ثواب وغیرہ کو بدعات وگمراہی اور ''محدثات الأمور'' نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ ان سے خروج عن الإسلام لازم نہیں آتا اور نہ اِرتداد ہوتا ہے بلکہ یہ اَصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جب کہ ''محدثات الأمور'' ان فتنوں کو کہا گیا ہے جن کی وجہ سے اُمت میں اِختلافِ کثیر پیدا ہوا، امت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور ایصالِ ثواب وغیرہما کو محدثات الامور اور بدعاتِ ضلالۃ قرار دیا ہے۔ ان کو دین میں بدعت قرار دینا آپ ﷺ کی بیان کردہ تعریف سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ لیس علیه أمرنا کا بھی یہی معنی ہے، یہ دَرحقیقت دین کے اندر مستحب اور مستحسن اُمور ہیں۔ فقہاء کے درمیان ہزاروں اختلافات ہیں، کئی مسائل میں مستحب ومکروہ حتی کہ حلت وحرمت کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان اُمورِ مستحبات کو بدعات کہنا، حضور نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعریف کی روشنی میں گویا ارتداد اور کفر و شرک کا فتویٰ لگانے کے مترادف ہے اور مرتدین کے خلاف قتال کرنا جہاد ہے۔ کیا جشنِ میلاد النبی ﷺ پر بدعتِ ضلالہ کا فتوی لگانے والے میلاد منانے والوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں؟

جس طرح عہدِ صحابہ میں تدوینِ قرآن، باجماعت نمازِ تراویح اور جمعہ کے دن دو اذانوں جیسے اُمور کو جاری کرنے کا مقصد اُمتِ مسلمہ کی بھلائی تھا، ایسے ہی میلاد النبی ﷺ منانا تاجدارِ کائنات حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ٹوٹے ہوئے قلبی اور حبی تعلق کو برقرار رکھنے اور دلوں میں آپ ﷺ کی اِطاعت و اِتباع کا جذبہ بیدار کرنے کا قوی اور مستحکم ذریعہ ہے۔ اور ایصالِ ثواب جیسے اُمور متوفیانِ اِسلام کی بلندیٔ درجات اور گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں۔

تصورِ بدعت آثارِ صحابہ ﷺ کی روشنی میں

گزشتہ بحث میں ہم نے بدعت کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ لغوی اعتبار سے بدعت نئی چیز کو کہتے ہیں اور محدثات الامور و اِحداث فی الدین کا تعلق فتنہ اِرتداد یا خروج عن الاسلام کی سطح کے فتنوں کے ساتھ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ بدعت کا تصور صحابہ کرام ﷺ کے آثار میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لیے ہم یہاں سیدنا صدیق اکبر ﷺ اور سیدنا عمر فاروق ﷺ اور سیدنا عثمان غنی ﷺ کا عمل مختصراً بیان کریں گے، کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد اُمت کے لیے اِن صحابۂ کبار ﷺ کا عمل سب سے زیادہ معتبر ہے، اور آقا ﷺ نے فتنوں کے قلع قمع کے لیے اپنی اور اپنے بعد آنے والے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے۔

۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر ﷺ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعوے دار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (۷۰۰) حافظِ قرآن صحابہ ﷺ شہید ہوئے۔ قبل ازیں حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ اقدس سے اب تک قرآنِ حکیم کے ایک جلد میں جمع کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکا تھا بلکہ متفرق مقامات پر مختلف صورتوں میں لکھا ہوا موجود تھا۔ سیدنا فاروق اعظم ﷺ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلہ جہاد و قتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ ﷺ جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ اِس خدشہ کے پیشِ نظر اُنہوں نے سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو تجویز دی کہ قرآن حکیم ایک کتابی صورت میں جمع کرلیا جائے۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا:

كيف أفعل شيئا ما لم يفعله رسول الله ﷺ؟

’’میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ’’**هو والله خير**‘‘ اللہ کی قسم! بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے۔ لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔ اس بحث و تمحیص کے دوران سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھل گیا اور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس عظیم کام پر مامور کیے گئے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کردیا اور اس طرح تیار کیے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہوگئے تھے بعد میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے منگوا کر قرآنِ حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یک جا کر دیا۔(۱)

اس طرح تاریخِ اسلام میں پہلی بدعتِ حسنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتداء

جمع و تدوینِ قرآن کی طرح یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله: لقد جاء کم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة توبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح باجماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خدشہ سے آپ ﷺ نمازِ تراویح گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورت حال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، انہوں نے یہ اِجتہاد فرمایا اور سب کو حافظِ قرآن حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعة هذه، والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون۔(۱)

”یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں اُس حصہ سے بہتر ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول کی وضاحت کرتے ہوئے عبد الرحمان بن عبد القاری تابعی بیان کرتے ہیں:

یرید آخر اللیل، وکان الناس یقومون أوّله۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، الموطأ، ۱: ۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد رات کا آخری حصہ تھا جب کہ لوگ پہلے حصہ میں قیام کرتے تھے۔‘‘(۱)

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ’’**نعم البدعة هذه**‘‘ فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ہر بدعت، بدعتِ سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں۔ اور بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اذان

نماز جمعہ میں خطبہ سے پہلے دوسری اذان عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں شروع کی گئی تھی۔ اِمام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) لکھتے ہیں:

---

(۱) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رات کے آخری حصہ میں کی جانے والی عبادت زیادہ فضیلت رکھتی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِبتدائی حصہ میں قیام کیوں شروع کروایا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) ’’فتح الباری (۴: ۲۵۳)‘‘ میں اِس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا تصريح منه بأن الصلاة فی آخر الليل أفضل من أوله، لکن ليس فيه أن الصلاة فی قيام الليل فرادی أفضل من التجميع.

’’اِس میں صراحت ہے کہ رات کے پچھلے پہر کی نماز پہلے پہر کی نماز سے اَفضل ہے، تاہم اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تنہا نماز پڑھنا باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔‘‘

پس اِس سے واضح ہوگیا کہ اگرچہ آخرِ شب پڑھی جانے والی نماز فضیلت کی حامل ہے لیکن باجماعت ادا کی جانے والی نمازِ تراویح - جو رات کے اِبتدائی حصہ میں ادا کی جاتی ہیں - زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

أن التأذين الثانی يوم الجمعة، أمر به عثمان، حين كثر أهل المسجد۔[1]

''بے شک جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔''

لہٰذا جس طرح خیر القرون میں بھی تدوینِ قرآن حکیم کے موقع پر اَجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھا تھا کہ جو کام حضور نبی اکرم ﷺ نے نہیں کیا وہ کیسے کر سکتے ہیں، اُسی طرح آج کے دور میں بھی جشن میلاد النبی ﷺ اور اس جیسے دیگر اُمورِ خیر کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ جائز ہیں جب کہ اَوائل دورِ اِسلام میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور جس طرح صحابہ کرام کو اِنشراحِ صدر ہوا اور اُنہوں نے بھلائی کے ان نئے کاموں کو اپنایا اُسی طرح ہم نے محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد النبی ﷺ کو اَمرِ خیر اور باعثِ برکت ہونے کے اپنایا ہے۔

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

اِس ضمن میں چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات سے پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ اِسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہو، لیکن اِس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے ادارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اِختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق شریعت میں صریح اَحکامات نہیں ملتے۔ ہر مسلمان ریاست نے اپنی صواب دید

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب الجلوس علی المنبر عند التأذين، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

کے مطابق جو نظام ضروری سمجھا اپنا لیا۔

۲۔ تعمیرِ مساجد کا مسئلہ

اَوائلِ اسلام میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا، لہٰذا مسجد کو بھی اَز رُوئے شرع پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ پھر ایک وقت آیا جب اسلامی سلطنت کی حدیں شرق تا غرب تک پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لیے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیے۔ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے دورِ حکومت اور مابعد اِسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کیے تو علماء نے وقت کے تقاضوں کے مطابق مساجد کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز کہا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیشِ نظر ضروری قرار دیا۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت اب سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ ننگ و عار نہ تھا۔ لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی وجاہت اور ظاہری رعب و دبدبہ کے پیشِ نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (إلا ما شاء اللہ) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کر کے اس کے اَحکام کو پرکھا جائے تو دین کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیر

قرآن حکیم کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے

بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت میں پیش پیش رہا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیشِ نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تو یہاں کے ظاہر بیں علماء نے بہت واویلا کیا، کفر و بدعت کے فتاویٰ صادر کیے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نئی بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغِ دین تھی، جب کہ فتویٰ لگانے والے اُس وقت اس دینی مصلحت سے نا آشنا تھے۔

اَئمہ و محدثین کی بیان کردہ اَقسامِ بدعت

دین کے متذکرہ پہلوؤں کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہی اَئمہ و محدثین نے بدعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ اِمام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)

شافعی فقہ کے بانی امام شافعیؒ بدعت کی تقسیم ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المحدثات من الأمور ضربان: ما أحدث يخالف كتاباً أو سنة أو أثرًا أو إجماعاً فهذه البدعة ضلالة، وما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا، فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قيام رمضان: نعمت البدعة هذه۔ (۱)

’’محدثات میں دو قسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو

(۱) ۱۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱۰: ۷۰
۲۔ سیوطی، الحاوی للفتاوی: ۲۰۲
۳۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۲، ۵۳

قرآن و سنت، آثارِ صحابہ یا اِجماعِ اُمت کے خلاف ہوں۔ پس یہ بدعتِ ضلالہ ہیں۔ اور دوسری قسم میں وہ نئے اُمور ہیں جن کو بھلائی کے لیے اَنجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ پس یہ نئے اُمور ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ اِسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔''

۲۔ شیخ عز الدین بن عبد السلام (۵۷۷۔۶۶۰ھ)

شیخ عز الدین بن عبد السلام سلمی اپنی کتاب ''**قواعد الأحکام فی مصالح الأنام**'' میں فرماتے ہیں:

البدعة فعل ما لم یعهد فی عهد النبی ﷺ، وتنقسم إلی خمسة أحکام یعنی الوجوب والندب ...... الخ. وطریق معرفة ذلک أن تعرض البدعة علی قواعد الشرع فأی حکم دخلت فیه فهی منه، فمن البدع الواجبة تعلم النحو الذی یفهم به القرآن والسنة، ومن البدع المحرمة مذهب نحو القدریة، ومن البدع المندوبة إحداث نحو المدارس والاجتماع لصلاة التراویح، ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة، ومن البدع المکروهة زَخرفة المساجد والمصاحف أی بغیر الذهب۔[1]

''بدعت ایسا فعل ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا اور بدعت کو پانچ اَحکام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی واجب اور ندب وغیرہ۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ کار یہ ہے کہ بدعت کو قواعدِ شرعیہ پر پرکھا جائے گا۔ پس وہ جو حکم شرعی پر پورا اترے گا اسی قسم میں سے ہوگا۔ پس نحو کا علم سیکھنا جس سے قرآن اور

(۱) ابن حجر ہیتمی، الفتاوی الحدیثیة: ۲۰۳

سنت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، بدعتِ واجبہ میں سے ہے۔ اور قدریہ جیسے نئے مذہب بنانا بدعتِ محرمہ میں سے ہے۔ اور مدارس بنانا اور نمازِ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعتِ مندوبہ میں سے ہے۔ اور نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعتِ مباحہ میں سے ہے۔ اور سونا اِستعمال کیے بغیر مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا بدعتِ مکروہہ میں سے ہے۔''

۳۔ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ)

ملا علی قاری حنفی ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح ''مرقاۃ المفاتیح'' میں لکھتے ہیں:

قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام فی آخر كتاب القواعد: البدعة: أما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله ورسوله وكتدوين أصول الفقه والكلام فی الجرح والتعديل. وأما محرمة كمذهب الجبرية والقدرية والمرجئة والمجسمة. والرد على هؤلاء من البدع الواجبة لأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية. وأما مندوبة كإحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد فی الصدر الأول وكالتراويح أی بالجماعة العامة والكلام فی دقائق الصوفية. وأما مكروهة كزخرفة المساجد وتزوين المصاحف يعنی عند الشافعية، وأما عند الحنفية فمباح. وأما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والعصر أی عند الشافعية أيضًا وإلا فعند الحنفية مكروه، والتوسّع فی لذائذ المأكل والمشارب والمساكن وتوسيع الأكمام۔[1]

(۱) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۱: ۲۱٦

’’شیخ عز الدین بن عبد السلام ’’القواعد‘‘ کے آخر میں بدعت کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے کلام کو سمجھنے کے لیے نحو کا سیکھنا، اُصولِ فقہ کی تدوین کرنا اور علم جرح و تعدیل کا حاصل کرنا بدعتِ واجبہ ہے، جب کہ بدعتِ محرمہ میں نئے مذاہب کا وجود ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور مجسمہ اور ان تمام کا ردّ بدعتِ واجبہ سے کیا جائے گا کیوں کہ اِسی بدعت سے شریعت کی حفاظت کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ جب کہ سرائیں اور مدارس کا قیام اور ہرقسم کی نیکی کے فروغ کے کام جو اِسلام کے اِبتدائی دور میں نہ تھے جیسے باجماعت نمازِ تراویح اور تصوف کے پیچیدہ نکات و رموز پر گفتگو کرنا بدعتِ مندوبہ میں شامل ہیں۔ شوافع کے ہاں مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا بدعتِ مکروہہ ہے، جب کہ اَحناف کے ہاں یہ اَمر مباح ہیں۔ اور شوافع کے ہاں فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعتِ مباحہ ہے، جب کہ اَحناف کے نزدیک یہ اَمر مکروہ ہیں؛ اور اِسی طرح لذیذ کھانے، پینے اور گھروں کو وسیع کرنا (جیسے اُمور بھی بدعتِ مباحہ میں شامل) ہیں۔‘‘

کلّ بدعة ضلالة کا صحیح مفہوم

ملا علی قاری کل بدعة ضلالة کا صحیح مفہوم واضح کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

أی کل بدعة سيئة ضلالة، لقوله عليه الصلاة والسلام: من سنّ فی الإسلام سنّة حسنة فله أجرها وأجرمن عمل بها“ وجمع أبوبکر وعمر القرآن وکتبه زيد فی المصحف وجدد فی عهد عثمان رضی الله عنه۔(1)

(1) ۱۔ ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح شرح مشکاة المصابيح، ۱: ۲۱۶
۲۔ شبير احمد ديوبندی، فتح الملهم بشرح صحيح مسلم، ۲: ۴۰۶

’’یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے: ’’جس نے اِسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اُسے اُس عمل کا اور اُس پر عمل کرنے والے کا اَجر ملے گا۔‘‘ اور یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم جمع کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اِسے صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اِس کی تجدید کی گئی۔‘‘

۲۔ ابن حجر مکی بدعت کی اَقسام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفی الحدیث: کل بدعة ضلالة، وکل ضلالة فی النار. وهو محمول علی المحرّمة لا غیر۔(۱)

’’اور جو حدیث میں ہے کہ ’’ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی‘‘ اس حدیث کو بدعتِ محرّمہ پر محمول کیا گیا ہے، اِس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔‘‘

بدعت کی اس تقسیم کے بعد معلوم ہوا کہ اگر بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر مستقبحات کے تحت آ جائے (یعنی مخالف دلیل ہو) تو بدعتِ سیہ ہے اور اگر ان دونوں میں نہ آئے تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

تقسیمِ بدعت

مذکورہ بالا تعریفاتِ بدعت کی روشنی میں ہم ذیل میں خلاصۃً محدثین و ائمہ کی بیان کردہ بدعت کی تقسیم بیان کریں گے۔ بنیادی طور پر بدعت کی دو اَقسام ہیں:

۱۔ بدعتِ حسنہ

۲۔ بدعتِ سیہ

(۱) ابن حجر ہیتمی، الفتاوی الحدیثیة: ۲۰۳

ان میں سے ہر ایک کی پھر مزید اقسام ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ بدعتِ حسنہ کی اَقسام

بدعتِ حسنہ کی مزید تین اَقسام ہیں:

۱۔ بدعتِ واجبہ

۲۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)

۳۔ بدعتِ مباحہ

(۱) بدعتِ واجبہ

وہ کام جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہو لیکن اِس کا وجود واجب کی طرح دین کی ضرورت بن جائے اور اِسے ترک کرنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے قرآنی آیات پر اعراب، فہمِ دین کے لیے صرف و نحو کی درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصولِ حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ اور دیگر علومِ عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اِہتمام، دینی مدارس کا قیام، درسِ نظامی کے نصابات اور ان کی اِصطلاحات سب ''بدعتِ واجبہ'' ہیں۔

(۲) بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)

جو کام اپنی ہیئت اور اَصل میں نیا ہو لیکن شرعاً ممنوع ہو نہ واجب کی طرح ضروری ہو بلکہ عام مسلمان اسے مستحسن اَمر سمجھتے ہوئے ثواب کی نیت سے کریں تو اس کے نہ کرنے والا گناہ گار بھی نہیں ہوتا لیکن کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، جیسے مسافر خانوں اور مدارس کی تعمیر وغیرہ۔ ہر وہ اچھی بات جو پہلے نہیں تھی اس کا ایجاد کرنا بھی بدعتِ مستحبہ ہے، جیسے نمازِ تراویح کی جماعت، تصوف و طریقت کے باریک مسائل کا بیان، محافلِ میلاد، محافلِ عرس وغیرہ جنہیں عام مسلمان ثواب کی خاطر منعقد کرتے ہیں اور ان میں

شرکت نہ کرے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فما رآه المؤمن حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المؤمنون قبيحاً فهو عند الله قبيح۔[1]

’’جس کو (بالعموم) مومن اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو مومن برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔‘‘

اِس تعریف کی رُو سے جشنِ میلاد النبی ﷺ بدعتِ مستحسنہ ہے، جسے مومن ثواب کی نیت سے کرتے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مقبول ہے کیوں کہ اِسے جمہور مسلمان (سوادِ اعظم) مناتے ہیں۔

(۳) بدعتِ مباحہ

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور جسے مسلمان صرف جائز سمجھ کر ثواب کی نیت کے بغیر اِختیار کرلیں۔ فقہاء نے فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے اور عمدہ عمدہ جدید کھانے اور مشروبات کے استعمال کو ’’بدعتِ مباحہ‘‘ کہا ہے۔

---

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۵: ۲۱۲، ۲۱۳، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۳، رقم: ۲۴۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۵۔ ہیثمی نے ’’مجمع الزوائد و منبع الفوائد (۱: ۱۷۷، ۱۷۸)‘‘ میں کہا ہے کہ اِسے احمد، بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اِس کے رجال موثق (ورجاله موثقون) ہیں۔
۶۔ عجلونی نے ’’کشف الخفاء ومزیل الإلباس (۲: ۲۴۵، رقم: ۲۲۱۴)‘‘ میں کہا ہے کہ یہ روایت موقوف حسن ہے۔

۲۔ بدعتِ سیئہ کی اقسام

بدعتِ سیئہ کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ بدعتِ محرّمہ

۲۔ بدعتِ مکروہہ

(۱) بدعتِ محرّمہ

وہ نیا کام جس سے دین میں تضاد، اِختلاف اور اِنتشار واقع ہو مثلاً قدریہ، جبریہ، مرجئہ اور مرزائی و قادیانی وغیرہ جیسے نئے مذاہب کا وجود میں آنا۔ اِسے بدعتِ ضلالہ بھی کہتے ہیں۔ اِن مذاہبِ باطلہ کی مخالفت بدعتِ واجبہ کا درجہ رکھتی ہے۔

(۲) بدعتِ مکروہہ

جس نئے کام سے سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ چھوٹ جائے وہ بدعتِ مکروہہ ہے۔ اِس میں علماء متقدمین نے مساجد کی بلاضرورت فخریہ آرائش و تزئین وغیرہ کو شامل کیا ہے۔

تقسیمِ بدعت پر متنِ حدیث سے اِستشہاد

بدعت کے مذکورہ تصوّر اور تقسیم کی مزید وضاحت کے لیے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ نہایت اہم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من سنّ فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده، من غير أن ينقص من أجورهم شیء. ومن سن فی الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده، من غير

أن ينقص من أوزارهم شيء۔[1]

”جو شخص اِسلام میں کسی نیک کام کی بنیاد ڈالے تو اس کے لئے اس کے اپنے اَعمال کا بھی ثواب ہے اور جو اُس کے بعد اِس پر عمل کریں گے اُن کا ثواب بھی ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جس نے اِسلام میں کسی بری بات کی اِبتدا کی تو اُس پر اُس کے اپنے عمل کا بھی گناہ ہے اور جو اُس کے بعد اِس پر عمل کریں گے اُن کا بھی گناہ ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کے گناہ میں کچھ کمی ہو۔“

اس حدیث میں لفظ ”سنّ“ لغوی معنی کے اِعتبار سے ”ابدع“ کے ہم معنی ہے یعنی جس نے اسلام میں کوئی اچھی (نئی) راہ نکالی۔ یہاں سے ”بدعتِ حسنہ“ کا تصور ابھرتا ہے۔ اِسی طرح ”من سنّ فی الإسلام سنة سيئة“ سے بدعتِ سیئہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے تو صرف ”سنت“ ہی مراد ہے بدعت مراد نہیں لی جا سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) اگر اس سے مراد صرف ”سنت“ ہی ہوتا تو کیا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، ۲: ۷۰۴، ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أوضلالة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۱۰۱۷

۳۔ نسائی، السنن، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة، ۵: ۷۶، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، ۱: ۷۴، ۷۵، رقم: ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۰۷

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹

وہاں ’’حسنہ‘‘ کہنے کی ضرورت تھی؟ کیا کوئی سنت غیر حسنہ بھی ہوسکتی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ عمل کرنے کے حوالے سے ’’مَنْ عَمِلَ‘‘ تو کہہ سکتے ہیں مگر ’’من سنَّ‘‘ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ حضور ﷺ کی سنت سے ایک اُمتی کیا ’’راہ‘‘ نکالے گا؟ وہ تو صرف عمل اور اِتباع کا پابند ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ’’سَنَّ‘‘ سے مراد معروف معنوں میں سنت نہیں ہے بلکہ یہاں لغوی معنی یعنی راستہ اور نئی راہ نکالنا مراد ہے۔

بدعت کی مندرجہ بالا اَقسام اور تفصیلات متعدد ائمہ حدیث اور فقہاء نے اپنے اپنے انداز میں اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ تفصیلات ہماری کتاب ’’کتاب البدعۃ‘‘ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل کو اِس ڈھب پر نہیں دیکھا جاتا کہ یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں اور بعد میں کب شروع ہوا بلکہ اس کو پرکھنے کے لیے عمل کی ہیئت کبھی رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی وقت کی ضروریات اور تقاضوں پر۔ کبھی اس کام میں کئی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی کئی مصلحتیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اس کی کوئی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا کوئی ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے؟ یا پھر وہ کام اس لیے بھی قابل مذمت ٹھہرتا ہے کہ اس سے کسی واجب، سنت یا مستحب پر زَد پڑتی ہے۔

اگر کسی نئے عمل کی اصل قرآن حکیم یا سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ طعن وتشنیع اور گمراہی یا گناہ کا باعث نہیں رہتا اور اگر بہ فرضِ محال قرآن وسنت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت نہ بھی ہو لیکن اس سے قرآن وسنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو تو پھر بھی وہ کسی قسم کی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور نہ ہی اس پر طعن وتشنیع درست ہے۔ البتہ صرف اس صورت میں کوئی بدعت ناجائز اور قبیح کے زمرے میں شامل ہو کر قابلِ مذمت ٹھہرے گی جب وہ قرآن وسنت کی کسی نص یا شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو یا دین کے عمومی مزاج اور اُس کی روح کے منافی ہو۔

قرآن و حدیث میں جشنِ میلاد کی اَصل موجود ہے

گزشتہ اَبواب میں قرآن حکیم کی آیات اور متعدد احادیث کے ذریعے جشنِ میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت اور اس کی اصل غرض و غایت صراحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اَصلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اُس کا اِحسانِ عظیم تصور کرتے ہوئے اِس کے حصول پر خوشی منانا اور اسے باعث مسرت وفرحت جان کر تحدیثِ نعمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بہ طور عید منانا مستحسن اور قابلِ تقلید عمل ہے۔ مزید برآں یہ خوشی منانا نہ صرف سنتِ الٰہیہ ہے بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی سنت بھی قرار پاتا ہے، صحابہ کرام کے آثار سے بھی ثابت ہے اور اِس پر مؤید سابقہ امتوں کے عمل کی گواہی بھی قرآن حکیم نے صراحتاً فراہم کر دی ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس کے جواز اور عدم جواز کو بحث و مناظرہ کا موضوع بنائے اور اس کو ناجائز، حرام اور قابلِ مذمت کہے تو اسے ہٹ دھرمی اور لاعلمی کے سوا اور کیا کہا جائے گا!

جمہور اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی

شریعت مطہرہ نے بہت سے معاملات کی تہ میں کارفرما اَساسی تصورات اور اُصول بیان کر دیے ہیں لیکن ان کی تفصیل اور ہیئت کا اِنحصار اُمتِ مسلمہ کے علماء اور اَکابر پر چھوڑ دیا کہ اُمت کے علماء حق اور ائمہ دین کی اکثریت جس اَمر پر متفق ہو جائے، گزشتہ صفحات میں دیے گئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول قول کے مطابق بالکل درست اور قرآن و سنت کے تابع ہے۔ اِس کی تائید مرفوع صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق فی الحقیقت اُمت کی اکثریت یعنی سوادِ اَعظم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا، گمراہ ہمیشہ اَقلیت (سوادِ اَعظم سے الگ ہونے والی جماعت) ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً جو چھوٹی چھوٹی تحریکیں اور جماعتیں بنتی رہتی ہیں، جن کے عقائد ونظریات امت کی بھاری

اکثریت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوتے ہیں اور جو اُمت کے سوادِ اَعظم کو گمراہ، کافر، مشرک، جاہل اور بدعتی کہتی ہیں دراصل خود گمراہ ہوتی ہیں۔ اِسی لیے فتنہ و فساد اور تفرقہ و انتشار کے دور میں اُمت کو سوادِ اَعظم (سب سے بڑی جماعت) کا دامن پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن أمتی لا تجتمع علی ضلالة، فإذا رأيتم اختلافا، فعليكم بالسواد الأعظم۔(۱)

''بے شک میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ پس اگر تم اِن میں اِختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سب سے بڑی جماعت کو اِختیار کرو۔''(۲)

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کی تفرقہ پروری کی پیشین گوئی کرتے ہوئے سوادِ اعظم (اُمت کی اکثریتی جماعت) کے سوا تمام گروہوں اور جماعتوں کے جہنمی ہونے کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تفرقت بنو إسرائيل علی إحدی وسبعين فرقة، وتفرقت النصاری علی اثنتين وسبعين فرقة، وأمتی تزيد عليهم فرقة، كلها فی النار

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ۲: ۱۳۰۸، رقم: ۳۹۵۰

۲۔ ابن ابی عاصم، السنة: ۴۱، رقم: ۸۴

۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۲، ۴۴۷، رقم: ۱۳۶۲۳

۴۔ ديلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۴۱۱، رقم: ۱۶۶۲

(۲) امام جلال الدین سیوطی نے ''حاشية سنن ابن ماجه (ص: ۲۸۳)'' میں سوادِ اَعظم سے طبقۂ اہلِ سنت مراد لیا ہے اور یہی حدیث کا مدّعا ہے۔

إلا السواد الأعظم۔(۱)

’’بنی اسرائیل اِکہتر (۷۱) فرقوں میں تقسیم ہوئے اور نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئے، جب کہ میری اُمت ان پر ایک فرقہ کا اضافہ کرے گی۔ وہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے سوائے سوادِ اَعظم (اُمت کے اکثریتی طبقہ) کے۔‘‘

۳۔ سوادِ اعظم کی اَہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إثنان خير من واحد، وثلاثة خير من اثنين، وأربعة خير من ثلاثة، فعليكم بالجماعة، فإن الله لن يجمع أمتي إلا على هدى۔(۲)

’’دو (شخص) ایک سے بہتر ہیں، اور تین (اَشخاص) دو سے بہتر ہیں، اور چار (اَشخاص) تین سے بہتر ہیں۔ پس تم پر لازم ہے کہ (اَکثریتی) جماعت کے ساتھ رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی بھی ہدایت کے سوا کسی شے پر اِکٹھا نہیں کرے گا۔‘‘

۴۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں بیان کیے گئے لفظ - **الجماعة** - سے مراد اُمت کا

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۱۷۶، رقم: ۷۲۰۲
۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۵۵۴، رقم: ۳۷۸۹۲
۳۔ حارث، المسند، ۲: ۷۱۶، رقم: ۷۰۶
۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۸۸
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۷: ۲۵۸

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۴۵، رقم: ۲۱۳۳۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱: ۱۷۷
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۵: ۲۱۸

اَکثریتی طبقہ ہے۔ اِس کی وضاحت حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود **الجماعة** سے سوادِ اَعظم مراد لیتے ہوئے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده! لتفترقن أمتی علی ثلاث وسبعین فرقة، واحدة فی الجنة وثنتان وسبعون فی النار. قیل: یارسول اللہ! من هم؟ قال: الجماعة۔

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! میری اُمت ضرور تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا اور بہتر (۷۲) جہنم میں داخل ہوں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! من هم؟

''یارسول اللہ! وہ جنتی گروہ کون ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

الجماعة۔[1]

''وہ (اُمت میں سب سے بڑی) جماعت ہے۔''

۵۔ درج ذیل حدیث شریف میں ''جماعت'' سے مراد اُمت کی سب سے بڑی جماعت اور اُس پر محافظت ہونا صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۱) ۱۔ ابن ماجه، کتاب الفتن، باب افتراق الأمم، ۲: ۱۳۲۲، رقم: ۳۹۹۲

۲۔ لالکائی، إعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱: ۱۰۱، رقم: ۱۴۹

سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يجمع الله هذه الأمة على الضلالة أبدا، يد الله على الجماعة، فاتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذ شذ في النار۔[(۱)]

’’اللہ تعالیٰ اِس اُمت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اللہ کی حفاظت کا ہاتھ (سب سے بڑی) جماعت پر ہے، پس تم سوادِ اَعظم (سب سے بڑی جماعت) کی اِتباع کرو کیوں کہ جو اِس سے جدا ہوا یقیناً وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔‘‘

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الله لا يجمع أمتي (أو قال: أمة محمد ﷺ) على ضلالة، ويد الله مع الجماعة، ومن شذ شذ إلى النار۔[(۲)]

’’اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا (یا فرمایا: اُمتِ محمدیہ ﷺ

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۹۹۔۲۰۱، رقم: ۳۹۱۔۳۹۷

۲۔ ابن أبي عاصم، كتاب السنة، ۱: ۳۹، رقم: ۸۰

۳۔ لالكائی، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۱۰۶، رقم: ۱۵۴

۴۔ ديلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵: ۲۵۸، رقم: ۸۱۱۶

۵۔ حكيم ترمذی، نوادر الأصول في أحاديث الرسول ﷺ، ۱: ۴۲۲

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ۴: ۴۶۶، رقم: ۲۱۶۷

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۲۰۰، رقم: ۳۹۴

۳۔ دانی، السنن الوارده في الفتن، ۳: ۷۴۸، رقم: ۳۶۸

کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا)۔ اور جماعت پر اللہ (تعالیٰ کی حفاظت) کا ہاتھ ہے، اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ کی طرف جدا ہوا۔‘‘

اِس تصور کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مسلمانوں کے اَکثریتی طبقہ میں کوئی خرابی یا بگاڑ پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ اَمرِ واقع ہے کہ بگاڑ اور خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمیشہ پیغمبرانہ تعلیمات کے مطابق اَکثریتی طبقہ کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے یعنی سوادِ اَعظم سے منسلک رہتے ہوئے ہی اُمت کی اصلاح کی جد و جہد کرنی چاہیے۔ اہلِ ایمان سوادِ اَعظم کو گمراہ قرار دیتے ہوئے اِس سے خارج ہو کر اپنے لیے نئی راہ بنانا ہی دَرحقیقت گمراہی اور منافقت ہے، اور اسی سے حضور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یومِ میلاد النبی ﷺ منانا بھی اُن بعض اُمور میں سے ایک ہے جن پر اِس وقت جمہور اُمت جواز کے شرعی دلائل کی روشنی میں عامل ہے۔ آج اگر کوئی اُمت کے اِس اکثریتی طبقہ کو گمراہ کہتا ہے تو درحقیقت وہ خود ہی گمراہ ہے اور دوزخ کی راہ پر گامزن ہے۔

دین کی اَصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

یہ ایک اَلمیہ ہے کہ اِسلام کے حاملین ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و ایمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اَصل روح اور کارفرما حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ فہمِ دین کی بجائے لفظوں کی ہیر پھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ (إلا ما شاء اللہ) کہیں تو ذاتی مفادات کے پیشِ نظر اور کہیں نادانی کی بناء پر مذہبی ذمہ داروں نے لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل اور بالخصوص نیا تعلیم یافتہ طبقہ جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اِستعماری ذہنیت و فکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صدقِ دل سے دین کے اصول و قوانین اور شریعتِ اِسلامیہ کے دلکش پہلو پیشِ نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اِسلام کے

سنہری اُصولوں پر عمل پیرا ہو کر شوکت و عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

ظاہر پرست علماء محافلِ میلاد اور جشنِ میلاد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے صرف اِس لیے اِسے ناجائز اور (نعوذ باللہ) حرام قرار دیتے ہیں کہ اِس قسم کی محافل اور جشن کی تقاریب اَوائل دورِ اِسلام میں منعقد نہیں ہوئیں۔ اِس بحث کے تناظر میں بدعت کی تعریف اور اس کی شرعی حیثیت پر جید ائمۂ حدیث و فقہ کے حوالے سے ہمارا موقف بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ اِسے لغت کی رُو سے بدعت کہنا صحیح ہے لیکن صرف بدعت کہہ کر اِسے ہدفِ تنقید بنانا اور ناپسندیدہ قرار دینا محض تنگ نظری اور ہٹ دھرمی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ہر دور میں ہر چیز کی ہیئت اور صورت حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے انداز اور ذرائع آمد و رفت بہ تدریج بدلتے رہے ہیں، آج لوگ پیدل یا اونٹ، گھوڑوں پر سوار ہو کر حج کے لیے نہیں جاتے، پہلے جو فاصلے مہینوں میں طے ہوتے تھے اب جدید ذرائع آمد و رفت سے گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر اَرکانِ اِسلام کی ادائیگی کی صورتِ حال بھی اب پہلے جیسی نہیں۔ اس میں کئی جدتیں اور عصری تقاضے شامل ہو چکے ہیں مگر ان کی ہیئت اَصلیہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اِسی پس منظر میں اگر جشنِ میلاد النبی ﷺ کی موجودہ صورت دیکھی جائے تو یہ اپنی اَصل کے اِعتبار سے بالکل حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ جس طرح ہم محافلِ میلاد میں حضور ﷺ کے لیے نعت کا اہتمام کرتے ہیں، آپ ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرتے اور مختلف انداز میں سیرتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں، جو فی الواقعہ ہمارے جشنِ میلاد منانے کا مقصد ہے، اِسی طرح کی محفلیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات کا ذکر ہوتا تھا، عہدِ نبوی ﷺ میں بھی منعقد ہوتی تھیں اور آپ ﷺ محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے حتی کہ اپنی محفلِ نعت خود منعقد کرواتے تھے۔

نوٹ: تصورِ بدعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے ہماری تصنیف ''کتاب البدعۃ'' ملاحظہ فرمائیں۔

باب یازدہم

جشنِ میلاد النبی ﷺ

کی

اِعتقادی حیثیت

گزشتہ اَبواب میں ہم نے میلاد النبی ﷺ کے جشن اور محافل کے اِنعقاد پر قرآن وسنت سے دلائل دینے کے ساتھ ساتھ یہ ثابت کیا کہ جمہور علماء و ائمہ بھی اِس پر متفق ہیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے میلاد کا جشن منانا شرعاً جائز بلکہ مستحب ہے اور بے اِنتہاء فضائل و برکات اور خیر و بھلائی کا موجب ہے۔ لٰہذا ایک بندۂ مومن کوحتی المقدور برکتوں کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ کتاب کے اِس آخری باب میں ہم جشنِ میلاد النبی ﷺ کے حوالہ سے چند اِعتقادی اُمور زیرِ بحث لائیں گے تاکہ اِس موضوع پر اُٹھائے جانے والے اُن بعض اِعتراضات کا قلع قمع ہو جو ناقدین کی طرف سے اِس مباح اور مستحسن اَمر پر کیے جاتے ہیں۔

ا۔ میلاد النبی ﷺ کی اِصطلاح کا اِستعمال

لفظِ میلاد کی اَصل (origin) کے بارے میں بعض ناقدین کی طرف سے سوال اٹھایا جاتا ہے کہ عالم عرب میں اس کی جگہ مولد کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور میلاد ایسا لفظ ہے جو صرف برصغیر پاک و ہند میں مستعمل ہے۔ یہ ایک غلط تصور ہے۔ دراصل اُردو ایک لشکری زبان ہے جس کے ذخیرۂ اَلفاظ میں عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے بے شمار الفاظ شامل ہیں۔ اُردو میں ولد، والد، والدہ، مولود، میلاد اور متولد تمام عربی الاصل الفاظ ہیں۔ اِسی طرح عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ ہیں جنہیں اُردو نے کثرتِ اِستعمال سے اپنے اندر سمو لیا ہے اور وہ اُردو زبان و محاورہ کا حصہ بن چکے ہیں۔ عربی کتب میں مولد کا لفظ کثرت سے متداول ہے، اِسی طرح اردو کتبِ سیرت میں میلاد النبی ﷺ کثیر الاستعمال لفظ بن گیا ہے۔ میلاد عربی لفظ ہے جسے ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ)، طبری

(۲۲۴۔۳۱۰ھ)، ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ)، سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) اور عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) سمیت متعدد مفسرین، محدّثین، مؤرّخین اور اَصحابِ سیر نے اِستعمال کیا ہے۔

(۱) کتبِ لغت میں لفظِ میلاد کا اِستعمال

اَئمہ لغت نے لفظ میلاد اپنی کتب میں استعمال کیا ہے۔

۱۔ ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) اور عبد القادر رازی حنفی (۶۶۰ھ کے بعد فوت ہوئے)، مرتضی زبیدی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ) اور علامہ جوہری فرماتے ہیں:

وميلاد الرجل: اسم الوقت الذی وُلِدَ فيه۔(۱)

’’اور اِنسان کا میلاد اُس وقت کا نام ہے جس میں اُس کی پیدائش ہوتی ہے۔‘‘

۲۔ لغت کی معروف کتب ’’المعجم الوسيط (۲: ۱۰۵۶)‘‘ اور ’’تاج العروس من جواهر القاموس (۵: ۳۲۷)‘‘ میں ہے:

الميلاد: وقت الولادة.

’’میلاد سے مراد وقتِ ولادت ہے۔‘‘

(۲) کتبِ اَحادیث و سیر میں لفظِ میلاد کا اِستعمال

اَحادیث و آثار کے متن میں بھی لفظِ میلاد اِستعمال ہوا ہے۔ اِمام ترمذی

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳: ۴۶۸

۲۔ رازی، مختار الصحاح: ۴۲۲

۳۔ زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۵: ۳۲۷

۴۔ جوہری، الصحاح فی اللغة والعلوم، ۲: ۷۱۳

(۲۱۰۔۲۷۹ھ) نے الجامع الصحیح میں کتاب المناقب کا دوسرا باب ہی ''ما جاء فی میلاد النبی ﷺ'' قائم کیا ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کہ لفظِ میلاد ہندی الاصل ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں:

سأل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قباث بن أُشَيْمٍ أخا بنی یعمر بن لیث: أأنت أکبر أم رسول الله ﷺ؟ فقال: رسول الله ﷺ أکبر منی، وأنا أقدم منه فی المیلاد۔[1]

''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بنی یعمر بن لیث کے بھائی قباث بن اُشیم سے پوچھا: آپ بڑے ہیں یا حضور نبی اکرم ﷺ؟ تو اُنہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں، اور میں میلاد (پیدائش) میں اُن سے پہلے ہوں۔''

حضرت قباث بن اُشیم رضی اللہ عنہ کا قول - ''آپ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوا تھا'' - حسنِ اَدب اور معراجِ اِحترام کی زُہرہ صفت مثال ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ جب ہجرتِ مدینہ کے دوران نہاں خانۂ غارِ ثور میں قیام فرما ہوئے درآں حالیکہ قریشِ مکہ آپ ﷺ کو تلاش کر رہے تھے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۵۸۹، کتاب المناقب، باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ، رقم: ۳۶۱۹
۲۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۱: ۴۰۷، رقم: ۵۶۶
۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۱: ۴۵۳
۴۔ بیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ، ۱: ۷۷
۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۲: ۲۱۶، ۲۱۷

وطلبت قريش رسول الله ﷺ أشد الطلب حتى انتهوا إلى باب الغار، فقال بعضهم: إن عليه العنكبوت قبل ميلاد محمد ﷺ فانصرفوا۔ (۱)

''قریش نے رسول اللہ ﷺ کو بہت تلاش کیا یہاں تک کہ تلاش کرتے کرتے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ پس اُن میں سے بعض نے کہا: اِس کے منہ پر تو محمد (ﷺ) کے میلاد سے بھی پہلے کا مکڑی کا بنا ہوا جالا ہے۔ پس (یہ دیکھ کر) وہ لوٹ گئے۔''

اِسی موضوع کی ایک روایت میں درج ذیل اَلفاظ ہیں:

فلما انتهوا إلى فم الغار، قال قائل منهم: ادخلو الغار. فقال أمية بن خلف: وما أربكم أى حاجتكم إلى الغار؟ أن عليه لعنكبوتاً كان قبل ميلاد محمد ﷺ۔ (۲)

''جب قریشِ مکہ غار کے دہانہ پر پہنچے تو اُن میں سے کسی نے کہا: غار میں داخل ہو جاؤ۔ اِس پر اُمیہ بن خلف نے کہا: تم غار میں جا کر کیا کرو گے؟ اِس کے منہ پر تو محمد (ﷺ) کے میلاد سے قبل کا مکڑی کا جالہ لگا ہوا ہے۔''

ابن عون فرماتے ہیں:

قُتل عمارٌ، رحمه الله، وهو ابن إحدى وتسعين سنة، وكان أقدم

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۲۸
۲۔ سيوطى، كفاية الطالب اللبيب فى خصائص الحبيب، ۱: ۳۰۵

(۲) ۱۔ حلبى، إنسان العيون فى سيرة الأمين المامون، ۲: ۲۰۹
۲۔ كلاعى، الإكتفاء بما تضمنه من مغازى رسول الله ﷺ، ۱: ۳۳۹
۳۔ سيوطى، كفاية الطالب اللبيب فى خصائص الحبيب، ۱: ۳۰۶

فی المیلاد من رسول الله ﷺ۔(۱)

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ ۹۱ سال کی عمر میں شہید کیے گئے اور وہ **میلاد** میں حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے تھے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) زمانۂ جاہلیت کے ''محمد'' نامی لوگوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ''محمد بن مسلمہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهو غلط فأنه ولد بعد ميلاد النبی ﷺ بمدة، ففضل له خمسة، وقد خلص لنا خمسة عشر۔(۲)

''اور یہ درست نہیں ہے کیوں کہ ان کی پیدائش حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کے مدت بعد ہوئی۔ تو آپ ﷺ کو پانچ ناموں کے ذریعے فضیلت دی گئی اور ہمیں پندرہ سے نجات دے دی گئی۔''

حضرت اِبن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان بين موسى بن عمران وعيسى بن مريم ألف سنة وتسعمائة سنة ولم تكن بينهما فَترة، وإنه أرسل بينهما ألف نبی من بنی إسرائيل سوى من أرسل من غيرهم، وكان بين ميلاد عيسٰی والنبی عليه الصلاة والسلام، خمسمائة سنة وتسع وستون سنة۔(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۲۵۹
۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۴۳: ۴۷۱
۳۔ مزی، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۲۱: ۲۲۴

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۵۵۷

(۳) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۵۳

''حضرت موسیٰ بن عمران اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے درمیان ۱۹۰۰ سال کا عرصہ ہے اور اُن دونوں کے درمیان زمانہ فترت (جس میں وحی کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے) نہیں گزرا۔ اُن دونوں کے اِس عرصہ نبوت کے درمیان بنی اسرائیل میں ہی ایک ہزار نبی بھیجے گئے، اُن کے علاوہ بھیجے جانے والے علیحدہ ہیں۔ میلادِ عیسیٰ اور حضور ﷺ (کی بعثت) کا درمیانی عرصہ ۵۶۹ سال بنتا ہیں۔''

مذکورہ روایات واضح کرتی ہیں کہ ثقہ رُواۃ اور اَجل ائمہ و محدثین نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بیان کے لیے لفظِ میلاد اِستعمال کیا ہے، اور یہ لفظ قطعاً برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کی اِیجاد نہیں ہے۔

(۳) تصانیف میں لفظِ میلاد کا اِستعمال

کبار اور مستند مصنفین نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف کے موضوع پر کتب لکھیں، جیسا کہ ہم نے گزشتہ اَبواب میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اُنہوں نے اپنی کتب کے ناموں میں لفظِ میلاد اِستعمال کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب ''کشف الظنون عن أسامی الکتب و الفنون'' میں ایک کتاب کا نام یوں بیان کیا ہے:

''درج الدرر فی میلاد سید البشر'' للسید اصیل الدین عبد اللہ بن عبد الرحمن الحسینی الشیرازی المتوفی سنۃ ۸۸۴ أربع وثمانین وثمانمائۃ۔(۱)

''درج الدرر فی میلاد سید البشر'' کتاب اصیل الدین عبد اللہ بن عبد

.... ۲۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۱: ۴۹۵

۳۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۶: ۱۲۲

(۱) حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون، ۱: ۷۴۵

الرحمٰن حسینی شیرازی کی تصنیف ہے، جن کا سنِ وِصال ۸۸۴ھ ہے۔‘‘

علامہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۹۷ھ) نے میلاد النبی ﷺ پر دو مستقل کتب لکھی ہیں، جن میں سے ایک کا عنوان ’’**بیان المیلاد النبوي** ﷺ‘‘ ہے۔

اِس تفصیل سے ہر صاحبِ علم اور صاحبِ رائے شخص کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ لفظِ میلاد کی اصل برصغیر پاک و ہند کی اِختراع نہیں بلکہ عربی لغت کا لفظ ہے جس کا اِستعمال عالمِ عرب میں قدیم تاریخی دور سے ثابت ہے۔ اِس کے خلاف جو باتیں کی جاتی ہیں وہ ایک مخصوص ذہنی کیفیت کی غماز ہیں، حالاں کہ مصطلحاتِ دینی کے اِستعمال میں عرب دنیا اور غیرِ عرب دنیا میں کوئی فرق نہیں۔

۲۔ جشنِ میلاد النبی ﷺ عیدِ مسرّت ہے عیدِ شرعی نہیں

جشنِ میلاد النبی ﷺ عیدِ شرعی ہے نہ ہم اِسے عیدِ شرعی سمجھتے ہیں، لیکن یہ عید شرعی سے بھی زیادہ عظمت والا اور کئی گنا زیادہ قدر و منزلت والا دن ہے۔ اِس لیے اس دن خوشیاں منانا ایک فطری عمل ہے، اور اگر اِسے عیدِ مسرت بھی کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ عید میلاد النبی ﷺ تو سال میں صرف ایک دفعہ آتی ہیں جب کہ محافلِ میلاد اور آپ ﷺ کے ذکر اور سیرت کا بیان سال بھر جاری رہتا ہے، اس میں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ مگر تاجدارِ کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو عید کا نام اِس لیے دیا جاتا ہے کہ لوگ اپنی ہر بڑی خوشی اور فرحت کے اِظہار کے لیے لفظِ عید اِستعمال کرتے ہیں۔

یومِ میلاد النبی ﷺ معروف معنی میں عید کا دن ہے، جیسے کسی قریبی دوست یا محبوب کی آمد پر کہا جاتا ہے کہ آپ کا آنا عید ہے! آپ کا ملنا عید ہے! عربی زبان کا یہ شعر اس معنی کی صحیح عکاسی کرتا ہے:

عيد و عيد و عيد صرن مجتمعة
وجه الحبيب و عيد الفطر والجمعة

''ہمارے لیے تین عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں: محبوب کا چہرہ، عید الفطر اور یومِ جمعہ۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے یوم ولادت کو عیدِ میلاد اور عیدِ نبوی کا نام دینا اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ ہمارے نزدیک شرعی طور پر صرف دو ہی عیدیں ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ حالاں کہ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یومِ میلاد ان عیدوں سے کئی گنا بلند رُتبہ اور عظمت کا حامل ہے۔ آپ ﷺ ہی کے صدقہ و توسط سے ہمیں تمام عیدیں، تمام تہوار اور اسلام کے تمام عظمت والے دن نصیب ہوئے۔ اگر آپ ﷺ کی ولادت نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی بعثت ہوتی نہ قرآن نازل ہوتا، نہ معراج ہوتی، نہ ہجرت ہوتی، نہ جنگ بدر میں نصرتِ خداوندی ہوتی اور نہ ہی فتحِ مبین ہوتی۔ یہ تمام چیزیں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے میلاد کے تصدق و توسل سے نصیب ہوئی ہیں۔

عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ محافلِ میلاد ہر اُس موقع پر منعقد کرتے ہیں جس میں خوشی، فرحت اور سرور ہوتا ہے اور یہ مسرت و شادمانی کا احساس آپ ﷺ کے ماہِ ولادت ''ربیع الاول'' میں اور بڑھ جاتا ہے اور بروز پیر آپ ﷺ کے میلاد کے دن خوشی و مسرت کے لطیف جذبات اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے میں یہ سوال کرنا کہ محافلِ میلاد کیوں منعقد کی جاتی ہیں، درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اِس سوال سے مراد گویا یہ پوچھنا ہے کہ تم اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن پر کیوں خوش ہوتے ہو؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ تمہیں صاحبِ معراج ﷺ کی صورت میں یہ خوشی اور مسرت کیوں حاصل ہوئی؟ کیا کسی مسلمان کو یہ سوال زیب دیتا ہے؟ اس لایعنی سوال کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں آپ ﷺ کی آمد پر مسرور اور خوش ہونے کی وجہ سے محفلِ میلاد منعقد کرتا ہوں، میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں اس لیے کہ میں مومن ہوں۔ بلاشبہ محافلِ میلاد اور سیرت النبی ﷺ کی مجالس کا انعقاد، سرورِ کائنات ﷺ کی نعت و مدحت سننے سنانے کے لیے جلسہ و جلوس کا اہتمام، غریبوں کو کھانا کھلانا اور اہل اسلام کے لیے اجتماعی طور پر

خوشی اور مسرت کا سامان پیدا کرنا جائز اور مستحسن عمل ہے! یہ بھی فطری اَمر ہے کہ ماہِ ولادت باسعادت (ربیع الاول) میں ذکرِ جمیلِ مصطفیٰ ﷺ کے اسباب زیادہ قوی اور مضبوط ہوتے ہیں کیوں کہ اس مناسبت سے لوگ ایسی محفلوں میں کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ لوگ شعوری طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ بعض لمحات کسی خاص مناسبت کی وجہ سے دوسرے لمحات و اوقات سے زیادہ شان اور شرف کے حامل ہوتے ہیں لہٰذا دوسروں کی نسبت سے وہ زیادہ پرکشش اور کیف آور یادیں لے کر آتے ہیں۔ اور اِسی طرح لوگ حال کو ماضی کے ساتھ ملا کر اور موجود کو غائب کی طرف منتقل کر کے ذکرِ یار کی لذت سے اِنتہائی کیف و سرور حاصل کرتے ہیں۔ بقول شاعر:

باز گو اَز نجد و اَز یارانِ نجد
تا دَر و دیوار را آری به وجد

(شہرِ دِل بر اور اِس میں بسنے والے اَحباب کا ذِکر کرتے رہیے تا کہ اِس کے در و دیوار یک گونہ کیف و مستی سے وجد میں آجائیں۔)

محافلِ میلاد کے اِجتماعات دعوت اِلی اللہ کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ لمحات درحقیقت اُن کیفیاتِ جذب و مستی کے امین ہوتے ہیں جنہیں ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ خطباء و علماء اور اہلِ علم حضرات کے لیے تو لازم ہے کہ وہ اِن محافل کے ذریعے اُمتِ مصطفیٰ ﷺ کو اَخلاق و آدابِ نبوی، سیرتِ طیبہ، معاملات و عباداتِ نبوی جیسے اہم امور کی یاد دلاتے رہیں۔ لوگوں کو بھلائی، نیکی اور خیر و فلاح کی تلقین کرتے رہیں۔ نیز ان کو امتِ مسلمہ پر نازل ہونے والی مصیبتوں اور اُمتِ محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کو کمزور اور بے جان بنا دینے والی گمراہیوں، اسلام میں پیدا ہونے والے نئے نئے فتنوں اور اپنوں بیگانوں کے اٹھائے ہوئے شر اور فتور کی آگ سے اپنے خرمنِ ایمان کو بچانے کے لیے پند و نصائح کیا کریں۔ میلاد النبی ﷺ کے اِن اِجتماعات کا مقصد محض اکٹھے ہونا اور لوگوں کو دکھانا یعنی گفتند، نشستند، برخاستند نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے کہ یہ

مقدس اِجتماعات اَعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنیں۔ پس جو شخص اِن اِجتماعات سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہ کر سکا وہ میلاد شریف کی خیر و برکت سے محروم رہا!

۳۔ بیانِ فضائل و میلادِ مصطفیٰ ﷺ میں اَئمہ حدیث کا اُسلوب

اِمام مسلم (۲۰٦۔ ۲٦١ھ)، اِمام ترمذی (۲١۰۔۲۷۹ھ) اور دیگر اَئمہ حدیث کا یہ اُسلوب ہے کہ مناقب و فضائلِ مصطفیٰ ﷺ کے باب میں میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا مضمون بالالتزام بیان کرتے ہیں۔ اَئمہ کرام حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر فی نفسہٖ گفتگو کرنے کی بجائے آپ ﷺ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کے میلاد شریف، یومِ ولادت، نسبِ عالی اور ان سب چیزوں کا حوالہ دیتے ہیں جو براہِ راست آپ ﷺ کی ذاتِ اَقدس سے متعلق ہیں۔

اِمام مسلم (۲۰٦۔ ۲٦١ھ) اپنی ''الصحیح'' کی کتاب الفضائل اور اِمام ترمذی (۲١۰۔۲۷۹ھ) اپنی ''الجامع الصحیح'' کی کتاب المناقب کے آغاز میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

إن الله اصطفی من ولد إبراهيم إسماعيل، واصطفی من ولد إسماعيل بنی کنانة، واصطفی من بنی کنانة قريشاً، واصطفی من قريش بنی هاشم، واصطفانی من بنی هاشم۔(١)

---

(١) ١۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۳، رقم: ۳٦۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ وتسليم الحجر عليه قبل النبوة، ۴: ١۷۸۲، رقم: ۲۲۷٦

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ١۰۷

۴۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ٦: ۳١۷، رقم: ۳١۷۳١

←

’’بے شک ربِ کائنات نے اِبراہیم (علیہ السلام) کی اَولاد میں سے اِسماعیل (علیہ السلام) کو منتخب فرمایا، اور اِسماعیل (علیہ السلام) کی اَولاد میں سے بنی کنانہ کو، اور اَولادِ کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے شرفِ اِنتخاب سے نوازا اور پسند فرمایا۔‘‘

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنا پورا سلسلۂ نسب بیان فرما دیا ہے۔ آپ ﷺ نے إصطفی کا لفظ اس لیے بیان کیا کہ صاحبِ نسب، مصطفیٰ ﷺ (چُنے ہوئے) ہیں اور پورے نسبی سلسلہ کو یہ صفاتی لقب دیا گیا ہے۔

اِمام مسلم (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ) نے اپنی ’’الصحیح‘‘ کی کتاب الفضائل اور اِمام ترمذی (۲۱۰۔۲۷۹ھ) نے اپنی ’’الجامع الصحیح‘‘ کی کتاب المناقب کے آغاز میں آپ ﷺ کی سیرت و اَخلاق کو موضوع نہیں بنایا اور نہ آپ ﷺ کی تعلیمات و اَقدار بیان کی ہیں، بلکہ سارا کا سارا باب بیانِ میلاد کے لیے وقف کیا ہے۔ اِمام ترمذی نے کتاب المناقب کے پہلے باب فضل النبي ﷺ کی حدیث نمبر ۲ میں دوبارہ اِسی مضمون کو لیا ہے۔ حدیث نمبر ۳ اور حدیث نمبر ۴ میں بھی یہی مضمون ہے۔ دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ پانچویں حدیث میں امام ترمذی نے ولادت سے قبل تخلیقِ مصطفیٰ ﷺ کا مرحلہ بیان کیا ہے جس میں تخلیقِ آدم علیہ السلام کا حوالہ ہے، جہاں سے اَولادِ آدم علیہ السلام کے سلسلۂ پیدائش کا آغاز ہوا۔ اِس حدیث کی اِبتدا یوں ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ رِسالت مآب ﷺ میں عرض کیا:

۵۔ ابو یعلی، المسند، ۱۳: ۴۶۹، ۴۷۲، رقم: ۷۴۸۵، ۷۴۸۷

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۶۶، رقم: ۱۶۱

۷۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۳۶۵، رقم: ۱۲۸۵۲

۸۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۳۹، رقم: ۱۳۹۱

یا رسول اللہ! متی وجبت لک النبوۃ؟

”یا رسول اللہ! آپ کو شرفِ نبوت سے کب نوازا گیا؟“

یہ ایک معمول سے ہٹا ہوا سوال تھا کیوں کہ صحابہ میں سے کون نہیں جانتا تھا کہ آپ ﷺ نے اِعلانِ نبوت چالیس سال کی عمر میں فرمایا جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ یہ سب اُن کے علم میں تھا اور کسی کو اِعلانِ نبوت کے زمانہ اور وقت کے بارے میں کوئی شک و شبہ اور مغالطہ بھی نہیں تھا۔ تو پھر اس سوال کی کیا ضرورت لاحق ہوئی کہ پوچھنے لگے: ”متی وجبت لک النبوۃ (آپ کو شرفِ نبوت سے کب نوازا گیا)؟“ جب یہ بات واضح تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی جواباً یہ نہیں فرمایا:

ألم تعلموا؟

”کیا تم یہ نہیں جانتے؟“

اِس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعثت اور عطاءِ نبوت میں فرق سمجھتے تھے اور اِس سے بخوبی آشنا تھے۔ اِسی لیے حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں فرمایا:

و آدم بین الروح والجسد۔(۱)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۵، رقم: ۳۶۰۹

۲۔ ابن مستفاض نے ”کتاب القدر (ص: ۲۷، رقم: ۱۴)“ میں کہا ہے کہ اِس کے رِجال ثقہ ہیں۔

۳۔ تمام رازی، کتاب الفوائد، ۱: ۲۴۱، رقم: ۵۸۱

۴۔ ابن حبان، کتاب الثقات، ۱: ۴۷

←

’’(میں اُس وقت بھی نبی تھا) جب آدم کی تخلیق ابھی رُوح اور جسم کے مرحلے میں تھی۔‘‘

اِس حدیث سے مراد ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب روح اور جسم سے مرکب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مکمل طور پر تیار نہیں ہوا تھا۔ اور ہم نے یہاں اِس حدیث شریف کو اِسی لیے بیان کیا ہے کہ اِس میں میلاد کا مضمون بیان ہوا ہے نہ کہ سیرت کا۔ اِمام ترمذی نے بھی اس حدیث کو کتاب المناقب میں نقل کیا ہے کیوں کہ اِس میں کوئی اَحکامِ حلّت و حُرمت، اَخلاقیات، اَقدار وغیرہ سے بحث نہیں بلکہ میلاد کا بیان ہے۔

کتاب المناقب کی ترتیبِ اَبواب میں اِمام ترمذی کا اُسلوب

امام ترمذی کی ’’الجامع الصحیح‘‘ میں کتاب المناقب کا پہلا باب فضل النبی ﷺ ہے، جب کہ دوسرا باب ما جاء فی میلاد النبی ﷺ ہے۔ اگر بعض لوگ نبوت و سیرت کے لاحقہ کا ذکر کریں تو اِس کا سابقہ میلاد ہے جس کی وقوع پذیری پہلے ہوئی اور نبوت وسیرت کا ظہور اِس کے بعد ہوا۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ولادت سے پہلے ہی بعثت ہو جائے؟ اَمرِ واقع ہے کہ ولادت پہلے ہوئی اور اِعلانِ نبوت بعد میں ہوا۔ پس اگر کوئی میلاد منائے تو وہ رسولِ معظم ﷺ کی ذات سے روحانی طور پر والہانہ وابستگی اختیار

۵۔ لالکائی، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۴۲۲، رقم: ۱۴۰۳

۶۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۶۶۵، رقم: ۴۲۱۰

۷۔ بیهقی، دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشریعة، ۲: ۱۳۰

۸۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۶: ۵۶۹

۹۔ ناصر الدین البانی نے اِس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے ’’صحیح السیرة النبویة (ص: ۵۴، رقم: ۵۳)‘‘ میں بیان کیا ہے۔

کرتا ہے، پھر اس کے قلب کو وہ حالت نصیب ہوتی ہے جس میں وہ نورِ نبوت کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ امام ترمذی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت اور برتری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس ترتیب کو مقدم رکھا ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و اَخلاق کی تبلیغ کرتے وقت آپ ﷺ کے اَعلیٰ و اَرفع مقام ومنصب کا ذکر کیا ہے۔ ہوسکتا ہے بعض کوتاہ فہم لوگ کہیں کہ اس فضیلت و برتری کے بیان کا کیا جواز ہے، کیوں نہ آپ ﷺ کے سیرت و کردار اور اَخلاق کی تبلیغ کی جائے۔ ایسا کہنے والوں کو اِمام ترمذی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اِمام مسلم، ترمذی و دیگر ائمہ علم کا ذریعہ اور ماخذ ہیں۔ مناقب میں وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت و برتری سے آغاز کرتے ہیں، پھر میلاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

میلاد کے بعد جامع الترمذی کی کتاب المناقب کا تیسرا باب ہے: **ما جاء فی بدء نبوۃ النبی ﷺ**۔ یہ ایک تاریخی، عقلی اور منطقی ترتیب ہے جس میں میلاد کا ذکر پہلے اور نبوت کا بعد میں آتا ہے۔ پھر چوتھے باب کا آغاز اِمام ترمذی بعثتِ نبوی ﷺ سے کرتے ہیں۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ چوتھے باب میں ان کا موضوع حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہے اور اِس کا اِعلان اُس وقت ہوا جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس تھی حالاں کہ آپ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی نبوت عطا ہو چکی تھی۔ اِس کا بیان یہاں بڑی وضاحت سے کر دیا گیا ہے کہ نبوت عطا ہونا اور اِس کا اِعلان ہونا یکسر دو مختلف چیزیں ہیں اور بعض علماء کج فہمی کی بناء پر اِن دونوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔

اِمام ترمذی کی اِس ترتیب سے اَئمہ حدیث اور اَصحابِ صحاحِ ستہ کا عقیدہ سمجھ میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ پانچویں باب - **فی آیات إثبات نبوۃ النبی ﷺ** - کا آغاز ہی حضور ﷺ کی ذات پر سلام سے کرتے ہیں۔ وادیٔ مکہ میں ایک پتھر پر سے جب آپ ﷺ کا گزر ہوتا تو وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کرتا تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن بمكة حجرا كان يسلم عليّ ليالی بُعثتُ إنی لأعرفه الآن۔[۱]

''بے شک مکہ میں ایک پتھر تھا، (جب) مجھے مبعوث کیا گیا تو وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ بے شک میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔''

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

كنت مع النبی ﷺ بمكة، فخرجنا فی بعض نواحيها فما استقبله جبل ولا شجر إلا وهو يقول: السلام عليك يا رسول الله۔[۲]

''میں مکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ہم راہ تھا، پس ہم بیرونی مضافات سے گزرے تو جس درخت اور پتھر سے ہمارا گزر ہوتا وہ **السلام علیک یا رسول اللہ** کی صدا ضرور بلند کرتا۔''

یہ وہی سلام ہے جو ہم محافلِ میلاد میں پڑھتے ہیں۔ اَفسوس! شجر و حجر تو تاجدارِ کائنات ﷺ پر سلام پڑھ رہے ہیں لیکن آج کے بعض نام نہاد مُوحد، شدت پسند اور بدعتی

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب المناقب، باب فی آيات إثبات نبوة النبی ﷺ، ۵: ۵۹۲، رقم: ۳۶۲۴
۲۔ ابو يعلی، المسند، ۱۳: ۴۵۹، رقم: ۷۴۶۹
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲: ۲۲۰، رقم: ۱۹۰۷
۴۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۲۹۱، رقم: ۲۰۱۲

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب المناقب، باب فی آيات إثبات نبوة النبی ﷺ، ۵: ۵۹۳، رقم: ۳۶۲۶
۲۔ حاكم، المستدرك علی الصحيحين، ۲: ۶۷۷، رقم: ۴۲۳۸
۳۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۲: ۱۳۴، رقم: ۵۰۲

اِسے کفر و شرک گردانتے ہیں۔ حالاں کہ حدیث شریف کی اَصح کتب جیسے **جامع الترمذی** اور **الصحیح لمسلم** کی اِبتدا اِس طرح ہوئی ہے، اور جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے امام مسلم اور امام بخاری اِسی عقیدہ کے حامل ہیں۔ فضائل و مناقب کے مختلف اَبواب حضور ﷺ کے شرف وفضیلت پر وقف ہیں۔ ان میں مولد النبی ﷺ کے باب بھی ہیں اور میلاد النبی ﷺ کی اِصطلاح اِمام ترمذی نے بیان کی ہے۔

۴۔ بیانِ فضائل ومیلادِ مصطفیٰ ﷺ میں سیرت و تاریخ نگاروں کا اُسلوب

محدثین کے علاوہ سیرت و تاریخ نگاروں نے بھی یہی اُسلوب اپنایا ہے۔ اُنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور اَحوال کے بیان میں آپ ﷺ کے نسب پاک اور میلاد ومولد کے اَبواب بالالتزام باندھے ہیں۔

۱۔ سیرت طیبہ کی سب سے پہلی اور بنیادی کتاب - **السیرۃ النبویۃ** - کے مؤلف ابن اِسحاق (۸۰۔۱۵۱ھ) نے کتاب کا آغاز ہی آپ ﷺ کے نسب اور میلاد کے بیان سے کیا ہے۔ اُنہوں نے درج ذیل دو اَبواب قائم کیے ہیں:

(۱) **ذكر سرد النسب الزكي من محمد ﷺ إلى آدم عليه السلام**

(۲) **مولد رسول الله ﷺ**(۱)

۲۔ ابن ہشام (م۲۱۳ھ) نے **السیرۃ النبویۃ** میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نسب ومیلاد کی فصول درج ذیل ترتیب کے مطابق قائم کی ہیں:

(۱) **ذكر سرد النسب الزكي من محمد ﷺ إلى آدم عليه السلام**

(۲) **ولادة رسول الله ﷺ ورضاعته**(۲)

---

(۱) ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۱۷، ۹۹

(۲) ابن ہشام، السيرة النبوية: ۲۳، ۱۵۳

۳۔ نام وَر سیرت نگار ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ) نے ’’الطبقات الکبری (۱: ۲۰، ۲۵، ۱۰۰)‘‘ کے آغاز میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نسبِ پاک اور ولادت باسعادت کے اَبواب بالتفصیل قائم کیے ہیں۔

۴۔ اِمام محمد خرکوشی نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) نے ’’کتاب شرف المصطفی ﷺ‘‘ کی پہلی جلد میں جماع أبواب ظھورہ ﷺ ومولدہ الشریف کے عنوان سے میلاد شریف کی بابت کئی اَبواب قائم کیے ہیں۔

۵۔ ابو نعیم اَصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ) نے ’’دلائل النبوۃ (۱: ۱۴۔۱۸)‘‘ میں ایک فصل کا عنوان ذکر فضیلتہ بطیب مولدہ وحسبہ ونسبہ رکھا ہے۔

۶۔ معروف محدّث و سیرت نگار اِمام بیہقی (۳۸۴۔۴۵۸ھ) نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ (۱: ۷۱)‘‘ میں جماع أبواب مولد النبی ﷺ کے عنوان سے میلاد شریف کی بابت کئی فصول قائم کی ہیں۔

۷۔ اِمام مقریزی (۷۶۹۔۸۴۵ھ) نے ’’إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدۃ والمتاع‘‘ میں کئی مقامات پر حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے متعلق فصول قائم کی ہیں۔

۸۔ علامہ قسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ) نے ’’المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ‘‘ کے المقصد الأول میں میلاد شریف کی اَبحاث بالتفصیل بیان کی ہیں۔

۹۔ یوسف صالحی شامی (م۹۴۲ھ) نے ’’سبل الھدیٰ و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ (۱: ۳۲۵۔۳۷۴)‘‘ میں جماع أبواب مولدہ الشریف ﷺ کے عنوان سے میلاد شریف کی بابت کئی فصول قائم کی ہیں۔

۱۰۔ خلیفہ بن خیاط (۱۶۰۔۲۴۰ھ) نے ’’التاریخ‘‘ میں مولد رسول اللہ ﷺ ووفاتہ کا عنوان قائم کیا ہے۔

۱۱۔ اِمام طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) نے ’’تاریخ الأمم والملوک‘‘ حضور نبی اکرم ﷺ کے نسب پاک اور میلاد کا بیان بالتفصیل کیا ہے۔

۱۲۔ ابن عساکر (۴۹۹۔۵۷۱ھ) نے ’’تاریخ دمشق الکبیر (۳: ۲۹، ۳۹)‘‘ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا نسب پاک اور میلاد شریف بیان کیا ہے۔

۱۳۔ اِمام ابن جوزی (۵۱۰۔۵۹۷ھ) نے ’’المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم‘‘ کی پہلی جلد کے آغاز میں حضور نبی اکرم ﷺ کے آباء و اَجداد اور ولادت باسعادت بالتفصیل بیان کی ہے۔

۱۴۔ اِمام ابن اثیر جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ) نے ’’الکامل فی التاریخ‘‘ کی دوسری جلد کے آغاز میں حضور نبی اکرم ﷺ کا نسب پاک اور ولادت کا بیان بالتفصیل کیا ہے۔

۱۵۔ اِمام ذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ) نے ’’تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام‘‘ کی السیرۃ النبویۃ کے بیان پر مشتمل جلد میں مولدہ المبارک کا عنوان قائم کیا ہے۔

۱۶۔ ابن الوردی (م ۷۴۹ھ) نے اپنی تاریخ ۔’’تتمۃ المختصر فی أخبار البشر‘‘ ۔ کی پہلی جلد میں مولد النبی ﷺ وشرف نسبہ الطاہر کا عنوان باندھا ہے۔

۱۷۔ اِمام ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) نے ’’البدایۃ والنہایۃ‘‘ کی دوسری جلد میں مولد سے متعلق کئی فصول قائم کی ہیں۔

۱۸۔ شیخ حسین دیاربکری (م ۹۶۶ھ) نے ’’تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس نفیس‘‘ کی پہلی جلد کے آغاز میں حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کے

میلاد شریف کے واقعات بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔(۱)

درج بالا حوالہ جات سے اَجل سیرت نگار و تاریخ نگار اَئمہ کی سنت واضح ہوتی ہے کہ ان سب نے اپنی کتب کے آغاز میں گزشتہ انبیاء کرام علیہما السلام کی ولادت و واقعات، حضور نبی اکرم ﷺ کا نسب پاک اور آپ ﷺ کے میلاد شریف سے متعلق معلومات بڑی تفصیل کے ساتھ فراہم کی ہیں۔ اِن کے علاوہ بھی تقریباً ہر کتابِ سیرت و تاریخ میں یہ موضوع ضرور زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کے لیے میلاد و مولد کے الفاظ قدیم زمانہ سے مستعمل ہیں اور کبار مصنفین اپنی کتب میں میلاد و مولد کے عنوانات سے اَبواب وفصول قائم کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب بھی اگر کوئی یہ اِعتراض کرے کہ لفظِ میلاد و مولد کی کوئی اَصل نہیں تو یہ ہٹ دھرمی اور بدبختی کے سوا کچھ نہیں۔

۵۔ میلاد النبی ﷺ پر شرعی دلیل طلب کرنے والوں کی خدمت میں

اَحکامِ اِلٰہیہ سے مستنبط اُصول وقوانین ہر شرعی عمل کی اَساس ہیں اور ہر عمل سنتِ رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر استوار ہے۔ یہی اس دین کی حقانیت وصداقت کی وہ بیّن دلیل ہے جو اسے دیگر اَدیانِ باطلہ سے ممتاز کرتی ہے۔ اِس ضمن میں ہم میلاد النبی ﷺ کو بہ طور عید منانے اور اِظہارِ مسرت کرنے کی بابت نصوصِ قرآن و حدیث کے ساتھ تفصیلی بحث کر چکے ہیں؛ لیکن ایسے حضرات کے لیے جو بلاوجہ میلاد شریف کے موقع پر فتویٰ بازی سے جمہور مسلمانوں کو کفر و شرک اور بدعت کا مرتکب ٹھہراتے ہیں اور ہر بات پر قرآن وسنت سے دلیل طلب کرتے ہیں اُن کے دل و دماغ تنگ نظری کا شکار ہیں اور وہ بزعم خویش یہ سوچتے ہیں کہ اِس عمل کا کوئی شرعی ثبوت نہیں؟ اُن سے بہ قولِ اِقبالؔ بس

(۱) سیرتِ طیبہ اور تاریخ کی مذکورہ کتب کے مطابع وسنینِ اِشاعت کتاب کے آخر میں دیے گئے مآخذ و مراجع میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اِتنی گزارش ہے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں(۱)

میلاد النبی ﷺ جیسی نعمتِ عظمی پر شکرانے کے ثبوت طلب کرنے والے نادان اور کم نصیب لوگوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ زندگی میں ہزارہا دنیاوی خوشیاں مناتے وقت کبھی قرآن و حدیث کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اِس کا ذکر اِن میں ہے یا نہیں؟

۱۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جب کبھی ایک مدت کے بعد اولاد پیدا ہو تو مٹھائیاں بانٹی جاتی اور دعوتیں دی جاتیں ہیں؟ کیا اُس وقت بھی کتبِ حدیث اٹھا کر یہ ثبوت طلب کیا جاتا ہے کہ آیا حضور نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے بیٹوں کی پیدائش پر مٹھائی بانٹی تھی؟

۲۔ ہر سال اپنے بچوں کی سالگرہ پر ہزاروں لاکھوں کی ضیافتیں کرنے والوں نے کیا کبھی قرآن و حدیث سے اِس بارے میں بھی ثبوت تلاش کیا ہے؟

۳۔ عام معمول ہے کہ جب کسی کی شادی قریب ہوتی ہے تو کئی کئی مہینے اِس کی تیاریوں میں گزرتے ہیں۔ اِشتہار اور دعوتی کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، رسم و رواج اور تبادلہ تحائف پر لاکھوں روپے اڑائے جاتے ہیں۔ اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ولیمہ پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، اپنے خویش و اَقارب اور دوست و اَحباب کی حتی الوسع خدمت کی جاتی ہے۔ کیا اس موقع پر بھی ہم نے کبھی قرآن و حدیث سے دلیل طلب کی کہ شادیوں پر آقائے دوجہاں ﷺ نے یا ان کے غلاموں نے ایسی خوشیاں منائی تھیں یا نہیں؟ کیا انہوں نے بھی اتنے مہنگے اور پرتکلف کھانے تیار کرائے تھے؟ یہاں اِس لیے ثبوت طلب نہیں

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، بالِ جبریل: ۵ ۳۳/ ۴۳

کیے جاتے کہ اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی کا معاملہ ہے اور بات اپنے گھر تک پہنچتی ہے مگر میلاد النبی ﷺ پر ثبوت یاد آجاتا ہے کیوں کہ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا معاملہ ہے۔

۴۔ ۲۳ مارچ کو آزادی کے حصول کے لیے قرارداد پاس ہوئی اور جد و جہد آزادی کا آغاز ہوا تھا۔ اِس کی خوشی میں ہر سال ملک کے طول وعرض میں سرکاری و غیرسرکاری سطح پر تقریبات، جشن اور محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس دن - ۱۴ اگست - غیروں کے تسلط سے آزادی ملی اور مملکتِ خداداد پاکستان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ملی تو اُس دن ہر سال پورے ملک کو دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے، بے پناہ وسائل خرچ ہوتے ہیں، جگہ جگہ جہازوں، ٹینکوں اور گاڑیوں کی سلامی دی جاتی ہے، گارڈ آف آنر پیش ہوتے ہیں۔ یومِ دفاع (۶ ستمبر) کی خوشی میں پاک فوج کی جنگی مشقیں دیکھنے کے لیے مخصوص مقامات پر اِجتماعات ہوتے ہیں۔ یہ سب اُمور اگرچہ درست ہیں مگر اِن قومی تہواروں کے لیے عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہ سے ثبوت تلاش نہیں کیے جاتے۔

۵۔ بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح اور حصولِ آزادی کی جد و جہد میں کام کرنے والے رہنماؤں کے یومِ ولادت پر پورے ملک میں عید کا سا سماں ہوتا ہے۔ دفاتر، تعلیمی اور صنعتی اِدارے بند کر دیے جاتے ہیں۔ جلسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے دور دور سے دانش وروں اور زعماء کو بڑے اہتمام سے دعوتیں دے کر بلوایا جاتا ہے اور ان کی شان میں قصیدہ خوانی کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں قرآن و حدیث یا اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی ثبوت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بجا طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ملک وقوم کے رہبروں کی ملی خدمات کو سراہا جانا چاہیے لیکن پوری انسانیت بلکہ کائناتِ ہست و بود کے محسنِ اَعظم ﷺ کا یومِ ولادت

آئے تو اُن کی یاد میں محافلِ میلاد اور خوشی کرنے پر ہمیں ثبوت یاد آنے لگتے ہیں اور دلیلیں طلب کرنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اَعلیٰ حضرت اِمام احمد رضا خانؒ اس حوالے سے کیا خوب لکھتے ہیں:

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی اِحسان گیا(۱)

۶۔ جب ملک کا یومِ تاسیس آئے یا بیرونِ ملک سے کوئی مہمان آئے (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم) اُسے اِکیس توپوں کی سلامی دی جائے تو اُس وقت قرآن و حدیث سے جواز تلاش نہیں کیا جاتا۔

۷۔ ملک کے صدر، سربراہِ ریاست یا بہت بڑے لیڈر کے اِنتقال پر بڑے اِعزاز کے ساتھ اُس کی تدفین عمل میں آتی ہے، اُس کی وفات پر سوگ کے جلوس نکالے جاتے ہیں، میت پر ماتمی دھنوں سے بینڈ باجے، توپوں کی سلامی ہوتی ہے، پھولوں کی چادریں چڑھتی ہیں، گل پاشیاں اور نہ جانے کیا کیا تقریبات ہوتی ہیں۔ علماء و غیر علماء سب اِن تقریبات میں شریک ہوتے ہیں مگر کسی نے کبھی فتویٰ صادر نہیں کیا۔ سنتِ رسول ﷺ اور اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کبھی سند تلاش نہیں کی۔ اِس لیے کہ اِس میں ملک کا اِعزاز اور مرحوم لیڈر کی خدمات کا اعتراف تھا، اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار تھا اور اقوام عالم کے سامنے اپنے قومی وقار کا مسئلہ تھا۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ غلط نہیں ہے۔ ایسا ہونا چاہیے مگر اَمرِ زیرِ بحث یہ ہے کہ کسی صدرِ مملکت کے لیے ایسا اہتمام ہو تو کوئی ثبوت نہیں مانگے جاتے لیکن باعثِ موجودات حضرت محمد علیہ الصلوٰت والتسلیمات کے یوم ولادت کے سلسلے میں دلائل اور فتووں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ آقائے دوجہاں رحمۃ للعالمین ﷺ کی آمد کا دن آئے تو خوشی

(۱) احمد رضا خان، حدائقِ بخشش، ۱: ۳۳

منانے کے لیے دلائل و براہین اور ثبوت مانگے جائیں، اس کا صاف مطلب ہے کہ باقی ہر موقع پر خوشی تھی بس حضور ﷺ کے معاملے میں دل اِحساسِ مسرت سے محروم ہوگیا اور حکمِ خداوندی - **فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ**[1] - یاد نہ رہا۔ اَعمالِ حسنہ، عبادت و ریاضت میں کثرتِ ذکر پر بھروسہ کافی محسوس ہونے لگا اور دل اس احساس سے خالی ہوگیا کہ دنیا کی سب سے پیاری، سب سے معظم اور سب سے زیادہ واجب التعظیم ہستی آقا ﷺ ہیں۔ ان کی محبت ایمان کی اساس ہے اور ایمان دل کی وہ حالت ہے جسے کیفیت یا حال کہتے ہیں، جسے لگن بھی کہتے ہیں اور لگاؤ بھی، محبت بھی کہتے ہیں اور محبت کا الاؤ بھی۔ یہ الاؤ دل میں جل اٹھے تو مومن اپنی زندگی کے ہر لمحے کو عید میلاد بنا کر مناتا رہے اور اپنے در و دیوار کو آخرت کا گھر سمجھ کر سجاتا رہے۔ ہم سب کو یہ جان لینا چاہیے کہ ان خشک و بے مغز عبادتوں کے ذخیروں کے مقابلے میں حضور ﷺ کی آمد پر خوشی کرنا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں زیادہ اَفضل عمل ہے۔

اَفسوس کہ کفر و شرک کے فتاویٰ صادِر کرنے والے منکرِ میلاد بدعتیوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی خوشیوں پر لاکھوں روپے خرچ کر دیے تو کوئی چیز رکاوٹ نہ بنی لیکن محبوب ﷺ کا ماہِ ولادت جلوہ فگن ہوا تو اِس کے اہتمام پر خود خرچ کرنے کی بجائے دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے رہے۔ یاد رہے کہ کوئی خوشی آقائے دو جہاں ﷺ کی آمد کی خوشی سے بڑی نہیں، اس کے مقابلے میں دنیا و جہان کی ساری خوشیاں ہیچ ہیں۔

۶۔ میلاد منانا عملِ توحید ہے

یہاں یہ نکتہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ میلاد منانا فی الواقع عملِ توحید ہے۔ یہ عمل ذاتِ باری تعالیٰ کو واحد و یکتا ماننے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیوں کہ میلاد منانے سے

---

(۱) یونس، ۱۰: ۵۸

یہ اَمر خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد منانے والے آپ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور اللہ کی مخلوق مانتے ہیں۔ اور جس کی ولادت منائی جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا، کیوں کہ خدا کی ذات لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے)[1] کی شان کی حامل ہے۔ جب کہ نبی وہ ذات ہے جس کی ولادت ہوئی ہو جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حوالے سے سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

وَسَلَامٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ۔[2]

''اور یحییٰ پر سلام ہو، اُن کے میلاد کے دن۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ۔[3]

''اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن۔''

تو میلاد منانا گویا نبی کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق قرار دینا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اَفضل و اَعلیٰ مخلوق اِس کائنات میں کوئی نہیں۔ جب ہم آپ ﷺ کا میلاد مناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور رسول ﷺ کی مخلوقیت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ پیدا ہوئے۔ اِس سے بڑی توحید اور کیا ہے؟ مگر اہلِ بدعت اِس خالص عملِ توحید کو بھی بزعمِ خویش شرک کہتے ہیں جو کہ صریحاً غلط ہے۔

۷۔ جشنِ میلاد النبی ﷺ پر خرچ کرنا اِسراف نہیں

حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کی خوشی میں خرچ کرنا اِسراف نہیں کیوں کہ یہ

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۳

(۲) مریم، ۱۹: ۱۵

(۳) مریم، ۱۹: ۳۳

ایک اَمرِ خیر ہے اور ائمہ و فقہا کے نزدیک اُمورِ خیر میں اِسراف نہیں۔ ذیل میں ہم چند ائمہ کے اَقوال درج کر رہے ہیں جن کے مطابق اُمورِ خیر پر خرچ کرنا اِسراف کے زمرے میں نہیں آتا:

۱۔ حسن بن سہلؒ کے بیٹے سے روایت ہے کہ حسن بن سہل نے کسی پانی پلانے والے کو اپنے گھر میں دیکھا تو اُس کا حال پوچھا۔ سقہ نے اپنے زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی شادی کا اِرادہ ظاہر کیا۔ حسن بن سہل نے اُس کی حالتِ زار پر رحم کرتے ہوئے اُسے ایک ہزار درہم دینے کا عندیہ دیا لیکن غلطی سے اُسے دس لاکھ درہم دے دیے۔ حسن بن سہل کے اہلِ خانہ نے اِس عمل کو پسند نہ کیا اور حسن بن سہل کے پاس جانے سے خوف زدہ ہوئے۔ پھر وہ رقم کی واپسی کے لیے غسان بن عباد کے پاس گئے جو خود بھی سخی ہونے کی شہرت رکھتا تھا۔ اُس نے کہا:

أیها الأمیر! إن الله لا یحب المسرفین.

''اے امیر! بے شک اللہ تعالیٰ اِسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اِس پر حسن نے کہا:

لیس فی الخیر إسراف.

''خیر میں کوئی اِسراف نہیں۔''

پھر حسن نے سقہ کے حال کا ذکر کیا اور کہا:

والله! لا رجعت عن شیء خطّته یدي.

''اللہ رب العزت کی قسم! میں اپنے ہاتھوں سے ادا کردہ جملہ دراہم میں سے کچھ بھی واپس نہیں لوں گا۔''

پس سقہ کو اُن تمام دراہم کا حق دار ٹھہرا دیا گیا۔[1]

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لیس فی الحلال اسراف، وإنما السرف فی إرتکاب المعاصی۔[2]

''حلال میں کوئی اِسراف نہیں، اِسراف صرف نافرمانی کے اِرتکاب میں ہے۔''

۳۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

الحلال لا یحتمل السرف۔[3]

''حلال کام میں اِسراف کا اِحتمال نہیں ہوتا۔''

مذکورہ اَقوال سے واضح ہوتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں جتنا بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے اور خرچ کیا جائے اُس کا شمار اِسراف میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو لوگ

---

(۱) ۱۔ ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم، ۱۱: ۲۴۰، ۲۴۱، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷: ۳۲۲

۳۔ ابن جرادۃ، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب، ۵: ۲۳۸۶

(۲) ۱۔ شربینی، مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی ألفاظ المنہاج، ۱: ۳۹۳

۲۔ دمیاطی، إعانۃ الطالبین، ۲: ۱۵۷

(۳) ۱۔ ابو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۶: ۳۸۲

۲۔ شربینی، مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی ألفاظ المنہاج، ۱: ۳۹۳

۳۔ دمیاطی، إعانۃ الطالبین، ۲: ۱۵۷

جشنِ میلاد النبی ﷺ پر خرچ کرنے کو فضول خرچی گردانتے ہیں اُنہیں اپنی اِصلاح کر لینی چاہیے اور اِس اَمرِ خیر کو ہرگز نشانۂ طعن نہیں بنانا چاہیے۔

۸۔ شوکت و عظمتِ اِسلام کے لیے اِنتظامات

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں خانہ کعبہ میں شیبہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا تو اس نے کہا کہ اسی جگہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھتے تھے، میرا ارادہ ہے کہ اِس (کعبہ) میں سے تمام زرد و سفید (سونا اور چاندی) تقسیم کر دوں۔ میں نے کہا: لیکن آپ کے صاحبوں (حضور ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ تو انہوں نے فرمایا: اُن دونوں کی اِقتداء مجھ پر لازم ہے (یعنی میں یہ مال تقسیم نہیں کروں گا)۔‘‘[(۱)]

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) نے کعبہ شریف کا خزانہ تقسیم نہ کرنے کی ایک وجہ یہ لکھی ہے:

وفي ذلک تعظيم الإسلام وترهيب العدو۔[(۲)]

’’اور اِس میں تعظیمِ اسلام اور دشمنوں کو ڈرانا معلوم ہوتا ہے۔‘‘

آپ مزید لکھتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب کسوۃ الکعبۃ، ۲: ۵۷۸، رقم: ۱۵۱۷

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الإقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۴۷

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۱۰

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۳۰۰، رقم: ۷۱۹۶

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۵۹، رقم: ۹۵۱۱

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۴۵۷

واستدل التقی السبکی بحدیث الباب علی جواز تعلیق قنادیل الذهب والفضة فی الکعبة ومسجد المدینة۔(۱)

اور تقی الدین سبکی نے باب کی (درج بالا) حدیث سے خانہ کعبہ اور مسجد نبوی ﷺ میں سونے اور چاندی کی قنادیل لٹکانے کے جواز کا اِستدلال کیا ہے۔‘‘

کعبہ کے غلاف کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

أن تجویز ستر الکعبة بالدیباج قام الإجماع علیه۔(۲)

’’بے شک کعبہ کو دیباج (قیمتی ریشم کے کپڑے) کے ساتھ ڈھانپنے کی تجویز پر اِجماع ہوگیا ہے۔‘‘

قاضی زین الدین عبد الباسط کو بحکم شاہی اِس کا غلاف تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اسے نہایت عمدگی سے تیار کیا۔ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) اِس بارے میں لکھتے ہیں:

بسط اللہ له فی رزقه وعمره، فبالغ فی تحسینها بحیث یعجز الواصف عن صفة حسنها، جزاه اللہ علی ذلک أفضل المجازاة۔(۳)

’’اللہ تعالیٰ اُس کی عمر اور رِزق میں اِضافہ کرے، اُس نے کعبہ کو اتنا حسین کیا کہ کوئی بھی اس کا حسن بیان کرنے سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اِس پر بہترین جزا دے۔‘‘

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۴۵۷
(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۴۵۷
(۳) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۴۶۰

اِس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ اگر اسلام کی عظمت و شوکت اور دشمنوں پر رعب و دبدبہ جمانے کے لیے کعبہ کو سونے اور چاندی کی قندیلوں اور شمعوں سے سجایا جا سکتا ہے اور بہترین ریشم کے غلاف سے کعبہ کی زینت کا سامان کیا جا سکتا ہے تو پھر تاجدار کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اور پرجوش عقیدت کا والہانہ اظہار کرتے ہوئے گلی، محلوں، بازاروں اور مسجدوں کو کیوں نہیں سجایا جا سکتا؟ حضور نبی اکرم ﷺ صاحبِ لولاک ہیں اور آپ ﷺ کی ذات کائنات کی روح ہے۔ آپ ﷺ کے صدقے ہی سے ہمیں کعبہ ملا، اگر کعبہ کو سجایا جا سکتا ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد پر چراغاں کیوں نہیں ہوسکتا؟ لہٰذا آپ ﷺ کے میلاد پر آرائش و زیبائش کا اہتمام کرنا بدرجہ اَتم مستحسن اور مقبول عمل ہے۔

۹۔ محافلِ میلاد کے اِنعقاد کے تقاضے

گزشتہ صفحات میں ہماری معروضات صراحت سے اِس اَمر کی شہادت فراہم کر رہی ہیں کہ جشنِ میلاد النبی ﷺ کا اِہتمام کرنا یقیناً مستحسن اور باعثِ اَجر وثواب عمل ہے لیکن اِس موقع پر اگر اِنعقادِ میلاد کے بعض قابل اِعتراض پہلوؤں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اُنہیں برقرار رہنے دیا جائے تو ہم میلاد النّبی ﷺ کے فیوض و برکات سے محروم رہیں گے۔ جب تک اس پاکیزہ جشن میں طہارت، نفاست اور کمال درجہ کی پاکیزگی کا خیال نہیں رکھا جائے گا سب کچھ کرنے کے باوجود اِس سے حاصل ہونے والے مطلوبہ ثمرات سمیٹنا تو درکنار ہم اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول مکرّم ﷺ کی ناراضی مول لیں گے۔ محفلِ میلاد ہو یا جلوسِ میلاد، یہ سارا اِہتمام چوں کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کے سلسلہ میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا تقدس برقرار رکھنا اُسی طرح ضروری ہے جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں آپ ﷺ کی مجلس کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ماحول کی پاکیزگی کو خرافات اور خلافِ شرع بے ہودہ کاموں سے آلودہ نہ ہونے دیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ جشنِ میلاد کے موقع پر

محفلیں منعقد کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا، جانی و مالی، علمی و فکری غرضیکہ ہر قسم کی قربانی کا جذبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہونا چاہیے۔ احادیثِ مبارکہ میں ہے کہ صبح و شام حضور ﷺ پر درود و سلام کے علاوہ اپنی اُمت کے دوسرے نیک و بد اَعمال بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ اچھے کام دیکھ کر خوشی کا اظہار فرماتے ہیں اور برائی دیکھ کر ناراضگی اور اَفسوس کا اظہار کرتے ہیں۔[1] بالکل اسی طرح ہماری یہ میلاد کی خوشیاں بھی حضور ﷺ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اگر ان میں صدق و اخلاص شامل نہیں ہوگا تو حضور ﷺ کو ہماری ایسی محفلوں کے انعقاد سے کیا مسرت ہوگی؟ اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اپنے محبوب ﷺ کی خاطر کی جانے والی اس تقریب کو کیوں کر شرفِ قبولیت سے نوازے گا؟ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ صدقہ و خیرات میں کثرت اور اِظہارِ مسرت کے لیے بڑے بڑے جلسے جلوس اُس بارگاہ میں باعثِ شرف و قبولیت نہیں جب تک کہ ظاہری عقیدت میں اخلاصِ باطن اور حسنِ نیت شامل نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت اور ادب و تعظیم ہی

(۱) ۱۔ بزار، البحر الزخار (المسند)، ۵: ۳۰۸، ۳۰۹، رقم: ۱۹۲۵

۲۔ ابن أبی أسامة نے اِسے صحیح سند کے ساتھ ''مسند الحارث (۲: ۸۸۴، رقم: ۹۵۳)'' میں روایت کیا ہے۔

۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۴: ۱۷۶

۴۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۱۸۳، رقم: ۶۸۶

۵۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ، ۱: ۱۹

۶۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۹: ۲۴)'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث بزار نے روایت کی ہے اور اِس کے تمام رجال صحیح ہیں۔

۷۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۴: ۲۵۷

۸۔ أبو الفضل عراقی نے ''طرح التثریب فی شرح التقریب (۳: ۲۹۷)'' میں اس روایت کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہمارے ہر عمل کی قبولیت کی اَوّلیں شرائط میں سے ہیں۔

محفل میلاد کے تقاضوں میں خلوص و تقویٰ کے ساتھ ساتھ ظاہری و باطنی طہارت بھی انتہائی ضروری ہے۔ حضور ﷺ چوں کہ خود صفائی کو انتہائی پسند فرماتے تھے، اور جس طرح آپ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ہر طرح کی صفائی، طہارت اور پاکیزگی کا خیال رکھا جاتا تھا اُسی طرح حضور ﷺ کی نسبت سے منعقد ہونے والی محافل و مجالس میں بھی ہمیں کمال درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ اگر چاہیں تو اپنے غلاموں کی ان محافل میں اپنے روحانی وجود کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ یہاں اسی سلسلہ میں ایک مثال سے اس اَمر کی توثیق کی جاتی ہے:

> ''راقم کے والد گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ نے اِسی موقع کی مناسبت سے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلیؒ حقہ پیتے تھے۔ ایک دفعہ محفل میلاد منعقد تھی۔ حقہ پی کر جلدی سے بغیر کلی کیے محفل میں چلے آئے، بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی۔ خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے: ''عبد الحیؒ! تمہیں اِحساس نہیں کہ ہماری محفل میں حقہ پی کر اسی بدبودار منہ کے ساتھ آ گئے ہو؟''

حضور ﷺ کی طبیعت مبارکہ اتنی پاک، منزہ اور لطیف تھی کہ آپ ﷺ لہسن اور پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں آنے سے بھی صحابہ کرام ﷡ کو منع فرماتے تھے۔[1] ایسے کئی واقعات ہیں کہ حضور ﷺ اپنے خاص غلاموں کو جس طرح ظاہری حیاتِ طیبہ میں ایسی بدبودار اشیاء استعمال کرنے سے روکتے تھے بعداَز وصال بھی اسی طرح حکماً یا اشارتاً منع فرماتے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ) ''الدر الثمین فی مبشرات النبی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب نهی من أكل ثوماً أو بصلاً أو كراثاً أو نحوهما، ۱: ۳۹۴، رقم: ۵۶۱
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأطعمة، باب فی أكل الثوم، ۳: ۱۶۰، ۱۶۱، رقم: ۳۸۲۴، ۳۸۲۵

الأمین ﷺ‘‘ کی اٹھائیسویں حدیث میں اپنے والد گرامی شاہ عبد الرحیم (۱۰۵۴۔۱۱۳۱ھ) کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں: دو صالح آدمیوں - جن میں سے ایک عالم بھی تھا اور عابد بھی، جب کہ دوسرا عابد تھا عالم نہ تھا - کو ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی لیکن حضور ﷺ کی مجلس میں صرف عابد کو بیٹھنے کی اجازت دی گئی، عالم اس سے محروم رہا۔ چنانچہ اس عابد نے بعد میں لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس عالم کو اس سعادت سے کیوں محروم رکھا گیا؟ تو اُسے بتایا گیا کہ وہ حقہ پیتا تھا اور حضور ﷺ حقہ ناپسند فرماتے ہیں۔ دوسرے دن یہ عابد اس عالم کے پاس گیا تو دیکھا کہ عالم اپنی اس محرومی پر زار و قطار رو رہا ہے۔ جب عابد نے حقیقتِ حال سے اُسے آگاہ کیا اور محرومی کا اصل سبب بتایا تو عالم نے اسی وقت تمباکو نوشی سے توبہ کر لی۔ پھر اگلی شب دونوں نے اسی طرح بیک وقت حضور ﷺ کی زیارت کی اور اِس بار عالم کو مجلس میں نہ صرف حاضری کا شرف بخشا گیا بلکہ آقائے دو جہاں ﷺ نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔(۱)

۱۰۔ اِصلاح طلب پہلو

یہ بات خوش آئند ہے کہ میلاد النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے اور جشنِ میلاد کے جلوس کا اِہتمام کرنے والے حضور ﷺ سے اتنی محبت و عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ میلاد کی خوشیوں کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ یہ سب اپنی جگہ درست اور حق ہے، مگر اُنہیں اس کے تقاضوں کو بھی بہرحال مدنظر رکھنا چاہیے۔ کاش ان عقیدت مندوں کو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا بھی کما حقہ علم ہوتا!

اس مبارک موقع کے فیوضات سمیٹنے کے لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے میلاد کی ان پاکیزہ محفلوں میں اس انداز سے شرکت کریں جس میں شریعتِ مطہرہ کے

---

(۱) شاہ ولی اللہ، الدر الثمین فی مبشرات النبی الأمین ﷺ: ۴۳، ۴۴

احکام کی معمولی خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے لیکن فی زمانہ بعض مقامات پر مقام و تعظیم رسالت سے بے خبر جاہل لوگ جشنِ میلاد کو گوناگوں منکرات، بدعات اور محرمات سے ملوث کر کے بہت بڑی نادانی اور بے ادبی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جلوسِ میلاد میں ڈھول ڈھمکے، فحش فلمی گانوں کی ریکارڈنگ، نوجوانوں کے رقص و سرور اور اِختلاط مرد و زن جیسے حرام اور ناجائز اُمور بے حجابانہ سرانجام دیے جاتے ہیں جو کہ انتہائی قابلِ افسوس اور قابلِ مذمت ہے اور ادب و تعظیمِ رسول ﷺ کے سراسر منافی ہے۔ اگر ان لوگوں کو ان محرمات اور خلافِ ادب کاموں سے روکا جاتا ہے تو وہ بجائے باز آنے کے منع کرنے والے کو میلاد النبی ﷺ کا منکر ٹھہرا کر اِصلاحِ اَحوال کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ اُن نام نہاد عقیدت مندوں کو سختی سے سمجھانے کی ضرورت ہے ورنہ جشنِ میلاد النبی ﷺ ان ادب ناشناس جہلاء کی اِسلام سوز رسوم و رواج کے باعث پاکیزگی و تقدس سے محروم ہو کر محض ایک رسم بن کر رہ جائے گا۔ جب تک ان محافل و مجالس اور جشن میلاد کو ادب و تعظیم رسالت مآب ﷺ کے سانچے میں نہیں ڈھال لیا جاتا اور ایسی تقاریب سے ان تمام محرمات کا خاتمہ نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور خوش نودی ہمارے شاملِ حال نہیں ہوسکتی۔ ایسی محافل میں جہاں بارگاہِ رِسالت ﷺ کے ادب سے پہلوتہی ہو رہی ہو نہ صرف یہ کہ رحمتِ خداوندی اور اس کے فرشتوں کا نزول نہیں ہوتا بلکہ اہلِ محفل و منتظمینِ جلوس خدا کے غضب اور حضور ﷺ کی ناراضگی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ اس برائی کے خلاف کہیں آواز بلند کی جاتی ہے نہ حکومت کی طرف سے حکمت یا سختی کے ساتھ اس قبیح روش کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ مذہبی طبقے کی خاموشی کی سب سے بڑی وجہ (الا ماشاء اللہ) پیٹ کا دھندا ہے جو ان قبیح رسموں کو روکنے میں آڑے آجاتا ہے۔ مفاد پرست حلقوں کی سوچ یہ ہے کہ اگر ان غیر اَخلاقی و غیر شرعی اُمور کی سختی سے گرفت کی گئی تو شاید جلسے جلوسوں میں ان علماء کی دھواں دھار تقریریں

ختم ہو جائیں اور کاروباری حضرات سے ملنے والے معاوضے اور چندے بند ہو جائیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مالی مفادات اور ان گروہی اور نام نہاد محدود مسلکی منفعتوں کی خاطر یہ لوگ میلاد النبی ﷺ کے تقدس اور عظمت کو پامال کر رہے ہیں۔

ایسے مواقع پر حکومت کو خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ ضروری ہے کہ وہ ہر ممکن اِصلاحی تدابیر عمل میں لائے۔ کیا وجہ ہے کہ اَربابِ اِقتدار یا سیاسی حکومت کے کسی لیڈر یا عہدے دار کے خلاف معمولی سی گستاخی اور بے ادبی کرنے والے کو حکومت اپنی پولیس فورس کے ذریعے ڈنڈے کے زور سے نہ صرف باز رکھتی ہے بلکہ معاملہ گھمبیر ہو تو قانون شکنی کرنے والوں کو فوراً گرفتار بھی کر لیا جاتا ہے۔ مگر عرس اور میلاد جیسے موقعوں پر بدعمل، اوباش اور کاروباری لوگ ناچ گانے اور ڈانس کا باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں، میلے، تھیٹر اور سرکسوں کا انتظام ہوتا ہے، اَولیائے کرام کی پاکیزہ تعلیمات کی دانستہ اور سرِبازار خلاف ورزی ہوتی ہے مگر معلومات کے باوجود حکومت کوئی قانونی کارروائی نہیں کرتی۔ حکومت کے اَربابِ بست و کشاد نہ جانے کیسے گوارا کر لیتے ہیں کہ باقاعدہ پولیس کی نگرانی اور اَمن و امان میں یہ خلافِ شریعت اُمور ہو رہے ہیں۔ ایسے عناصر کو بزورِ قانون خلافِ شریعت حرکات سے روکنا اَشد ضروری ہے۔

عرس کے موقعوں پر بزرگانِ دین کے مزارات پر آنے کا مقصد قرآن حکیم کی تلاوت اور ان اولیائے کرام کی پاکیزہ تعلیمات سے بہرہ ور ہونے اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ میلاد النبی ﷺ کے جلوس نعت خوانی، حضور ﷺ کے خصائص و شمائل اور فضائل و مراتب کے بیان اور جائز شرعی طریقے سے خوشیاں منانے کے لیے نکالے جاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی (۱)

(۱) اِقبال، کلیات (اُردو)، بالِ جبریل: ۱۴۲/۴۱۶

کے مصداق دینی شعار کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جاتا ہے اور حکومت اور اہلِ فکر و نظر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔

۱۱۔ اِفراط و تفریط سے اِجتناب کی ضرورت

بدقسمتی سے آج اُمتِ مسلمہ دو بڑے طبقوں میں بٹ گئی ہے: ایک طبقہ جشنِ میلادالنبی ﷺ کو سرے سے ناجائز، حرام اور بدعت کہہ کر اِس کا اِنکار کر رہا ہے، جب کہ دوسرا طبقہ میلاد کے نام پر (اِلا ما شاء اللہ) ناجائز اور فحش کام سرانجام دینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اُنہوں نے بہت سے ناجائز اور حرام اُمور کو داخلِ میلاد کر کے میلادالنبی ﷺ کے پاکیزہ تصور کو بدنام اور تقدس کو پامال کر دیا ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ اِفراط و تفریط سے بچتے ہوئے اِن انتہاء پسند رویوں کے بین بین اِعتدال پسندی کی روش اِختیار کی جائے۔ ہم نے میلاد اور سیرت کے نام پر مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ کوئی صرف میلاد کا داعی بن گیا اور کوئی صرف سیرت کا نام لیوا۔ میلاد کا نام لینے والا سیرت سے کتراتا ہے اور سیرت کا داعی میلاد کو ناجائز کہہ کر اپنی دانش وری اور بقراطیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ سوچ ناپید ہے کہ اگر میلاد نہ ہوتا تو سیرت کہاں سے ہوتی اور اگر سیرت کے بیان سے اِحتراز کیا تو پھر میلاد کا مقصد کیسے پورا ہو سکتا ہے! بیانِ میلاد اور بیانِ سیرت دونوں حضور ﷺ کے ذکر کے طریقے ہیں۔ دونوں ایک شمع کی کرنیں ہیں۔ میلاد کو نہ تو بدعت اور حرام کہہ کر ناجائز سمجھیں اور نہ اِسے جائز سمجھتے ہوئے اس کے پاکیزہ ماحول کو خرافات سے آلودہ کیا جائے۔

حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشی مناتے ہوئے محافلِ میلاد میں محبت و تعظیم کے ساتھ باوُضو ہو کر شریک ہوں تو یہ اَفضل عبادت ہے۔ میلاد کے جلسے، جلوسوں اور محافل میں سیرت کا ذکرِ جمیل کرنا، لوگوں کو آقائے نامدار حبیبِ کبریا ﷺ کے حسنِ سیرت و صورت اور فضائل و شمائل سنانا اور حضور ﷺ کی محبت اور عشق کے نغمے الاپنا ہر

سچے مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیے کہ اِسی میں پوری اُمتِ مسلمہ کی کامیابی کا راز مضمر ہے اور یہی وقت کی سب سے اہم مذہبی ضرورت ہے۔ ملتِ اِسلامیہ کے واعظین اور مبلغین اگر میلاد اور سیرت کی دو بنیادی حقیقتوں کو الگ الگ کر دیں گے تو عوام الناس تک کلمہ حق کیسے پہنچے گا؟

واعظین اور مبلغین اگر دین کا اور حضور ﷺ کی تعظیم و رسالت کا تحفظ چاہتے ہیں تو یہ ان کی ذاتی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ حتی المقدور ناجائز اور خلافِ شرع بدعت، ہر قسم کے منکرات اور فحش اُمور کے خلاف علم جہاد بلند کریں۔

حکومت کا فرض ہے کہ محافلِ میلاد کا تقدس برقرار رکھنے کے لیے مداخلت کرے اور عید میلاد النبی ﷺ کے نام پر ناچ گانا اور دیگر خرافات کرنے والوں پر قانونی پابندی لگا دے جس کی خلاف ورزی کرنے والے عناصر کو قرار واقعی سزائیں دی جائیں تاکہ جلسوں اور جلوسوں کا ماحول ہر قسم کی خرافات اور غیر شرعی اُمور سے پاک رہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرّم ﷺ کے تصدق سے ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمیں میلاد شریف کے فیوض و برکات سمیٹنے، اپنی زندگیاں سیرتِ طیبہ کے سانچے میں ڈھالنے اور منکرات و فواحش سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود بن عبد اللہ حسینی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء)۔ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني۔ لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۔ **ابراہیم مصطفیٰ**۔ المعجم الوسیط۔ بیروت، لبنان، داراحیاء التراث العربی ۱۹۵۶ء۔

۴۔ **اَبیاری**، اِبراہیم۔مولد رسول اللہ ﷺ۔

۵۔ **ابن اثیر**، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/ ۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ أسد الغابة في معرفة الصحابة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۶۔ **ابن اثیر**، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/ ۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ الکامل في التاریخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۷۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ العلل و معرفة الرجال۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء ۔

۸۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ العلل و معرفة الرجال۔ ریاض، سعودی عرب۔

۹۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **فضائل الصحابة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ،۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۰۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ شیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۱۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ شیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ،۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۲۔ **احمد رضا**، اَعلیٰ حضرت، ابن نقی علی خان قادری بریلوی، (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **إقامة القيامة على طاعن القيام لنبی تهامة** ﷺ۔

۱۳۔ **احمد رضا**، اَعلیٰ حضرت، ابن نقی علی خان قادری بریلوی، (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **حدائقِ بخشش**۔ لاہور، پاکستان، مسلم کتابوی، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

۱۴۔ **احمد رضا**، اَعلیٰ حضرت، ابن نقی علی خان قادری بریلوی، (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **نطق الهلال بارخ ولادة الحبيب والوصال**۔

۱۵۔ **احمد بن زینی دحلان**، سید حسنی ہاشمی قرشی مکی (۱۲۳۳۔۱۳۰۴ھ)۔ **السيرة النبوية**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۶۔ **احمد بن زینی دحلان**، سید حسنی ہاشمی قرشی مکی (۱۲۳۳۔۱۳۰۴ھ)۔ **السيرة النبوية**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الکتب الثقافیة، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۷۔ **ابن احمد سعید**، شیخ محمد مظہر (م۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء)۔ **الرسالة السعيدية**۔

۱۸۔ **احمد مصطفیٰ**، المراغی۔ **تفسير القرآن الكريم**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء۔

۱۹۔ **ادفوی**، کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر (۶۸۵۔۷۴۸ھ/ ۱۲۸۶۔۱۳۴۷ء)۔ **الطالع السعيد الجامع لأسماء نجباء الصعيد۔**

۲۰۔ **ادواردفنديک**۔ **اكتفاء القنوع بما هو مطبوع۔**

۲۱۔ **أزدي**، معمر بن راشد (م ۱۵۱ھ)۔ **الجامع**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۲۲۔ **ازرقی**، ابو الولید محمد بن عبد اللہ بن أحمد بن محمد بن الولید بن عقبہ الأزرقی (م ۲۲۳ھ)۔ **أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ الثقافہ، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

۲۳۔ **ابن ابی اسامہ**، ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بن مرزبان بغوی (۲۱۳۔۳۱۷ھ)۔ **المسند**۔ الریاض، سعودی عرب: دارالضیاء، ۱۴۰۹ھ

۲۴۔ **ابن اسحاق**، محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المدنی (۸۵۔۱۵۱ھ)۔ **السيرة النبوية**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء۔

۲۵۔ **ابن اسحاق**، اسماعیل القاضی المالکی (۱۹۹۔۲۸۲ھ)۔ **فضل الصلاة على النبی ﷺ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۷ھ۔

۲۶۔ **اسکندرانی**، سید عبد القادر۔ **الحقائق فی قراءة مولد النبی ﷺ۔**

۲۷۔ **اسماعیل بغدادی**، ابن محمد امین بن سلیم البابانی (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)۔ **إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۸۔ **اسماعیل بغدادی**، ابن محمد امین بن سلیم البابانی (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)۔ **هدية العارفين۔**

۲۹۔ **اسماعیل حقی**، بروسوی یا اسکوداری (۱۰۶۳۔۱۱۳۷ھ/۱۶۵۲۔۱۷۲۴ء)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۰۔ **ابوبکر اسماعیلی**، احمد بن ابراہیم بن اسماعیل (۲۷۷۔۳۷۱ھ)۔ **العجم فی أسامي شیوخ ابی بکر الإسماعیلی**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبہ العلوم والحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۳۱۔ **اشرف علی تھانوی**، مولانا (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **اِمداد المشتاق اِلٰی اشرف الاخلاق**۔ لاہور، پاکستان: اِسلامی کتب خانہ۔

۳۲۔ **اشرف علی تھانوی**، مولانا (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **خطباتِ میلاد النبی** ﷺ۔ ملتان، پاکستان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۳۳۔ **اشرف علی تھانوی**، مولانا (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب** ﷺ۔ کراچی، پاکستان: ایچ۔ ایم سعید کمپنی، ۱۹۸۹ء۔

۳۴۔ **اصیل الدین ہروی**، سید عبد اللہ بن عبد الرحمٰن حسینی شیرازی (م ۸۸۳ھ)۔ **درج الدرر في میلاد سید البشر** ﷺ۔

۳۵۔ **اِقبال**، ڈاکٹر علامہ محمد (۱۲۹۴۔۱۳۵۷ھ/ ۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (اُردو)**۔ لاہور، پاکستان: شیخ غلام نبی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء۔

۳۶۔ **اِقبال**، علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (فارسی)**۔ لاہور، پاکستان: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء۔

۳۷۔ **اقلیشی**، ابو العباس احمد بن معد بن عیسی اندلسی (م ۵۵۰ھ)۔ **الدر المنظم فی مولد النّبي الأعظم** ﷺ۔

۳۸۔ **انور شاہ کشمیری**، محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیری (۱۲۹۲۔۱۳۵۲ھ)۔ **فیض الباری علی صحیح البخاری**۔ قاہرہ، مصر: مطبعہ حجازی،

۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء۔

۳۹۔ **باعلوی**، عمر بن عبد الرحمان بن محمد بن علی بن محمد بن احمد حضرمی (م ۸۸۹ھ)۔ **کتاب مولد النبی** ﷺ۔

۴۰۔ **باعونیہ**، عائشہ بنت یوسف دمشقیہ شافعیہ (م۹۲۲ھ)۔ **مولود النبی** ﷺ۔

۴۱۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۴۲۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **التاریخ الأوسط**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۴۳۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **التاریخ الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۴۴۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **التاریخ الکبیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۴۵۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **خلق أفعال العباد**۔ ریاض، سعودی عرب: دار المعارف، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۴۶۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، الیمامہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۴۷۔ **برزنجی**، جعفر بن حسن بن عبد الکریم حسینی مدنی (م ۱۱۷۷ھ)۔ **عقد الجوهر فی مولد النبی الازهر** ﷺ۔ کانو، نائجیریا: الدار الافریقیہ للطباعہ والنشر۔

۴۸۔ **برزنجی،** جعفر بن حسن بن عبد الکریم حسینی مدنی (م ۱۱۷۷ھ)۔ نظم مولد النبي ﷺ۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الثقافہ۔

۴۹۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/ ۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ البحر الزخار۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۵۰۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/ ۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ البحر الزخار۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۵۱۔ **بغوی،** ابو محمد بن فراء حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ شرح السنۃ۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۵۲۔ **بغوی،** ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ معالم التنزیل۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۳۔ **بکری،** ابو الحسن احمد بن عبد اللہ۔ کتاب الأنوار ومفتاح السرور والأفکار في مولد محمد ﷺ۔

۵۴۔ **بکری،** محمد علی بن محمد بن علان صدیقی علوی (۱۵۸۸۔۱۶۴۷ء)۔ مورد الصفا في مولد المصطفیٰ ﷺ۔

۵۵۔ **بوصیری،** ابو عبد اللہ شرف الدین محمد (۶۰۸۔۶۹۶ھ/ ۱۲۱۲۔۱۲۹۶ یا ۱۲۹۷ء)۔ قصیدہ بردہ شریف۔

۵۶۔ **بھوپالی،** نواب صدیق حسن خان قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)۔ أبجد العلوم الوشي المرقوم في بیان أحوال العلوم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۷۸ء۔

۵۷۔ **بھوپالی،** نواب صدیق حسن خان قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)۔ الشمامۃ العنبریۃ من

مولد خیر البریة ﷺ۔ دہلی، بھارت: المطبعۃ الانصاری۔

۵۸۔ بیجوری، شیخ ابراہیم بن محمد (۱۱۹۸۔۱۲۷۷ھ)۔ تحفة البشر علی مولد ابن حجر۔

۵۹۔ بیجوری، ابراہیم بن محمد (۱۱۹۸۔۱۲۷۶ھ)۔ المواهب اللدنية حاشية على الشمائل المحمدية۔ مصر: مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۶۰۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۶۱۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

۶۲۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ السنن الصغری۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء۔

۶۳۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ السنن الصغریٰ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۶۴۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۶۵۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔

۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ ملتان، پاکستان: نشر السنہ۔

۶۶۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ البیہقی (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۶۷۔ **بیہقی**، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ المدخل اِلی السنن الکبری۔ کویت: دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۴۰۴ھ۔

۶۸۔ **تبریزی**، عفیف الدین محمد بن سید محمد بن عبد اللہ حسینی تبریزی شافعی (م ۸۵۵ھ)۔ مولد النبی ﷺ۔

۶۹۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی الترمذی (۲۰۹۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی۔

۷۰۔ **تمام رازی**، ابو القاسم تمام بن محمد (۳۳۰۔۴۱۴ھ)۔ کتاب الفوائد۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۱۲ھ۔

۷۱۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم۔

۷۲۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم۔ سعودی عرب، ریاض: دار الفضیلہ للنشر والتوزیع، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۷۳۔ **ابن ابی جرادہ**، کمال الدین عمر بن احمد۔ بغیۃ الطلب في تاریخ حلب۔

بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۷۴۔ **جزائری،** شیخ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن محمد بن احمد عطار (م۷۰۷ھ)۔ **المورد العذب المعين في مولد سيد الخلق أجمعين** ﷺ۔

۷۵۔ **جزری،** ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبد اللہ شافعی (م ٦٦٠ھ)۔ **عرف التعريف بالمولد الشريف۔**

۷٦۔ **جزولی،** ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان (م ۸۷۰ھ)۔ **دلائل الخيرات وشوارق الأنوار في ذكر الصلاة على النبي المختار** ﷺ۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ العصریۃ، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء۔

۷۷۔ **جصاص،** احمد بن علی رازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **أحكام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۷۸۔ **ابن جعد،** ابو الحسن علی بن جعد بن عبید جوہری بغدادی (۱۳۴۔۲۳۰ھ)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۹۔ **ابو جعفر،** سیف الدین عمر بن ایوب بن عمر حمیری ترکمانی دمشقی حنفی۔ **الدر النظيم فی مولد النبی الكريم** ﷺ۔

۸۰۔ **جعفری،** سید محمد بن حسین حنفی (۱۱۴۹۔۱۱۸٦ھ)۔ **مولد النبي** ﷺ۔

۸۱۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/۱۱۱٦۔۱۲۰۱ء)۔ **بيان الميلاد النبوي** ﷺ۔

۸۲۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/۱۱۱٦۔۱۲۰۱ء)۔ **زاد المسير في علم التفسير۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۸۳۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **صفوة الصفوة**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۸۴۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۸۵۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **مولد العروس**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + المکتبۃ الثقافہ۔

۸۶۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبد اللہ بن حمادی قرشی حنبلی (۵۱۰۔۵۹۷ھ/۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۸۷۔ **جوہری**، اسماعیل بن حماد (م ۳۹۳ھ)۔ **الصحاح في اللغة والعلوم**۔ بیروت، لبنان: دارالحضارۃ العربیۃ۔

۸۸۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد ادریس (۲۴۰۔۳۲۷ھ/۸۵۴۔۹۳۸ء)۔ **تفسير القرآن العظيم**۔ صیدا: المکتبۃ العصریہ۔

۸۹۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد ادریس (۲۴۰۔۳۲۷ھ/۸۵۴۔۹۳۸ء)۔ **الثقات**۔

۹۰۔ **ابن الحاج مالکی**، ابو عبداللہ محمد بن محمد بن محمد عبدری فاسی (م ۷۳۷ھ/۱۳۳۶ء)۔ **المدخل إلى تنمية الأعمال بتحسين النيات**

والتنبيه على كثير من البدع المحدثة والعوائد المنتحلة۔ بيروت، لبنان: دار الفكر، ۱۴۰۱/ ۱۹۸۱ء۔

۹۱۔ **حاجی خلیفہ،** مصطفیٰ بن عبد اللہ القسطنطینی الرومی الحنفی (۱۰۱۷۔۱۰۶۷ھ/ ۱۶۰۹۔ ۱۶۵۷ء)۔ كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون۔ بيروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ۔

۹۲۔ **حارث،** ابن ابی اسامہ/ الحافظ نور الدین ہیثمی (۱۸۶۔ ۲۸۲ھ)۔ مسند الحارث (زوائد الهيثمي)۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویہ، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۹۳۔ **حاکم،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک على الصحيحين۔ بيروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۹۴۔ **حاکم،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک على الصحيحين۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۹۵۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الثقات۔ بيروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء۔

۹۶۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الصحيح۔ بيروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۹۷۔ **ابن حجر عسقلانی،** ابو الفضل احمد بن علی بن حجر الشافعی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ الإصابة في تمييز الصحابة۔ بيروت، لبنان: دار الجيل،

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۳ء۔

۹۸۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر الشافعی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **الإصابة في تمييز الصحابة**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۹۹۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر الشافعی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تغليق التعليق على صحيح البخاری**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی + عمان، اُردن: دار عمار، ۱۴۰۵ھ۔

۱۰۰۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تهذيب التهذيب**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۰۱۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباري شرح صحيح البخاري**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۰۲۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباري شرح صحيح البخاري**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ۔

۱۰۳۔ **ابن حجر عسقلانی**، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **نزهة النظر بشرح نخبة الفكر فی مصطلح حديث أهل الأثر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ التراث الاسلامی۔

۱۰۴۔ **ابن حزم**، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی الظاہری (۳۸۳۔۴۵۶ھ/ ۹۹۳۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق

الجدیدہ۔

۱۰۵۔ **حسان بن ثابت** رضی اللہ عنہ، ابن منذر خزرجی (م ۵۴ھ/ ۶۷۴ء)۔ **دیوان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔**

۱۰۶۔ **حضرمی**، محمد بن عمر بحرق شافعی (۸۶۹۔۹۳۰ھ)۔ **حدائق الأنوار ومطالع الأسرار في سيرة النبي المختار۔ بیروت، لبنان: دار المنہاج، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔**

۱۰۷۔ **حکیم ترمذی**، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر (۳۶۰ھ)۔ **نوادر الأصول في أحاديث الرّسول** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۱۰۸۔ **حلبی**، ابو بکر بن محمد بن ابی بکر حبیشی (م ۹۳۰ھ)۔ **الكواكب الدرية في مولد خير البرية** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۰۹۔ **حلبی**، ابو الفتوح۔ **الفوائد البهية في مولد خير البرية** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۱۰۔ **حلبی**، نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)۔ **إنسان العيون في سيرة الأمين المامون (السيرة الحلبية)۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العربیہ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء۔

۱۱۱۔ **حلبی**، نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)۔ **إنسان العيون في سيرة الأمين المامون (السيرة الحلبية)۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۱۱۲۔ **حلبی**، نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)۔ **إنسان العيون في سيرة الأمين المامون (السيرة الحلبية)۔** بیروت، لبنان: المکتبۃ الاسلامیہ۔

۱۱۳۔ **حلبی**، نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی

قاہری شافعی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)۔ الکواکب المنیر في مولد البشیر النذیر ﷺ۔

۱۱۴۔ **حمصی**، عبد اللہ شاذلی۔ مولد النبی ﷺ۔

۱۱۵۔ **حموی**، ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ (م ۶۲۶ھ)۔ **معجم البلدان**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۱۶۔ **حمیدی**، ابو بکر عبد اللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۱۱۷۔ **ابن حیان**، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر اصبہانی (۲۷۴۔۳۶۹ھ)۔ **العظمۃ**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۰۸ھ۔

۱۱۸۔ **ابو حیان**، محمد بن یوسف اندلسی غرناطی (۶۵۴۔۷۵۴ھ)۔ **البحر المحیط**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۱۹۔ **خازن**، علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (۶۷۸۔۷۴۱ھ/۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء)۔ **لباب التأویل في معانی التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۲۰۔ **خزاعی**، علی بن محمود بن سعود الخزاعی أبو الحسن (۷۰۹۔۷۸۹ھ)۔ **تخریج الدلالات السمعیۃ علی ما کان في عہد رسول اللہ ﷺ من الحرف**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۵ھ۔

۱۲۱۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلمی النیساپوری، (۲۲۳۔۳۱۱ھ/۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۱۲۲۔ **خسرو**، دہلوی، امیر (۶۵۱۔۷۲۵ھ/۱۲۵۳۔۱۳۲۵ء)۔ **دیوان**۔ (طبع و سن اشاعت ندارد)۔

۱۲۳۔ **خطابی**، ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بستی (م ۳۸۸ھ)۔ **غریب الحدیث**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: جامعہ اُم القریٰ، ۱۴۰۲ھ۔

۱۲۴۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۳۔۴۶۳ھ/۱۰۰۳۔۱۰۷۱ء)۔ **تاریخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۲۵۔ **خطیب تبریزی**، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م ۷۴۱ھ)۔ **مشکوۃ المصابیح**۔ بیروت، لبنان: الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۱۲۶۔ **خفاجی**، ابو عباس احمد بن محمد بن عمر (۹۷۹۔۱۰۶۹ھ/۱۵۷۱۔۱۶۵۹ء)۔ **نسیم الریاض في شرح شفاء القاضي عیاض**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۲۷۔ **خلال**، احمد بن محمد بن ہارون بن یزید، ابوبکر (۲۳۴۔ ۳۱۱ھ)۔ **السنة**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۰ھ۔

۱۲۸۔ **خوارزمی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن یوسف (م ۳۸۷ھ/ ۹۹۷ء)۔ **مفاتیح العلوم**۔

۱۲۹۔ **خیاط**، محمد بن محمد منصوری شافعی۔ **اقتناص الشوارد من موارد الموارد**۔

۱۳۰۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۱۳۱۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۱۳۲۔ **دانی**، ابو عمرو عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید بن عمر الاموی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔

السنن الواردة في الفتن۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۳۳۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۳۴۔ **اِبن دحیہ کلبی**، ابوخطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد (۵۴۴۔۶۳۳ھ)۔ التنویر في مولد البشیر النذیر۔

۱۳۵۔ **دمشقی**، حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین بن ابی بکر بن عبد اللہ قیسی شافعی (۷۷۷۔۸۴۲ھ)۔ جامع الآثار فی مولد النبی المختار ﷺ۔

۱۳۶۔ **دمشقی**، حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین بن ابی بکر بن عبد اللہ قیسی شافعی (۷۷۷۔۸۴۲ھ)۔ اللفظ الرائق في مولد خیر الخلائق ﷺ۔

۱۳۷۔ **دمشقی**، حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین بن ابی بکر بن عبد اللہ قیسی شافعی (۷۷۷۔۸۴۲ھ)۔ مورد الصادی فی مولد الهادی ﷺ۔

۱۳۸۔ **دمیاطی**، محمد بن محمد۔ مولد العزب۔

۱۳۹۔ **دولابی**، ابو بشر محمد بن احمد بن حماد (۲۲۴۔ ۳۱۰ھ)۔ الذریة الطاهرة۔ کویت: الدار السّلفیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۴۰۔ **ابن ابی الدنیا**، عبد اللہ بن محمد بن عبید بن بن سفیان قیس القرشی ابوبکر (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ المنامات۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن۔

۱۴۱۔ **دیار بکری**، حسین بن محمد بن الحسن (م ۹۶۶ھ/ ۱۵۵۹ء)۔ تاریخ الخمیس في أحوال أنفس نفیس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الشعبان للنشر والتوزیع۔

۱۴۲۔ **دیار بکری**، احمد بن عثمان دیاربکری آمدی حنفی (۱۱۰۰۔۱۱۷۴ھ)۔ مولد النبي ﷺ۔

۱۴۳۔ **دیلمی،** ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الھمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۴۴۔ **دیلمی،** ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الھمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۴۵۔ **ذہبی،** ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **سیر أعلام النبلاء۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۱۴۶۔ **ذہبی،** ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **سیر أعلام النبلاء۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۱۴۷۔ **ذہبی،** ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **تذکرۃ الحفاظ۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۴۸۔ **ذہبی،** ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والأعلام۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۴۹۔ **ذہبی،** ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث۔** بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۰۔ **رازی،** فخر الدین محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی التمیمی الرازی الشافعی،

(۵۴۴۔۶۰۴ھ)۔ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ۔

۱۵۱۔ **رازی**، محمد بن ابی بکر بن عبد القادر حنفیؒ (م ۶۶۰ھ)۔ **مختار الصحاح**۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۵۲۔ **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبد اللہ (۱۶۱۔ ۲۳۷ھ/ ۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۵۳۔ **ابن رجب حنبلی**، زین الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن بن شہاب الدین (۷۳۶۔۷۹۵ھ/ ۱۳۳۶۔ ۱۳۹۳ء)۔ **جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۵۴۔ **ابن رجب حنبلی**، زین الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن بن شہاب الدین (۷۳۶۔۷۹۵ھ/ ۱۳۳۶۔۱۳۹۳ء)۔ **لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار ابن کثیر، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۱۵۵۔ **رفاعی**، شیخ محمد ہاشم۔ **مولد النبی** ﷺ۔

۱۵۶۔ **روز بہان**، ابو محمد روز بہان بن ابو نصر بقلی شیرازی (م ۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء)۔ **عرائس البیان فی حقائق القرآن**۔ کانپور، بھارت: مطبع العالی المغربی منشی نولکشور۔

۱۵۷۔ **رویانی**، ابو بکر محمد بن ہارون رازی طبری (م ۳۰۷ھ)۔ **مسند الصحابة المعروف بـ: مسند الرویانی**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۵۸۔ **رویانی**، ابو بکر محمد بن ہارون رازی طبری (م ۳۰۷ھ)۔ **مسند الصحابة**

المعروف بـ: مسند الرویانی۔ بیروت،لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء۔

۱۵۹۔ **زبیدی،** محبّ الدین ابوالفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق مرتضی حسینی حنفی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲۔۱۷۹۱ء)۔ تاج العروس من جواهر القاموس۔ بیروت، لبنان: دار الفکر،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۶۰۔ **زرقانی،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ شرح المواهب اللدنية بالمنح المحمدية۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۱۶۱۔ **زمخشری،** امام جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۲۷۔۵۳۸ھ)۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزيل۔ قاہرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء

۱۶۲۔ **ابو زید قرشی،** محمد بن ابی خطاب۔ جمهرة أشعار العرب۔

۱۶۳۔ **زیلعی،** ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م۷۶۲ھ)۔ نصب الراية لأحاديث الهداية۔ مصر: دار الحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۱۶۴۔ **سبکی،** تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام انصاری (۶۸۳۔۷۵۶ھ/۱۲۸۴۔۱۳۵۵ء)۔ شفاء السقام في زيارة خير الأنام۔ حیدر آباد، بھارت: دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۱۵ھ۔

۱۶۵۔ **سخاوی،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد (۸۳۱۔۹۰۲ھ/ ۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء)۔ القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ﷺ۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: المکتبۃ العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء۔

۱۶۶۔ **سخاوی،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد (۸۳۱۔۹۰۲ھ/ ۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء)۔ کتاب الغاية فی شرح الهداية فی علم

الروایة۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء۔

۱۶۷۔ **سخاوی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد (۸۳۱۔۹۰۲ھ/ ۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء)۔ **التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۶۸۔ **سخاوی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد (۸۳۱۔۹۰۲ھ/ ۱۴۲۸۔۱۴۹۷ء)۔ **الفخر العلوی فی المولد النبوی** ﷺ۔

۱۶۹۔ **سدوسی**، یعقوب بن شیبۃ بن الصلت السدوسی ابو یوسف (۱۸۲۔۲۶۲ھ)۔ **مسند عمر بن الخطاب** رضی اللہ عنہ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب، ۱۴۰۵ھ۔

۱۷۰۔ **سرخسی**، امام شمس الدین (م ۴۸۳ھ)۔ **کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۱۷۱۔ **ابن سعد**، ابوعبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۱۷۲۔ **سعدی**، شیخ مشرف الدین بن مصلح الدین (۵۸۰۔۶۹۰ھ/۱۱۸۴۔۱۲۹۱ء)۔ **کلیات**۔ ایران: نشر طلوع، ۱۳۷۴ بہار۔

۱۷۳۔ **سعدی**، شیخ مشرف الدین بن مصلح الدین (۵۸۰۔۶۹۰ھ/۱۱۸۴۔۱۲۹۱ء)۔ **کلیات**۔ تہران، ایران: چاپخانہ سپہر، ۱۳۶۹۔

۱۷۴۔ **ابن سعید**، احمد بن علی۔ **طل الغمامة فی مولد سید تهامة** ﷺ۔

۱۷۵۔ **سلمی**، ابو عبد الرحمٰن محمد بن الحسین بن موسیٰ ازدی (م ۴۱۲ھ)۔ **حقائق التفسیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۷۶۔ **سلیمان برسوی حنفی**، سلیمان بن عوض باشا بن محمود (م ۷۸۰ھ)۔ وسیلة النجاة.

۱۷۷۔ **سمرقندی**، ابو محمد محمد بن احمد علاء الدین (م۵۳۹ھ)۔ تحفة الفقهاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۷۸۔ **سمنودی**، محمد بن حسن بن محمد بن احمد بن جمال الدین خلوتی۔ الدر الثمین فی مولد سید الاولین و الآخرین ﷺ۔

۱۷۹۔ **سمہودی**، نور الدین ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد حسینی شافعی (۸۴۴۔۹۱۱ھ)۔ المورد الهنية فی مولد خير البرية ﷺ۔

۱۸۰۔ **سمہودی**، نور الدین ابو الحسن علی بن القاضی عفیف الدین عبد اللہ المصری (۸۴۴۔۹۱۱ھ)۔ وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی۔

۱۸۱۔ **سویدان**، عبد اللہ بن علی بن عبد الرحمان دلیجی ملیجی ضریر مصری شاذلی (م۱۲۳۴ھ)۔ مطالع الأنوار في مولد النبی المختار ﷺ۔

۱۸۲۔ **سہارن پوری**، خلیل احمد (۱۲۶۹۔۱۳۴۶ھ)۔ المهند علی المفند۔ لاہور، پاکستان: مکتبۃ العلم۔

۱۸۳۔ **سہیلی**، ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد بن ابو الحسن خثعمی (۵۰۸۔۵۸۱ھ)۔ الروض الأنف في تفسير السيرة النبوية لابن هشام۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء۔

۱۸۴۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ الجامع الصغير فی أحاديث البشير النذير۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۸۵۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الحاوی للفتاوی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۱۸۶۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ھ)۔

۱۸۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الدّر المنثور في التّفسير بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۳ء۔

۱۸۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب (الخصائص الکبریٰ)**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۵ء

۱۸۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفاء**۔

۱۹۰۔ **ابو شامہ**، عبد الرحمان بن اسماعیل (۵۹۹۔۶۶۵ھ/۱۲۰۲۔۱۲۶۷ء)۔ **الباعث علی إنكار البدع والحوادث**۔ قاہرہ، مصر: دار الہدی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۱۹۱۔ **شاہ عبد العزیز**، محدث دہلوی۔ فتاویٰ۔ دہلی، بھارت: مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ۔

۱۹۲۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ/۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء)۔ **فیوض الحرمین**۔ کراچی، پاکستان: قرآن محل۔

۱۹۳۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۴ھ/۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء)۔ **الدر الثمین فی**

مبشرات النبی الأمین ﷺ۔ لائل پور، پاکستان: سنی دار الاشاعۃ علویۃ رضویۃ، ۱۹۷۰ء۔

۱۹۴۔ **شربینی،** شیخ محمد خطیب (م ۹۷۷ھ)۔ مغنی المحتاج إلی معرفة معانی ألفاظ المنهاج۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۹۵۔ **شروانی،** عبدالحمید۔ حواشي۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۹۶۔ **شروانی،** عبدالحمید۔ حاشیة علی تحفة المحتاج بشرح المنهاج۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۹۷۔ **شعرانی،** ابو المواهب عبد الوهاب بن احمد بن علی شافعی (۸۹۸۔۹۷۳ھ)۔ المیزان الکبری۔ قاہرہ، مصر مکتبہ مصطفیٰ البانی، ۱۹۴۰ء۔

۱۹۸۔ **شعرانی،** ابو المواهب عبد الوهاب بن احمد بن علی شافعی (۸۹۸۔۹۷۳ھ)۔ الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأکابر۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۹۹۔ **شلبی،** ابو شاکر عبد اللہ۔ الدر المنظم شرح الکنز المطلسم فی مولد النبی المعظم ﷺ۔

۲۰۰۔ **شمس دین،** ابن الشیخ آق حمد اللہ۔ المولد الجسمانی والمورد الروحانی۔

۲۰۱۔ **شنوانی،** محمد بن علی مصری اَزہری شافعی (م ۱۲۳۳ھ)۔ الجواهر السنیة فی مولد خیر البریة ﷺ۔

۲۰۲۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ فتح القدیر۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۲۰۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۲۵۵ھ)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۲۰۴۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۲۵۵ھ)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۷۳ء۔

۲۰۵۔ **شیبانی**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/ ۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الآحاد والمثاني**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایۃ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۰۶۔ **شیبانی**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/ ۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الآحاد والمثانی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۲۰۷۔ **شیبانی**، حافظ عبد الرحمٰن بن علی۔ **مولد النبی ﷺ**۔

۲۰۸۔ **شیبانی**، ابو عبد اللہ محمد بن حسن (۱۲۳۔۱۸۹ھ)۔ **کتاب الحجة علی أهل المدینة**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۰۳ھ۔

۲۰۹۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/۷۷۶۔ ۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۲۱۰۔ **صالحی**، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف الصالحی الشامی (م۹۴۲ھ/ ۱۵۳۶ء)۔ **سبل الهدیٰ والرشاد في سیرة خیر العباد ﷺ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۲۱۱۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۲۱۲۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ دوحہ، قطر: دار الثقافہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۲۱۳۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۰ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ القاہرہ، مصر: دار الحرمین ۱۴۱۵ھ

۲۱۴۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۰ء)۔ **المعجم الصغیر**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء

۲۱۵۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۲۱۶۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۰ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم و الحکم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۲۱۷۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ۔

۲۱۸۔ **طبرسی**، ابو علی فضل بن حسن۔ **مجمع البیان فی تفسیر القرآن**۔ قم، ایران: مطبعۃ العرفان، ۱۴۰۳ھ۔

۲۱۹۔ **طبری**، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الأمم و الملوک**۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۲۲۰۔ **طبری**، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۲۲۱۔ **طحاوی**، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ

(۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ شرح معانی الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۲۲۲۔ طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ شرح معانی الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۲۲۳۔ طرابلسی، ابراہیم بن سید علی حنفی (م ۱۳۰۸ھ)۔ منظومة في مولد النبی ﷺ۔

۲۲۴۔ طنطاوی، ابن جوہری مصری (۱۲۸۷۔۱۳۵۹ھ/۱۸۷۰۔۱۹۳۹ء)۔ الجواهر في تفسير القرآن الكريم۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۵۰ھ۔

۲۲۵۔ طیالسی، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۲۲۶۔ ابن ظہیرہ، محمد بن جار اللہ بن ظہیرہ قرشی (م ۹۸۶ھ/ ۱۵۸۷ء)۔ الجامع اللطيف في فضل مكة وأهلها وبناء البيت الشريف۔ بیروت، لبنان: المكتبة الشعبية، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۲۲۷۔ ابن عابدین شامی، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ)۔ رد المحتار على در المختار على تنوير الأبصار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۸۶ھ۔

۲۲۸۔ ابو عبید اندلسی، عبد اللہ بن عبد العزیز بن محمد بن ایوب بن عمرو بکری (۴۳۲۔۴۸۷ھ/ ۱۰۴۰۔۱۰۹۴ء)۔ معجم ما استعجم من أسماء البلاد والمواضع۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۰۳ھ۔

۲۲۹۔ عارف زیلی، ابو الثناء احمد بن محمد بن عارف زیلی رومی حنفی (م ۱۰۰۶ء)۔ مولد

النبی ﷺ۔

۲۳۰۔ **ابن ابی عاصم**، ابوبکر عمرو بن ابی عاصم ضحاک شیبانی (۲۰۶۔۲۸۷ھ/ ۸۲۲۔ ۹۰۰ء)۔ السنۃ۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۲۳۱۔ **عباسی**، زین العابدین محمد بن عبد اللہ خلیفتی (م ۱۱۳۰ھ)۔ **الجمع الزاهر المنير في ذكر مولد البشير النذير** ﷺ۔

۲۳۲۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **الاستيعاب في معرفة الأصحاب**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۲۳۳۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **الاستيعاب في معرفة الأصحاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۲۳۴۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر النمری، (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **التمهيد لما في الموطا من المعاني والأسانيد**۔ مغرب (مراکش): وزارت عموم الأوقاف، ۱۳۸۷ھ۔

۲۳۵۔ **عبد الحق محدث دہلوی**، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ أشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۲۳۶۔ **عبد الحق محدث دہلوی**، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **ما ثَبَت مِن السُّنّة في أيّام السَّنَة**۔ لاہور، پاکستان: ادارۂ نعیمیہ رضویہ + حمایت اسلام پریس۔

۲۳۷۔ **عبد الحق محدث دہلوی**، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ مدارج النبوۃ۔ لاہور، پاکستان: نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۹۷ء۔

۲۳۸۔ **عبد الحق محدث دہلوی**، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **مقدمة في أصول الحديث**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیۃ۔

۲۳۹۔ **عبدالحی کتانی**، ابن عبد الکبیر۔ **فهرس الفهارس و الأثبات ومعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۸۲ء۔

۲۴۰۔ **عبد الحی**، محمد فرنگی محلی لکھنوی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ/ ۱۸۴۸۔۱۸۸۶ء)۔ **مجموعہ فتاویٰ**۔ کراچی، پاکستان: سعید کمپنی۔

۲۴۱۔ **عبدالرحیم برعی**، اِمام عبد الرحیم بن اَحمد برعی یمانی (م ۸۰۳ھ/۱۴۰۰ء)۔ **مولد البرعي**۔

۲۴۲۔ **ابوعبد المکی**، جمال الدین محمد بن احمد بن سعید بن مسعود الظاہر (م ۱۱۳۰ھ)۔ **مولد النبی** ﷺ۔

۲۴۳۔ **عبد الرزاق**، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۲۴۴۔ **عبد بن حمید**، ابومحمد عبد بن حمید بن نصر الکسی (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۲۴۵۔ **عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب** (۱۱۶۵۔۱۲۴۲ھ)۔ **مختصر سيرة الرسول** ﷺ۔ لاہور، پاکستان: المطبعۃ العربیہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۲۴۶۔ **عبد اللہ کاشغری**، عبد اللہ بن محمد کاشغری بندائی نقشبندی زاہدی (م ۱۱۷۴ھ)۔ **مولد النبی** ﷺ۔

۲۴۷۔ **ابوعبد المعطی**، محمد نویر بن عمر بن عربی بن علی نووی جاوی (م ۱۳۱۵ھ)۔ **بغية العوام فی شرح مولد سيد الأنام** ﷺ۔

۲۴۸۔ **عبد العزیز بن محمد**۔ بعثۃ المصطفی ﷺ فی مولد المصطفی ﷺ۔

۲۴۹۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۲۵۰۔ **ابن عجیبہ**، ابو العباس احمد بن محمد بن مہدی حسنی (۱۱۶۰۔۱۲۲۴ھ)۔ البحر المدید في تفسیر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۲۵۱۔ **عدوی**، شیخ محمد بن احمد مالکی مصری (م ۱۲۰۱ھ)۔ مولد الدردیر۔

۲۵۲۔ **عراقی**، حافظ ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن حسین بن عبد الرحمٰن مصری عراقی (۷۲۵۔۸۰۸ھ)۔ المورد الهنی فی المولد السنی۔

۲۵۳۔ **عراقی**، ابو زرعہ احمد بن عبد الرحیم بن حسین بن عبد الرحمٰن بن ابراہیم بن ابی بکر الکردی الاصل (۷۶۲۔۸۲۶ھ/۱۳۶۱۔۱۴۲۳ء)۔ طرح التثریب في شرح التقریب۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۵۴۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی الشافعی (۴۹۹۔۵۷۱ھ/۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تاریخ دمشق الکبیر المعروف بہ: تاریخ ابن عساکر۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۵ء۔

۲۵۵۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی الشافعی (۴۹۹۔۵۷۱ھ/۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تاریخ دمشق الکبیر المعروف بہ: تاریخ ابن عساکر۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۲۵۶۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔

۱۷۵۵ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ السیرة النبویة۔ بیروت، لبنان: دارا حیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

۲۵۷۔ **عظیم آبادی**، محمد شمس الحق عظیم آبادی أبو طیب۔ عون المعبود علی سنن ابی داؤد۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۲۵۸۔ **عفیفی**، عبد اللہ۔ المولد النبوی المختار ﷺ۔

۲۵۹۔ **عقاد**، محمد شاکر بن علی بن حسن السالمی (م ۱۲۰۲ھ)۔ تذکرة أهل الخیر فی المولد النبوي ﷺ۔

۲۶۰۔ **ابن علان**، محمد علی الصدیقی المکی۔ مورد الصفا فی مولد المصطفی ﷺ۔

۲۶۱۔ **سید علی**، ابن ابراہیم بن محمد بن اسماعیل بن صلاح الامیر صنعانی (۱۱۷۱۔ ۱۲۳۶ھ)۔ تأنیس أرباب الصفا فی مولد المصطفی ﷺ۔

۲۶۲۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۲۶۳۔ **عیدروسی**، محی الدین عبد القادر بن شیخ بن عبد اللہ (۹۸۷۔۱۰۳۸ھ)۔ المنتخب المصفی في أخبار مولد المصطفی ﷺ۔

۲۶۴۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۲۶۵۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری۔ بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی۔

۲۶۶۔ **غلام دستگیر رشید۔ آثارِ اقبال**۔ حیدر آباد دکن، بھارت: سید عبد الرزاق تاجر کتب (مالک ادارۂ اِشاعتِ اُردو)۔

۲۶۷۔ **فاسی**، محمد مہدی بن احمد بن علی یوسف، (۱۰۳۳۔۱۱۰۹ھ/۱۶۲۴۔۱۶۹۸ء)۔ **مطالع المسرات بجلاد دلائل الخیرات**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۲۶۸۔ **فاکہی**، ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن عباس مکی (م ۲۷۲ھ/ ۸۸۵ء)۔ **أخبار مکة في قدیم الدھر و حدیثه**۔ بیروت، لبنان: دار خضر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۶۹۔ **ابن الفخر**، شیخ شمس الدین ابو القاسم محمد بن فخر الدین عثمان لؤلؤی دمشقی حنبلی (م ۸۶۷ھ)۔ **الدر المنظم فی مولد النبی المعظم** ﷺ۔

۲۷۰۔ **فراہیدی**، ابو عبد الرحمٰن الخلیل بن احمد (۱۰۰۔۱۷۵ھ)۔ **کتاب العین**۔ قم، ایران: مؤسسۃ دار الہجرۃ، ۱۴۰۵ھ۔

۲۷۱۔ **فریدی**، خواجہ محمد یار (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء)۔ **دیوانِ محمدی موسوم بہ انوارِ فریدی**۔ خان پور، پاکستان: دربار محمدیہ گڑھی شریف، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۷۲۔ **فنانی**، زین الدین مخدوم۔ **البنیان المرصوص في شرح المولد المنقوص**۔

۲۷۳۔ **فیروز آبادی**، ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۷۴۔ **فیروز آبادی**، ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **القاموس المحیط**۔ بیروت، لبنان: المؤسسۃ العربیہ۔

۲۷۵۔ **فیروز آبادی،** ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **الصلات والبشر فی الصلاة علی خیر البشر** ﷺ۔ لاہور پاکستان: مکتبہ اشاعت القرآن۔

۲۷۶۔ **فیروز آبادی،** ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **النفحة العنبرية فی مولد خير البرية** ﷺ۔

۲۷۷۔ **ابن قاسم،** احمد مالکی بخاری حریری۔ **مولد النبی** ﷺ۔

۲۷۸۔ **قاضی عیاض،** ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **إكمال المعلم بفوائد مسلم۔** بیروت، لبنان: دار الوفا للطباعہ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۷۹۔ **قاضی عیاض،** ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الشفا بتعريف حقوق المصطفیٰ** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۲۸۰۔ **ابن قانع،** ابو الحسین عبد الباقی البغدادی (۲۶۵۔۳۵۱ھ)۔ **معجم الصحابة۔** مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبة الغرباء الأثریہ، ۱۴۱۸ھ۔

۲۸۱۔ **ابن قانع،** ابو الحسین عبد الباقی البغدادی (۲۶۵۔۳۵۱ھ)۔ **معجم الصحابة۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۸۲۔ **قاوقجی،** سید محمد بن خلیل طرابلسی۔ **مولد النبی** ﷺ۔

۲۸۳۔ **قبانی،** شیخ محمد ہشام۔ **المولد فی الإسلام بين البدعة والإيمان۔**

۲۸۴۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی (۵۴۱۔۶۲۰ھ)۔ **المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني۔** بیروت، لبنان: دار الفکر،

۱۴۰۵ھ۔

۲۸۵۔ **قرطبی،** ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح (م ۶۷۱ھ)۔ **التذكرة في أمور أحوال الموتى و أمور الآخرة۔** قاہرہ، مصر: المکتبۃ القیمہ۔

۲۸۶۔ **قرطبی،** ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح (۶۷۱ھ)۔ **الجامع لأحكام القرآن و المبين لما تضمن من السنة وآي الفرقان۔** بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی۔

۲۸۷۔ **قرطبی،** ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح (۶۷۱ھ)۔ **الجامع لأحكام القرآن والمبين لما تضمن من السنة وآي الفرقان۔** قاہرہ، مصر: دار الشعیب، ۱۳۷۲ھ۔

۲۸۸۔ **قزوینی،** عبدالکریم بن محمد الرافعی القزوینی۔ **التدوين في أخبار قزوين۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء۔

۲۸۹۔ **قسطلانی،** ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک بن احمد بن محمد بن محمد بن حسین بن علی (۸۵۱۔۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)۔ **المواهب اللدنية بالمنح المحمدية۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۹۰۔ **قطب الدین،** حنفی (م ۹۸۸ھ)۔ **كتاب الإعلام بأعلام بيت الله الحرام فی تاريخ مكة المشرفة۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: المکتبۃ العلمیہ۔

۲۹۱۔ **ابن قیم،** ابوعبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **جلاء الأفهام في الصلاة والسلام على خير الأنام** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۹۲۔ **ابن قیم،** ابوعبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **جلاء الأفهام في الصلاة والسلام على خير الأنام** ﷺ۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ

نزار مصطفی الباز۔

۲۹۳۔ **ابن قیم،** ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **زاد المعاد في هدى خير العباد۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۲۹۴۔ **ابن قیم،** ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **زاد المعاد في هدى خير العباد۔** کویت: مکتبۃ المنار الاسلامیہ۔

۲۹۵۔ **کازرونی،** سعید بن مسعود بن محمد۔ **تعریب المتقی فی سیر مولد النبی المصطفی** ﷺ۔

۲۹۶۔ **کازرونی،** محمد بن مسعود بن محمد سعید الدین (م ۷۵۸ھ)۔ **مناسک الحجز المنتقی من سیر مولد المصطفی** ﷺ۔

۲۹۷۔ **کاسانی،** علاء الدین (م ۵۸۷ھ)۔ **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء۔

۲۹۸۔ **کاکوروی،** مفتی محمد عنایت احمد (۱۲۲۸۔۱۲۷۹ھ/۱۸۱۳۔۱۸۶۳ء)۔ **تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین** ﷺ۔ ڈسکہ، پاکستان: مکتبہ مہریہ رضویہ۔

۲۹۹۔ **کتانی،** ابو عبد اللہ محمد بن جعفر بن ادریس بن محمد الزمزمی (۱۲۷۴۔۱۳۴۵ھ/ ۱۸۵۷۔۱۹۲۷ء)۔ **الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة۔** بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۳۰۰۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث۔** بغداد، عراق۔

۳۰۱۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی

(۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ البداية والنهاية۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۰۲۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ البداية والنهاية۔ بیروت، لبنان: مکتبہ المعارف۔

۳۰۳۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ۔

۳۰۴۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **ذكر مولد رسول الله ﷺ ورضاعه**۔ لاہور، پاکستان، مرکز تحقیقات اسلامیہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۳۰۵۔ **کلاعی،** ابی الربیع سلیمان بن موسی الکلاعی الأندلسی (۵۶۵۔۶۳۴ھ)۔ **الإكتفاء بما تضمة من مغازى رسول الله والثلاثة الخلفاء**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۹۹۷ء۔

۳۰۶۔ **کنانی،** احمد بن ابی بکر بن اسماعیل الکنانی (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه**۔ بیروت، لبنان: دار العربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۳۰۷۔ ابن کیکلدی، ابو سعید خلیل بن کیکلدی بن عبد اللہ لاعلائی دمشقی شافعی (۶۹۴۔۷۶۱ھ)۔ **الدرة السنية فى مولد خير البرية ﷺ**۔

۳۰۸۔ **لالکائی،** ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور (م ۴۱۸ھ)۔ **إعتقاد أهل السنة**۔ ریاض، سعودی عرب، دار طیبہ، ۱۴۰۲ھ۔

۳۰۹۔ **لدھیانوی،** مفتی رشید احمد۔ **أحسن الفتاویٰ**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید

کمپنی۔

۳۱۰۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۷۔۲۷۵ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۳۱۱۔ **سید ماضی**، ابو العزائم۔ بشائر الأخيار في مولد المختار۔ قاہرہ، مصر: دار الکتاب الصوفی، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۳۱۲۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ الموطا۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۱۳۔ **ماوردی**، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری (۳۶۴۔۴۵۰ھ)۔ أعلام النّبوة۔ بیروت، لبنان: دار اِحیاء العلوم، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۳۱۴۔ **ابن مبارک**، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۸ء)۔ کتاب الزهد ويليه کتاب الرقائق۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۱۵۔ **مبارک پوری**، ابو العلاء محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ تحفة الأحوذی في شرح جامع الترمذي۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۳۱۶۔ **مجاہد**، ابو الحجاج مجاہد بن جبیر التابعی المکی (۲۱۔۱۰۴ھ)۔ تفسیر مجاهد۔ بیروت، لبنان: المنشورات العلمیہ۔

۳۱۷۔ **مجدد الف ثانی**، شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ)۔ **مکتوبات**۔ دہلی: مطبعہ مرتضوی، ۱۲۹۰ھ۔

۳۱۸۔ **مجددی**، شاہ احمد سعید دہلوی (م ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء)۔ إثبات المولد والقیام۔

۳۱۹۔ **ابو المحاسن،** یوسف بن موسیٰ الحنفی ابو المحاسن۔ **معتصر المختصر**۔ بیروت، لبنان، عالم الکتب

۳۲۰۔ **محبّ طبری،** ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم (۶۱۵۔ ۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔۱۲۹۵ء)۔ **الرياض النضرة في مناقب العشرة**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

۳۲۱۔ **محبّ طبری،** ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم (۶۱۵۔ ۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔ ۱۲۹۵ء)۔ **ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذَوِی القربیٰ**۔ جدہ، سعودی عرب: مکتبۃ الصحابہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۳۲۲۔ **محبی،** محمد امین بن فضل اللہ بن محبّ اللہ بن محمد محبّ الدین بن ابی بکر بن داود الدمشقی (۱۰۶۱۔۱۱۱۱ھ/ ۱۶۵۱۔۱۶۹۹ء)۔ **خلاصة الأثر في تراجم أهل القرن الحادی عشر**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۳۲۳۔ **محمد امین،** محمد امین کتبی الحسنی۔ **نفح الطيب في مدح الحبيب ﷺ**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: دار الطباعۃ المتمیزہ۔

۳۲۴۔ **محمد رضا،** المصری (م ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء)۔ **محمد رسول الله ﷺ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۳۲۵۔ **محمد علوی،** سید محمد بن علوی مکی حسنی (م ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء)۔ **منهج السلف فی فهم النصوص بين النظرية والتطبيق**۔ ۱۴۱۹ھ۔

۳۲۶۔ **محمود محفوظ،** شیخ دمشقی شافعی، **مولد النبی ﷺ**۔

۳۲۷۔ **مدابغی،** حسن بن علی بن احمد بن عبد اللہ منطاوی (م ۱۱۷۰ھ)۔ **رسالة فی المولد النبوی ﷺ**۔

۳۲۸۔ **مرداوی،** ابو الحسن علاء الدین علی بن سلیمان بن احمد بن محمد (م ۸۸۵ھ)۔

المنهل العذب القرير في مولد الهادى البشير النذير ﷺ۔

۳۲۹۔ مرزوقی، سید ابو الفوز احمد بن محمد بن رمضان مکی مالکی (کان حیّا فی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء)۔ بلوغ المرام لبيان ألفاظ مولد سيد الأنام ﷺ في شرح مولد أحمد البخاری۔

۳۳۰۔ مرزوقی، سید ابو الفوز احمد بن محمد بن رمضان مکی مالکی (کان حیّا فی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء)۔ عقيدة العوام۔

۳۳۱۔ مروزی، ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ تعظيم قدر الصلاة۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ۱۴۰۶ھ۔

۳۳۲۔ مروزی، محمد بن نصر بن الحجاج، ابو عبداللہ (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ السنة۔ بيروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۸ھ۔

۳۳۳۔ مزی، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ تهذيب الكمال فی أسماء الرجال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۳۳۴۔ ابن مستقاض، ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن (۲۰۷۔۳۰۱ھ)۔ کتاب القدر۔ سعودی عرب: أضواء السلف، ۱۴۱۸ھ۔

۳۳۵۔ مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد القشیری النیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۳۶۔ مغربی، بدر الدین یوسف۔ فتح القدير فی شرح مولد الدردير ﷺ۔

۳۳۷۔ مغربی، محمد (م ۱۲۴۰ھ)۔ المولد النبوي ﷺ۔

۳۳۸۔ مقدسی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن احمد الحنبلی (۵۶۹۔۶۴۳ھ/

۱۱۷۳-۱۲۴۵ء)۔ الأحاديث المختارة۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مكتبة النهضة الحديثة، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۳۳۹۔ **مقدسی**، ابن طاہر (م ۵۰۷ھ)۔ البدء والتاريخ۔ بورسعيد: مكتبة الثقافة الدينية۔

۳۴۰۔ **مقریزی**، ابو العباس تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن تمیم بن عبد الصمد (۷۶۹-۸۴۵ھ/ ۱۳۶۷-۱۴۴۱ء)۔ إمتاع الأسماع بما للنبي ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع۔ بيروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

۳۴۱۔ **مقری**، عبدالرحمان بن محمد نحراوی مصری مقری (م ۱۲۱۰ھ)۔ حاشية على مولد النبي ﷺ للمدابغي۔

۳۴۲۔ **ملا علی قاری**، علی بن سلطان محمد نور الدین حنفی (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء)۔ شرح الشفاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

۳۴۳۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۳۴۴۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء)۔ شرح شرح نخبة الفكر۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ اِسلامیہ، ۱۳۹۷ھ۔

۳۴۵۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء)۔ المورد الروي في مولد النبي ﷺ ونسبه الطاهر۔ مصر، قاہرہ: مكتبة القرآن + لاہور، پاکستان: مرکز تحقیقات اسلامیہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۳۴۶۔ **ملا عرب**، الواعظ (م ۹۳۸ھ)۔ مولد النبي ﷺ۔

۳۴۷۔ **مناوی**، شیخ عبد اللہ بن محمد شاذلی۔ مولد الجليل حسن الشكل الجميل۔

۳۴۸۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ مولد المناوي۔

۳۴۹۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترهیب من الحدیث الشریف۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۳۵۰۔ **منصور پوری**، قاضی محمد سلیمان (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)۔ **رحمة للعالمین ﷺ**۔ لاہور، پاکستان: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۹۱ء۔

۳۵۱۔ **ابن منظور**، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ/ ۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۳۵۲۔ **مہاجر مکی**، حاجی اِمداد اللہ (۱۲۳۳۔۱۳۱۷ھ/ ۱۸۱۷۔۱۸۹۹ء)۔ **فیصلہ ہفت مسئلہ**۔ کمالیہ، پاکستان: اِدارہ اِسلامیہ۔

۳۵۳۔ **مہاجر مکی**، حاجی اِمداد اللہ (۱۲۳۳۔۱۳۱۷ھ/۱۸۱۷۔۱۸۹۹ء)۔ **شمائم اِمدادیہ**۔ ملتان، پاکستان: مدنی کتب خانہ، ۱۴۰۵ھ۔

۳۵۴۔ **میرغنی**، محمد عثمان بن محمد مکی حنفی (۱۲۰۸۔۱۲۶۸ھ/۱۷۹۴۔۱۸۵۲ء)۔ **الأسرار الربانیة المعروف بہ: مولد النبی ﷺ**۔ سوڈان: مکتبہ مضوان۔

۳۵۵۔ **نابلسی**، اِمام عبدالغنی (م۱۱۴۳ھ)۔ **المولد النبوي ﷺ**۔

۳۵۶۔ **نبہانی**، یوسف بن اسماعیل بن یوسف (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)۔ **الأنوار المحمدیه من المواهب اللدنیة**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۳۵۷۔ **نبہانی**، یوسف بن اسماعیل بن یوسف النبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)۔ جواهر

البحار في فضائل النبي المختار ﷺ۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۵۸۔ **نبہانی**، یوسف بن اسماعیل بن یوسف النبہانی (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)۔ **حجة الله علی العالمین في معجزات سید المرسلین** ﷺ۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۳۵۹۔ **نجاد**، ابو بکر احمد بن سلیمان (۲۵۳۔۳۴۸ھ)۔ **الرد علی من یقول القرآن المخلوق**۔ کویت: مکتبۃ الصحابۃ الاسلامیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۳۶۰۔ **ابن نجیم**، زین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (۹۲۶۔۹۷۰ھ)۔ **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۳۶۱۔ **ابن ندیم**، ابو الفرج محمد بن اسحاق (م ۳۸۵ھ)۔ **الفہرست**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۶۲۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء + حلب، شام: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء

۳۶۳۔ **نسائی**، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۳۶۴۔ **نسائی**، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **عمل الیوم واللیلة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۳۶۵۔ **نسائی**، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔

۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ فضائل الصحابة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۳۶۶۔ **نسفی**، عبداللہ بن محمود بن احمد (م ۷۱۰ھ)۔ مدارک التنزیل وحقائق التأویل۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۳۶۷۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۳۶۸۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ دلائل النبوة۔ بیروت، لبنان: دار النفائس، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۳۶۹۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۳۷۰۔ **نوری**، ابو ہاشم محمد شریف۔ احراز المزیة فی مولد النبی خیر البریة ﷺ۔

۳۷۱۔ **نووی**، شیخ محمد نوری بن عمر بن عربی بن علی شافعی۔ الابریز الدانی فی مولد سیدنا محمد العدنانی ﷺ۔

۳۷۲۔ **نووی**، شیخ محمد نوری بن عمر بن عربی بن علی شافعی۔ بغیة العوام فی شرح مولد سید الأنام ﷺ۔

۳۷۳۔ **نووی**، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن حزام (م ۶۷۶ھ)۔ تھذیب الأسماء واللغات۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۶ء۔

۳۷۴۔ **نیشاپوری**، ابو سعد عبد الملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم خرکوشی (م ۴۰۶ھ)۔ شرف المصطفٰی۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۳۷۵۔ **ابن والدی**، شیخ خالد۔ مولد النبی ﷺ۔

۳۷۶۔ **وحید الزماں** (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)، هدية المهدی من الفقه المحمدی۔ ۱۳۲۵ھ۔

۳۷۷۔ **ابن الوردی**، زین الدین عمر بن مظفر (م ۷۴۹ھ)۔ تتمة المختصر في أخبار البشر(التاريخ)۔ بیروت، لبنان: ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۳۷۸۔ **وفا صیادی**، شیخ محمد۔ مولد النبی ﷺ۔

۳۷۹۔ **ابن ابی الوفاء**، برہان الدین ابو الصفاء (م ۸۸۷ھ)۔ فتح الله حسبی و کفی في مولد المصطفی ﷺ۔

۳۸۰۔ **وہبۃ زحیلی**، ڈاکٹر۔ الفقه الإسلامی و أدلته۔ دمشق، شام: دارالفکر، ۱۹۷۸ء۔

۳۸۱۔ **ویلتوری**، ابو محمد۔ إبتغاء الوصول لحبّ الله بمدح الرسول ﷺ۔

۳۸۲۔ **ہبۃ اللہ**، ابو الفرج محمد بن عبد القادر بن محمد صالح دمشقی شافعی (م ۱۳۱۱ھ)۔ مولد النبی ﷺ۔

۳۸۳۔ **ابن ہشام**، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری المعافری (م ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ السیرة النبویة۔ بیروت، لبنان: دارالجیل، ۱۴۱۱ھ۔

۳۸۴۔ **ابن ہشام**، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری المعافری (م ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ السیرة النبویة۔ دمشق، شام: دار ابن کثیر، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۳۸۵۔ **ہندی**، حسام الدین علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال فی سنن

الأقوال والأفعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۳۸۶۔ **ہواری**، صلاح الدین۔ المولد النبوی الشریف ﷺ۔

۳۸۷۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **إتمام النعمة على العالم بمولد سيد ولد آدم** ﷺ

۳۸۸۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **تحرير الكلام فی القيام عند ذكر مولد سيد الأنام** ﷺ۔

۳۸۹۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **تحفة الأخيار فی مولد المختار** ﷺ۔

۳۹۰۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **الجوهر المنظم في زيارة القبر الشريف النبوی المكرم** ﷺ۔ لاہور، پاکستان: ادارہ مرکزیہ لاشاعۃ القرآن والسنۃ۔

۳۹۱۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **الدرّ المنضود فی الصلاة والسلام على صاحب المقام المحمود** ﷺ۔ جدہ، سعودی عرب: دار المنہاج للنشر و التوزیع، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۳۹۲۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **الفتاویٰ الحديثية**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۹۳۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ **مولد النبي** ﷺ۔ لاہور، پاکستان: مرکز تحقیقات اسلامیہ،

۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۳۹۴۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوائد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۳۹۵۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن اِلیٰ زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۹۶۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن اِلیٰ زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار الثقافۃ العربیۃ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۳۹۷۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۳۹۸۔ **یوسف اوزبک**، علی رضا بن عبد اللہ بن احمد بن علی رضا۔ **مسند علی ابن أبی طالب** رضی اللہ عنہ۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار المامون للتراث، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۳۹۹۔ **یوسف زادہ رومی**، عبد اللہ حلمی بن محمد بن یوسف بن عبد المنان رومی حنفی مقری (۱۰۸۵۔۱۱۶۷ھ)۔ **الکلام السنی المصفی في مولد المصطفی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۴۰۰۔ **یوسف سرکیس**، یوسف بن الیان بن موسی دمشقی (۱۲۷۲۔۱۳۵۱ھ/ ۱۸۵۶۔۱۹۳۲ء)۔ **معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ**۔